

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب ”مثنوی مولوی معنوی“ کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلید مثنوی

مع افادات و ارشادات

حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ

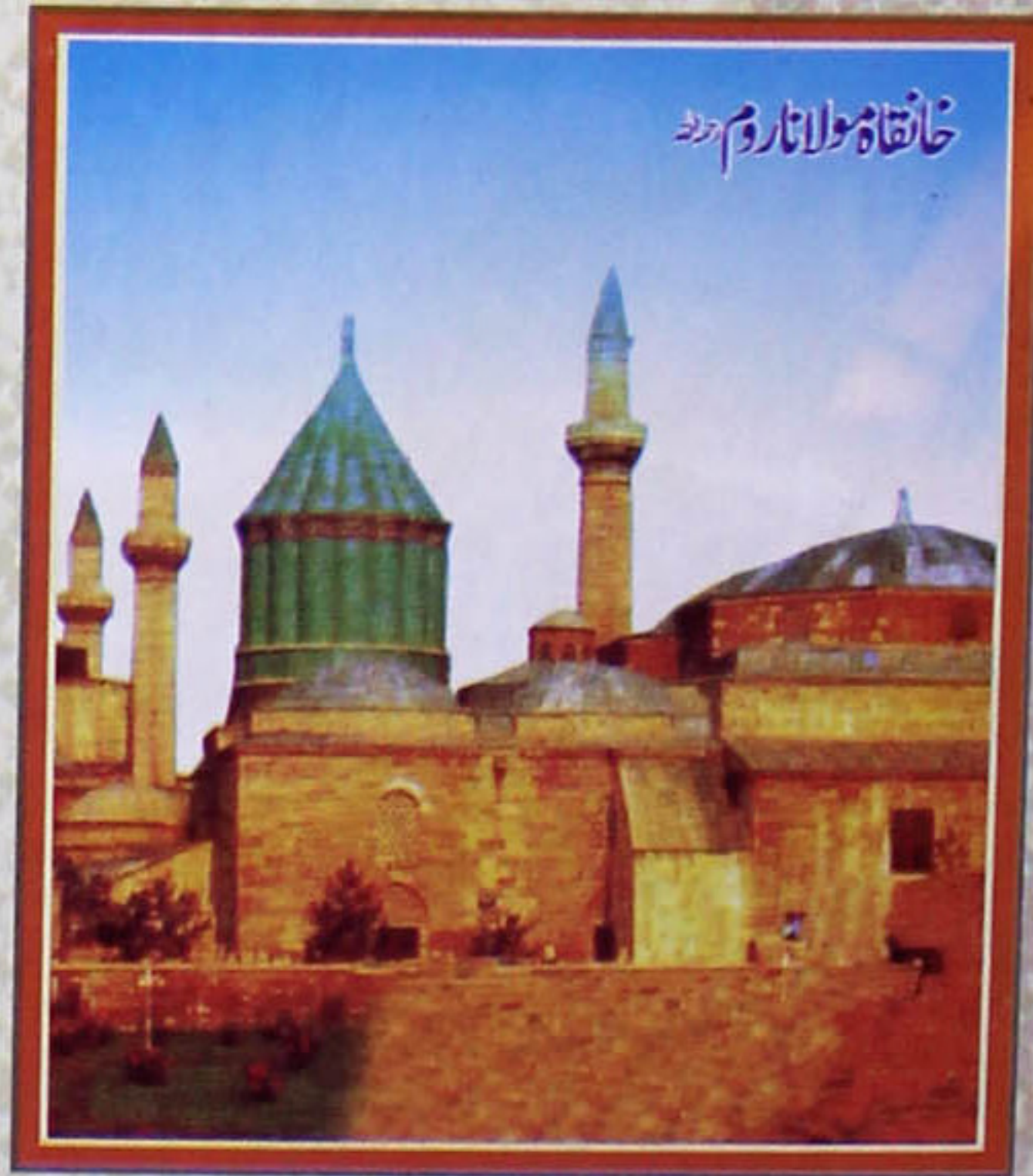
از

عظیم الشان عالم دین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملت ان پاکستان

(061-4540513-4519240)



ہدیۂ محبت

بخدمت جناب.....

نوٹ:- دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنائیے

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ
کی نادر روزگار اور معرکہ آراء کتاب
”مثنوی معنوی“ کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلید مثنوی

جلد دوم - دفتر اول

مع افادات و ارشادات

حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ

از

حکیم الامت و اہلسنت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک نوارہ ملتان پاکستان

(0322-6180738, 061-4519240)

کلید شنوی

تاریخ اشاعت..... ربیع الاول ۱۴۳۳ھ
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قیصر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گزارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ..... چوک فوارہ..... ملتان
ادارہ اسلامیات..... اتارکلی..... لاہور دارالاشاعت..... اردو بازار..... کراچی
مکتبہ سید احمد شہید..... اردو بازار..... لاہور مکتبہ رشیدیہ..... سرکی روڈ..... کوئٹہ
مکتبہ زکریا..... بلاک نمبر 10..... ڈیرہ غازیخان مکتبہ دارالاحسان..... قصہ خوانی بازار..... پشاور
مکتبہ الاحمد..... باخری بازار..... ڈیرہ اسماعیل خان مکتبہ الاعلیٰ..... بانو مارکیٹ..... رحیم یار خان
ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K 119-121- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTER) BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

ملتان
پتہ

کلید مثنوی دفتر اول کا

دوسرا حصہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

داستان پیر چنگی کہ در عہد عمر از بہر خداوند تعالیٰ

در گورستاں در روز بینوائی چنگ میزد

سارنگی بجانے والے بوڑھے کا قصہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فاقہ کے روز اللہ واسطے سارنگی بجاتا تھا
(رابطہ اس کا ماقبل سے ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے اور اس قصہ کے ماخذ کی تحقیق نہیں)

ایں شنیدستی کہ در عہد عمرؓ	بود چنگی مطربے با کرو فر
تو نے یہ سنا ہے کہ (حضرت) عمرؓ کے زمانہ میں	ایک سارنگی بجانے والا گویا شان و شوکت سے تھا
بلبل از آواز او بے خود شدے	یک طرب ز آواز خوبش صد شدے
بلبل اس کی آواز سے مت ہو جاتی	اس کی حسین آواز سے ایک مستی سومتیاں بن جاتیں
مجلس و مجمع دمش آراستے	وز نوائے او قیامت خاستے
اس کی آواز مجلس اور مجمع کو آراستہ کر دیتی	اور اس کی آواز سے قیامت برپا ہو جاتی
ہمچو اسرافیل کا وازش بفسن	مردگاں راجاں در آرد در بدن
وہ (حضرت) اسرافیل جیسا تھا کہ اس کی آواز سننے کے ذریعہ	مردوں کے بدن میں جان ڈال دیتی
یارسائل بود اسرافیل را	کز سماعش پر برستے فیل را
یا وہ (حضرت) اسرافیل کا ہم آواز تھا	کہ اس کے سننے سے ہتھی کے پر لگ جاتے
سازد اسرافیل روزے نالہ را	جاں دہد بوسیدہ صد سالہ را
(حضرت) اسرافیل ایک روز نالہ کا ساز و سامان کریچکے	سو سال کے پرانے (جسم) کو جان عطا کریں گے

(چنگی صفت مقدم مطرب رسائل جمع رسیلہ بتائے مبالغہ بمعنی رسیل آنکہ در تیر انداختن و خزان شریک ماشد مراد ہم زبان و ہم آواز (یعنی تم نے یہ قصہ بھی سنا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک مطرب چنگ بجانے والا بڑے کروفر کا تھا جس کی آواز سے بلبل (جو خوش الحانی میں مشہور ہے) بیخود ہو جاتی اور سامعین کو پہلے سے) ایک طرب (ہوتا تو) اس کی آواز خوب سے (وہ) سو حصہ بڑھ جاتا تھا مجلس اور مجمع کو اس کی آواز بارونق کر دیتی تھی اور اس کی آواز سے (گویا قیامت قائم ہو جاتی تھی جیسے اسرافیل علیہ السلام جن کی آواز اپنی تاثیر سے مردوں کے بدن میں جان ڈال دے گی یا یوں کہو کہ وہ اسرافیل علیہ السلام کا ہم آہنگ تھا کہ اس کے گانے سے (گویا) فیل کے پرجم آتے تھے (یہ سب شاعرانہ مبالغات ہیں) اسرافیل علیہ السلام ایک دن ایسا نالہ کریں گے کہ سینکڑوں سال کے بوسیدہ مردوں کے جان ڈال دیں گے (چونکہ اوپر اسرافیل علیہ السلام سے تشبیہ دی تھی اس لئے مشبہ بہ کا حال بیان کر دیا۔

اولیاء را در دروں ہم نغمہاست	طالبان را از اں حیات بے بہاست
اولیاء کے اندر (بھی) نغمے ہیں	ان سے طالبوں کو انمول زندگی حاصل ہوتی ہے
نشود آں نغمہا را گوش حس	کز سخہا گوش حس باشد بحس
ان نغموں کو حسی کان نہیں سنتے ہیں	اسلئے کہ (دنیا کی) باتوں سے حسی کان ناپاک ہو جاتے ہیں
نشود نغمہ پری را آدمی	کو بود ز اسرار پریاں اجمی
پری کا نغمہ آدمی نہیں سنتا	کیونکہ وہ پریوں کے راز سے نابلد ہے
گرچہ ہم نغمہ پری زیں عالم ست	نغمہ دل برتر از ہر دو دم ست
اگرچہ پری کا نغمہ بھی اسی عالم کا ہے	لیکن دل کا نغمہ دونوں نغموں سے بلند ہے
کہ پری و آدمی زندانی اند	ہر دو در زندان ایں نادانی اند
اس لئے کہ پری اور آدمی قیدی ہیں	دونوں اسی نادانی کے قید خانہ میں ہیں
سورۃ رحمن بخواں اے مبتدی	تاشوی برسر پریاں مہتدی
اے نوآموز! سورۃ الرحمن پڑھ	تاکہ تو پریوں کے مجید سے واقف ہو جائے
معشر الجن سورۃ رحمن بخواں	تسطیعوا تنفدو ارا باز داں
سورۃ الرحمن کی "معشر الجن" پڑھ	تسطیعوا (اور) مفقدوا کو سمجھ

(اس میں انتقال ہے نغمہ ظاہری کے ذکر سے نغمہ باطن کے ذکر کی طرف) یعنی اولیاء اللہ کے نعمات باطن میں ہوتے ہیں جن سے طالبان (حق) کو حیات بے بہا حاصل ہوتی ہے مراد ان نعمات سے تاثیرات صحبت و ارشادات ہیں اور ان کا ذریعہ حیات ابدیہ ہونا ظاہر ہے) ان نعمات کو یہ حسی کان (جن سے اصوات ظاہری کا احساس ہوتا ہے) نہیں سن سکتے کیونکہ (فضول) باتوں سے گوش حسن نجس ہو جاتا ہے) تاثیرات میں تو مسموع بننے کی صلاحیت ہی نہیں اس لئے یہ حکم باعتبار کلمات ارشاد کے ہے اور نہ سننے سے مراد یہ ہے کہ اہل قسادات کے قلوب میں اثر نہیں کرتے سو فضولیات میں مشغول اور ان سے مالوف ہونے کا اس اثر سے

مانع ہونا ظاہر ہے اور اگر یہ گوش حس ان نعمات کا ادراک نہ کریں تو مستبعد نہیں کیونکہ (دیکھو جنات کی باتیں آدمی نہیں سنتا کیونکہ وہ ان کے مخفی حالات سے محض اجنبی ہے باوجودیکہ ان کی باتیں اسی عالم کی جنس سے ہیں اور نغمہ باطن تو دونوں قسم کی باتوں سے اعلیٰ و ارفع ہے) کلام انس سے بھی کلام جن سے بھی اور نغمہ جن کے مجانس ہونے کی دلیل یہ ہے) کہ جن اور انسان دونوں (عالم ناسوت میں مقید ہیں اور دونوں اس جہل و غفلت کے زندان میں (محبوس) ہیں (جو کما آثار ناسوت سے ہیں) سورہ رحمن پڑھ کر دیکھو تا کہ تم کو کچھ مخفی حالات جنات کے معلوم ہوں اور سورہ رحمن میں بھی یہ آیت پڑھو یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض فانفذوا (اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بطور تعجیز کے جن و انس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ اے جن و انس اگر تم کو اس قدر قدرت ہے کہ اطراف سموات و ارض سے باہر نکل جاؤ تو بھلا نکل تو جاؤ غرض یہ ہے کہ ہماری قدرت و عذاب سے بچ کر نکل جانا مجال ہے مقصود مولانا کا اس آیت کے یاد دلانے سے یہ ہے کہ یہ آیات دلالت کرتی ہے جن و انس کے مقید فی الاقطار ہونے پر پس زندانی ہونا ثابت ہو گیا حاصل مقام کا یہ ہے کہ جناب کی معمولی باتیں جب سمجھ میں نہیں آتیں باوجودیکہ ان سے قرب مناسبت بھی ہے تو انبیاء اولیاء کے نعمات باطنی کا ادراک نہ ہونا کیا بعید ہے۔

نغمہائے اندرون اولیاء	اولاً گوید کہ اے اجزاء لا
اولیاء کے باطن نغمے	پہلے کہتے ہیں اے معدوم کے جزا
ہیں زلائے نفی سرہا برزئید	اس خیال و وہم بروں افگنید
خبردارا معدوم کے لا سے کھو	اس خیال اور وہم کو کال بھینکو
اے ہمہ پوشیدہ در کون و فساد	جان باقی تاں نرو سید و نژاد
اے ہالکئہ کون اور فساد میں ڈوبے ہوؤ	تمہاری باقی (رہنے والی) روح نہ اگی نہ پیدا ہوئی
کار ایشان ست زانسوئے پرے	گردودت روشن چو جوئی رہبرے
ان (اولیاء) کا کام اس سے بھی آگے کا ہے	جب تو رہبر حلاش کرے گا تجھ پر کھلے گا
گر بگویم شمشہ زان نغمہا	جانہا سربر زند از دغمہا
اگر میں ان نغموں کا تمہارا سا بیان کر دوں	تو رو میں قبروں سے نکل پڑیں
گوش رانزدیک کن کاں دور نیست	لیک نقل آں بتو دستور نیست
کان کو قریب کر وہ دور نہیں ہیں	لیکن ان کو تجھ سے نقل کرنے کا دستور نہیں ہے

(لا کلمہ نفی مراد بدن ہستی ظاہری کو در حقیقت نیستی ست و اجزائے لامقیدان و تابعان این ہستی تشبیہاً اجزاء گفتہ کہ اجزاء تابع کل باشند او پر اثبات تھا ان نغموں کا اب ان نعمات کا مضمون اجمالاً بیان کرتے ہیں کہ اولیاء کے نعمات باطنی اول تو (اہل غفلت کو خطاب کر کے) یوں کہتے ہیں کہ اے گرفتاران (تعلقات ذمیرہ) ہستی موہوم اس ہستی سے اپنے کو نکالو اور یہ خیالات و اوہام مخفیہ (کہ التفات الی غیر اللہ ہے) دماغ سے باہر کرو ان اولیاء کا کاروبار (یعنی نغمہ و فیض جنات کے بھی اس طرف ہے) جیسا او پر بیان

آچکا ہے، گرچہ ہم نغمہ پری زین عالم بست الخ تم کو وہ اس وقت ظاہر و مفہوم ہو جب راہ طریقت کے گرد دوڑے دوڑے پھرو (یعنی طالب ہو) اور نیز ان نعمات کا یہ مضمون ہے کہ اے سب لوگوں جو اس عالم کون و فساد (کے تعلقات) میں گرفتار ہو تمہاری حیات باقیہ کہ تعلق مع الحق سے حاصل ہوتی ہے) ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی (کیونکہ ان تعلقات فانیہ سے ہنوز نجات نہیں ہوئی) اگر میں ان نعموں کی حقیقت کچھ بھی بیان کر دوں تو قبرستان سے مردے نکل پڑیں (اور جس قدر اوپر بیان کیا ہے وہ محض تعبیر لفظی ہے اور حقیقت اس کی امر حالی و وجدانی ہے کہ حصول سے منکشف ہوتی ہے اور اس کا کہنا یہی ہے کہ کسی پر وہ حالت قوت تصرف سے طاری کر دی جاوے اور ظاہر ہے کہ اس کا طاری ہونا بلاشبہ مردہ دلوں کو زندہ کر دے اہل قبور سے یہی مراد ہیں ذرا گوش (باطن) کو نزدیک کر لو (تو وہ نعمات مفہوم ہونے لگیں کیونکہ وہ کچھ ادراک سے) بہت بعید نہیں لیکن اس کو تم سے کہنے کی اجازت نہیں (کیونکہ وہ حالی ہے بیان سے سمجھ میں نہیں آتا البتہ صفائے قلب سے ادراک ہوتا ہے گوش باطن سے یہی مراد ہے۔

ہیں کہ اسرافیل و قنند اولیاء	مردہ رازیشاں حیات ست و نما
خبردار اولیاء وقت کے اسرافیل ہیں	مردے کی ان سے زندگی اور نشوونما ہے
جانہائے مردہ اندر گورتن	برجہد ز آواز شاں اندر کفن
جسم کی قبر میں مردہ چائیں	ان کی آواز سے کفن میں تڑپنے لگتی ہیں
گوید ایں آواز آواہا جداست	زندہ کردن کار آواز خداست
وہ کہتی ہے یہ آواز آوازوں سے جداگانہ ہے	زندہ کرنا خدا کی آواز کا کام ہے
چوں ز صوت اولیاء آگاہ شوند	از طرب گویند چوں بارہ شوند
جب وہ اولیاء کی آواز سے واقف ہو جاتی ہیں	جب راستہ پر چل پڑتی ہیں تو خوش ہو کر کہتی ہیں
ما بمردیم و بکلی کا ستیم	بانگ حق آمد ہمہ برخاستیم
ہم مر گئے تھے اور بالکل مشغل ہو گئے تھے	خدا کی آواز آئی ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے

(آوا مخفف آواز یعنی اولیاء اللہ اسرافیل وقت ہوتے ہیں کہ مردہ (دل کو ان سے حیات و نشوونمائے (باطنی) ہوتا ہے ارواح مردہ (جو گورتن میں غافل پڑی ہیں) ان کی آواز (یعنی فیض و تعلیم سے ان (غفلت) میں حرکت کرنے لگتی ہیں اور (خوش ہو کر) یوں کہنے لگتی ہیں کہ یہ آواز اور آوازوں سے (تاثیر میں) جدا ہے (اور اصل یہ ہے کہ زندہ کرنا آواز خدا کا اثر ہے) پس ان کی آواز ایک اعتبار سے خدا کی آواز ہے وہ اعتبار یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ فیض و تعلیم ہے اس کی طرف موصل ہے اس کے نزدیک مقبول ہے پس گویا خدا کی آواز ہی جیسے من روجی میں نسبت روح کی حق جل شانہ کی طرف ہے جب روح مردہ اولیاء کے نعمات سے واقف ہوتی ہیں (یعنی ان کی تاثیرات سے منبغ ہوتی ہیں) تو طرب میں آ کر جب راہ (وصول) پڑ جاتی ہیں تو یوں کہنے لگتی ہیں کہ ہم تو (تعلقات ماسوی اللہ سے) بالکل مردہ ہو چکے تھے اور بالکل گھائے میں آگئے تھے بانگ حق (یعنی نعمات اولیاء) آئی جب ہم سے جی اٹھے (یعنی ان کی برکت سے حیات باقیہ میسر ہوئی)

با ننگ حق اندر حجاب و بے حجب	آں دہد کو داد مریم راز جیب
اللہ کی آواز پردے میں اور بے پردہ	وہ چیز عطا کرتی ہے جو اس نے جیب سے مریم کو دی
اے فنا تاں نیست کردہ زیر پوست	باز گردید از عدم ز آواز دوست
اے لوگو! تمہیں فنا نے کمال کے اندر نابود کر دیا ہے	دوست کی آواز پر عدم سے واپس آ جاؤ
مطلق آں آواز از شہ بود	گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود
وہ مطلق آواز شاہ کی ہوتی ہے	اگرچہ اللہ کے بندے کے حلق سے ہو
گفت اورا من زبان و چشم تو	من حواس و من رضا و چشم تو
اس کو خدا نے کہہ دیا ہے میں تیری زبان اور آنکھ ہوں	میں تیرے حواس اور تیری رضا اور ناراضی ہوں
روکہ بی یسمع و بی یبصر توئی	سرتوئی چہ جائے صاحب سرتوئی
جا! بی یسمع ولی سمع تو ہے	تو راز ہے چہ جائیکہ تو صاحب راز ہو

(اوپر نعمت اولیاء کی تاثیر اور اس کا بالتاویل با ننگ حق ہونا بیان کیا ہے اس تاثیر اور اس تاویل کو مکرر فرماتے ہیں کہ) کلام حق خواہ (انبیاء و اولیاء کے حجاب و واسطہ سے ہو خواہ بلا واسطہ ہو) جیسے خود انبیاء و ملائکہ سے مثلاً) وہ چیز دیتا ہے جو حضرت مریم علیہا السلام کو جیب قمیص سے دی تھی (یعنی حیات بخشا ہے اور یوں کہتا ہے کہ) اے لوگو! جن کو فنا (یعنی تعلقات فانیہ) نے پوست میں (یعنی ظاہر پرستی میں) مبتلا کر رکھا ہے تم اس دار فنا سے اپنے محبوب حقیقی کی طرف رجوع کرو یہ کلام علی الاطلاق شہنشاہ حقیقی کی طرف سے ہوتا ہے گو کسی بندہ مقبول کے حلق سے ہو (یعنی اگر وہ اس بندہ کا بھی کلام ہو تب بھی باعتبار تاویل مذکور کلام حق ہی ہے آگے اس کی تائید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے اس بندہ سے فرما دیا ہے کہ میں تیری زبان و چشم ہوں اور میں تیرے حواس و رضا و چشم ہوں جا (چمکن کر) تو تو بی یسمع و بے بہر ہو گیا اور تو (میرا) خاص بن گیا بلکہ خاص تو کیا خود صاحب خاص (یعنی میں) ہی بن گیا (ایک حدیث میں ایسے الفاظ آئے ہیں مراد تشبیہ و استعارہ ہے حاصل اس کا کمال اطاعت و رضا ہے۔

بیان حدیث من کان للہ کان اللہ

حدیث ”جو شخص اللہ کے لئے ہو گیا اللہ اس کے لئے ہو گیا“ کا بیان

چون شدی من کان للہ از ولہ	من ترا باشم کہ کان اللہ لہ
جب تو عشق کی وجہ سے من کان للہ بنا	میں تیرا ہو گیا کیونکہ کان اللہ لہ ہے
کہ توئی گویم ترا گا ہے منم	ہرچہ گویم آفتابے روشم
بھی تجھے تو ہے بس میں ہوں کہتا ہوں	جو کچھ بھی کہتا ہوں میں روشن آفتاب (ہی) ہوں
ہر کجا تا بم ز مشکلات دے	حل شد آنجا مشکلات عالی
جس جگہ تمہاری دیر کے لئے تیرے طاقت سے چمک جاتا ہوں	اس جگہ دنیا کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں

ہر کجا تاریکی آمد نا سزا	از فروغ مابود ستمس لضحیٰ
جس جگہ نامناسب تاریکی آتی ہے	ہماری جگہ سے ستمس لضحیٰ بن جاتی ہے
ظلمتے را کافتابش برنداشت	از دم ماگرد آں ظلمت چو چاشت
جس تاریکی کو سورج نہ اٹھا سکا	ہمارے دم سے وہ تاریکی چاشت بن جاتی ہے

(دلہ محبت و عشق ناسزا صفت تاریکی یہ تہمتہ ہے ماسبق کا اور مقولہ ہے حق کا کہ حق تعالیٰ اس بندہ خاص سے یوں فرماتے ہیں کہ) جب تو محبت الہی سے من کان للہ کا مصداق بن گیا (یعنی تو اللہ کا ہو گیا) تو میں تیرا ہو جاؤں گا کیونکہ کان اللہ ایسے شخص کے واسطے وعدہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ہو جاتے ہیں کبھی تجھ کو توئی کہہ دیتا ہوں کبھی منم کہہ دیتا ہوں اور ان دونوں لفظوں میں سے جو بھی کہہ دوں میں ہی آفتاب روشن مراد ہوتا ہوں) مطلب یہ کہ مجھ کو تجھ سے ایسا قوی تعلق ہو جاتا ہے کہ میرا فیض تیرے ہی واسطے پہنچتا ہے۔ خواہ اس کو میرا فیض کہہ دیا جاوے خواہ تیرا فیض کہہ دیا جاوے دونوں اطلاق صحیح ہیں ایک باعتبار حقیقت کے ایک باعتبار مجاز کے اور اسی اعتبار سے حدیث میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال وارد ہوا ہے مرضت فلم تعدنی و استظمتک فلم تطعمنی اور اسی بناء پر فرمایا ہے و مار میت اذر میت ولكن اللہ رمی) اور (ارشاد حق ہوتا ہے کہ اے عارف) میں جہاں کہیں تیرے طاقتے (وجود) سے ایک دم کے لئے چمک اٹھتا ہوں وہاں ایک عالم بھر کی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں (مشکوٰۃ اور تاجم کا لفظ بمناسبت آفتاب کے لائے ہیں مراد یہ کہ میرا فیض جو بواسطہ عارف پہنچتا ہے اس سے طریقت کی دشواریاں دفع ہو جاتی ہیں جس ظلمت کو آفتاب ظاہری دفع نہیں کر سکتا) مراد اس سے ظلمت جہل و غفلت و الحاد و زندقہ کی ہے وہ ہمارے کلام کی برکت سے چاشت کی طرح نورانی ہو جاتی ہے اور جہاں ناگوار تاریکی ہوتی ہے وہ ہمارے نور سے آفتاب چاشت بن جاتی ہے (یہ شعر سابق کا ہم مضمون ہے اور کلام والہام حق سے ان ظلمات باطنہ کا رفع ہو جانا ظاہر ہے۔

آدمے را او بخولیش اسما نمود	دیگراں راز آدم اسمای کشود
آدم پر اس نے اپنی جانب سے ناموں کا اظہار کیا	دوسروں پر آدم کے ذریعہ نام منکشف ہو گئے
آب خواہ از جو بجو یا از سبو	کیں سبو را ہم مدد باشد ز جو
پانی خواہ نہر سے لے یا مٹکے سے	مٹکے کی مدد بھی تو نہر سے ہے
نور خواہ از مہ طلب خواہی ز خور	نور مہ ہم ز آفتاب ست اے پسر
روشنی چاند سے طلب کر یا سورج سے	اے بیٹا! چاند کی روشنی بھی سورج سے ہے
مقتبس شوز و دچوں یا بی نجوم	گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم
جلد روشنی حاصل کر لے جب تو ستارے پالے	پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میرے صحابہ ستارے ہیں
خواہ ز آدم گیر نورش خواہ ازو	خواہ از خم گیرے خواہ از کدو
اس کا نور آدم سے لے یا اس سے لے	شراب خواہ مٹکے سے لے یا کدو سے

کیس کدو باخم بہ پیوست ست سخت	نے چوتو شاداں کدو اے نیک بخت
یہ کدو مکے سے سخت جڑا ہوا ہے	اے نیک بخت تیری طرح وہ کدو بے نیاز نہیں ہے
گفت طوبیٰ من رانی مصطفیٰ	والذی بہصر لمن و جہی یریٰ
مصطفیٰ (ﷺ) نے فرمایا خوشخبری ہے اس کیلئے جس نے مجھ دیکھا	اور جو اس کو دیکھے جس نے میرا چہرہ دیکھا

(یاے آدمی زائد مراد آدم شادد عاست لفظ باد بعد ازاں مقدر اور پر ثابت کیا تھا کہ فیض اولیاء کا فیض حق ہے اور اولیاء محض واسطہ ہیں یہاں اسی مضمون کی تاکید ہے کہ) حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے خود (یعنی بلا واسطہ) اسماء کی تعلیم فرمائی اور دوسروں کو بواسطہ حضرت آدم کے اسماء منکشف ہوئے (پس وہ بھی فیض حق ہے بواسطہ آدم علیہ السلام کے) خواہ نور حق یعنی علوم و معارف) کو حضرت آدم علیہ السلام سے حاصل کرو خواہ خود حق تعالیٰ سے لو (سب نور حق ہی ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ شراب خواہ خم میں سے لے لو خواہ سبو میں سے) کہ اس میں بھی خم ہی سے آئی ہے دونوں حالتوں میں وہ شراب خم ہی ہے) کیونکہ اس کدو کو (جس کو اوپر سبو کہہ دیا ہے خم سے سخت اتصال (وتعلق) ہے) اسی طرح اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ارتباط خاص ہے نہ کہ تیری طرح (کہ حق تعالیٰ سے دور و مہجور ہے) ہمیشہ وہ کدو شادو آ باد رہے) آگے دوسری مثال ہے کہ) آب معرفت خواہ نہر سے (یعنی حق تعالیٰ سے) ڈھونڈو اور خواہ سبو سے (یعنی اولیاء اللہ سے کیونکہ اس سبو کو بھی اس نہر سے ہی امداد پہنچی ہے) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اولیاء اللہ کی حاجت نہیں ہے عوام بلا واسطہ فیض لے سکتے ہیں بلکہ مقصود اس شبہ کا دفع کرتا ہے کہ فیض اولیاء اللہ غیر فیض حق ہے آگے تیسری مثال ہے کہ نور خواہ چاند سے لے لو خواہ آفتاب سے کیونکہ نور ماہ بھی آفتاب ہی سے آتا ہے پس جب تم کو نجوم میسر ہوں فوراً (نور آفتاب کا) ان سے استفادہ کرو (چنانچہ دو حدیثوں سے اس کی تائید ہوتی ہے حدیث اول) جناب پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے کہ اصحابی کا لنجوم یعنی میرے سب صحابہ مثل ستاروں کے ہیں (تمہ حدیث کا یہ ہے بایہم اقتدیتم اہتدیتم یعنی ان میں سے جس کے پیچھے ہو لو گے راہ حق مل جاوے گی پس حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ صحابہ کا اتباع مثل اتباع نبوی ہے پس مضمون سابق کی تائید ہو گئی حدیث ثانی) فرمایا ہے مصطفیٰ ﷺ نے طوبیٰ من رانی اور امن رانی یعنی بڑی خوش قسمتی ہے اس شخص کی جس نے مجھ کو دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا (مولانا نے حدیث کے جزو ثانی کو بالمعنی روایت کیا ہے ترجمہ یہ ہے اور طوبیٰ اس شخص کے لئے ہے جو دیکھے اس شخص کو جس نے میرے چہرہ کو دیکھا ہو اس سے بھی تائید ظاہر ہے کہ رویت بلا واسطہ و بواسطہ دونوں موجب برکت ہیں۔

چوں چراغے نور شمع را کشید	ہر کہ دید آں را یقیں آں شمع دید
جب چراغ نے شمع کی روشنی حاصل کر لی	جس نے اس کو دیکھا یقیناً اس نے شمع کو دیکھا
ہمچنین تا صد چراغ ار نقل شد	دیدن آخر لقائے اصل بد
اسی طرح اگر وہ سو چراغوں میں منتقل ہوئی	آخری کا دیکھنا اصل کی ملاقات تھی
خواہ از نور پسین بستاں تو آں	بیچ فرقی نیست خواہ از شمع داں
خواہ آخری روشنی سے تو وہ لے	کوئی فرق نہیں خواہ شمع سے سمجھ لے

خواہ نور از او لیں بستاں بجاں	خواہ از نور پسین فرقے مداں
خواہ پہلے والے سے تو دل و جان سے روشنی لے	خواہ آخری روشنی سے کوئی فرق نہ سمجھ
خواہ میں نور از چراغ آخریں	خواہ میں نورش ز شمع غابریں
خواہ روشنی آخری چراغ کی دیکھے	خواہ اس کی روشنی گزرے ہوؤں کی سمجھ

یہ چوتھی مثال ہے مضمون سابق کی جس کے ضمن میں حدیث ثانی کی توضیح بھی ہے (یعنی جب کسی چراغ نے کسی شمع کی روشنی قبول کر لی (یعنی اس سے روشن کر لیا گیا) تو جس شخص نے اس چراغ کو دیکھ لیا یقیناً (ایسا ہی ہے جیسا) شمع کو دیکھ لیا (کیونکہ اس میں اسی کا نور ہے) اسی طرح سو چراغ تک بھی اگر یکے بعد دیگرے یہی سلسلہ چلا جاوے کہ ایک سے دوسرا روشن ہو جاوے دوسرے سے تیسرا اعلیٰ ہذا) جب بھی اخیر والے کا دیکھنا (گویا) اصل (یعنی اول شمع) کا دیکھنا ہے خواہ پچھلے نور سے (وہ روشنی) حاصل کر لو خواہ شمع سے سمجھ لو کچھ بھی فرق نہیں اور چاہے روشنی کو اول والے نور سے لے لو اور چاہے پچھلے والے نور سے اور کچھ فرق مت سمجھو خواہ روشنی کو پچھلے چراغ سے سمجھو خواہ اس کی روشنی شمع سابق سے سمجھو (اسی طرح جو فیض حق بواسطہ ہو وہ فیض حق ہی ہے)

در بیان آن حدیث ان لربکم فی ایام دھر کم نفحات الافنعر ضوا لہا

یہ حدیث میری نظر سے نہیں گزری مگر مضمون اس کا دوسری نصوص سے مؤید ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ تمہاری عمر کے ایام و اوقات میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیات و فیوض بحال بندہ متوجہ ہوتے ہیں ہوشیار ہو جاؤ کہ اس کے لئے تیار رہا کرو یعنی اس کے منتظر و نگران رہو اور اپنے حضور قلب و اصلاح اعمال سے اس کے قابل بنائے رکھو ربط اس کا ماقبل سے یہ ہے کہ اوپر ان فیوض حق کا بیان تھا جو بواسطہ انبیاء اولیاء حاصل ہوتے ہیں جن کو نعمات سے تعبیر کیا تھا اب فیض حق بلا واسطہ کا بیان ہے جن کو نفحات سے تعبیر کیا ہے۔

گفت پیغمبر کہ نفحاتے حق	اندریں ایام می آرد سبق
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ اللہ کی خوشبوئیں	اس زمانہ میں آگے بڑھی ہیں
گوش ہمش دارید ایں اوقات را	در رباسید ایں چنین نفحات را
ان اوقات میں ہوش کے کان لگائے رکھو	اس طرح کی خوشبوئیں حاصل کر لو
نفسہ آمد شمارا دید و رفت	ہر کرامی خواست جان بخشید و رفت
خوشبو آئی، اس نے تمہیں دیکھا اور چل دی	جس نے چاہا اس نے اس کو جان بخش دی اور چلی گئی
نفسہ دیگر رسید آگاہ باش	تا ازیں ہم وانمانی خواجہ تاش
خبردار! دوسری خوشبو آئی	اے پیر بھائی! اس سے بھی محروم نہ رہنا
جان آتش یافت ز اں آتش کشتے	جان مردہ یافت ازوے جنبشے
جہنمی جان نے اس سے آگ کو بجھانے والا پالیا	مردہ جان نے اس سے زندگی پالی

جان ناری یافت ازوے انطفا	مردہ پوشید از بقائے او قبا
جنہی جان نے اس سے بجاؤ حاصل کر لیا	مردے نے اس کے وجود سے قبا بہن لی
تازگی و جنبش طوبیٰ ست اس	ہمچو جنبش ہائے خلقاں نیست اس
یہ طوبیٰ کی تازگی اور جنبش ہے	یہ خلوق کی جنبشوں کی طرح نہیں ہے
گر در افتد در زمین و آسمان	زہرہ شاں آب گرد در زماں
اگر وہ زمین اور آسمان پر آ پڑے	نورا ان کا پتہ پانی ہو جائے
خود زبیم اس دم بے منتہا	باز خواں فابین ان یحملہا
اس بے انتہا ہوا کے خوف سے	پڑھ فابین ان یحملہا
ورنہ خود اشفقن منہا چوں بدے	گر نہ از نیمش دل کہ خون شدے
ورنہ اشفقن منہا کیوں ہوتا؟	اگر اس کے خوف سے پہاڑ کا دل خون نہ بنتا

جان آتش و جان ناری ہم معانی ناری و منکر آتش کشی بضم کاف و یاء زائدہ بمعنی مطلق طوبے یا مالالہ مقصورہ) یعنی حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کے فیوض ان ایام (عمر) میں سبقت اور توجہ فرمایا کرتے ہیں تو گوش (دل) کو باہوش رکھا کرو ان اوقات کے لئے اور ایسے فیوض کو لے لیا کرو اور ان کی آمد کی یہ کیفیت ہے کہ ایک فیض آیا اور تم کو غفلت میں دیکھا چلا گیا اور جو شخص اس کا خواہاں و طالب تھا اس کو جان بخش گیا (یعنی اہل غفلت پر اثر نہ ہوا اہل طلب پر اثر ہو گیا جیسا دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض شب میں خود متوجہ ہوتے ہیں کہ کوئی رزق مانگے والا کوئی بخشش چاہنے والا ہے پس جو شخص مانگتا ہے اس کو ملتا ہے یہ صریح ہی ادھر کی توجہ اور طالب کو ملنے میں) پھر ایک دوسرا فتح آیا تو اسی کی خبر رکھو کہیں اس سے بھی (محروم) نہ رہ جاؤ جو جان آتشی تھی اس نے تو اس فتح کو آتش کش پایا اور جو جان مردہ تھی اس نے (اس فتح کے اثر سے) اپنے اندر حرکت (و حیات) پائی (آتشی میں آتش کبر و عناد مراد ہے اور آتش کش میں آتش استعداد و نور قبول حق مراد ہے اور مردہ سے مراد جس میں صفت انکسار کی ہے کہ صفات نفسانیہ اس کی مردہ ہو گئی مطلب یہ کہ ان فیوض کا اثر کفار و فجار میں بوجہ بے استعدادی کے پڑ مردگی و افسردگی و بطلان استعداد ہوا اور مومنین مجاہدین میں حیات و معرفت ہوا کمال قال تعالیٰ و تنزل من القرآن ما هو شفاء و رحمة للمومنین ولا یزید الظالمین الا خساراً) وقال تعالیٰ فاما اللدین آمنوا فزادتهم ایمانا وهم یستبشرون واما اللدین فی قلوبہم مرض فزادتهم رجساً الی رجسہم اگلا شعر بھی اسی مضمون کا ہے کہ (جان ناری کو اس فتح) سے افسردگی نصیب ہوئی اور جو مردہ تھا اس نے بقاء کی قبا پہنی (کیونکہ فنا کے بعد بقا ملتی ہے) یہ تازگی اور جنبش (جو طالب کو میسر ہوئی ہے) مسرت (حقیقیہ) کی ہے عوام خلاق کی سی (معمولی اور نفسانی) جنبش نہیں ہے (اور وہ نجات ایسے قوی افعال ہیں کہ) اگر زمین یا آسمان پر واقع ہو جاویں تو ان کا پتہ فوراً اس فتح بے انتہا کے ہم سے پانی ہو جاوے (یعنی تحمل نہ ہو سکیں مگر چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے تحمل دیا ہے وہ برداشت کرتا ہے کمال قال تعالیٰ لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لراہتہ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ اور بے منتہا اس لئے کہا کہ کلمات و عطیات حق کی کوئی انتہا نہیں ہے قال تعالیٰ قل لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان

تنفذ کلمات ربی و قال تعالیٰ وان تعدوا نعمة الله لا تحصوها اور اس دعوے عدم تحمل کے اثبات کے لئے تم یہ آیت پڑھ لو فابین ان یحملنها ورنه اشفقن منها کیوں واقع ہوتا اگر اس کے بیم سے دل کو خون نہ ہو جاتا کہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف ان عرضنا الامانة على السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها و حملها الانسان یعنی ہم نے امانت کو پیش کیا آسمان اور زمین اور پہاڑوں پر پس سب نے انکار کیا اس کے اٹھانے سے اور ڈر گئے اس سے اور انسان نے اس کو اٹھالیا خلاصہ جامعہ مجموعہ تفاسیر امانت کا ادا ہے حقوق طاعت والتزام عقوبت معصیت ہے کبھی اسی اداے حقوق کی تنبیہ کے لئے اور کبھی اس کے ثمرہ کے طور پر یہ واردات قلب پر نازل ہوتے ہیں جس کو نجات کہہ رہے ہیں۔

دوش دیگر گونہ ایں میداد دست	لقمہ چندے در آمد در بہ بست
کل یہ عجب طرح سے حاصل ہو رہا تھا	چند لقمے آ گئے دروازہ بند ہو گیا
بہر لقمہ گشت لقمانے گرو	وقت لقمان ست اے لقمہ برو
لقمہ کی وجہ سے لقمان گروی ہو گیا	اے لقمے جا! لقمان کا وقت ہے
از ہوائے لقمہ ایں خار خار	از کف لقمان بروں آرید خار
لقمہ کی خواہش میں یہ بے قراری	لقمان کے تلوے سے کاٹا نکال دو
در کف او خار و سالیس نیز نیست	لیک تاں از حرص آں تمیز نیست
اس کے تلوے میں کاٹا اور اس کا اثر بھی نہیں ہے	لیکن تجھے حرص کی وجہ سے تمیز نہیں ہے
خار داں آں را کہ خرما دیدہ	زانکہ بس ناں کور و بس نادیدہ
جس کو تو نے چھوڑا سمجھا ہے اس کو کاٹا سمجھ	کیونکہ تو بہت ناشکرا اور ندیدہ ہے
جان لقمان کہ گلستان خداست	پائے جالش بستہ خارے چراست
لقمان کی جان جو خدا کا باغ ہے	اس کی جان کا پاؤں کانٹے سے کیوں وابستہ ہے؟

(دوش مراد زمانہ غلبہ احکام روحانیہ لقمہ مراد لذائذ نفسانیہ لقمان مراد روح زیرک ایں خار خار مبتدا کہ خبرش مقدم است او پر ذکر تھا آثار نجات الہیہ کا اب وجہ بتلاتے ہیں کہ ان کا ادراک کیوں نہیں ہوتا پس فرماتے ہیں کہ) حالت ماضیہ میں (یعنی جب روح اپنی لطافت پر باقی تھی) اور طور پر (یعنی وہی طور پر) یہ نجات الہیہ حاصل تھی (مگر) چند لقموں نے آ کر وہ دروازہ بند کر دیا (یعنی جب تعلقات جسمانیہ غالب ہوئے تو غلبہ شہوات نفسانیہ ان فیوض کے حجاب بن گئے) ایک لقمہ کے سبب لقمان مجبوس ہو گیا (یعنی روح جیسی پاکیزہ چیز لذات نفسانیہ کی تحصیل میں لگ کر اپنے اصل کام سے معطل ہو گئی افسوس کی بات ہے یہ وقت تو لقمان کا ہے اے لقمہ تو رخصت ہو) (مقصود اس سے ارشاد ہے کہ اپنا وقت عمر تجلیہ روح میں صرف کرنا چاہئے اور لذات کو ترک کر دینا چاہئے کیا ایک لقمہ کے واسطے اس قدر ترددات و خلجاناں (تعجب) اس خار (فکر لذات) کو لقمان کے ہاتھ سے نکالنا چاہئے یعنی روح کو اس شش و پنج سے چھڑانا چاہئے) لقمان کے ہاتھ میں خار (تردد دنیا) لڑا ہوا ہے اور اس خار کا سایہ بھی نہیں ہے (سایہ خار اس کو کہتے ہیں کہ خار لگے اور جگہ اور جھلک اس کی باہر سے نظر آوے اور جگہ اس سے موقع خار مشتبہ ہو جاتا ہے پس مطلب یہ ہوا کہ یہاں اس قسم کا اشتباہ بھی نہیں بلکہ خار کا لگنا اور اس کے لگنے کا موقع سب

متیقن اور متعین ہے) لیکن تم لوگوں کو (غلبہ) حرص (دنیا) سے اتنی تمیز بھی نہیں (کہ اس کا لگنا معلوم ہو اور نکالنے کی فکر کرو اور واقعی ان تشویشات یعنی سے روح میں جو ظلمت و کدورت پیدا ہوتی ہے اگر ذرا بھی التفات کرے تو بلاشبہ اس کا احساس ہوتا ہے) جس چیز کو تو نے خرما (یعنی لذیذ) سمجھ رکھا ہے اس کو خار سمجھو (کہ موجب مجرد حیات روح ہے رہا یہ کہ اس کو خرما کیسے سمجھ لیا ہے وجہ یہ ہے کہ تو نہایت درجہ نمان کور (ناشکر) اور حد درجہ نادیدہ ہے) کہ بجز لذات دنیا کے کوئی چیز تجھ کو مقصود نہیں بھلا القمان کی جان کہ خدا تعالیٰ کا باغ ہے (جس میں کمالات و علوم کا ذخیرہ رکھا گیا ہے) وہ ایک خار کے لئے کیوں خستہ کی جاتی ہے بلکہ اس کو تو مورد تجلیات الہیہ بنانا چاہئے۔

اشتر آمد ایں وجود خار خوار	مصطفیٰ زادے بریں اشتر سوار
یہ کانے خور وجود اونٹ ہے	مصطفیٰ زادہ اس اونٹ پر سوار ہے
اشتر اتنگ گلے بر پشت تست	کز سیمش در تو صد گلزار رست
اے اونٹ ا پھولوں کی گھڑی تیری پیٹھ پر ہے	جس کی خوشبو سے تجھ میں سو گلزار آگے ہیں
میل تو سوئے مغیلان ست وریگ	تا چہ گل چینی ز خار اے مردہ ریگ
تیرا میلان کیکر اور ریت کی طرف ہے	اے حقیر! تو کانے سے کیا پھول چنے گا

(یہ تیرے ماہل کا) یعنی یہ وجود خار خوار مثال اشترک کے ہے اور ایک مصطفیٰ زادہ اس پر سوار ہے (وجود سے مراد ان عنصری اس کو خار خوار اس لئے کہا لذات نفسانیہ کا طالب ہے اور اشتر سے تشبیہ اس لئے دی کہ تن مرکب روح ہے اور مصطفیٰ زادہ روح کو کہا جس کو پہلے القمان سے تعبیر کیا تھا مصطفیٰ زادہ باعتبار معظم ہونے کے کہہ دیا اس اعتبار سے کہ سب ارواح تربیت یافتہ روح محمدی ﷺ کے ہیں اور حضور ان سب سے مرئی آگے اس تن کو مجازاً خطاب کرتے ہیں کہ) اے اشتر تیری پشت پر ایسے پھولوں کی گھڑی لدی ہے کہ جس کے ہوائے نسیم سے تیرے اندر صدر ہا گلزار پیدا ہو گئے ہیں (یعنی تن مرکب روح کا ہو رہا ہے اور اسی کے تعلق سے یہ تن بھی کمالات سے متصف ہو رہا ہے یہی گلزار ہے مگر باوجود اس کے) اے اشتر تیرا میلان بول اور ریگ کی طرف ہو رہا ہے بھلا یہ تو بتلا کہ اے بے منفعت تو خار سے کیا گل حاصل کر سکتا ہے نفرت دلانا منظور ہے لذات نفسانیہ سے کہ باوجودیکہ تیرے پاس اتنی بڑی دولت ہے جس سے تو طرح طرح کے ثمرات حاصل کر سکتا تھا مگر پھر بھی تیری رغبت ان لذات فانیہ کی طرف ہے جس سے کوئی توقع منفعت کی نہیں۔

اے بگشتہ زیں طلب ہر کو بکو	چند گوئی آں گلستاں کو و کو
اے اس طلب میں کوچہ بکوچہ گھومنے والے!	کب تک کہے گا وہ جن کہاں ہے کہاں ہے؟
پیش ازاں کیس خار پاپیروں کئی	چشم تاریک ست جولان چوں کئی
اس سے پہلے کہ تو پاؤں کے اس کانے کو کالے	آکھیں ادھی ہیں تو کیونکر روز سکتا ہے؟
آدمی کو می نکلجد در جہاں	در سر خارے ہمی گردد نہاں
وہ انسان جو دنیا میں نہیں آتا	ایک کانے کے پیچھے چھپ جاتا ہے

(اوپر فرمایا تھا کہ تیرے اندر گلزار موجود ہے اس پر سوال ہوتا ہے کہ وہ گلزار کہاں ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ)

اے مخاطب تو اس طلب (گزار) میں کوچہ کوچہ مارا پھرتا ہے کہاں تک کہتا رہے گا کہ یہ گلستان (علوم و اعمال) کہاں ہے (یعنی تیری ہی اندر موجود ہیں تو باہر کہاں ڈھونڈھتا ہے رہی یہ بات کہ اس کی اطلاع کیوں نہیں تو اس کی وجہ اور مانع اطلاع کی تعیین فرماتے ہیں کہ) قبل اس کے کہ یہ خار (حفظ نفسانیہ) اپنے پاؤں سے باہر نکالو تمہاری آنکھ (ادراک حقائق سے) تاریک و کور ہے پھر کیونکہ جولانی کر سکتے ہو (یعنی حفظ نفسانیہ مانع ہیں آگے اس پر تجباً فرماتے ہیں کہ) آدمی (یعنی روح انسانی) جو کہ تمام عالم میں بھی نہ سما سکتی ہو (کیونکہ مجرد کو کوئی مکان واحد و شکل محیط نہیں ہو سکتی ایسی روح) ایک ادنیٰ سے خار میں اس طرح مخفی ہو جاوے (یعنی حفظ نفسانیہ کے غلبہ سے اس کے کمالات مضحک اور بعد از ادراک ہو جاویں۔

مصطفیٰ آمد کہ سازد ہمدی	کلمینی یا حمیرا کلمی
مصطفیٰ آئے کہ ہم کلامی کریں	اے حمیرا! مجھ سے بات کر بات کر
اے حمیرا آتش اندر نہ تو نعل	تاز نعل تو شود ایں کوہ نعل
اے حمیرا! نعل آگ میں ڈال	تاکہ تیرے نعل کی وجہ سے یہ پہاڑ نعل بن جائے
ایں حمیرا لفظ تانیث ست و جاں	نام تانیث نہند ایں تازیاں
یہ حمیرا مونث لفظ ہے اور جان	اہل عرب اس کا نام مونث رکھتے ہیں
لیک از تانیث جاں راباک نیست	روح رابا مردوزن اشراک نیست
لیکن جان کو مونث ہونے کی کوئی پروا نہیں ہے	روح کی مرد و عورت سے کوئی شرکت نہیں ہے
از مونث وز مذکر برترست	ایں نہ آں جان ست کز خشک و ترست
وہ مذکر اور مونث سے بالا ہے	یہ وہ جان نہیں ہے جو خشک اور تر سے ہے
ایں نہ آں جانست کافر ایدز ناں	یا گہے باشد چنیں گاہے چناں
یہ وہ جان نہیں ہے جو روٹی سے بڑھتی ہے	یا کبھی ایسی اور کبھی ویسی ہوتی ہے

(مصطفیٰ مراد عارف ہمدی کلامی حمیرا لقب عائشہ صدیقہؓ مراد روح آتش اندر یعنی اندر آتش فعل و آتش نہادن مشتاق کردن او پر کے اشعار میں بیان تھا گرفتار ان حفظ نفسانیہ کا کہ کمالات روح سے بے خبر ہیں ان اشعار میں بیان ہے اس کا کہ عارفین جو حفظ سے آزاد ہو گئے وہ کمالات روحانیہ پر مطلع ہو جاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح مصطفیٰ ﷺ حضرت عائشہؓ کو خطاب فرماتے تھے کہ مجھ سے باتیں کرو اسی طرح) عارف کی حالت یہ ہے کہ روح سے ہم کلامی کرتا ہے اور اس کو خطاب کرتا ہے کہ اے روح مجھ سے ہم کلامی کر (یعنی عارف کو اوصاف روحانیہ سے مناسبت نامہ ہو جاتی ہے جس طرح ہم کلاموں میں ہوتی ہے اور مراد ہم کلامی سے یہی ہے آگے اس ہم کلامی کے اثر کا بیان ہے کہ اے روح مجھ سے ہم کلام ہو کر) میرے اشتیاق کو (ذات حق کی طرف) بڑھا دے تاکہ تیرے اشتیاق بڑھانے سے (یہ دولت حاصل ہو کہ یہ کوہ لعل بن جاوے) (یعنی یہ جسم یا نفس بھی آثار محبت الہیہ سے متکلیف ہو جاوے یہ خطاب اور حکایت محض مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ مناسبت روحانیہ سے آثار روحانیہ مثل شوق و محبت و معرفت الہیہ اس پر غالب ہو جاتے

ہیں اب ان اشعار میں جو روح کو حمیراء سے تعبیر کیا اس کی توجیہ فرماتے ہیں کہ (یہ لفظ حمیراء مونث ہے اور عرب کے لوگ روح کو لفظ مؤنث سے تعبیر کیا کرتے ہیں) کیونکہ اس کی طرف ضمیر مؤنث کی پھرتی ہی کما قال اللہ تعالیٰ کل نفس ذائقۃ الموت یعنی میں نے محض احکام لفظیہ و محاورات عربیہ کے اعتبار سے لفظ مؤنث سے تعبیر کر دیا اس سے تانیث حقیقی لازم نہیں آتی اسی کو آگے فرماتے ہیں (لیکن اس تانیث (لفظی) سے روح کو کچھ اندیشہ نہیں کیونکہ روح کو نہ مرد سے شرکت ہے (کہ مذکر بن جاوے) اور نہ عورت سے شرکت ہے (کہ مؤنث ہو جاوے) بلکہ مؤنث و مذکر دونوں سے اعلیٰ ہے (وجہ اسکی ظاہر ہے کہ روح انسانی اہل کشف کے نزدیک مجردات سے ہے ابدان کے ساتھ اس کو تعلق حلول نہیں کہ ابدان کی تذکیر و تانیث سے وہ بھی اس سے موصوف ہو جاوے جیسا روح حیوانی کا حال ہے کہ وہ ایک بخار لطیف ہے جو منتشر ہے تمام بدن میں اس لئے وہ جمعاً مذکر و مؤنث بھی ہے چنانچہ اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ) یہ وہ روح نہیں ہے کہ جو خشک وتر (یعنی غذا) سے پیدا ہوتی ہے (یعنی یہ روح حیوانی نہیں ہے) اور یہ وہ روح نہیں ہے جو غذا سے بڑھ جاوے یا کبھی ایسی ہو اور کبھی ویسی (یعنی اس میں کما و کیفاً تغیر و تبدل ہوتا رہے یعنی روح حیوانی نہیں ہے۔

خوش کنندہ است و خوش و عین خوشی	بے خوشی نبود خوشی اے مرثی
خوش کرنے والی ہے اور خوش ہے اور مجسم خوشی ہے	اے رشوت خورا خوشی بغیر خوشی کے نہیں ہے
مرثی را ہست از رشوت خوشی	صد خوشی یا بی چو دست اندر کشی
رشوت خور کو رشوت سے خوشی ہوتی ہے	تو اگر رشوت سے دست کش ہو جائے سو خوشیاں پائے
چوں تو شیریں از شکر باشی بود	کاں شکر گاہے ز تو غائب شود
اگر تو شکر کی وجہ سے میٹھا ہے تو ہو سکتا ہے	کہ وہ شکر کبھی تجھ سے غائب ہو جائے
چوں شکر گردی ز تاثیر وفا	پس شکر کے از شکر گردد جدا
جب وفا کی تاثیر سے تو خود شکر بن جائے	تو شکرِ مٹھاں سے کب جدا ہوتی ہے؟
زہر محض است آں کہ باشد بے وفا	ہب لنا یا ربنا نعم الوریٰ
جو بے وفا ہے وہ خالص زہر ہے	اے ہمارے پروردگار ہمیں اچھی مخلوق عطا فرما دے

(اس میں تہمت ہے مضمون سابق یعنی مدح روح کا اور ترغیب ہے تحصیل مناسبت کی اس کے ساتھ جو اصلی مقصود ہے مدح سے اور وہی اصل مضمون ہے جس سے ابتدا اس بیان کی ہوئی ہے چنانچہ اوپر آیا ہے دوش دیگر گونا گونہ لہجہ فرماتے ہیں کہ) یہ روح خوش کرنے والی ہے اور خود خوش ہے بلکہ عین خوشی ہے (چونکہ محبت و معرفت روح کی اصل فطرت میں رکھی گئی ہے تو احکام جسمانیہ سے مغلوب ہو جاوے اور محبت و معرفت اصل ہے۔ تمام مسرتوں اور حلاوتوں کی اس لئے روح کو اس اعتبار سے تو خوش کہا اور چونکہ روح کا اتباع اختیار کرنے سے نفس کو بھی یہ مسرت نصیب ہوتی ہے اس لئے خوش کنندہ کہا اور چونکہ یہ خوشی اس کی اصل فطرت میں ہے اس لئے مثل ذاتی و لازم کے ہو گئی کہ انفکاک معذر ہے جس طرح عین کا انفکاک محال ہے اس لئے مبالغہ عین خوشی کہہ دیا اب اس سے مناسبت پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ) اے مرثی قاعدہ ہے کہ خوش ہونا کسی پر صادق نہیں آتا جب تک کہ اس کو صفت خوشی کی حاصل نہ ہو (مطلب یہ کہ اگر تم مسرور ہونا چاہو تو حسب قاعدہ مذکور صفت خوشی سے مناسبت و تعلق پیدا کرو اور وہ روح ہے جیسا اوپر آیا ہے پس یہ ترغیب ہوئی تحصیل

مناسبت روحانی کی اور مرثی کو خطاب اس لئے کیا کہ وہ ایک حرام اور وہی خوشی میں مست ہو رہا ہے اس لئے اس کو متنبہ فرماتے ہیں کہ تیری خوشی اس خوشی کے روبرو کچھ بھی نہیں چنانچہ آگے اس کی تصریح ہے کہ مرثی کو رشوت سے خوشی ہوتی ہے لیکن اگر اس سے دست کش ہو جاؤ تو صد ہا خوشیاں تم کو حاصل ہوں (یعنی لذات جسمانیہ و نفسانیہ کو ترک کرنے سے لذت روحانی نصیب ہو اب اس مناسبت سے جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا حقیقی و باقی ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) اگر تم شکر کے ذریعہ سے شیریں دہن ہو جاؤ تو ممکن ہے کہ وہ شکر کسی وقت تم سے غائب ہو جاوے (یعنی اجزاء شکر کے منہ سے زائل ہو جاویں اس وقت تم شیریں دہن نہ رہو گے کیونکہ جو علت تھی شیرینی کی وہ نہ رہی) لیکن اگر تم تاثیر وفا سے خود شکر ہی ہو جاؤ (تو پھر ہمیشہ شیریں رہوں گے کیونکہ) شکر خود شکر سے کب جدا ہو سکتی ہے (کہ سلب الشی عن نفسہ) محال ہے مطلب یہ کہ لذات جسمانیہ تو عارض ہیں ان سے متلذذ و مسرور ہونے میں تو یہ جب زائل و جدا ہو جاویں گے تمہارا تلذذ و سرور بھی ختم ہو جائے گا۔ اور لذات روحانیہ باقی ہیں ان سے متلذذ ہونا دائمی ہے اس مضمون کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ جب روح سے مناسبت پیدا کرو گے اور اس کے احکام غالب ہو جاویں گے تو گویا تم خود روح بن جاؤ گے اور عین خوشی ہے پس تم عین خوشی ہو جاؤ گے اور خوشی کا خود خوشی سے انفکاک ناممکن ہے پس تم سے کبھی مسرت زائل نہ ہوگی اور چونکہ یہ مناسبت بدولت و فاء و اطاعت کاملہ حق جل شانہ کے ہوتی ہے اس لئے زتا تاثیر وفا بڑھا دیا آگے بیوفا کی مذمت فرماتے ہیں کہ) جو شخص یا جو عمل بلا وفا ہو وہ زہر محض ہے (جس پر طرح وفا کے سبب عین شکر ہونا بتلایا ہے) اے ہمارے رب ہم کو کوئی اچھی مخلوق دے دیجئے (یعنی روح جو با وفا ہے ہم کو اس سے خصوصیت دیدتجئے) ف جہاں جہاں روح سے مناسبت پیدا کرنے کو کہا ہے وہ خطاب نفس کو ہے کہ تابع روح بن جاوے۔

عاشق از حق چوں غذا یا بدر حقیق	عقل آنجا کم شود کم اے رفیق
عاشق جب اللہ کی جانب سے شراب کی غذا پالیتا ہے	اے دوست عقل اس جگہ بالکل بیکار ہو جاتی ہے
عقل جزوی عشق را منکر بود	گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود
تھوڑی عقل عشق کی منکر ہوتی ہے	اگرچہ (بظاہر) نظر آتا ہے کہ رازداں ہوگی
زیرک و داناست اما نیست نیست	تا فرشتہ لانشد اہر منے ست
وہ عقلمند اور سمجھدار ہے لیکن (صاحب) فنا نہیں ہے	جب تک فرشتہ نیست نہ ہو جائے شیطان ہے
او بقول و فعل یار ما بود	چوں بحکم حال آئی لا شود
وہ قول اور فعل میں ہماری دوست ہے	جب تو عالم حال کے ماتحت آ جائے گا معدوم ہوگی
لا بود او چوں نشد از ہست نیست	زانکہ طوعاً لانشد کر ہا بسے ست
وہ کچھ نہیں ہے جبکہ ہست سے نیست نہ ہو	جبکہ وہ خوشی سے نیست نہ بنی تو مجبوریاں بہت ہیں

(اوپر کے اشعار میں بیان کیا ہے کہ نفس کو روح کے تابع کرنے سے حلاوت دائمی میسر ہو جاتی ہے چونکہ اس حلاوت کی وجہ یہ ہے کہ عشق الہی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور پابندان عقل فلسفی اس عشق کے منکر ہیں اس لئے مولانا اس کا اثبات اور نیز اس کے مد رک بالعقل نہ ہونے کا بیان فرماتے ہیں کہ) عاشق کو جب حق تعالیٰ سے شراب (عشق) غذا میں ملتی تو عقل (فلسفی) وہاں بالکل گم ہو جاتی ہے (یعنی عقل اس کے آثار و احکام کا ادراک نہیں کر سکتی کیونکہ وہ امر ذوقی ہے نہ عقلی اور عشق جزوی (یعنی ناقص) عشق (الہی) کی منکر

ہوتی ہے اگر چہ اپنے کو صاحب تحقیق ظاہر کرے (چنانچہ بڑے بڑے مدعیان علم و تحقیق نے اس کا قطعاً انکار کر دیا ہے اب وجہ انکار کی فرماتے ہیں کہ) وہ منکر زریک داناسب کچھ ہے مگر نیست نہیں ہے (یعنی بوجہ زریکی کے نظر فکری سے سمجھنا چاہا لیکن اپنے کو محبت الہی میں ماسوی سے فناء نہیں کیا تا کہ اس کو وہ ذوق حاصل ہو اور عشق کو جو امر ذوقی ہے سمجھ سکے اور فناء وہ چیز ہے کہ) جب تک فرشتہ بھی فانی (عشق الہی) نہ ہو محض شیطان ہے (یعنی آج جو فرشتہ خصلت ہو رہا ہے وہ بدولت محبت الہی کے ہے اگر اسی میں یہ صفت نہ ہوتی تو ہرگز پاک نہ ہو سکتا) وہ عاقل قول اور فعل تک ہمارا (یعنی عشاق کا) شریک ہے (کہ طاعات لسانیہ اور جوارحیہ میں عشاق سے متفق رہتا ہے اور نہ اس کا انکار کرتا ہے نہ ادراک سے عاجز ہوتا ہے مگر جہاں حال (باطنی) کی نوبت آئی اور وہ لاشے محض (اور نرا جاہل و منکر) ثابت ہوا (اور ہم نے جو اس کو لاشے کہہ دیا ہے اس پر تعجب نہ کرو کیونکہ) وہ جب ہست سے نیست نہ ہوا تو لاشے محض ہے (اور ہر چند کہ ایک معنی کردہ فانی ہے یعنی حق تعالیٰ اس میں جو تصرف تکوینی کرنا چاہیں مثلاً اس کو مریض کرنا یا موت دینا تو ذرا بھی مخالفت نہیں کر سکتا اور یہ بھی ایک قسم کی فنا ہے لیکن یہ فناے اضطراری ہے اور یہ کوئی کمال نہیں کیونکہ) جب وہ طوعاً و اختیاراً فانی نہ ہوا تو یوں تو فانی کر ہا و اضطراراً بہت ہیں (چنانچہ سب کفار بھی ایسے فانی ہیں قال تعالیٰ واللہ یسجد من فی السموات والارض طوعاً و کرہاً و ظلالم بالعدو والاصال مگر باوجود اس کے کندہ جہنم و مطرود ہیں)

جاں کمال ست و ندائے او کمال	مصطفیٰ گویاں ارحنا یا بلال
جان کمال ہے اور اس کی آواز کمال ہے	مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں اے بلال! میں راحت پہنچا
اے بلال! افرانگ بانگ سلسلت	زاں دے کاندم و میدم در دلت
اے بلال! اپنی حسین آواز بلند کر	اس فیض سے جو میں نے تیرے دل میں پھونکا ہے
اے بلال! اس گلبننت راجاں سپار	خیز بلبل وار جاں می کن نثار
اے بلال! اپنے اس بونے میں جان ڈال	انٹھ بلبل کی طرح جان پنھادر کر

(اس میں پھر مدح ہے روح کی جس کا اوپر بیان تھا اس شعر میں خوش کنندہ ست ارح یعنی) روح کامل ہے اور اس کی نداء بھی کامل (چنانچہ اسی واسطے) مصطفیٰ فرمایا کرتے کہ اے بلال! (اذان سنا کر) ہم کو راحت دو (حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے بلال سے فرمایا ارحنا یا بلال اس کے مشہور معنی تو یہ ہیں کہ نماز کا اہتمام کرو تا کہ حق تعالیٰ کا فرض ادا کر کے راحت ہو کہ الحمد للہ حکم کا امتثال ہو گیا اور مولانا نے دوسری توجیہ فرمائی ہے یعنی آپ کا مطلب یہ تھا کہ ہم کو اذان سناؤ تا کہ اس میں اپنے محبوب کا نام اور وہ بھی ایک مقبول عارف کی زبان سے سن کر راحت ہو یہ توجیہ بھی بعید نہیں پس مقصود مولانا کا یہ ہے کہ دیکھو غلبہ آثار روحانیہ ایسی محمود چیز ہے کہ چونکہ حضرت بلال پر یہ آثار غالب تھے اور اس غلبہ سے گویا وہ روح ہی بن گئے تھے اس لئے ان کی نداء ندائے روح تھی رسول اللہ ﷺ جیسے مقبول و محبوب خاص ان کی نداء کے مشتاق ہوتے تھے اور آپ کو اس سے لذت ملتی اور اس سے انضیلت حضرت بلال کی حضور ﷺ پر لازم نہیں آتی کیونکہ یہ دولت ان کو حضور ہی کی بدولت میسر ہوئی تھی چنانچہ فرماتے ہیں کہ (اے بلال! اپنی آواز خوشگوار ذرا بلند کرو اور یہ آواز اس فیض سے پیدا ہو جس کو میں نے تمہارے قلب میں القا کیا ہے (یعنی حضور قلب سے اذان کہوتا کہ اس میں قلبی کیفیت و حلوت کا اثر ہو اس میں تصریح ہے کہ وہ حضور ہی کا فیض تھا رہا یہ کہ جب آپ ہی کا فیض تھا تو ان سے سن کر لذت لینے

کے کیا معنی بات یہ ہے کہ طبعاً سننے میں زیادہ لذت ہوتی ہے خود نطق کرنے سے کیونکہ اس میں یکسوئی زیادہ ہوتی ہے جو شرط ہے زیادہ لذت کی آگے اس نداء سے جو نفع خود حضرت بلالؓ کو پہنچے گا اس کا بیان ہے کہ (اے بلال اپنے درخت گل کو جان تازہ دیدو) اور اذان کے لئے (اٹھو اور جان نثار کر دو) (گلبن سے مراد جسم عنصری کہ حامل ہے گل روح کا یعنی اذان کے برکات بوجہ عمل جو ارح ہونے کے جسم میں مؤثر ہوں گے اور روح میں یہ اثر ہوگا کہ اور عشق الہی بڑھے گا جس کو جان می کن نثار سے تعبیر فرمایا ہے۔

زاں دے کا دم از و مد ہوش شد	ہوش اہل آسماں بے ہوش شد
اس آواز سے جس سے آدم مد ہوش ہو گئے	آسمان والوں کے ہوش بے ہوش ہوئے
مصطفیٰ بے ہوش شد زان خوب صوت	شد نمازش از شب تعریس فوت
مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس حسین آواز سے مد ہوش ہوئے	لیلۃ التعریس میں ان کی نماز فوت ہو گئی
سر از ان خواب مبارک برداشت	تا نماز صبح آمد بچاشت
بابرت نیند سے سر نہ اٹھایا	یہاں تک کہ صبح کی نماز کے بعد چاشت کا وقت آ گیا
در شب تعریس پیش آل عروس	یافت جان پاک ایثاں دستبوس
شب تعریس میں اس دلہن کے سامنے	آپ کی پاک روح نے دست بوسی کی
عشق و جاں ہر دو نہانند و ستیز	گر عروش خواندہ ام عیسیٰ مگیر
معشوق اور جان دونوں پوشیدہ اور مستور ہیں	اگر میں نے اس کو دلہن کہہ دیا ہے عیب گیری نہ کر

(یہ شعر زان دے کا دم از و مد ہوش شد سے مربوط ہے زان دے کا ندر دمیدم از و اور ترکیب میں اس سے بدل ہے باقی اشعار میں اس دم کے اثر کا بیان ہے اس مصرعہ میں ندائے بلال کا فیض محمدی سے ناشی ہونا مذکور تھا اور ظاہر ہے کہ فیض محمدی وحی الہی و کلام حق سے ہے پس ندائے بلال ناشی از کلام و ندائے حق ہوئی اور اسی اعتبار سے نطق اہل اللہ کو نطق حق و مصداق بے یسطق کا کہا جاتا ہے اس مناسبت سے ندائے حق کے اثر کا بیان کرنے لگے پس فرماتے ہیں کہ) یہ نداء اس دم سے ہے جس سے حضرت آدم علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے اور اہل آسمان کے ہوش و حواس اس سے از جا رفته ہو گئے (مراد اس دم سے ندائے حق ہے جو وحی کے وقت حضرات انبیاء علیہم السلام کو مسوع ہوتی ہے حدیث بخاری میں صلصلة الجرس سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام بھی نبی ہیں اور نزول وحی کے وقت ایک گونہ بے خودی ہو جاتی ہے اس لئے آدم علیہ السلام کی مد ہوشی کا اثبات کیا اور نیز حدیث بخاری میں وحی الہی الملائکہ کا سلسلہ علی صفوان سے تشبیہ دینا اور ملائکہ کا اس کی عظمت سے مغلوب الحواس ہو جانا وارد ہے جس کو بے ہوشی اہل آسمان سے تعبیر کیا ہے اور اس صوت و ندا کی ماہیت کی کچھ تحقیقی نہیں ہوئی کہ کیا ہے باقی اتنی بات یقینی ہے کہ اللہ تعالیٰ حوادث سے منزہ ہیں پس اگر یہ صورت عادت ہو تو اس کا نداء حق یا کلام حق کہنا باعتبار کسی خصوصیت خاصہ کے ہے جیسے روح اللہ و ہیبت اللہ عارف شرازی نے عجب نہیں اسی کی طرف اشارہ کیا ہو کس ندانست کہ منزل کہ آن یار کجاست کہ بقدر ہست کہ بانگ اجر سے می آید آگے اس کے دوسرے اثر کا بیان فرماتے ہیں کہ) مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس آواز خواب سے بے خود ہو گئے تھے

اور آپ کی نماز (اس بخودی میں) شب تعریس میں فوت ہوگئی تھی اس خواب مبارک سے آپ سر نہ اٹھا سکے حتیٰ کہ نماز صبح دن چڑھے تک مؤخر ہوگئی (یہ قصہ حدیث مسلم میں ہے کہ آپ سفر میں ایک منزل پر آخر شب میں مقیم ہوئے اور حضرت بلالؓ کو پہرہ پر مقرر کیا کہ صبح صادق کے وقت جگا دینا اور آپ اور سب صحابہ سورہے ہیں حضرت بلالؓ کو بلا قصد نیندا آگئی اور سب کی نماز قضا ہوگئی حضور ﷺ نے صحابہ کو محزون دیکھ کر تسلی فرمائی کہ تم نے جان کر تو نماز قضا نہیں کی اور ارشاد فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے یہاں سے آگے چلو چنانچہ دوسرے میدان میں جا کر سب نے نماز قضا کی اور حضرت بلالؓ سے جو در یافت فرمایا تو عرض کیا کہ شیطان نے آ کر سلا دیا تعریس کہتے ہیں آخر شب میں منزل پر اترنے کو اسی لئے اس کو شب تعریس کہتے ہیں یہ خلاصہ ہے قصہ کا مولانا نے حضور کے اس خواب کی وجہ استغراق فی الوجی کو ٹھہرایا ہے جو کہ آپ کی شان مبارک کے مناسب ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ممکن ہے کہ آپ کے امتداد خواب کی یہ وجہ ہو اور دوسروں کے خواب کا سبب اثر شیطان ہو اور وہ بھی چونکہ خارج از اختیار تھا اس لئے موجب ملامت نہیں غرض یہ کہ) شب تعریس میں اس عروس (یعنی محبوب حقیقی) کے نزدیک آپ کی روح پاک نے دست بوسی (یعنی حضوری) حاصل کی چونکہ اس پر شبہ ہوا کہ تم نے حضرت حق کی نسبت لفظ عروس استعمال کیا اور یہ سخت بے ادبی ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ) عشق (یعنی معشوق حقیقی) اور روح دونوں نہاں اور مستور ہیں اس لئے اگر حق تعالیٰ کو مجازاً (تھپہا) میں نے عروس کہہ دیا تو عیب گیری مت کرو (یہ وجہ تو محبوب حقیقی کو بلفظ عروس تعبیر کرنے کی ہے اور اس سے پہلے روح کو حمیرا کہا تھا جس کی ایک وجہ تو وہاں گزر چکی تھی دوسری وجہاں بیان کر دی کہ مؤنث عادتاً مستور ہوتی ہے اور جان بھی مستور ہے

ف: اسماء الہیہ کے توقیفی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ بطور اسمیہ کے دوسرے الفاظ کا اطلاق جائز نہیں باقی اگر بطور وصفیت کے باعتبار حقیقت یا مجاز کے کوئی لفظ اطلاق کیا جاوے تو منافی توقیفیت کے نہیں خصوصاً غالبہ حال و اذن الہامی میں کسی قدر رسوا اب بھی معاف ہی چنانچہ شعر آئندہ میں مغلوب الحال اور ماذون ہونے کا مولانا نے خود ذکر فرما دیا ہے

ف ان اشعار کے مضمون پر ایک عزیز نے کچھ سوالات کئے تھے اور احقر نے جواب دیا تھا چونکہ خالی از فائدہ نہیں اس لئے اس سوال و جواب کو بعینہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں وہو ہذا (سوال مولانا رومیؒ پیر چنگی کے قصہ کے درمیان فرماتے ہیں مصطفیٰ بخویش شد زان خوب صورت شد نمازش در شب تعریس فوت در شب تعریس پیش آن عروس یافت جان پاک ایشان دست بوس اس کی شرح بعض شراح نے اس طرح کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ حضرت بلالؓ کی روحی آواز اذان سے (کیونکہ بظاہر) اس وقت اذان تھی نہیں بے ہوش اور مستغرق مشاہدہ تجلیات الہی میں ہو گئے کیونکہ ان کی آواز آواز ذات حق نوحی الہی تھی جیسا کہ گذشتہ اشعار سے مفہوم و متصور ہوتا ہے اور بظاہر شعر کے معنی یہی ہیں کہ جہاں تک حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ وجہ آپ کی غفلت کی نہ تھی بلکہ فی الواقع نوم تھی کیونکہ سرور کائنات ﷺ کا قبل از خواب شریف بلالؓ کو واسطے بیدار کرنے کے تنبیہ کرنا اور بعد نماز فوت ہونے کے فرمانا کہ بلالؓ کو شیطان نے خواب میں ڈالا اور یہ وادی وادی شیطان ہے جلدی بڑھو آگے چل کر نماز قضا پڑھیں گے اس گذشتہ وجہ اور ظاہر مطلب شعر کے بالکل منافی ہے کیونکہ اگر آپ کی واقعی حالت استغراق تھی تو پھر آپ کے اس ارشاد عالی کی (کہ ہم کو بیدار کرنا جو خاص نوم پر دال ہے) کیا معنی اور بلالؓ کے اس جواب کا (کہ یا حضرت مجھ پر بھی وہی خواب غالب آگئی تھی جو آپ تھی تو کیا مطلب غرض جملہ الفاظ حدیث کے ارتباط و تعلق سے یہی معلوم ہوا کہ وہ

واقعی آپ پر نوم غالب تھی نیز آپ پر تو اکثر تجلیات الہی کا نزول و مشاہدات حق کا بہو طرہتا تھا کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ کی نماز قضا ہو گئی ہو اس وقت کی کیا خصوصیت تھی علاوہ ازیں حالت نماز سے زیادہ تو کوئی وقت قرب کا نہیں کہ جس کے بارے میں الصلوٰۃ معراج المؤمن ارشاد ہے چاہئے کہ اس میں زیادہ حالت استغراق ہو یہاں تک کہ محو ذات حق ہو کر رکوع و سجود کی بھی اصلا خبر نہ رہے یعنی اگر قیام کی حالت میں استغراقی حالت کو عروج ہو تو قیام ہی میں رہے رکوع کی نوبت ہی نہ آوے اگر حالت رکوع میں یہ حالت طاری ہوئی تو قعود تک نہ پہنچ سکے علی ہذا مگر کبھی حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ موقع نہیں گزار قطع نظر ان سب کے جو کچھ بھی معنی لے جاویں خواہ حالت استغراقی مراد لیں یا کیفیت نومی تو پھر آپ کے اس ارشاد تمام عینای و لاینام قلبی کے کیا معنی اگرچہ بعض شروح میں بعض اعتراضات کے جواب مرقوم ہیں مگر لائق تشفی نہیں بلکہ مزید براں انواع انواع کے شبہات جاگزیں ہوتے ہیں حضور پر نور خوب حدیث شریف کے ظاہری و باطنی مطلب اور مولانا کے اشعار کے مدعا سے مطلع فرمائیں (جواب) اول چند امور بطور مقدمات عرض کرتا ہوں کہ فہم مطلب میں سہولت ہو امر اول جو امر کہ نص میں مسکوت عنہ ہو اس کا دعویٰ کرنا کسی قرینہ سے نص کی مخالفت نہیں البتہ امر مثبت فی النص کی نفی یا منفی فی النص کا اثبات یہ مخالفت نص کی ہے امر دوم جو واقعہ وجوہ مختلفہ کو متحمل ہو اور اس کی وجہ منقول نہ ہو کسی دلیل ظنی سے اس کی تعیین کرنا کچھ مضائقہ نہیں جیسا فلاسفہ مورخین نے ظن سے یہ واقعہ کے اسباب اور علل نکالے ہیں امر سوم اتحاد اثر سے اتحاد سبب ضروری نہیں اسی طرح اتحاد سبب سے اتحاد سبب السبب ضروری نہیں امر چہارم کا ملین کو استغراق دائمی نہیں ہوتا امر پنجم کسی شے کا محمود ہونا اس کے مقصود ہونے کو مقتضی نہیں امر ششم اشعار میں بہت سی لفظی شاعری رعایتیں بھی ہوتی ہیں امر ہفتم کسی حاسہ کے تعطل سے اس کے مدرکات کا ادراک نہیں ہوتا بعد تمہید ان مقدمات کے سننا چاہئے کہ مولانا نے اول اذان بلال کا ندائے حق سے ناشی ہونا بیان کیا ہے اس شعر میں زان دے الخ اس کے بعد دو شعروں میں اس ندائے حق کا اثر بیان فرماتے ہیں کہ آپ اس کے اثر سے بے خود و مستغرق ہو گئے اور استغراق میں نماز قضا ہو گئی تو شب تعریس میں اس محبوب مطلق یعنی ذات حق کے روبرو آپ کی روح بحیثیت استغراق حاضر تھی الخ یہاں مولانا نے استغراق کو سبب فوت صلوٰۃ کا ٹھہرایا اور حدیث میں اس کی وجہ نوم آئی ہے مگر چونکہ ممکن ہے کہ نوم کے بعد یہ استغراق ہو گیا ہو لہذا کچھ تعارض نہیں اب یہ کہ طول نوم کی کیا وجہ تھی سو نوم بلال وغیرہ کا سبب تھی شیطان ہونے سے یہ لازم نہیں کہ آپ کے نوم کی وجہ بھی یہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ استغراق ہو کیونکہ اتحاد اثر سے اتحاد سبب ضروری نہیں (بحکم مقدمہ سوم) اور ہر چند کہ حدیث میں استغراق کا سبب ہونا مذکور نہیں مگر اس کی نفی بھی نہیں تو اگر اس کے سبب کا دعویٰ کیا جاوے تو حدیث کی مخالفت نہیں (بحکم مقدمہ اول) اور چونکہ آپ کی شان پاک کے مناسب یہی وجہ ہے اس لئے دوسری وجوہ محتملہ میں سے اس کو ترجیح دینا مناسب ہے (بحکم مقدمہ دوم) اور مولانا نے صرف استغراق کا اثر نداء ہونا بیان کیا ہے جو کسی درجہ میں محمود ہے اس کا فضل بیان کرنا مقصود نہیں تا کہ یہ شبہ ہو کہ اگر استغراق میں یہ فضیلت ہے تو نماز کیوں فوت ہوئی کیونکہ محمویت مستلزم مقصودیت نہیں (بحکم مقدمہ پنجم) اور چونکہ استغراق دائمی نہیں ہوتا اس لئے دوسرے حالات کے اعتبار سے شبہ نہیں ہو سکتا (بحکم مقدمہ چہارم) اور لفظ عروس صرف رعایت لفظی ہے نہ بیان اشتقاق تا کہ مخالفت لغت کا شبہ ہو (بحکم مقدمہ ششم) اور وقت مبصرات سے ہے اور قوم عین سے کہ مثل نعاس کے ہے حاسہ بصر معطل اور قوت التفات مختل ہو جاتی ہے لہذا اس کا ادراک نہ ہو (بحکم مقدمہ ہفتم) ہے۔

از ملال یار خامش گردے	گر ہم او مہلت بدادے یکدے
یار کے ملال سے چپ ہو جاتا	اگر تھوڑی دیر کے لئے (بھی) وہ مجھے مہلت دیتا
لیک می گوید بگو ہیں عیب نیست	جز تقاضائے قضاے غیب نیست
لیکن وہ کہتا ہے ' کہ خبردار عیب نہیں ہے	(یہ کلمات) غیب کے تقاضے کے بغیر نہیں ہیں
عیب باشد کونہ بیند جز کہ عیب	عیب کے بیند روان پاک غیب
(یہ کلمات) عیب ہو گئے اس کیلئے جو عیب کے علاوہ کونہیں دیکھتا ہے	عالم غیب کی پاک روح عیب کب دیکھتی ہے؟
عیب شد نسبت بمخلوق جہول	نے بہ نسبت با خدا وند قبول
جہول مخلوق کے اعتبار سے عیب ہوگا	مقبول بارگاہ (مخلص) کی نسبت سے عیب نہ ہوگا
کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست	چوں بمانسبت کنی کفر آفت ست
اللہ کے اعتبار سے کفر بھی حکمت ہے	جب تو ہمارا اعتبار کرے کفر مصیبت ہے
ور یکے عیبے بود با صد صفات	بر مثال چوب باشد در نبات
اگر سو خوبیوں کے ساتھ ایک عیب ہو	تو وہ مصری میں گڑی کی طرح ہوگا
در ترازو ہر دو را یکساں کشند	زانکہ آں ہر دو چو جسم و جاں خوشند
ترازو میں دونوں کو یکساں رکھتے ہیں	اس لئے وہ دونوں جسم اور اچھی جان کی طرح ہیں پس

اشعار بالا میں جواب ہے اس شبہ کا کہ ذات حق پر عروس کا اطلاع کیوں کیا اور توجیہ ہے اس کی صحیح کی (اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ گو تاویل سے صحیح ہو گیا مگر ایسا لفظ موہم سوء ادب کیوں استعمال کیا ان اشعار میں اس کا جواب ہے کہ میں (اندیشہ) ناخوشی محبوب حقیقی سے (کہ استعمال الفاظ موہم کا بلا ضرورت شرعاً مکروہ ہے) خود ہی (ایسے لفظ سے) خاموشی اختیار کر لینا اگر محبوب حقیقی خود ایک دم کے لئے مجھ کو مہلت دیتے لیکن وہ تو خود کہتے ہیں کہ ہاں (ایسے الفاظ) کہو کچھ عیب کی بات نہیں (پس پرا کہنا) بدوں تقاضائے حکم غیبی کے نہیں (پس جب میں ماذون بلکہ محکوم ہوں تو معذور و مجبور ہوں رہی یہ بات کہ مکروہ شرعی الہام سے کیسے جائز ہو گیا سو اس کا جواب یہ ہے کہ کراہت ایسے امور کی محض تنزیہی ہے اور فی نفسہ جائز ہے جیسا خود احادیث میں بہت سے الفاظ کی ممانعت آئی ہے اور استعمال بھی وارد ہے جس کی نسبت یوں کہا جاتا ہے کہ جواز فی نفسہ کی بناء پر یہ استعمال ہوا ہے پس جب یہ استعمال فی نفسہ جائز ہے تو یہ الہام معارض شریعت کے نہ ہوا اور نیز کراہت وہاں ہے بہاں ایہام کسی امر قبیح کا ہو اور جب استعمال کے ساتھ ہی اس کی توجیہ اور اس کا معنی مجازی ہونا صراحتاً بیان کر دیا جاوے کہ تو کراہت لغیرہ بھی منتہی ہو جاتی ہے پھر یہ کہ اگر ایسے الہام سے کوئی شخص مغلوب الحال ہو جاوے تو ایسی خفیف کراہت کا ارتکاب خود قواعد شرعیہ کے رو سے بھی عفو ہے جیسا زیادہ غلبہ حال سے زیادہ کراہت قابل مواخذہ نہیں رہتی فافہم آگے امر فرماتے ہیں حسن ظن کا کہ وہ شخص خود عیب دار ہوتا ہے کہ بجز عیب کے کسی شے پر اس کی نظر ہی نہ پڑے اور جس شخص کی روح غیبی (یعنی جس کا تعلق عالم غیب سے قوی ہے) پاک ہوتی ہے وہ عیب کو کب دیکھتا ہے (مطلب یہ کہ اگر

کوئی امر ظاہر اعیب ہو اور معنی عیب نہ ہو تو اہل عیب تو اس ظاہر کو دیکھتے ہیں اور انکار کرنے لگتے ہیں اور اہل اللہ اس معنی کو دیکھتے ہیں اور گمان نیک کرتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر فقہائے محققین کا ارشاد ہے کہ اگر ننانوے وجہ کفر کے ساتھ ایک وجہ ایمان کی ہو تو ایمان کا حکم کرنا چاہئے یعنی اگر کسی قول یا فعل میں بہت سے وجوہ محتمل ہوں جن میں بعض موجب کفر ہوں اور بعض نہ ہوں تو اس وجہ اور محمل پر محمول کرنا چاہئے جو موجب کفر نہ ہو اور یہ مطلب نہیں کہ اگر وجوہ موجبہ الکفر قطعاً بھی پائی جاویں تو ایک وجہ ایمان کو ترجیح دیں گے ورنہ دنیا میں کوئی کافر نہ نکلے گا آگے اسی جواب مذکور کی توضیح فرماتے ہیں کہ (ایسے امر کا عیب ہونا اس مخلوق کے اعتبار سے ہے جو جاہل ہو) کہ اس کے فعل کا کوئی منشاء صحیح نہیں ہوتا اور جن مفسد کی وجہ سے کراہت آئی ہے وہ مفسد موجود ہوتے ہیں اور ایسے شخص کے اعتبار سے عیب نہیں ہے جو صاحب قبولیت (یعنی مقبول) ہو (کہ اس کے افعال کا منشاء صحیح ہوتا ہے جیسا کہ لفظ مذکور کے استعمال میں منشاء اس کا اذن الہامی ہے اور بوجہ مخوف بقرائن توجیہ ہونے کے مفسد کا ایہام تک نہیں آگے اس استبعاد کو ایک اجمالی مگر قوی دلیل سے دفع فرماتے ہیں کہ یہ کسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک امر کسی کی نسبت حسن ہو اور کسی کی نسبت قبیح وجہ دفع یہ ہے کہ دیکھو خالق تعالیٰ کی نسبت سے دیکھو تو (تخلیقاً) کفر میں بھی حکمت ہے اور اگر اس کو ہماری نسبت سے دیکھو تو (فعلاً) وہ ایک سخت آفت ہے (پس کفر ایک چیز ہے مگر مرتبہ تخلیق میں حس و متضمن اسرار و مصالح ہو گیا مثلاً کفار سے اہل ایمان کو ایذا پہنچتی ہے ان کو صبر کا ثواب ملتا ہے شہادت نصیب ہوتی ہے اس کی فضیلت ملتی ہے اور ہزاروں مصالح ہیں جن کا احاطہ نہیں ہو سکتا اور وہی مرتبہ فعل میں قبیح و موجب ہزاروں مفسد ہو گیا اور کم اصلی اس میں یہ ہے کہ حسن وہ ہے جس میں حکمتیں معتد بہ ہوں اور قبیح وہ ہے جس میں مفسد ہوں تو حق تعالیٰ تو جس چیز کو پیدا کرتے ہیں گو وہ شے بری ہو مگر اس میں رعایت حکمت و مصلحت کی ہوتی ہے گو ہم کو تفصیل معلوم نہ ہو مگر اعتقاد صفت حکمت حق تعالیٰ ہم کو اس اجمالی یقین پر کشاں کشاں لاتا ہے اس لئے ان کا پیدا کرنا مطلقاً حسن ہے بخلاف ہمارے کہ ہم بعضے کام ایسے بھی کرتے ہیں جن میں مفسد ہوتے ہیں اور اگر مصلحت بھی سمجھیں مگر چونکہ حکیم مطلق کے نبی کا متعلق ہونا دلیل قطعی ہے ان مصالح کے غیر معتد بہ ہونے پر اس لئے وہ مصلحت کا عدم ہوگی لہذا ہمارے افعال کبھی قبیح بھی ہوتے ہیں خوب سمجھ لو پس ثابت ہو گیا کہ شے واحد کا مختلف اعتبارات سے موصوف بہ حسن و قبح ہونا ممکن ہے آگے علاوہ جواب مذکور کے ایک اور مستقل جواب علی سبیل التسلیم و التذلل دیتے ہیں کہ) اگر مان ہی لیا جائے کہ یہ ایک عیب ہی ہے سو صفات و کمالات کے ساتھ تو اس کی ایسی مثال سمجھ لو جیسے مصری میں تنکے ہوا کرتے ہیں کہ ترازو میں (تولنے کے وقت) دونوں کو یکساں رکھتے ہیں (یعنی دونوں ایک نرخ سے دیے لئے جاتے ہیں) کیونکہ وہ دونوں باہم ایسا تعلق رکھتے ہیں جیسے جسم و جان ہوتے ہیں (یعنی چونکہ ان میں تعلق متبوعیت و تابعیت کا ہے اس لئے چوب بھی مصری کے حساب میں تولتے ہیں اسی طرح جب کمالات غالب ہوں تو عیب کو اس کے تابع قرار دے کر مجموعہ کو کمال ہی کے حکم میں کہا جاوے گا۔ کمال قال تعالیٰ فمن ثقلت موازینہ فاولئک ہم المفلحون

پس بزرگاں ایں نہ گفتند از گزاف	جسم پا کاں عین جاں افتاد صاف
تو بزرگوں نے یہ خواہ مخواہ نہیں کہا	پاک لوگوں کا جسم جان کی طرح مصلیٰ ہے
گفت شان و فعل شان و ذکر شان	جملہ جان مطلق آمد بے نشان
ان کا قول اور ان کا فعل اور ان کا ذکر	سب بے نشان مطلق جان ہیں

جان دشمن در شاں جسمے ست صرف	چوں زیاد از نرداوا سے ست صرف
ان کے دشمن کی جان صرف جسم ہے	جیسے نرد کا زیاد کہ وہ صرف نام ہے
آں بخاک اندر شد و کل خاک شد	ایں نمک اندر شد و کل پاک شد
وہ خاک میں ملا اور پورا خاک ہو گیا	یہ نمک میں گیا اور سب پاک ہو گیا
آں نمک کز وے محمد ^ص ملح ست	زاں حدیث بانمک او اصح ست
وہ نمک جس سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ملح تر ہوئے	اس نمکین بات سے وہ نسخ تر ہوئے
آں نمک باقی ست از میراث او	باتو اند آں وارثان او بجو
آپ کی میراث کا وہ نمک باقی ہے	آپ کے وہ وارث تیرے ساتھ ہیں تلاش کر لے

(زیاد کیے از بازیہاے نرد ما خود از لفظ عربی ست چرا کہ درین بازی در ہرن یک خاں زیادہ کنندہ آن را خال زیادہ گویند غیاث و تعضی گفتہ کہ زیاد اگر نام کوتہ قاتمے نہادہ شود جز اسم نیست کہ معنی ندارد و چرا کہ در قاتمش این وصف نیست یہ تفریح ہے اس شعر پر عیب شد نسبت ارج یعنی جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک شے ایک شخص کے اعتبار سے عیب ہوتی ہے نہ دوسرے کے اعتبار سے پس بزرگوں کا یہ قول لغو نہیں ہے کہ پاک لوگوں کا جسم مثل روح کے صاف ہے (گو یہی جسم دوسروں میں موجب صدمہ عیوب ہے مثل شہوت و غضب مگر چونکہ ان حضرات نے حظوظ نفسانیہ و لذات جسمانیہ کو فنا کر دیا ہے اس لئے ان کا جسم موجب عیب نہ رہا اور ایک جسم ہی کی کیا تخصیص ہے) انکا تو بولنا اور ان کا نفس اور ان کا نقش (یعنی صورت و جسم) سب کا سب روح مطلق ہے جو بے نشان ہے (یعنی سب اقوال و افعال شوائب و کمورات جسمانیہ سے منزہ ہیں مثل روح کے اور روح کو بے نشان اس لئے کہا کہ وہ مجرد ہے آثار محسوسہ سے مدرک نہیں اور جب وہ حضرات اس درجہ کے ہیں تو) جو جان ان سے دشمنی کو (جان نہیں بلکہ) نرا جسم ہے (آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ بلکہ جسم بھی نہیں محض لاشے ہے لفظ زیاد کی طرح جو کہ نرد میں ہوتا ہے وہ شخص بھی گویا نرا نام ہی نام ہے) اور اس کا کوئی مصداق واقع میں موجود نہیں مطلب یہ کہ ان کا دشمن اور منکر چونکہ احکام جسمانیہ کا مغلوب ہے اس لئے اس کی روح بھی جسم ہے اور چونکہ یہ احکام و حظوظ فانی محض ہیں اس لئے اس کو جسم بھی نہ کہنا چاہئے بلکہ محض لاشے کہنا زیبا ہے) ایسا شخص منکر خاک کے اندر (یعنی شہوات جسمانیہ کے اندر) غرق ہو گیا اور کل کا کل (یعنی اس کا جسم اور روح سب) نرا خاک (اور مکر و تیرہ) ہو گیا اور وہ کامل نمک کے اندر گیا اور سب کا سب پاک ہو گیا (جیسا نمک پاک اور چمک دار ہوتا ہے اور اپنی خاصیت سے ہر شے کو اپنا جیسا بنا لیتا ہے مراد اس نمک سے چاشنی محبت و کمال روحانی ہے جس نے ان کی ہر شے کو روحانی اور منزہ بنا دیا) اور وہ ایسا نمک ہے جس سے حضرت محمد ﷺ نمکین ہیں اور اس کلام نمکین سے (جو اس نمک معنوی سے ناشی ہے) آپ اصح ہیں (یہ اشارہ ہے ایک مشہور قول کی طرف جو حضور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انا ملح والذی علم حدیث ہے یا نہیں مگر جو اصل دعوی مولانا کا ہے وہ یقیناً صحیح ہے کیونکہ حضور ﷺ کا اتصاف بہ کمالات روحانیہ میں اعلیٰ و افضل ہونا یقینی و مسلم ہے اور یوں کوئی نہ سمجھے کہ وہ نمک اب باقی نہیں بلکہ) وہ نمک حضور کی میراث سے باقی چلا آتا ہے اور وہ وارث

(جن کو وہ نمک (یعنی کمال روحانی) حضور سے میراث میں پہنچا ہی تمہارے پاس ہی ہیں تلاش کرو مل جاویں گے حدیث میں مصرح ہے ان الانبیاء لم یورثوا دینا را ولادرا ہما ولکن ورثوا العلم فمن اخذا اخذ بحفظ وافر پس بحکم حدیث علمائے ربانی حضور کے وارث ہیں اور ظاہر ہے کہ علمائے ربانی وہی ہیں جو متصف بکمالات روحانیہ ہوں پس وہی مصداق وارث کے ہوں گے اور وہ ہر زمانہ میں موجود ہیں اور حسب وعدہ مخرصادق لایزال طائفۃ من امتی منصورین علی الحق لایضر ہم من خذلہم قیامت کے قریب تک رہیں گے البتہ تلاش و طلب شرط ہے ورنہ وجود میں کچھ شبہ نہیں۔

پیش تو شستہ ترا خود پیش کو	پیش ہستت جان پیش اندیش کو
تیرے آگے بیٹھے ہیں خود تجھے آگے کب میر ہے؟	تیرے وجود کے سامنے آگے سوچنے والی جان کہاں ہے؟
گر تو خود را پیش و پس داری گماں	بستہ جسمی و محرومی زجاں
اگر تو اپنے لئے آگے پیچھے کا گمان رکھتا ہے	تو تو جسم کا پابند ہے اور جان سے محروم ہے
زیر و بالا پیش و پس وصف تن ست	بے جہتہا ذات جان روشن ست
نچا اور اونچا آگے اور پیچھا جسم کی صفیں ہیں	پاک جان بغیر سمتوں کے ہے
برکشاز نور پاک شہ نظر	تانہ پنداری تو چوں کوتہ نظر
شاہ کے پاک نور سے نظر کر	تاکہ کوتاہ نظر کی طرح تو یہ نہ خیال کرے
کہ ہمینی در غم و شادی و بس	اے عدم کو مر عدم را پیش و پس
کہ تو صرف غمی اور خوشی کے لئے ہے اور بس	اے معدوم! معدوم کا آگے پیچھا کہاں ہے؟

یعنی وہ وارثان محمد ﷺ تیرے روبرو بیٹھے ہیں (یعنی جسماً قریب ہیں) مگر تجھ کو خود پیش ہونا (یعنی حضور قلب جو طلب سے ہوتا ہے) کہاں نصیب ہے (اسی لئے حکماً و معنی وہ بعید ہیں پس اس شعر میں تو پیش نہ ہونے کو مانع شناخت اولیاء اللہ ٹھہرایا آگے دوسرے شعر میں پیش ہونے کو مانع فرماتے ہیں اور یہ اختلاف عنوان محض لطافت شاعری ہے ورنہ مضمون و مقصود یعنی عدم معرفت دونوں عنوانوں میں محفوظ ہے وجہ یہ ہے کہ پیش کے دو معنی ہیں ایک حضوری قلبی دوسرے جہت مکانیہ پس اول معنی کے اعتبار سے تو اس کا نہ ہونا نخل معرفت ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے اس کا ہونا نخل ہی چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اگر تم اپنے آپ کو پس و پیش گمان کرو گے (جو کہ خواص جسمیت سے ہے) تو تم جسم کے مقید رہو گے اور روح سے محروم رہو گے کیونکہ زیرو بالا اور پیش و پس (بالمعنی المذکور) اوصاف جسم سے ہے اور روح نورانی کی ذات بے جہت ہے (یعنی چونکہ تم پر اوصاف جسمانیہ غالب ہیں اس لئے ادراک روحانیات سے محروم ہو پس تم کو چاہئے کہ) شہنشاہ حقیقی کے نور پاک سے اپنی آنکھ کھولو (یعنی نور معرفت سے سمجھو) تاکہ تم کو نہ نظر شخص کی طرح سے یوں نہ سمجھ جاؤ کہ بس تم اتنے ہی ہو کہ غم و شادی (طبعی میں مقید ہو) جو کہ آثار جسمانیہ سے ہے بلکہ نور معرفت ہو تو سمجھ میں آ جاوے کہ تمہارے اندر کوئی دوسرا جزو روحانی بھی ہے جس کا غم و شادی بھی دوسرے طور پر ہے اور اس کا ادراک ذوق سے ہوتا ہے اور اس جزو کے روبرو یہ جزو جسمی تو محض لاشے ہے جیسا فرماتے ہیں

کہ (اے عدم محض) کہ اپنے کو جسم محض سمجھ رہا ہے جو لاشے ہے) عدم کے پیش و پس کہاں ہوتا ہے (یعنی جن آثار کو تو اپنے لئے ثابت کرتا ہے وہ بھی تو ثابت نہیں پس معلوم ہوا کہ بمقابلہ روح کے جسم اور اس کے آثار محض ہیچ ہیں)

از وجود و از عدم گر بگذری	از حیات جاودانی بر خوری
تو اگر وجود اور عدم سے گزر جائے	تو ابدی زندگی حاصل کرے
روز باران ست میر و تابہ شب	نے ازیں باراں ازاں باران رب
بارش کادن ہے رات تک چلا چل	اس بارش سے نہیں خدا کی بارش سے
ہست باراں یا جزاں باراں بداں	می نمی بیند و را جز چشم جاں
سمجھ لے! اس بارش کے علاوہ اور بارش بھی ہے	جس کو صرف جان کی آنکھ دیکھتی ہے
چشم جاں را باز کن نیکو نگر	تا ازاں باراں عیاں بنی خضر
جان کی آنکھ کھول! اچھی طرح دیکھ	تاکہ اس بارش کا سبزہ صاف دیکھے

یہ تفریح ہے مضمون سابق پر یعنی جب ثابت ہوا کہ بمقابلہ آثار روحانیہ کے آثار جسمانیہ محض ہیچ ہیں پس تم کو سمجھا چاہئے کہ یہ بارش کا زمانہ ہے (جس میں فیوض الہیہ و برکات روحانیہ کی بارش ہو رہی ہے) شب آنے تک برابر چلو (یعنی دم مرگ تک ان کی تحصیل میں سعی کرو) اور اس ظاہری باران سے بحث نہیں بلکہ باران رب کی گفتگو ہے جس کی تفسیر اوپر آچکی ہے اور اگر تم کو تعجب ہو کہ ہم نے تو دوسرا باران دیکھا بھی نہیں تو سمجھو کہ (اس باران کے علاوہ اور بھی بہت سے باران (غیبی) ہیں کہ اس کو بجز چشم باطنی کے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیوض روحانیہ امور ذوقیہ ہیں اس کے ادراک کے لئے ذوق باطنی درکار ہے) اگر تم چشم باطنی کو کھولو اور اچھی طرح دیکھو تا کہ اس بارش سے عیاں سبزہ پیدا ہوا نظر آوے (مراد اس سبزہ سے علوم حقہ و واردات قویہ ہیں)

سوال کردن عائشہ از پیغمبر علیہ السلام کہ باراں

شد و جامہ مبارک تو ترنگشت و جواب آں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پیغمبر علیہ السلام سے سوال کرنا کہ بارش ہوئی اور آپ کے بابرکت کپڑے نہ

بھیکے اور اس کا جواب

مصطفیٰ روزے بگورستاں برفت	با جنازہ یارے از یاراں برفت
مصطفیٰ (ﷺ) ایک روز قبرستان تشریف لے گئے	لاستوں میں سے ایک دست کے جنازے کیساتھ تشریف لے گئے
خاک را در گور او آگندہ کرد	زیر خاک آں دانہ اش را زندہ کرد
ان کی قبر میں مٹی بھر دی	مٹی کے نیچے ان کے دانہ کو زندہ کر دیا

اس حکایت میں باران غیبی کا اثبات ہے پس یہ اس شعر سے مرتبط ہے: ہست بارانہا لئح، یعنی مصطفیٰ ﷺ ایک روز

قبرستان میں ایک صحابی کے جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان کی قبر میں مٹی بھردی (یعنی ان کو دفن کیا) اور ان کے دانہ کو (یعنی جسم کو) زیر خاک زندہ کیا (یہ اشارہ ہے اس طرف کہ بعض مدارج سالک کے مرگ اور دفن پر موقوف رہتے ہیں اور اس سے ان کی ترقی ہوتی ہے پس ظاہر میں تو ان کا دفن ہونا موت کا موکد اور مکمل تھا مگر بنا بر تحقیق مذکور گویا ان کے حق میں حیات بخشی تھی کذا قال مرشدی شدا ند نزع کا موجب کفارہ سینات ہونا تو بعض احادیث میں آیا ہے رہا دفن چونکہ اس میں بھی ایک صورت بیکیسی و بے بسی و عجز کی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا متوجہ ہونا ایسے اسباب پر بعید نہیں بعض حکایات سیرا سکی مؤید بھی ہیں۔

ایں درختنا نند ہچموں خاکیاں	دست ہا بر کردہ انداز خاکداں
مٹی میں دفن کئے ہوؤں کی مانند یہ درخت (بھی) ہیں	جو مٹی سے ہاتھ باہر نکالے ہوئے ہیں
سوئے خلقاں صدا اشارت میکنند	وانکہ گوشستش عبارت میکنند
لوگوں کی طرف سو اشارے کر رہے ہیں	جن کے کان ہیں ان کے لئے تقریر کر رہے ہیں
تیز گوشاں راز ایشاں بشنوند	عافلاں آواز ہا رانشنوند
تیز کان والے ان کا راز سنتے ہیں	غافل لوگ آوازوں کو نہیں سنتے ہیں
بازبان سبز و بادست دراز	از ضمیر خاک میگویند راز
سبز زبان سے اور لہے ہاتھ سے	خاک میں چپے ہوئے راز بتا رہے ہیں
ہچمو بظاں سرفرو بردہ بآب	گشتہ طاؤسان و بودہ چوں غراب
بظلوں کی طرح پانی میں غوطہ مارے ہوئے	مور بن گئے اور کوئے کی طرح

(اس میں مضمون سابق کی مثال ہے یعنی زیر خاک ہونے سے کیا دولت ملتی ہے مطلب یہ کہ) یہ درخت بھی مثل مدفونان خاک کے ہیں اور خاکدان یعنی زمین سے ہاتھ نکال رہے ہیں (اور ان ہاتھوں سے) خلائق کی طرف صدا اشارے کر رہے ہیں (کہ تم بھی ہماری طرح خاک تذل کے نیچے دب جاؤ تا کہ ہماری طرح تم کو بھی رفعت و بلندی نصیب ہو اور جس شخص کے (باطنی) کان ہیں ان کے لئے عبارت (میں کلام) کرتے ہیں (بہت سی آیات و احادیث کے ظاہر الفاظ بدالالت حقیقیہ نباتات و جمادات کے تکلم پر دلالت کرتے ہیں اور اہل کشف اس کو سنتے ہیں اس مصرعہ میں اسی طرف اشارہ ہے جو لوگ تیز گوش (یعنی اہل کشف ہیں) وہ (ان باطنی کانوں سے) ان کے راز کو سنتے ہیں (یعنی سن کر حقیقت اور مقصود کو بھی سمجھتے ہیں) اور جو غافل ہیں وہ نری آواز کو بھی نہیں سنتے (اور مقصود تو کیا سمجھتے غرض وہ درخت زبان سبز اور دست دراز سے ضمیر خاک کا راز بتلا رہے ہیں) کہ دیکھو خاک کے اندر کیا کیا باغ و بہار ہے اور ہم کو زیر خاک ہونے سے کیا کیا ملا کذا قال مرشدی ان درختوں نے پانی کے اندر غوطہ لگایا ہے یعنی رطوبت ارضی سے سیراب ہو رہے ہیں اور (آب سے مراد اجزاء مائیہ جو زمین کے اندر ہیں) پس وہ طاؤس (کی طرح مزین) ہو گئے حالانکہ محض مثل غراب کے تھے (یعنی خزان میں بد نما ہو گئے تھے اب بہار میں خوش نما ہو گئے اسی طرح خاک فروتنی و تذلل و فنا میں خاصیت ہے کہ جو شخص دنیا دار ہو کہ مثل غراب مردار پر گرتا ہو وہ آب معارف سے سیر ہو کر بہار

عنایت کی برکت سے مشرف بدولت بقا ہوتا ہے کذا سمعت مرشدی
 فائدہ اول: اوپر فرمایا، تیز گوشان راز ہا لُح اس سے کوئی نہ سمجھ جاوے کہ جو تیز گوش یعنی اہل کشف نہ ہو وہ غافلین میں سے
 ہے کیونکہ یہاں غفلت کی مذمت مقصود ہے نہ کہ کشف کا لوازم ولایت سے ہونا، سواگر کشف کے ساتھ بھی غفلت ہو تو وہ کشف
 قابل اعتبار نہ ہوگا۔ اور اگر عدم کشف کے ساتھ تشبیہ ہو تو وہ غفلت نہیں
 فائدہ دوم: یہ جو کہا ہے از ضمیر خاک میگویند راز لُح، اگر کسی کو بلسان قال یہ مضمون مسموع ہوا ہو تعجب نہیں جیسا ظاہر آہ
 مصرعہ دلالت کرتا ہے وانگہ گوشستش عبارت میکتد لُح

درز مستاں شاں اگر مجبوس کرد	آں غراباں را خدا طاؤس کرد
ہاڑوں میں اگر ان کو قید کیا	ان کو ان کو اللہ (تعالیٰ) نے مور بنا دیا
درز مستاں شاں اگر چہ داد مرگ	زندہ شاں کرد از بہار و داد برگ
ہاڑوں میں اگر چہ ان کو مارا	ان کو بہار سے زعمہ کر دیا اور پتے دیدے

اوپر کے شعر کی توضیح درتوضیح ہے مطلب یہ ہے کہ (زمستان (یعنی خزان) میں اگر چہ ان کو مجبوس (بے سامانی) کر دیا تھا (مگر
 بہار میں ان غرابوں کو خدا تعالیٰ نے طاؤس (مزین بہ برگ و ثمر) کر دیا (یا عبارت دیگر یوں کہو کہ) زمستان میں اگر چہ ان کو (ایک
 قسم کی مرگ دیدی تھی) (مگر) بہار سے ان کو زندہ کر دیا اور سامان عطا فرمایا۔

منکراں گویند ہست ایں خود قدیم	ایں چرا بندیم بر رب کریم
منکر کہتے ہیں یہ قدیم ہیں	رب کریم سے ان کا تعلق کیوں کریں؟
جملہ پندارند کہیں خود دائم ست	وز قدیم ایں جملہ عالم قائم ست
سب یقین کرتے ہیں کہ یہ ہمیشہ سے ہے	اور ہمیشہ سے یہ تمام عالم قائم ہے

اوپر اس مصرعہ میں آن غراباں را خدا لُح تصریح ہے اثبات صانع اور فاعل بالا اختیار کی چونکہ بعضے اس کے منکر ہیں انکا مذہب
 نقل کر کے رد کرتے ہیں (منکر لوگ کہتے ہیں کہ عالم قدیم ہے پھر (خواہ مخواہ) اس کو رب کریم کی طرف کیوں منسوب کریں ان
 سب کا گمان ہے کہ یہ عالم دائم ہے اور قدیم سے یہ تمام عالم (بمادہ یا بصورتہ) قائم ہے (منکر سے مراد دہریہ و فلاسفہ ہیں کہ فرقہ
 اول منکر ہی صانع کا دوسرا منکر ہے صانع بالا اختیار کا اسی لئے قدم عالم کے قائل ہیں کیونکہ صانع کا فاعل بالا اختیار ہونا حدوث عالم
 بالذات وبالزمان کو مستلزم ہے کما تقررنی الحکمۃ)

کوری ایشاں درون دوستاں	حق بردیانیہ باغ و بوستاں
(یہ عقیدہ) ان کے اندھے پن سے ہے دوستوں کے دل میں	اللہ (تعالیٰ) نے باغ اور بوستاں اگا دیا ہے
ہر گلے کاندہ دروں بویا بود	آں گل از اسرار کل گویا بود
جو پھول اپنے اندر سے خوشبو دے رہا ہو	وہ پھول تمام اسرار کا پتہ دیتا ہے

بوئے ایثاں رعم انف منکراں	گرد عالم می رود پردہ دراں
ان کی خوشبو منکروں کی ذلت کیساتھ	پردہ دری کرتے ہوئے دنیا کا چکر کاٹی ہے
منکراں ہمچو جعل زان بوئے گل	یاچو نازک مغز از بانگ دہل
اس کے پھول کی خوشبو سے منکر کبر و ثناء کی طرح ہیں	یا ایسے جیسے ڈھول کی آواز سے نازک دماغ
خویشتن مشغول می سازند و غرق	چشم می دوزند از لمعان برق
اپنے آپ کو مشغول اور غرق کرتے ہیں	بجلی کی چمک سے آنکھیں سی لیتے ہیں
چشم می دوزند و آنجا چشم نے	چشم آں باشد کہ بیند مانے
آنکھیں سی لیتے ہیں اور ان کی آنکھیں ہی نہیں ہیں	آنکھ تو وہ ہے جو جائے پناہ کو دیکھ لے

اس میں رد ہے منکرین کا یعنی ان کا اندھا پن ہے خدا تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے دل میں باغ و بوستان (دلائل حقہ استدلالیہ و وجدانیہ) کا لگا رکھا ہے اس میں کا جو پھول باطن میں خوشبودے رہا ہے (یعنی جو دلیل قلب میں اطمینان بخش ہو رہی ہے وہ پھول اسرار کل ہے گویا ہو رہا ہے) (یعنی وہ دلیل ذات جامع الصفات کے کمالات مخفیہ کا اظہار کر رہی ہے) اور وہ ان کی خوشبو کو منکرناگ رگڑ کر مر جاویں تمام عالم کے گرد حجابات (وسلوک) کو پھاڑتی ہوئی چل رہی ہے (یعنی وہ دلائل عام طور پر شائع ہو رہے ہیں اور اپنا اثر دکھال رہے ہیں مگر منکرین کی حالت اس بوئے گل سے مثل کرم گندگی کے ہے کہ خوشبو سے مر جاتا ہے یا مثل حالت ضعیف الدماغ شخص کے ہے کہ بانگ دہل سے ہو جاتی ہے (یعنی پریشان ہو جاتا ہے اسی طرح ان دلائل کے فہم و سماع کی منکرین کو تاب نہیں ہے) منکرین اپنے آپ کو (جہل مرکب میں) مشغول اور غرق رکھتے ہیں اور چشم (عقل) کو برق (دلائل) کی چمک سے بند کر لیتے ہیں (یعنی دلائل حقہ میں غور بھی نہیں کرتے ورنہ ضرور حق واضح ہو جاوے غرض وہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور آگے (اضراب ہے کہ وہاں آنکھیں ہی نہیں) کیونکہ) آنکھ لو وہ ہے جس کو اپنا محل امن نظر آ جاوے (پس جب انہوں نے اپنی عقل سے اپنی نجات کا طریقہ تحقیق نہ کیا وہ عقل کا عدم ہے جیسا اس آیت کریمہ میں ہے صم بکم عمی فہم لا یعقلون

چوں زگورستاں پیمبر بازگشت	سوئے صدیقہ شد و ہمراز گشت
جب پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) قبرستان سے لوٹے	صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف گئے اور ہمراز بنے
چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد	پیش آمد دست بروے می نہاد
صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کی نظر جب آپ کے چہرے پر پڑی	آگے بڑھیں اور آپ پر ہاتھ رکھا
برعمامہ بر رخ و برموئے او	بر گریباں و برو بازوئے او
عمامہ پر اور آپ کے چہرے اور بالوں پر	گریبان پر اور جسم پر اور آپ کے بازو پر
گفت پیغمبر چہ می جوئی شتاب	گفت باراں آمد امروز از سحاب
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جلد جلد کیا دیکھتی ہو؟	بولیں آج بادل سے بارش برسی ہے

جہا مہایت می بجویم در طلب	تر نمی بینم ز باران اے عجب
جتو میں آپ کے کپڑے مہوتی ہوں	تعب ہے! ہارش سے تر نہیں دیکھتی ہوں
گفت چہ برسر فگندی از ازار	گفت کردم آں روائے تو خمار
فرمایا سر پر کونسا کپڑا اوڑھا تھا؟	بولیں آپ کی چادر کو دوپٹہ بنایا تھا
گفت بہر آں نموداے پاک حبیب	چشم پاکت را خدا باران غیب
فرمایا اے پاک دل! اسی لئے دکھائی	خدا نے تیری پاک آنکھ کو لمبی ہارش

اس میں عود ہے قصہ کی طرف) یعنی جب پیغمبر ﷺ قبرستان سے واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ کے پاس آ کر باتیں کرنے لگے حضرت صدیقہ کی نگاہ جو آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی تو قریب آ کر انہوں نے آپ کے چہرے پر ہاتھ رکھا اور آپ کے عمامہ اور رخ اور بال اور گریبان اور بازو پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کیا دیکھتی ہو عرض کیا کہ آج ابر سے ہارش ہوئی تھی میں آپ کے کپڑے دیکھتی ہوں مگر عجب بات ہے کہ ہارش سے تر نہیں پاتی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نے سر پر کیا کپڑا اوڑھا تھا عرض کیا کہ آپ کی اس چادر کو سر بند بنایا تھا آپ نے فرمایا بس اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری چشم پاک کو باران غیب منکشف فرمادیا (یعنی وہ ہارش ظاہری نہیں تھی جس سے کپڑے تر ہوتے)

نیست آں باران ازیں ابر شتا	ہست ابر دیگر و دیگر سما
وہ ہارش تمہارے اس ابر کی نہیں ہے	وہ دوسرا ابر اور دوسرا آسمان ہے
ایں چنینس باران ز ابر دیگرست	رحمت حق در نزولش مضممرست
اس طرح کی ہارش دوسرے ابر کی ہے	جس کے نازل ہونے میں خدا کی رحمت پوشیدہ ہے
بشنو از قول سنائی در رموز	معنی تاواقف آئی بر کنوز
اشارات کے بارے میں سنائی کے قول کے	ایک معنی سن تا کہ تو خزانوں سے واقف ہو جائے
گر تو بکشائی ز باطن دیدہ	زود یابی سرمہ بگزیدہ
اگر تو باطن کی آنکھیں کھول لے	بہت جلد پسندیدہ سرمہ حاصل کر لے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا کہ) یہ باران (جس کا اوپر ذکر ہوا) تمہارے اس ظاہری ابر سے نہیں برستا بلکہ وہ دوسرا ہی ابر ہے اور دوسرا ہی اہمان ہے ایسی ہارش اس دوسرے ابر سے نازل ہوتی ہے اور اس کے نازل ہونے میں حق تعالیٰ کی رحمت مضممر نہ تھی ہوئی ہے اور اگر تم اس کو باران غیبی کے وجود میں ہمارے کہنے سے شبہ رہے تو (حکیم سنائی کے قول سے جو رموز مخفیہ کے بارے میں ہے ایک مضمون سن لو تا کہ گنج علم پر تم مطلع ہو جاؤ اور اگر تم کو ان کی تقلید پر بھی قناعت نہ ہو تو) اپنا دیدہ باطنی اگر کھول لو گے (یعنی ریاضات مجاہدات سے حجابات شہوت و غفلت کے مرفح کر دو گے) تو بہت جلدی ایک سرمہ پسندیدہ (یعنی نور معرفت و وجدان صحیح) تم کو میسر ہو گا) آگے بعد شرح قول سنائی کے اس باران کی تعیین و تقسیم آتی ہے آن خزان نزد خدا الخ یعنی مراد اس باران سے معرفت و اوصاف

روحانیہ ہیں جو باران بہاری ہے اور جہل و غفلت و اوصاف نفسانیہ ہیں جو باران خزانہ ہے اور اوپر جو مطلقاً کہہ دیا رحمت حق و رزولیش
الذوالرحمت سے مراد عام ہے خواہ رحمت اخرویہ ہو جیسے اوصاف روحانیہ ہے خواہ رحمت دنیویہ جیسے غفلت میں ہے کہ بقاء اس عالم کا
باہیت کذائیہ بدولت اسی غفلت کے ہے جیسا آگے آوے گا استن این عالم ایجان غفلت ست

تفسیر بیت حکیم سنائی روح اللہ روحہ

حکیم سنائی (خدا ان کی روح کو راحت پہنچائے) کے شعر کی تفسیر

آسمانہاست در ولایت جاں	کار فرمائے آسمان جہاں
روح کی اقلیم میں آسمان ہیں	جو دنیا کے آسمان میں کار فرما ہیں
در رہ روح پست و بالا ہاست	کوہ ہائے بلند و دریا ہاست
روح کے راستہ میں پستی اور بلندیوں ہیں	اونچے پہاڑ اور دریا ہیں

یہ قول دلیل ہے مضمون بالا کی ہست ابرو دیگر و دیگر سماں جاننا چاہئے کے محققین نے کہا ہے کہ تمام کائنات عالم مظاہر ہیں
اسماء الہیہ کے اور مظہریت کے معنی اور تفصیل گزر چکے ہیں اور اصطلاح میں ان مظاہر کو ان اسماء کی صورت کہتے ہیں اور ان اسماء کو
ان مظاہر کی حقیقت مثلاً پانی میں صفت احواء کی ہے اور یہ فیض ہے اسم محیی کا پس باعتبار اصطلاح کے یوں کہا جاتا ہے کہ پانی
صورت محیی کی ہے اور محیی حقیقت پانی کی ہے۔ علی ہذا تو یہاں صورت و حقیقت سے مراد معنی متبادر لغوی یا دوسرے فن کے
اصطلاحی نہیں ہیں اور یہ بھی کہا ہے کہ بہ نسبت دوسری مخلوقات کے انسان میں صفات الہیہ کا ظہور اکثر اور اتم ہے اسی لئے انسان کو
جامع کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ حقائق یعنی اسماء الہیہ مرئی ہیں صورت یعنی مظاہر کے جب یہ سب مقدمات سمجھ میں آگئے تو جاننا
چاہئے کہ حکیم سنائی کے شعر مذکور کا اور اسی طرح جو کلام اس کا ہم مضمون ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ آسمان ظاہر اور نشیب و فراز اور کوہ و
صحرا ظاہری جن اسماء و حقائق کے مظاہر ہیں وہ اسماء و حقائق انسان ہیں جس کی حقیقت روح ہے بوجہ اتم ظاہر و متجلی میں پس مراد
آسمان ہا سے وہی حقائق ہیں اور ان کا مرئی آسمان ظاہری ہونا ظاہر ہے اور سابق میں مذکور ہو چکا ہے اسی طرح پست و بالا کوہ و
صحراء جو روح میں ثابت کیا ہے ان سب سے مراد ان مظاہر کے حقائق ہیں جن کے تجلی اتم کا روح میں ہونا مذکور ہوا ہے اور ان اسماء
الہیہ کا اثر روح پر یہ ہے کہ واردات و کیفیات و حالات مختلفہ وجدانیہ طاری ہوتے ہیں جو مراد ہے بارش مذکور سے جیسا اوپر آیا ہے اور
آگے بھی آتا ہے پس عالم غیب میں اس طرح ان اشیاء کا وجود ثابت ہو گیا و ہذا کلمہ استفاد من علوم مرشدی

پیر دانا اندریں رمزے کہ گفت	در حقیقت زیں صدف درے بسفت
دانا بزرگ نے اس سلسلہ میں جو اشارہ کیا	حقیقتاً اس سیپ کا موتی پر دیا
غیب را ابرے و آ بے دیگر ست	آسمان و آفتابے دیگر ست
(عالم) غیب کا ابر اور پانی دوسرا ہے	آسمان اور آفتاب دوسرا ہے

ناید آں الا کہ بر خاصاں پدید باقیان فی لبس من خلق جدید

وہ صرف خاصان (خدا) پر ظاہر ہوتا ہے باقی لوگ اس نئی مخلوق سے شبہ میں ہیں

یعنی پیروانا (حکیم سنائی) نے اس باب میں جو رمز فرمایا ہے واقع میں اس صدف سے موتی پرویا ہے (صدف سے مراد الفاظ اور در سے مراد معانی الفاظ خاصہ میں کیسے معانی کو ادا فرمایا ہے۔ اور وہ معنی یہ ہیں کہ) عالم غیب کا ابر اور آب ہی دوسرا ہے اور آسمان اور آفتاب ہی دوسرا ہے (عالم غیب عالم ارواح ہے اس کا ابر آسمان و آفتاب اسماء الہیہ ہیں اور آب ان اسماء کا فیض ہے وہ ابر و آب وغیرہ بجز خواص کے کسی پر ظاہر نہیں کرتے اور باقی لوگ تو (ایسے ہیں جس طرح وہ لوگ تھے جن کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ) خلق جدید (یعنی بعث) سے اشتباہ میں ہیں (وجہ تشبیہ صرف اشتباہ ہے اور بجز خواص کے کسی پر اس کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ فیوض و آثار امور وجدانیہ ہیں جو صاحب وجدان ہوگا وہ ادراک کرے گا ورنہ اشتباہ بلکہ انکار میں بھی کچھ تعجب نہیں فائدہ باقیان پر جو حکم فی لبس من خلق جدید کا کیا ہے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن مجید کی تفسیر کر رہے ہیں اور آیت کا مورد ہتلار ہے ہیں کیونکہ اس میں خلق جدید سے یقیناً بعث مراد ہے اسی طرح مراد اس کا کفار ہیں بلکہ مقصود تشبیہ دینا ہے بل بس کے ساتھ جیسا احقر نے عین شرح میں عبارت بڑھا کر اس کو ظاہر کر دیا ہے۔

ہست باراں از پئے پروردگی	ہست باراں از پئے پروردگی
ایک بارش پرورش کے لئے ہے	ایک بارش پرورش کے لئے ہے
لفع باران بہاراں بوالعجب	باغ را باران پائیزی چوتب
موسم بہار کی بارش کا لفع تعجب خیز ہے	خزاں کی بارش باغ کے لئے بخار کی طرح ہے
باغ را باران نیسانی طرب	باز باران خرابی ہچوتب
نیساں کی بارش باغ کی مستی ہے	پھر خزاں کی بارش بخار کی طرح ہے
آں بہاری ناز پروردش کند	وین خزانہ ناخوش و زردش کند
موسم بہار کی بارش اس کی ناز پروردی کرتی ہے	یہ خزاں کی بارش اس کو خراب اور زرد کر دیتی ہے
چنچنیں سرما و باد و آفتاب	بر تفاوت داں و سررشتہ بیاب
اسی طرح جاڑا اور ہوا اور سورج	جداگانہ سمجھ اور اصول کو سمجھ لے
چنچنیں درغیب انواع ست اس	در زیان و سود و در رنج و غمیں
اسی طرح (عالم) غیب میں اس کی قسمیں ہیں	لفع اور نقصان تکلیف اور ٹونے میں

(پائیز عبارت ست از خزاں یعنی تحویل شمس بمیزان و عقرب و قوس کہ مابین تابستان و زمستان باشد نیسان مدت ماندن آفتاب در حمل و نام باران بہاری و ماہ ہفتم از سال رومیان یہ بیان ہے باران غیب کے اقسام اور اس کے آثار کا اجمالاً (یعنی) ایک قسم تو اس باران غیب کی پروردگی (ارواح کے لئے ہے) اور وہ بہاری ہے) اور ایک قسم اس کی پروردگی (ارواح) کے لئے ہے (اور وہ خزانہ ہے)

اور معارف و اوصاف کمال سے روح کی تازگی اور ان کے اضداد سے اس کی پڑمردگی ظاہر ہے اور یہی مراد ہے بہاری و خزانہ سے جیسا شرح میں گذر چکا اور متن میں آگے آتا ہے باران بہاری کا تو نفع عجیب ہے اور باران خزانہ باغ کے حق میں مثل تب کے ہے (یا بعبارت دیگر یوں کہا جاوے کہ) باغ کے حق میں باران بہاری طرب ہے اس کے بعد باران خزانہ مثل تب کے ہے وہ بہاری تو باغ کو ناز پروردہ کرتا ہے اور یہ خزانہ اس کو بدنما اور زرد کرتا ہے (باران ظاہری کے باغ ظاہری میں یہ آثار نمایاں ہوتے ہیں اور حالان باطنی کے باغ باطنی ہیں اور جس طرح باران دو طرح کا ہے ظاہری و باطنی) اسی طرح سرما اور ہوا اور آفتاب کو اسی تفاوت (تقسیم) پر سمجھو اور اس سلسلہ کی اصل کو دریافت کرو (کہ دونوں مصنوع و مسخر حق تعالیٰ کے ہیں) اسی طرح غیب میں اس سب اشیاء کی انواع (اپنے اپنے آثار میں) سود و زیان اور نفع و نقصان میں (مختلف) ہیں (یعنی جس طرح اشیاء مذکور ظاہر میں ہیں اور بعض آثار میں مؤثر ہیں اسی طرح یہ اشیاء باطن میں ہیں اور اپنے آثار میں مؤثر ہیں اور ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مراد ان اشیاء کے باطن سے حقائق و اسماء ہیں اور چونکہ وہ اسماء انسان پر بھی متجلی ہیں اس لئے اس میں ان کے آثار ظاہر ہوتے ہیں سود و زیان سے وہی آثار مراد ہیں۔

ایں دم ابدال باشد ز اں بہار	دردل و جاں روید از وے سبزہ زار
ابدال کا کلام اسی بہار سے ہوتا ہے	اس سے دل و جان میں سبزہ اکتا ہے
فعل باران بہاری با درخت	آید از انفاس شاں اے نیک بخت
موسم بہار کی بارش کا درختوں سے جو معاملہ ہے	اے نیک بخت! ان کے سانسوں سے حاصل ہوتا ہے
گر درخت خشک باشد در مکاں	عیب آں از باد جاں افزاید آں
اگر کسی جگہ کوئی خشک درخت ہو	اس کا وہ عیب روحانی ہوا سے بڑھ جاتا ہے
باد کار خویش کرد و بر و زید	آنکہ جانے داشت بر جانش گزید
ہوا نے اپنا کام کیا اور چلی گئی	جس میں جان تھی اس نے اس کو اپنی جان پر ترجیح دی
وانکہ جامد بود خود واقف نشد	وائے او جانے کہ او عارف نشد
اور جو پتھر تھا واقف نہ ہوا	اس جان پر افسوس جو پہچاننے والی نہ بنی

(اس میں بیان ہے اس باران کے اثر کا تفصیلاً یعنی یہ اولیاء اللہ کا کلام اسی باران بہاری کا ایک رشحہ ہے کہ (طالب کے) قلب و روح میں اس سے (معارف و کمالات باطنی کا) سبزہ زار پیدا ہو جاتا ہے (اور کلام اولیاء کا اس سے ایک رشحہ ہونا اس لئے ظاہر ہے کہ اول وہ واردات غیبیہ ان کے قلب پر آتے ہیں اور وہ منشاء ہوتا ہے اس کلام اکسیر انضمام کا) باران بہاری کا جو فعل درخت کے ساتھ ہے ویسا فعل (طالبین کے ساتھ) ان حضرات کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے (کہ ان کو متصف بکمالات کر دیتا ہے) البتہ اگر کسی جگہ کوئی درخت ہی خشک ہو تو اس باد جان بخش سے اس کا عیب اور زیادہ ہو جاتا ہے (یعنی ہوا سے وہ دونوں خشک ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ فاسد الاستعداد اور منکر و معاند اولیاء اللہ کے ہیں اور ان کے کلام سے ان کو نفع نہیں ہوتا بلکہ اور الٹا انکار و خلاف بڑھتا ہے تو اس سے کلام کی تاثیر جان بخشی میں شبہ نہ کرنا چاہئے بلکہ وہ خرابی استعداد سامع کی ہے) ہوا تو اپنا کام کر کے چلتی ہوئی (اور بے دریغ سب کو فیض پہنچایا) اب جو شخص کچھ جان (یعنی استعداد صحیح) رکھتا تھا اس نے تو اس کو جان پر بھی ترجیح دے کر قبول کر لیا اور جو جماد محض

(یعنی فاسد الاستعداد) تھا وہ خبر بھی نہیں ہو واقعی وہ جان بھی افسوس کے قابل ہے جس کو معرفت الہیہ میسر نہ ہو۔

در معنی حدیث کہ اغتصموا برد الربیع فانہ یعمل بابدانکم کما یعمل

باشجار کم واجتنبوا برد الخریف فانہ یعمل بابدانکم کما یعمل باشجار کم

اس حدیث کے معنی کے بیان میں کہ موسم ربیع کی سردی کو غنیمت سمجھو وہ تمہارے بدنوں پر وہی عمل کرتی ہے جو تمہارے درختوں پر اور موسم خریف کی سردی سے بچو وہ تمہارے جسموں پر وہی عمل کرتی ہے جو تمہارے درختوں پر

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ غنیمت سمجھو سردی ربیع کو کیونکہ وہ تمہارے بدن کے ساتھ وہی عمل کرتی ہے جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے اور پرہیز کرو سردی خریف سے کیونکہ وہ تمہارے بدن کے ساتھ وہی عمل کرتی ہے جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے یہ مضمون اس شعر سے مربوط ہے، این دم ابدال باشد زان بہار جیسا آگے تصریح ہے پس بتاویل این بود کا نفاس پاک الخ

ف بزرگوں کے کلام میں بعض احادیث پائی جاتی ہیں جو کتب فن میں نہیں پائی جاتیں اور موافق قواعد محدثین کے وہ حدیث نہیں ہے پس اس کی توجیہ کے دو طریق ہیں ایک طریق یہ کہ محدثین نے جس طرح احادیث منامیہ پر حدیث کا اطلاق کیا ہے اسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کو کشف سے انکا حدیث ہونا ثابت ہوا ہو اور احادیث الہامیہ پر اطلاق حدیث کا کر دیا ہو کذا قال مرشدی دوسرا طریق یہ ہے کہ اگر حدیث بھی نہ ہو تب بھی مضرت نہیں کیونکہ اس کے ایراد سے جو غرض ہوتی ہے وہ دوسری دلائل صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے پس اخلاص دلیل خاص سے اخلاص مدعا و مقصود کا لازم نہیں آتا رہا یہ امر کہ غیر حدیث کو حدیث کیوں کہہ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ بزرگوں میں حسن ظن غالب ہوتا ہے اور زیادہ تفتیش کی نہ عادت ہوتی ہے نہ مہلت اس لئے کسی سے سن لیا یا کہیں لکھا ہوادیکھ لیا یقین کر لیتے ہیں

ف باطنی معانی جو بیان کئے جاتے ہیں جیسا اس جگہ کیا ہے مقصود اس سے تفسیر و تعین مراد نہیں ہوتی بلکہ محض تمثیل و قیاس ہوتا ہے ایک شے کی حالت کو دوسرے شے کی حالت پر اس کو علم اعتبار کہتے ہیں بس تفسیر بالرائے یا انکار معنی ظاہری کا طعن ان پر نہیں ہو سکتا۔

قول پیغمبر شنو اے جان من	دور کن از خویشتن انکار و ظن
اے جان من! پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سن	انکار اور گمان اپنے سے دور کر
گفت پیغمبر ز سرمائے بہار	تن پوشا نید یاراں ز بہار
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا موسم بہار کے بازے سے	یاروا ہرگز بدن نہ ڈھکو
زانکہ باجان شما آں می کند	کاں بہاراں با درختاں میکند
اس لئے کہ وہ تمہاری جان کے ساتھ وہی کرتا ہے	جو موسم بہار درختوں کے ساتھ کرتا ہے
بس غنیمت باشد آں سرمائے او	در جہاں بر عارفان وقت جو
اس کی سردی غنیمت ہوتی ہے	دنیا میں وقت کے تلاش کرنے والے عارفوں پر

در بہاراں جامہ از تن برکنید	تن برہنہ جانب گلشن روید
(موسم) بہار میں کپڑے اتار دو	نگے بدن باغ کی طرف چلو
لیک بگریزید از باد خزاں	کاں کند کاں کرد با باغ و رزاں
لیکن باد خزاں سے بچو	اس لئے کہ وہ وہی کرے گی جو اس نے باغ اور انگوروں کے ساتھ کیا
راویاں ایں را بظاہر بردہ اند	ہم براں صورت قناعت کردہ اند
روایت کرنے والوں نے اس کو ظاہری معنی پر محمول کیا	اور انہوں نے انہی معنی پر قناعت کر لی
بے خبر بودند از سر آں گروہ	کوہ را دیدہ ندیدہ کاں بکوہ
یہ جماعت راز سے بے خبر تھی	پہاڑ کو دیکھا پہاڑ میں کان کو نہ دیکھا

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنو اور اپنے اوہام و ظنون (فاسدہ) کو دور کرو (جو مانع عمل ہیں حضور نے فرمایا ہے کہ سردی بہار سے اپنے بدن ہرگز (کپڑوں سے) مت چھپاؤ کیونکہ وہ تمہارے جان کے ساتھ وہ معاملہ کرتی ہے جو درختوں کے ساتھ کرتی ہے لیکن سردی خزاں سے بھاگو کیونکہ اس کا (تمہارے ساتھ) وہ اثر ہوگا جو باغ و انگور کے ساتھ ہوتا ہے راوی لوگ اس کو (صرف) ظاہری معنی کی طرف لے گئے ہیں اور اسی پر قناعت کرنی ہے اور یہ گروہ سر مخفی سے بے خبر رہے (ایسی مثال ہے جیسے) کوہ کو دیکھا ہو اور اس میں جو کان مدفون ہے اس کو نہ دیکھا ہو (یعنی ظاہری معنی صحیح تو ہیں مگر اس پر قناعت نہ کرنا چاہئے بلکہ اس سے منتقل ہو کر بطور اعتبار مذکور کے دوسرے مضمون بھی سمجھنا چاہئے۔

آں خزاں نزد خدا نفس و ہواست	عقل و جاں عین بہارست و بقاست
وہ خزاں اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفس اور خواہش ہے	عقل اور روح عین باہر اور بقا ہے
گر ترا عقلے ست جزوی در نہاں	کامل العقلے بجو اندر جہاں
اگر تجھ میں ناقص عقل ہے	دنیا میں مکمل عقل والا تلاش کر لے
جزو تو از کل او کلی شود	عقل کل بر نفس چوں غلے شود
تیری ناقص (عقل) اس کی کامل (عقل) سے کامل ہو جائے گی	کامل عقل نفس کے لئے طوق بن جائے گی
پس بتاویل ایں بود کا نفاس پاک	چوں بہارست و حیات برگ و تاک
(اس حدیث کے معنی) تاویل کے ساتھ یہ ہونگے کہ پاک سانس	(موسم) بہار کی طرح ہیں اور پتوں اور انگور کی حیات ہیں
از حدیث اولیاء نرم و درشت	تن مپوشاں زانکہ دینت راست پشت
اولیاء کی نرم اور سخت بات سے	پہلو تہی نہ کر کیونکہ وہ تیرے دین کی پشت پناہ ہیں
گرم گوید سرد گوید خوش بگیر	تاز گرم و سرد نجھی وز سعیر
گرم کہیں سرد کہیں خوشی سے تسلیم کر	تاکہ گرم اور سرد اور جہنم سے نجات پالے

گرما وسردش نو بهار زندگی ست	مایہ صدق و یقین و بندگی ست
ان کا گرم و سرد (کہنا) زندگی کی نو بہار ہے	صدق اور یقین اور بندگی کا سرمایہ ہے
زانکہ زان بستان جانہا زندہ است	زاں جواہر بحر دل آگندہ است
اس لئے کہ ان سے جانوں کا باغ تروتازہ ہے	ان جواہر سے دل کا سمندر پر ہے
بردل عاقل ہزاراں عم بود	گر زباغ دل خلالے کم بود
عقلند کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں	اگر دل کے باغ سے ایک تنکا کم ہو جاتا ہے

اس میں بیان ہے لطف حدیث کا جو وجہ ہے ربط کی مضمون مابقی سرنخی سے یعنی (خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ خزان نفس و ہوا ہے اور کمالات) عقل و روح عین بہار اور بقاء ہے تمہارے پاس ایک عقل ناقص ہے جو (اس نفس و ہوا میں چھپ رہی ہے تم کو چاہئے کہ کسی کامل العقل (یعنی عارف کامل) کو جہان میں تلاش کرو تا کہ تمہاری عقل ناقص اس کی عقل کامل سے کامل ہو جاوے پھر وہ عقل کامل نفس پر (مثل) طوق (کے غالب ہو جاوے) اور نفس کو عاجز و بے قابو کر دے پس تاویلی معنی (تفسیری) یہ ہوئے کہ (اولیاء اللہ کے) انفاس پاک مثل بہار اور حیات برگ و انگور کے ہیں پس اولیاء اللہ کی باتوں سے خواہ وہ نرم ہوں یا سخت یوں جی مت چراؤ کیونکہ وہ تمہاری دین کی قوت ہے خواہ گرم کہے خواہ سرد کہے خوشی سے قبول کرو تا کہ دنیا کے گرم و سرد سے اور دوزخ سے بچ جاؤ اس کا گرم و سرد (حقیقی) زندگی کی تازہ بہار ہے اور صدق و یقین و عبودیت کا سرمایہ ہے (مطلب یہ کہ شیخ اگر مجاہدات و ریاضات شاقہ بتلا دے اس سے تنگدل مت ہو کہ اس میں سرتاسر تمہارا باطنی نفع ہے اور اس سے کمالات صدق و یقین میں ترقی ہوتی ہے آگے خوش بگیری کی علت ہے) اس وجہ سے کہ ان انفاس سے (طالبین کا) باغ جان زندہ ہے اور ان جواہرات (حقائق و معارف) سے بحر جان (طالبین پر ہے) (جیسا ابھی بیان ہوا ہے اور یہ باغ جان ایسی قدر و قیمت کی چیز ہے کہ) عاقل کے دل پر ہزاروں غم چھا جاتے ہیں اگر اس باغ میں سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے (پس اس کا تروتازہ رکھنا بہت ضروری ہے اور کلام اولیاء سے وہ تازہ ہوتا ہے پس اس کا قبول کرنا ضرور ہو اور عاقل سے مراد عارف ہے اور یہ اس کی میں ہے جو اپنی خطا و قصور سے ہو جاوے ورنہ جو بلا اختیار ہو عارف کامل اس پر ذرا غم نہیں کرتا جیسا خود کہا ہے ناخوش او خوش بود بر جان من دل فداے یار دل (نجان من)

پرسیدن عائشہ رضی اللہ عنہا از مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ سر باران امروز چہ بود

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا کہ آج کی بارش کا کیا راز تھا؟

پس سواش کردہ صدیقہ ز صدق	باخشوع و باادب از جوش عشق
صدیقہ (رضی اللہ عنہا) نے سچائی سے آپ سے سوال کیا	محبت کے جوش سے عاجزی اور ادب کے ساتھ
کائے خلاصہ ہستی و زبده وجود	حکمت باران امروزی چہ بود
اے ہستی کے خلاصہ اور وجود کے برگزیدہ!	آج کی بارش میں کیا حکمت تھی؟

ایں ز بارانہائے رحمت ہاست یا	بہر تہدیدات و عدل کبریا
یہ رحمتوں کی بارشوں میں سے ہے یا	دھکیوں اور خدا کے انصاف کے لئے ہے
ایں ازاں لطف و بہاریات بود	یا ز پائیزی پر آفات بود
یہ (بارش) مہربانی اور موسم بہار کی بارشوں میں سے تھی	یا آفتوں بھری خزاں کی بارش تھی

یعنی حضرت صدیقہ نے صدق سے خشوع و ادب کے ساتھ جوش عشق سے دریافت کیا کہ اے خلاصہ کائنات آج کے باران کی کیا حکمت تھی آیا یہ باران رحمت تھا یا تہدید اور عدل کے واسطے تھا یعنی یہ لطف بہاریات میں سے تھا یا خزانہ پر آفات میں سے تھا (یعنی یہ باران غیب از قسم بہاری تھا یا خزانہ)

گفت ایں از بہر تسکین غم ست	کز مصیبت بر نژاد آدم ست
فرمایا کہ یہ اس غم کی تسکین کے لئے ہے	جو آدم کی نسل پر مصیبت کی وجہ سے ہے
گر براں آتش بماندے آدمی	بس خرابی او فتادے و کمی
اگر آدمی اس آگ میں رہتا	بہت خرابی اور کمی واقع ہو جاتی
ایں جہاں ویراں شدے اندر زماں	حرصہا پیروں شدے از مردماں
یہ دنیا فوراً ویران ہو جاتی	انسانوں میں سے حرص نکل جاتی

یعنی آپ نے جواب دیا کہ یہ (نہ اس اعتبار سے بہاری ہے کہ اس سے افاضہ کمالات کا قلوب عارفین پر مقصود ہو اور نہ اس معنی کو خزانہ ہے کہ اوصاف ذمیرہ میں مبتلا کرنا منظور ہو بلکہ محض اس غم کی تسکین کے لئے ہے جو مصائب کے واقع ہونے سے آدمی کی طبیعت میں پیدا ہو جاتا ہے اگر آدمی اسی آتش غم و مصیبت میں مبتلا رہا کرتا تو بڑی خرابی اور کمی (عالم میں) واقع ہو جاتی یعنی یہ عالم فوراً ویران ہو جاتا اور ہر قسم کی حرص و امنگ آدمیوں میں سے نکل جاتی (اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں ہر شخص اپنا اپنا پیشہ زراعت و تجارت وغیرہ ترک کر دیتا اور اسی پر بقا و عالم ہے بلکہ لزوم غم سے قلوب میں ایسی افسردگی چھا جاتی ہے کہ بہت سے نیک کام بھی جو نشاط طبع پر موقوف ہیں جیسے تعلیم و تصنیف و آماجی اسباب برائے اعلاء کلمۃ اللہ یہ سب معطل ہو جاتے دلیل اس تقریر کی مصرعہ آئندہ ہے نے ہنر ماند درین عالم نہ عیب پس حاصل جواب یہ ہے کہ ان دونوں مذکور قسموں میں انحصار نہیں بلکہ وہ تقسیم بطور مانعہ الجمع ہے یہ ان دونوں کے علاوہ ہے جو باعتبار اپنی ماہیت کے تو ایک مستقل قسم ہے کیونکہ نہ اس سے افاضہ کمالات مقصود ہے نہ ابتلا باوصاف نفسانیہ منظور ہے جیسا بیان ہوا اور باعتبار آثار کے کبھی ایک قسم میں داخل ہے کبھی دوسری قسم میں کیونکہ اثر اس کا بالذات تسکین غم ہے جس کا مآل گاہے طلب کرنا امور مذمومہ کا ہوتا ہے اور گاہے سعی کرنا امور محمود میں مفصل گزرا ہے خوب سمجھ لو

استن ایں عالم اے جاں غفلت ست	ہوشیاری ایں جہاں آفت ست
اے جان! اس عالم کا ستون غفلت ہے	ہوشیاری اس عالم کی آفت ہے
ہوشیاری ز اں جہاں ست و چو آں	غالب آید پست گردد ایں جہاں
ہوشیاری اس عالم کی ہے اور جب وہ	غالب آ جائے تو یہ عالم پست ہو جاتا ہے

ہوشیاری آفتاب و حرص و تنگ	ہوشیاری آب و این عالم و تنگ
ہوشیاری سورج ہے اور حرص برف ہے	ہوشیاری پانی ہے اور یہ عالم میل ہے
زاں جہاں اندک ترشح می رسد	تانه خیزد زیں جہاں حرص و حسد
اس عالم سے تھوڑی سی رتی رہتی ہے	تاکہ اس عالم سے حرص اور حسد ختم نہ ہو جائے
گر ترشح بیشتر گردد زغیب	نے ہنر ماند دریں عالم نہ عیب
اگر غیب سے یہ رساؤ زیادہ بڑھ جائے	اس عالم میں نہ ہنر رہے نہ عیب
ایں ندارد حد سوئے آغاز رو	سوئے قصہ مرد چنگلی باز رو
اس کا خاتمہ نہیں ہے شروع کی طرف پس	سارنگی بجانے والے کے قصہ کی طرف واپس چل

یہ مقولہ مولانا کا ہے تاہم مضمون بالا میں یعنی اس عالم کا ستون (و مدار قیام) غفلت ہے (امور مذمومہ کے لئے غفلت مذمومہ اور امور محمودہ کے لئے کمی مشاہدہ) ہوشیاری حاصل اس عالم کی چیز ہے اگر وہ غالب آ جاوے تو یہ عالم با جزاء الحمد و المد مومتہ) پست ہو جاوے اس ہوشیاری کی مثال آفتاب کی سی ہے اور حرص کی مثال (خواہ وہ مذموم ہو خواہ امور خیر کا نشاط ہو) برف کی سی ہے اور دوسری مثال ہوشیاری مثل پانی کے ہے اور یہ عالم میل ہے (کہ آفتاب کے روبرو تنگ نہیں ٹھہرتا اور آب کے روبرو تنگ نہیں رہتا) اس عالم کا اثر مشاہدہ تھوڑا تھوڑا ترشح ہوتا ہے تاکہ بالکلہ حرص و حسد محمود ہو یا مذموم جیسا غبطہ) اس عالم سے مرتفع نہ ہو جاوے اگر عالم غیب سے وہاں کے اثر کا زیادہ ترشح ہونے لگے تو اس عالم میں نہ ہنر رہے اور نہ عیب رہے (یعنی امور محمودہ و مذمومہ سب ناپید ہو جاویں کیونکہ تجلی دائم و مشاہدہ و مستمرہ سے آدمی معطل ہو جاتا ہے اسلئے محققین کا قول ہے کہ جیسے تجلی نعمت ہے استتار بھی نعمت ہے اچھی طرح سمجھ لو آگے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ) یہ مضمون تو انتہا ہی نہیں رکھتا اب پھر ابتدا کی طرف چلو یعنی مطرب کے قصہ کی طرف عود کرو۔

بقیہ قصہ پیر چنگلی و بیان مخلص آں

سارنگی بجانے والے بوڑھے کے قصہ کا بقیہ اور اس کا خلاصہ

مطر بے کز وے جہاں شد پر طرب	رستہ ز آوازش خیالات عجب
وہ گویا جس سے ' عالم مستی سے بھرا ہوا تھا	اس کی آواز سے عجب خیالات پیدا ہوتے تھے
از نوایش مرغ دل پراں شدے	وز صدائش ہوش جاں حیراں شدے
اس کی آواز سے مرغ دل اچھلنے لگتا تھا	اس کی صدا سے جان کا ہوش حیران ہو جاتا تھا
چوں برآمد روزگارش پیر شد	باز جانش از عجز پشہ گیر شد
جب اس کی عمر ڈھل گئی اور بوڑھا ہو گیا	اس کی جان کا باز عاجزی سے بھرا کھاری بن گیا

بازچہ گر پیل باشد بیگماں	پشہ اش ساز و ضعیف و ناتواں
باز کیا اگر ہاتھی بھی ہو تو بلاشبہ	مچھر اس کو کمزور اور بے طاقت بنا دے
پشت او خم گشت ہچموں پشت خم	ابرواں برچشم ہچموں پار دم
اس کی کر مٹے کی طرح نیڑھی ہو گئی	آنکھ پر ابرو میں دہچی کی طرح ہو گئیں
گشت آواز لطیف و جانفزاں	ناخوش و مکروہ و زشت و دلخراش
اس کی پاکیزہ اور جان کو بڑھانے والی آواز	خراب اور مکروہ اور بری اور دلخراش ہو گئی
آں نوا کہ رشک زہرہ آمدہ	ہچموں آوازہ خر پیرے شدہ
وہ آواز جو زہرہ کے لئے باعث رشک تھی	بوڑھے گدھے کی آواز کی طرح ہو گئی

یعنی ایسا مطرب کہ اس سے عالم پر طرب ہو رہا تھا اور اس کی آواز سے خیالات عجیب سامعین کے قلب میں پیدا ہوتے تھے اور اس کی آواز سے مرغ دل پران ہونے لگتا تھا اور اس کی آواز سے ہوش جان حیران ہوتا تھا جب اس کی عمر ڈھل گئی اور بوڑھا ہو گیا اس کی جان جو مثل باز کے قوی تھی بوجہ ضعف کے پشہ گیر ہو گئی (یعنی پشہ کی پکڑنے والی بعد اس کے کہ بڑے بڑے شکار کرتی تھی یا پشہ کی پکڑی ہوئی یعنی پشہ سے بھی کمزور ہو گئی اور یہ تو قاعدہ چلا آتا ہے کہ (باز گوشل فیل کے قوی ہو) ایک وقت میں ایسا ضعیف ہو جاتا ہے کہ) پشہ بھی اس کو ضعیف و ناتواں کر دیتا ہے (کما قال تعالیٰ و من نعمہ ننکسہ فی الخلق) اس کی پشت مثل مٹکے کے خم ہو گئی اور ابرو دین آنکھوں پر مثل دہچی کے ہو گئیں اور اس کی آواز لطیف جانفزاں خوش و مکروہ و زشت و دلخراش ہو گئی اس کی وہ آواز جو رشک زہرہ تھی وہ مثل آواز خر پیر کے ہو گئی۔

خود کد میں خوش کہ آں ناخوش نشد	یا کد میں سقف کاں مفرش نشد
کونسا خوش ہے جو ناخوش نہ ہوا ہو	یا کونسی چھت ہے جو پامال نہ ہوئی ہو؟
غیر آواز عزیزاں در صدور	کہ بود از عکس دم شاں لفتح صور
(اللہ کے) پیاروں کی آواز کے علاوہ جو سینوں میں ہے	کہ صور کا پھلنا بھی ان کی آواز کی گونج ہے
آں درونے کیس درونہا مست از دست	نیستے کیس ہستہا ماں ہست از دست
وہ باطن کہ یہ باطن اس سے مست ہیں	وہ فان کہ ہمارے وجود اس سے (قائم) ہیں
کہربائے فکر دہر آواز اوست	لذت الہام و وحی دراز اوست
اس کی آواز زمانے کے فکر کے لئے کہربا ہے	الہام اور وحی اور راز کی وہ لذت ہے

(یعنی اس پیر چنگی کی آواز خوش کا ناخوش ہو جانا محل تعجب نہیں کیونکہ دنیا میں) ایسی کون سی خوش چیز ہے جو ناخوش نہیں ہو گئی یا ایسی کون سی چھت ہے جو (گر کر) فرش نہیں ہو گئی بجز اولیاء اللہ کی (باطنی) آواز کے (کہ عبارت ہے ان کے فیوض و برکات سے) جن کی آواز کے عکس سے لفتح صور ہے (یعنی جیسا عکس اصل سے کمتر ہوتا ہے اسی طرح ان کے فیوض و برکات لفتح صور سے اعلیٰ و اکمل

ہیں کیونکہ لفظ صورت سے حیات جسمانی حاصل ہوگی اور ان کے فیوض سے حیات روحانی حاصل ہوتی ہے اور حیات روحانی کا افضل ہونا حیات جسمانی سے ظاہر ہے (ان اولیاء کا ایسا باطن ہے کہ بہت سے باطن (طالبین کے) اس سے مست (مجت الہی ہیں اور وہ اولیاء ایسے فانی (فی اللہ) ہیں کہ ہماری یہ سب ہستیاں اس کی بدولت ہست ہیں) کیونکہ بقاء اس عالم کا حسب مضمون حدیث صحیح اللہ کے نام سے ہے اور اللہ کا نام ان حضرات کے سبب عالم میں باقی ہے اس لئے اولیاء سبب بقاء عالم ہیں) اور اولیاء کا اثر باطنی تمام افکار و اصوات کا مثل کہریا کے جاذب ہے یعنی اس کے سامنے سب خیالات اور اصوات بے اثر ہو جاتے ہیں جس طرح کہریا کے رو برو کاہ بے اثر ہو جاتی ہے یعنی وہ سب سے قوی الاثر ہے) اور وہ اثر باطنی الہام و وحی و اسرار سے (طالبین کو) لذت حاصل ہونے کا سبب ہے (کیونکہ اس اثر باطنی سے ان کے قلوب میں ذوق پیدا ہوتا ہے جس سے لذت وحی کا ادراک کرتے ہیں۔

چونکہ مطرب پیر ترگشت و ضعیف	شدز بے کسی رہین یک رغیف
چونکہ گویا بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا	بلا کمائی کے ایک روٹی کا مرہون (منت) ہو گیا
گفت عمرو مہلتم دادی بے	لطفہا کردی خدایا با حصے
اس نے کہا (اے خدا) تو نے مجھے عمر اور بہت مہلت دی	اے خدا! تو نے ایک کمینہ پر مہربانیاں کیں
معصیت و رزیدہ ام ہفتاد سال	بازنگرفتی زمن روزے نوال
میں نے ستر سال گناہ کئے	تو نے مجھ سے ایک دن (بھی) عطا واپس نہ چھینی
نیست کسب امروز مہمان توام	چنگ بہر تو زخم کان توام
کمائی نہیں ہے اب میں تیرا مہمان ہوں	تیرے لئے سارگی بجاؤں گا کیونکہ تیرا غلام ہوں
چنگ را برداشت شد اللہ جوئے	سوئے گورستان یشرب آہ جوئے
سارگی اٹھائی اللہ (تعالیٰ) کی طلب میں روانہ ہوا	مدینہ کے قبرستان کی جانب آہیں بھرتا ہوا
گفت خواہم از حق ابریشم بہا	کو بہ نیکی پذیرد قلب ہا
بولا اللہ (تعالیٰ) سے سارگی (بجانے کا) انعام چاہوں گا	کیونکہ وہ کھونٹے سے (بھی) عمدگی کے ساتھ قبول کرتا ہے
چنگ زد بسیار و گریاں سر نہاد	چنگ بالیس کردد بر گورے فتاد
سارگی بہت بجائی اور روتے ہوئے سر رکھ دیا	سارگی کا تکیہ بنایا اور ایک قبر پر گر پڑا

(چون در بعض و یار بجائے تار چنگ تار از ابریشم سے کنتند ابریشم بہار بر طریق محاورہ کنایہ از شے قلیل از اجرت تار ابریشم قیمت ان کنتند مراد مطلق عوض) یعنی جب وہ مطرب بوڑھا اور ضعیف ہو گیا اور بے روزگاری سے ایک ایک روٹی کا محتاج ہو گیا (جناب باری تعالیٰ میں) عرض کیا کہ آپ نے مجھ کو بہت عمر اور مہلت بخشی اور اس کمینہ کے ساتھ بہت الطاف فرمائے حتیٰ کہ میں ستر سال تک برابر گناہ کرتا رہا مگر ایک روز بھی مجھ سے اپنے عطیہ کو بند نہیں کیا اب میں کمانے کے لائق نہیں رہا اس لئے آج آپ کا مہمان ہوتا ہوں اور بہت روز مخلوق کو چنگ سنایا مگر آج آپ کے واسطے چنگ بجاتا ہوں کیونکہ آخر آپ ہی کا ہوں (یہ

کہہ کر) چنگ کو (ہاتھ میں) اٹھایا اور حق تعالیٰ کی طلب میں مدینہ کے گورستان کی طرف آہ کرتا چلا اور کہنے لگا (آج) حق تعالیٰ سے (چنگ بجانے کی) مزدوری لوں گا کیونکہ ناکارہ چیزوں کو خوبی کے ساتھ (اپنے فضل و رحمت سے) وہی قبول کرتے ہیں غرض بڑی دیر تک چنگ بجایا اور روتے روتے (زمین پر) سرٹیک کر چنگ کو سرہانے رکھا ایک قبر پر گر پڑا اور سو گیا)

خواب بردش مرغ جاں از جس رست	چنگ و چنگی رارہا کرد و بخت
اس کو نیند آگئی جان کا پرندہ قید سے چھوٹ گیا	سارگی اور سارگی باز کو چھوڑا اور چل دیا
گشت آزاد تن و رنج جہاں	در جہان سادہ و صحرائے جاں
جسم سے اور دنیا کی تکلیف سے آزاد ہوا	سادہ عالم میں اور روح کے میدان میں (جا پہنچا)
جان او آنجا سراپاں ماجرا	کاندریں جاگر بماندندے مرا!
اس کی روح اس جگہ (یہ) قصہ گانے لگی	کہ کاش مجھے اسی جگہ رہنے دیتے!
خوش بدے جانم ازیں باغ و بہار	مست ایں صحراء غیب لالہ زار
اس باغ و بہار سے میری جان خوش ہوتی	اس لالہ زار غیبی میدان سے مست (ہوتی)
بے پرو بے پاسفرمی کردے	بے لب و دندان شکر میخوردے
میں بغیر پر اور پیر کے سفر کرتی	بغیر ہونٹ اور دانتوں کے شکر کھاتی
ذکر و فکرے فارغ از رنج دماغ	کردے باسا کناں چرخ لاغ
ذہنی الجھن سے فارغ ہو کر ذکر اور فکر (میں مشغولیت ہوتی)	آسمان میں بسنے والوں کے ساتھ خوشی مناتی
چشم بستہ عالمی دیدے	ورد و ریحاں بے کفے میچیدے
آنکھیں بند کر کے میں عالم کو دیکھتی	ہاتھ لگائے بغیر گلاب و ریحاں چنتی

یعنی اس پر نیند غالب ہوئی اور طائر روح اس جس تن سے چھوٹ گیا اور چنگ اور چنگی کو (یعنی اس کے جسم کو چھوڑ کر نکل گئی) مراد رستن اور جستن سے جسم سے تعلقات کا کم ہو جانا ہے جیسا خواب میں ہوتا ہے) اس کی روح تن اور رنج عالم سے آزاد ہو گئی اور ایک عالم سادہ میں یعنی صحرائے عالم ارواح میں پہنچی (پس عطف صحراء کا تفسیری ہے اس کو سادہ اس لئے کہا کہ قیود جسمانیہ سے منزہ ہے اور وہاں پہنچنے سے مراد اس طرف ملتفت اور مستغرق ہو جانا ہے) اس کی روح اس جگہ یہ قصہ گارہی تھی کہ اگر اس جگہ مجھ کو رہنے دیتے تو میری جان اس باغ و بہار میں خوب خوش رہتی اور اس صحرائے غیب اور لالہ زار میں مست پھرتی (یعنی) اگر پھر جسم سے تعلق نہ ہوتا تو سیر ملکوت میں کہ عالم ارواح کو شامل ہے مشغول رہتی) اور بدون پر اور پاؤں کے سفر کرتی اور بدون کب و دندان کے شکر کھاتی اور ایسے ذکر و فکر میں رہتی جس میں دماغ کو تعب نہ ہوتا اور ساکنان ملکوت کے ساتھ خوب خوشیاں مناتی اور آنکھ بند کئے ہوئے ایک عالم کو دیکھتی اور بدون ہاتھ کے گل و ریحاں چلتی (یہاں پیر و پاؤں و دندان و دماغ و چشم و کف سے مراد آلات جسمانیہ ہیں اور سفر اور شکر خواری و ذکر و فکر و بدن و چیدن سے مراد سیر و تلذذ بعالم ارواح ہے چونکہ اس عالم میں روح اپنے

افعال میں آلات جسمانیہ کی محتاج نہیں اس بناء پر یہ مضامین فرمائے گئے۔

مرغ آبی غرق دریائے عسل	عین ایوبی شراب و مغتسل
پانی کا پرندہ شہد کے دریا میں ڈوبا ہوا	حضرت ایوب (علیہ السلام) کا چشمہ جو پینے اور نہانے کا تھا
کہ بدو ایوب از پاتا بفرق	پاک شد از رنجہا چوں نور شرق
کہ جس کے ذریعہ حضرت ایوبؑ سے سر کی مانگ تک	نور شرق کی طرح تکلیفوں سے پاک ہوئے
گر بود ایں چرخ وہ چندے کہ ہست	نیست نزد آں جہاں جز تنگ و پست
اگر یہ آسمان موجودہ حالت سے دس گنا ہو	اس جہاں کے مقابلہ میں تنگ اور پست کے سوا کچھ نہیں ہے
مثنوی در حجم گر بودے چو چرخ	در نگیجیدے دریں زان نیم برخ
مثنوی (معنوی) اگر جسامت میں آسمان کی طرح ہوتی	اس میں اس (عالم کے بیان) کا آدھا کھڑا بھی نہ ساتا

عین ایوبی معطوف بردریا بخذف عاطف یہ مقولہ مولانا کا ہے یا مطرب کا (یعنی مطرب کی اس وقت وہ حالت ہوئی (جیسے مرغ آبی دریائے عسل میں غرض ہو جاوے یا چشمہ ایوبی میں غوطہ زن ہو جاوے جو کہ پینے کے لئے بھی تھا اور غسل کے لئے بھی تھا) روح مطرب کو مرغ آبی سے تشبیہ دی گئی اور عالم ارواح کو بوجہ لذت صفاء کے دریائے عسل و چشمہ ایوبی سے تشبیہ دی گئی) جس چشمہ کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام پاؤں سے سر تک تمام رنج و امراض سے نور آفتاب کی طرح صاف ہو گئی تھی (اسی طرح روح مطرب اس عالم کی مشغولی سے تمام غموم و ہوموم سے چھوٹ گئی تھی) اگر یہ آسمان جتنا اب ہے اس سے دس حصہ و زیادہ ہو جائے تو اس عالم کے سامنے پھر بھی تنگ و پست ہے اور مثنوی اگر حجم میں چرخ کے برابر ہو جاتی تو اس میں اس عالم (کے وسعت کے بیان) سے نیم پارہ بھی نہ ساتا (وجہ اس کی ظاہر ہے کہ عالم ارواح عالم امر سے ہے جو حدود و مقدار و مادہ سے خارج ہے جیسا اوپر ایک مقام پر محقق ہو چکا ہے اور یہ عالم مادی ہے اور حدود و مقدار و مادہ کے اندر داخل اور غیر محدود و محدود سے ظاہر ہے کہ وسیع ہوگا۔)

کاں زمین و آسمان بس فراخ	کرد از تنگی دلم را شاخ شاخ
اس بہت وسیع آسمان اور زمین نے	تنگی کی وجہ سے میرے دل کو پارہ پارہ کر دیا ہے
وین جہانے کاندیں خواہم نمود	از کشایش پرو بالم را کشود
اور یہ عالم جو اس نیند میں مجھے نظر آیا	اس نے وسعت کی وجہ سے میرے ہال و پرکھول دیئے ہیں
ایں جہان و راہش ار پیدا بدے	کم کسے یک لفظہ اینجا بدے
یہ عالم اور اس کا راستہ اگر نظر آتا	کوئی ایک لفظ کے لئے بھی اس جگہ نہ ہوتا
امر می آمد کہ ہیں طامع مشو	چوں ز پائیت خار بیروں شد برو
حکم ہوتا تھا کہ خیرداز لاپچی نہ بن	جبکہ تیرے بعد سے کاٹا کھل گیا جا

مولے میزد آنجا جان او	در فضائے رحمت و احسان او
اس کی جان اس جگہ ٹھیر و ٹھیرد کہتی تھی	اس کے احسان اور رحمت کی فضا میں

(یہ مقولہ ہے مطرب کا مرتبط ہے اس شعر سے خوش بدے لائح یعنی میری جان یہاں خوش رہتی) اس لئے کہ اس ناسوتی زمین و آسمان نے جو کہ بت ہی فراخ ہے (بمقابلہ عالم ملکوت کے) تنگ ہونے کی وجہ سے میرے دل کو پارہ پارہ کر رکھا ہے (یعنی انقباض ہوتا ہے) اور یہ عالم جو مجھ کو خواب میں نظر آیا ہے اس نے بوجہ کشادہ ہونے کے میرے پروبال کو کھول رکھا ہے یعنی روحانی انشراح حاصل ہے اب مولانا بطور جملہ معترضہ کے فرماتے ہیں کہ) اگر یہ عالم ملکوت (جس میں بہشت بھی ہے) اور اس تک پہنچنے کا راستہ ظاہر ہو جاتا تو (اس کے لطف و مسرت کو دیکھ کر لوگوں کا یہ حال ہو جاتا کہ) کوئی شخص یہاں دنیا میں بہت ہی کم رہنا پسند کرتا (کما قال تعالیٰ ان زعمتم انکم اولیاء اللہ کذا قال مرشدی) روح مطرب کو (قضا و قدر سے) خطاب ہو رہا تھا کہ خبردار بہت لالچ مت کہ جب تیرے پاؤں سے خار (غفلت) نکل چکا (جو اس عالم کے مشاہدہ کرانے سے مقصود تھا) تو اب تو (دنیا میں جا) (مگر) اس کی روح وہاں چل رہی تھی یعنی حق تعالیٰ کی رحمت و احسان کے میدان میں (مطلب یہ کہ آنا چاہتی تھی ف شعرا این جہاں و رمش لائح پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے مرنے میں کیوں تامل فرمایا جو اب یہ ہے کہ چونکہ ان کو ناسوت میں بھی مشاہدہ دائمی ملکوت کا حاصل تھا گویا زندہ در بہشت تھے اس لئے یہ مشاہدہ موت پر موقوف نہ تھا اور ارشاد خلائق اعتبار سے ناسوت میں ترجیح تھی اور یہ شعرا ان عوام کے لئے ہے جن کے مشاہدہ دائمی ملکوت کے لئے مفارقت ناسوت شرط ہے کذا قال مرشدی

در خواب گفتن ہاتف با عمر کہ چندیں ز راز بیت المال

باں مردودہ کہ در گورستان خفتہ است

غیبی آواز کا نیند میں حضرت عمرؓ سے کہنا کہ اس قدر روپیہ بیت المال سے اس شخص کو دے دو جو قبرستان میں سویا ہوا ہے

آں زماں حق بر عمرؓ خوابے گماشت	تا کہ خویش از خواب نتوانست داشت
اس وقت اللہ (تعالیٰ) نے حضرت عمرؓ پر نیند طاری کر دی	یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے
در عجب افتاد کیس معہود نیست	وین ز غیب افتاد بے مقصود نیست
تعب کیا کہ یہ عادت نہیں ہے	یہ غیب سے آئی ہے بلا مقصد نہیں ہے
سر نہاد و خواب بردش خواب دید	کامدش از حق ندا جالش شنید
سر رکھا اور ان کو نیند آ گئی خواب دیکھا	ان کو اللہ تعالیٰ کی آواز آئی جو ان کی جان نے سنی

یعنی اس وقت جبکہ پیر چنگلی گورستان میں بے ہوش پڑا تھا) حق تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پر نیند کو اس درجہ غالب کیا کہ اپنے کو سونے سے کسی طرح روک نہ سکے آپ تعجب میں ہوئے کہ اس وقت تو سونا معمول نہیں ضرور یہ امر منجانب غیب ہے اور خالی از حکمت نہیں فوراً سر رکھ کر لیٹ گئے اور سو گئے خواب دیکھا حق تعالیٰ کی طرف سے ایک ندائے غیبی آئی جس کو ان کی روح نے سنا (اس کا مضمون آگے آویگا۔)

آں ندائے کاصل ہر بانگ و نواست	خود ندا آنت و این باقی صداست
وہ آواز ' جو ہر آواز اور صدا کی اصل ہے	وہی آواز ہے اور یہ سب گونج ہے
ترک و کرد و پارسی گو و عرب	فہم کردہ آں ندائے گوش و لب
ترک اور کرد اور فارسی بولنے والے اور عرب	بغیر کان اور ہونٹ کے اس آواز کو سن چکے ہیں
خود چہ جائے ترک و تاجیک ست و زنگ	فہم کردست این نداد را چوب و سنگ
ترک اور تاجیک اور حبشی پر منحصر نہیں ہے	اس آواز کو تو لکڑی اور پتھر نے سنا ہے
ہر دمے ازوے ہمی آید الست	جوہر و اعراض می گردند مست
ہر وقت اس کی جانب سے الست (کی آواز) آتی ہے	جس سے جوہر اور عرص مست ہو جاتے ہیں
گر نمی آید بلے زیشاں ولے	آمدن شاں از عدم باشد بلے
اگرچہ ان کی جانب سے "بلے" نہیں لگتا ہے لیکن	ان کا عدم سے آنا "بلے" ہے

(اس میں ندائے غیبی کی صفت ہے کہ وہ ایسی ندا ہے جو تمام آوازوں کی اصل (یعنی علت موجودہ) ہے) کیونکہ منصوص قرآنی ہے کہ سب اشیاء کی ایجاد امر کن سے ہوتی ہے اور وہ کلام حق ہے جس کو ندائے غیبی سے تعبیر کیا ہے اور ندائے حقیقی تو وہی ندا ہے باقی تو سب صدائیں ہیں (جو پہاڑ وغیرہ میں آواز دینے سے پیدا ہو جاتی ہیں تشبیہ صرف علت و معلول ہونے میں ہے نہ بعینہ حکایت و محکی عنہ ہونے میں) اور جتنی قومیں ہیں عوام و خواص سب نے اس ندا کو اس طرح سمجھا ہے کہ نہ متکلم محتاج لب ہوئے نہ سامعین کے کان تھے (کیونکہ یوم میثاق میں کلام حق الست بر حکم سب نے سمجھا اور اللہ تعالیٰ کا لب سے منزہ ہونا ظاہر ہے اور ان کے بھی یہ متعارف کان نہ تھے) اور ان ذوی العقول لوگوں کا تو کیا ذکر ہے اس ندا کو تو چوب و سنگ (جمادات) بھی سمجھتے ہیں چنانچہ ہر وقت ادھر سے بانگ الست آرہی ہے (مراد مطلق کلام حق ہے) (اطلاقاً لعمد علی المطلق) اور سب جوہر و اعراض (جمادات وغیرہ جمادات) اس سے مست (دستخ) ہو رہے ہیں (کیونکہ عموم تصرف کلمہ کن کا معلوم و مسلم ہے تو ندا ہونا تو یقینی رہا مکونات کا اس کو سمجھنا سوا اگر ان میں شعور ثابت ہو جیسا اہل کشف فرماتے ہیں تب تو کوئی استبعاد نہیں اور اگر شعور نہ مانا جاوے جیسا اہل ظاہر کا زعم ہے تو اس وقت ان کے انقیاد اضطراری کو تشبیہاً فہم کہہ دیا کہ مثل اہل فہم کے منقاد ہیں) اور اگر ان مکونات کی طرف سے (ندائے حق کے جواب میں) لفظ بلے نہیں کہا جاتا (تو کیا مضا لقتہ اس سے شبہ عدم فہم کا نہ کیا جاوے کیونکہ) ان کا عدم سے (وجود میں) آ جانا یہی بلے کہنا ہے (یعنی اگر اطاعت بالقول نہیں تو کیا ہے اطاعت بالفعل تو ہے اور گا ہے بعد فہم کے محض اطاعت فعلی پر اکتفا کیا جاتا ہے بلکہ یہ اطاعت وقولی سے مبلغ ہی کذا قال مرشدی

آنچه من کفتم ز فہم چوب و سنگ	در بیانش قصہ بشنو بے درنگ
وہ جو میں نے لکڑی اور پتھر کے سمجھنے کی بات کہی ہے	اس کے بیان میں فوری طور پر ایک قصہ سن لے
آنچه کفتم ز اشنائی سنگ و چوب	در بیانش قصہ ہشدار خوب
میں نے پتھر اور لکڑی کی سمجھ بوجھ کی جو بات کہی ہے	اس کے بیان میں ایک قصہ ہے خوب غور کر

یعنی میں نے جو اوپر سنگ کے فہم اور شعور کا بیان کیا ہے اس کی تائید میں ایک اچھا قصہ سنوا اور سمجھو کہ اس میں نالیہ ستون کیساتھ اس کی باتیں کرنے کا اور اسی طرح دوسری حرکات عاقلانہ کا بھی ذکر ہے جو دلیل ہے اس کے ذی فہم ہونے کی

نالیدن ستون حنانہ از فراق پیغمبر علیہ السلام کہ جماعت انبوه شدند و گفتند کہ ماروئے مبارک ترا چوں برآں نشسته نمی بینیم و منبر ساختن و شنیدن رسول خدا نالہ ستون را بصرت و مکالمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی وجہ سے حنانہ ستون کے رونے کا قصہ جبکہ ایک مجمع جمع ہوا اور انہوں نے کہا کہ جب آپ اس پر بیٹھتے ہیں ہم آپ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھ پاتے اور منبر کا بنانا اور رسول خدا کا ستون کا رونا صاف سنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے گفتگو فائدہ نالہ کرنا تو صحاح میں مذکور ہے اور مکالمت داری میں مبروی ہے

استن حنانہ در حجر رسول	نالہ میزد ہچو ارباب عقول
حنانہ ستون رسول کی جدائی میں	سمجھداروں کی طرح روتا تھا
در میان مجلس وعظ آنچنان	کزوے آگاہ گشت ہم پیرو جوان
وعظ کی مجلس کے دوران اس طرح (رویا)	کہ اس سے بوڑھے اور جوان واقف ہو گئے
در تخیر ماند اصحاب رسول	کز چہ می نالہ ستون با عرض و طول
رسول کے صحابہ حیرت میں پڑ گئے	کہ ستون لمبائی اور چوڑائی کے ساتھ کیوں روتا ہے
گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستون	گفت جانم از فراق گشت خون
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے ستون تو کیا چاہتا ہے	بولا کہ میری جان آپ کے فراق سے خون ہو گئی ہے
از فراق تو مرا چوں سوخت جاں	چوں ننالم بے تو اے جان جہاں
چونکہ میری جان آپ کی جدائی میں جل گئی ہے	اے جان عالم! آپ کے بغیر میں کیوں نہ روؤں
مسندت من بودم از من تاختی	بر سر منبر تو مسند ساختی
میں آپ کی مسند تھا، آپ مجھ سے دور ہو گئے	اور منبر پر آپ نے مسند بنا لی

یعنی ستون حنانہ (نالہ کنندہ) رسول ﷺ کی جدائی سے (جس کا بیان آگے آتا ہے ذوی العقول کی طرے مجلس وعظ میں اس طرح (علی الاعلان) روتا تھا کہ اس کے رونے ک سب پیرو جوان کو خبر ہو گئی (یعنی سب نے اس کا رونا سنا) حضور ﷺ کے صحابہ بخیرت میں رہ گئے کہ یہ ستون عرض سے بھی طول سے بھی (یعنی ہر چیز سے) کس وجہ سے روتا ہے پیغمبر ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ اے ستون تو (کیوں روتا ہے اور) کیا چاہتا ہے عرض کیا کہ میری جان آپ کے فراق سے خون ہو گئی جب میری جان آپ کے فراق سے سوخت ہو گئی ہو تو میں کیسے نہ روؤں کیونکہ پہلے (جب تک منبر نہ بنا تھا) میں آپ کا تکیہ گاہ تھا (کہ خطبہ کے وقت اس سے کمر لگاتے تھے) آپ میرے پاس سے ہٹ گئے اور منبر پر مسند لگائی۔

پس رسولش گفت کائے نیکو درخت	اے شدہ باسر تو ہمزاز بخت
تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے بھلے درخت!	اے وہ کہ تیرے باطن کو خوش لیبی حاصل ہے!
گرہمی خواہی ترا نخلے کنند	شرقی و غربی ز تو میوہ چند
اگر تو چاہتا ہے تجھے کھجور بنا دیں	شرق اور مغرب کے لوگ تیرا میوہ چیں
یاد راں عالم هقت سروے کند	تا تر و تازہ بمانی تا ابد
یا اس جہاں میں اللہ (تعالیٰ) تجھے سرو بنا دے	تاکہ تو ہمیشہ تر و تازہ رہے
گفت آنخواہم کہ دائم شد بقاش	بشنو اے غافل کم از چوبے مباش
بول میں وہ چاہتا ہوں کہ جس کی بقا دائمی ہو	اے غافل سن! تو کڑی سے کم نہ بن

پھر رسول ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اے نیک درخت (چونکہ وہ تندرخت کا تھا اس لئے درخت کہہ دیا گیا) کہ تیرے باطن کے ساتھ بخت بلند ہمزاز ہے (یعنی باطن تو صاحب نصیب ہے اگر تیری خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کر کے) تجھ کو شرم دار درخت بنوادوں تاکہ اہل مشرف و مغرب تجھ سے نفع حاصل کریں اور میوہ لیا کریں یا اگر کہے تو یہ دعا کروں کہ حق تعالیٰ اس عالم میں تجھ کو درخت بنا دیں تاکہ ابد لآباد تک تر و تازہ رہے اس نے عرض کیا کہ مجھ کو اسی چیز کی خواہش ہے جس کو ہمیشہ کے لئے بقاء ہو (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) اے غافل ذرا سن تو چوب سے تو کمتر مت ہو (کہ اس نے دارالبقاء کو اختیار کیا اور تو دارالفناء کی طلب میں سرگرداں ہے)

آں ستوں را دفن کرد اندرز میں	کہ چو مردم حشر گردد یوم دیں
اس ستون کو زمین میں دفن کر دیا	جو انسانوں کی طرح قیامت میں اٹھایا جائے گا
تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند	از ہمہ کار جہاں بیکار ماند
تاکہ تو سمجھ جائے کہ جس کو خدا نے بیکار لیا	وہ دنیا کے تمام کاموں سے بیکار ہو گیا
ہر کہ را باشد ز یزداں کاروبار	یافت بار آنجا و بیروں شدز کار
جس کا خدا (تعالیٰ) سے کاروبار ہوتا ہے	وہ وہاں ہاں بیاب ہو جاتا ہے اور (دنیا کے) کام کا نہیں رہتا

(یعنی اس ستون کو زمین کے اندر دفن کر دیا پس قیامت کے روز آدمیوں کی طرح محشر ہوگا) اور دفن کرنا اشارہ اس طرح ہے تاکہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا لیا وہ دنیا کے تمام کاروبار سے بیکار ہو جاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے اس کی وہاں رسائی ہو جاتی ہے اور کار دنیا سے خارج ہو جاتا ہے (وجہ اشارہ ظاہر ہے کہ ستون نے جب آخرت کو اختیار کیا تو اس کو پھر دنیا کے کسی کام میں نہیں لائے بلکہ دفن کر دیا جس سے وہ اور کسی کام کا نہیں رہا پس جو شخص آخرت کو اختیار کرے گا جو موقوف ہے اللہ تعالیٰ کے بلانے پر وہ بھی ایسا ہی ہو جائے گا)

وانکہ او را نبود از اسرار داد	کے کند تصدیق او نالہ جماد
وہ شخص جس کو اسرار کی بخشش نہ ہو	وہ بے جان کے رونے کی کب تصدیق کرتا ہے؟

گوید آری نے ز دل بہر وفاق	تا نگویندش کہ ہست اہل نفاق
موافقت کی خاطر ہاں (زبان سے) کہہ دے گا نہ کہ دل سے	تاکہ اس کو لوگ منافق نہ کہیں
گر نیندے واقفان امر کن	در جہاں روگشتہ بودے اس سخن
اگر امر کن کے واقف کار نہ ہوتے	تو دنیا میں یہ بات مانی نہ جاتی

(یعنی اگرچہ قصہ مذکور سے جمادات کا نالہ و کلام کرنا ثابت ہو گیا مگر) جس شخص کو اسرار (یعنی علم باطن) سے کچھ حصہ نہیں ملا (محض علوم طبعیہ فلسفینہ کا مقید ہے) وہ (اس قصہ) نالہ جماد کی کب تصدیق کریگا اور یوں زبان سے محض (مسلمانوں کی) موافقت کے واسطے ہاں ہاں کر لے گا مگر دل سے نہ مانے گا بلکہ صرف اس واسطے کہ مسلمان اس کو یوں نہ کہیں کہ یہ منافقین میں سے ہے اگر دنیا میں (امر کن کے واقف لوگ) (یعنی اہل باطن) نہ ہوتے تو دنیا میں یہ بات (کہ جمادات میں بھی شعور ہے) بالکل رد ہو جاتی (کیونکہ عقل متوسط اس کو قبول نہ کرتی اور کوئی صاحب قوت قدسیہ موجود نہ ہوتا پس لامحالہ ان کا عام ہو جاتا اور اب بعض کو اس کا کشف عیانی ہے بعض کو کشف وجدانی و شرح صدر ہے کچھ لوگ ان کے اتباع سے اس کے معتقد ہیں اس لئے انکار عام نہیں ہے)

صد ہزاراں ز اہل تقلید و نشاں	افگند شاں نیم و ہے در گماں
لاکھوں مقلدوں اور کبیر کے فقیروں کو	آدھا وہم (پورے) وہم میں مبتلا کر دیتا ہے
کہ بظن تقلید و استدلال شاں	قائم ست و جملہ پر وبال شاں
اس لئے کہ ان کی تقلید اور ان کا استدلال ظن پر	قائم ہے اور ان کے سب بال و پر (ظلیات ہیں)
شبہ می انگیزد آں شیطان دوں	در رفتند اسیں جملہ کوراں سرنگوں
وہ کینہ شیطان شہ پیدا کر دیتا ہے	جس سے یہ سب اندھے اندھے گر جاتے ہیں
پائے استدلالیاں چوبیس بود	پائے چوبیس سخت بے تمکین بود
(عقلی) دلائل والوں کا پیر لکڑی کا ہوتا ہے	(اور) لکڑی کا پیر بہت کمزور ہوتا ہے
غیر آں قطب زمان دیدہ ور	کز شائش کوہ گرد و خیرہ سر
سوائے اس قطب دوران صاحب بصیرت کے	کہ اس کے جماؤ سے پہاڑ حیران ہو جاتا ہے

(اس میں منکرین کے علوم و دلائل کے ضعف کا بیان ہے کہ لاکھوں آدمی جو محض (فلاسفہ و نظر عقلی کی) تقلید اور آثار (سے) اسباب پر استدلال کرنے والے ہیں (اور اسباب و علل حقیقیہ تک نہیں پہنچتے) ان کو ذرا سا وہم (جس کو وہ نظر عقلی سمجھتے ہیں) گمان (غلط اور دعویٰ باطل میں ڈال دیتا ہے کیونکہ ان کا استدلال اور تقلید مذکورین) محض ظلیات پر مبنی ہے اور وہی ان کا تمام تر پر وبال ہے (جس سے وہ عروج کرتے ہیں) جہاں شیطان کینہ نے ذرا شبہ ڈالا اور یہ (دل کے) اندھے سب کے سب (جہل میں) سرنگوں جا کرے غرض اہل استدلال کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی لکڑی کا پاؤں لگا کر چلنے لگے اور ظاہر ہے کہ لکڑی کا پاؤں محض کمزور ہوگا (اسی طرح ان کا مدار تمام تر دلائل عقلیہ پر ہوتا ہے جو صورت کے اعتبار سے تو غالباً صحیح ہوتی ہیں مگر مادہ یعنی مفہوم مقدمات کا منہا اکثر تخمینہ

اور وہی محض ہوتا ہے جس کو وہ بدیہی کہہ کر جان بچا لیتے ہیں) بخلاف قطب زمان کے جو کہ صاحب بصیرت ہوتا ہے جس کے ثبات و استقلال (علمی و عملی و حالی) سے پہاڑ بھی حیران ہو جاتا ہے (یعنی ایسے شخص کا مدار علم وہی ہوتا ہے جس کے روبرو دلائل فلسفہ محض لغو و لچر ہیں اور تخصیص قطب زمان کی باعتبار اس کے ہے کہ وہ اس علم میں اکمل ہے ورنہ تمام اہل اللہ کے لئے یہ حکم عام ہے۔

پائے نابینا عصا باشد عصا	تانیفتد سرنگوں او بر حصا
اندھے کا ہر لاٹھی ہوتی ہے لاٹھی	تاکہ وہ کنکریوں پر سر کے بل نہ گرے
آں سوارے کو سپہ را شد ظفر	اہل دل را کیست سلطان بصر
وہ سوار جو سپاہیوں کی فتح (کا باعث) ہے	دیہداروں کے لئے کون ہے؟ فرمانروائے بصیرت ہے
باعصا کوراں اگر رہ دیدہ اند	در پناہ خلق روشن دیدہ اند
اندھوں نے اگر لاٹھی سے راستہ ٹول لیا ہے	تو روشن چشم مخلوق کی پناہ میں ہیں
گر نہ بینایاں بدندے و شہاں	جملہ کوراں خود بمردندے عیاں
اگر آنکھوں والے اور شاہ نہ ہوتے	تمام اندھے صاف مر جاتے
نے زکوراں کشت آیدنے درود	نے عمارت نے تجارتہا و سود
اندھوں سے نہ بونا آئے نہ کاٹا	نہ تعمیر کرنا نہ تجارت اور نہ نفع
گر نبودے رحمت و افضال شاں	در شکستے چوب استدلال شاں
اگر ان کی مہربانیاں اور شفقت نہ ہوتی	ان کے استدلال کی لاٹھی ٹوٹ جاتی

(اس میں پائے چوبین کا ضعیف ہونا اور اہل پائے چوبین کا رہنما و دستگیر کی طرف محتاج ہونا بیان کرتے ہیں کہ) اندھے کا پاؤں صرف عصا اس لئے ہوتا ہے تاکہ کہیں کنکر (پتھر) پر سرنگوں نہ گر پڑے اور ایسا سوار کہ اہل دین کی سپاہ کے لئے (نشان) ظفر ہو صرف وہ ہے جو شاہ بصر ہو (یعنی نگاہ تیز رکھتا ہو مراد اس سے عارفین و اولیاء اللہ ہیں کہ مجھوین جو نگاہ بصیرت نہیں رکھتے گو علوم عقلیہ رکھتے ہوں ان کا اتباع کر کے حق تک پہنچ گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ) جو نابینا عصا لئے ہوئے ہیں ان کو اگر کہیں راستہ معلوم ہو گیا ہے تو (یقیناً سمجھ لو کہ) وہ کسی روشن دیدہ مخلوق کی پناہ میں ہوں گے (یعنی اہل استدلال و اہل نظر کو باوجود علوم وہیہ نہ ہونے کے اگر حق واضح ہو گیا ہے تو صرف عارفین کا ملین کے اتباع کی بدولت ہے کہ ان کی تحقیق کو اپنے دلائل پر ترجیح دے کر مان لیا اگر دنیا میں بینا اور بادشاہ لوگ نہ ہوتے تو تمام اندھے دنیا میں مر جاتے کیونکہ اندھوں سے نہ تو کھیتی ہوتی نہ کھیتی کاٹ سکتے نہ عمارتیں بنا سکتے نہ تجارت کر کے نفع حاصل کر سکتے (اسی طرح اگر عارفین نہ ہوتے تو مجھوین موت جہل سے مر جاتے کیونکہ نہ حقیقت سمجھ سکتے نہ شبہات کو رفع کر سکتے اور اب گو خود محقق نہیں ہیں مگر اتباع سے حق تک تو پہنچ گئے) پس اگر ان عارفین کی مہربانی اور عنایت نہ ہوتی (اور شفقت و رحم سے امور حقہ کا اظہار نہ فرماتے) تو مجھوین کا عصائے استدلال فوراً شکستہ ہو جاتا (یعنی دلائل سے اثبات حق نہ کر سکتے تھے چنانچہ عصا کی تفسیر دلائل کے ساتھ آگے خود فرماتے ہیں۔

آں عصا کہ دادشاں بینا جلیل	ایں عصا چہ بود قیاسات و دلیل
یہ وہ لاشی ہے جو ان کو (خدا) بصیر و جلیل نے دی ہے	یہ لاشی کیا ہے قیاس اور دلیل
آں عصا از خشم ہم بروے ز دید	او عصاتاں داد تا پیش آمدید
غصہ سے وہ لاشی تم نے اس پر دے ماری	اس نے تمہیں لاشی دی تاکہ آگے بڑھو
آں عصا را خورد بشکن اے ضریر	چوں عصا شد آلت جنگ و نفیر
اے اندھے! اس لاشی کا چورا چورا کر دے	جب لاشی جنگ اور بھگدڑ کا ذریعہ ہوگی
دید باں را در میانہ آورید	حلقہ کوراں بچہ کار اندرید
کسی صاحب بصیرت کو درمیان میں لاؤ	تم انہوں کے حلقہ میں کیوں ہو؟
در نگر کا دم چہا دید از عصی	دامن او گیر کو دادت عصا
غور کر آدم (علیہ السلام) نے نافرمانی سے کیا دیکھا؟	اس کا دامن پکڑ جس نے تجھے لاشی دی ہے

یعنی اس عصا سے کیا مراد ہے قیاسات و دلائل (عقلیہ جس سے نصوص صریحہ کا انکار یا اس میں تاویلیں کرتے ہیں) اور یہ عصا ان کو کس نے دیا ہے حق جل و علا شانہ نے (یعنی خدا تعالیٰ نے دولت عقل اس لئے دی تھی کہ اس سے انبیاء و اولیاء کو پہچان کر ان کا اتباع کریں انہوں نے اس کو اللہ تعالیٰ ہی کی مخالفت میں صرف کیا اور ان کے کلام میں تصرف شروع کیا) پس جب یہ عصا (ایسی چیز ہے کہ یہ ذریعہ جنگ و مخالفت ہے (جیسا ابھی بیان ہوا) تو اے نایناؤں اس عصا کو بالکل ریزہ ریزہ کر ڈالو (یعنی نصوص کے مقابلہ میں اس کو معطل محض کر دو) اللہ تعالیٰ ہی نے تو تم کو یہ عصا (استدلال) دیا اور تم انہیں کے مقابل خشم (و مخالفت) سے وہ عصا لے کھڑے ہو گئے (یعنی اس کے ذریعہ سے) نصوص کا انکار یا تحریف کرنے لگے) اے اندھوں کے گروہ تم کس واہیات میں لگ رہے ہو (یعنی تمہاری شیخی ادراک حقائق بالعقل میں محض عبث ہے) کسی آنکھ والے کو اپنے مجمع میں لاؤ (یعنی کامل کا اتباع کرو) جس ذات پاک نے تم کو یہ عصا دیا ہے تم اس کا دامن پکڑو (یعنی بلا تاویل کلام حق سے کہ جبل اللہ ہی تمسک کرو) اور یہ دیکھ لو کہ حضرت آدم علیہ السلام نے عصا سے کیا شمرہ پایا (یہاں عصی ماضی کا صیغہ ہے اشارہ ہے اس آیت کی طرف عصی آدم ربہ فغویٰ اور یہاں اس کا لانا صنعت شاعری ہے اور مراد اس سے تاویل ہی نص میں کہ سبب ہو گیا تھا اس عصیان مذکورنی لآیۃ نا اطلاقا لمسبب علی السبب کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو تاویل سے غلطی ہوئی۔

چوں عصا شد مار و استن باخبر	معجزہ موسیٰ و احمد در نگر
لاشی سانپ کیسے بنی اور ستون کیسے باخبر ہوا؟	(حضرت) موسیٰ اور (حضرت) احمد علیہما السلام کے معجزے پر غور کر
از عصا ماری و از استن حنین	پنج نوبت میزنند از بہر دیں
لاشی کا سانپ بن جاتا اور ستون کا رونا	دین کے لئے پانچ وقت نفاہہ پینتے ہیں
گر نہ نامعقول بودے ایں مزہ	کے بدے حاجت بچندیں معجزہ
اگر یہ مزہ عقل میں نہ آنے والا نہ ہوتا	تو اس قدر معجزوں کی کب ضرورت پڑتی؟

ہرچہ معقول ست عقلت میزد	بے بیان معجزہ بے جزر و مد
جو عقل میں آنے والی بات ہوتی ہے تیری عقل اس کو قبول کر لیتی ہے	بغیر معجزہ کے ظہور کے اور بغیر رد و کد کے
اس طریق نکر نامعقول ہیں	در دل ہر مقبلے مقبول ہیں
اس انوکھے اور عقل میں نہ آنے والے طریقہ کو دیکھ	ہر ہانصب مقبول (مفہم) کے دل میں دیکھ

ماری بیارے مصدری بمعنی ماشدن نامعقول غیر مدرک بالعقل نہ مناقص عقل جزر کشیدن مددراز کردن آب دریا نکر بمعنی منکر مقابل معروف اس میں تائید و تیمم ہے ماسبق کی کہ محض مدرک بالعقل نہ ہو سکنے سے کسی امر کو رد نہ کرنا چاہئے کیونکہ اکثر امور حقہ کے لئے ادراک عقلی ناکافی ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور حضرت احمد مصطفیٰ ﷺ کے معجزہ کو دیکھو کہ عصا کس طرح سانپ بن گیا اور ستون کس طرح باشعور ہو گیا عصا کا مار بن جانا اور ستون کا نالہ کرنا یہ اہل دین کے لئے آواز بلند و تکرار حق کا اثبات کر رہے ہیں (جس کو اہل دین قبول کر رہے ہیں) اگر یہ ذوق دین حق غیر مدرک بالعقل نہ ہوتا (بلکہ ادراک عقلی اس کے لئے کافی ہوتا) تو اس قدر معجزات کی (جو کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو عطا ہوئے ہیں) ضرورت ہی کب ہوتی کیونکہ جو امر مدرک بالعقل ہوتا ہے اس کو تو عقل بلا بیان معجزہ و بلا تردید قبول ہی کر لیتی ہے (پھر اثبات نبوت و وجوب اتباع انبیاء کیا ضرورت تھا پس اس کثرت سے معجزات کا ملنا صریح دلیل ہے اس پر کہ اسرار دین ضرور غیر مدرک بالعقل ہیں مگر پھر بھی اس طریق غیر معروف عند العقل غیر مدرک بالقیاس کو (کہ عبارت ہے دین سے) دیکھو کہ ہر صاحب اقبال کے قلب میں کس طرح مقبول ہو رہا ہے (صاحب اقبال سے مراد سعید ازلی و دیندار)

آں چناں کز بیم آدم دیو و دو	در جزائر در رمیدند از حسد
جس طرح آدمی کے ڈر سے جن اور درندے	حسد کی وجہ سے جزیروں میں، ہماگ گئے
ہم ز بیم معجزات انبیا	سرکشیدہ منکراں زیر گیا
نبیوں کے معجزوں کے خوف سے بھی	منکروں نے گھاس کے نیچے سر چمپا لیا
تا بنا موس مسلمان زیند	در سلسل تاندانی کہ کیند
تاکہ مسلمانی کی عزت کے ساتھ زندہ رہیں	مکاری میں تاکہ تو یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ کون ہیں؟
ہمچو قلاباں برآں نقد تباہ	نقرہ می مالند و نام پادشاہ
کھونٹے سکے ہٹانے والوں کی طرح اس خراب سکے پر	چاندی اور بادشاہ کا نام چڑھاتے ہیں
ظاہراً الفاظ توحید و شرع	باطن آں ہمچو درناں تخم ضرع
بظاہر توحید اور شریعت کے الفاظ ہیں	باطن ان کا ایسا ہے جیسے روٹی میں ضرع کے بیج
فلسفی را زہرہ نے تادم زند	دم زند دین حقش برہم زند
فلسفی کی مجال نہیں کہ دم مارے	دم مارے تو سچا دین اس کو بیخ دے

ضرع گیا ہے ست کی پچھنیں مربوط بہ ہم زبیم الخ کہ در بیت مابعد است تسلسل تملق اس میں مذمت ہے ان لوگوں کہ دل سے ایسے امور غیر مد رک بالعقل کی تکذیب کرتے ہیں اور زبان سے بمصلحت یا بخوف تصدیق کر لیتے ہیں (یعنی) جس طرح کہ آدمی کے خوف سے شیاطین و وحوش جزائر میں بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور نیز حسد یعنی نفرت طبعی) کی وجہ سے بھی اسی طرح معجزات انبیاء علیہم السلام کے خوف سے منکر لوگ گھانس میں سردے ہوئے پڑے ہیں (خوف معجزات سے مراد خوف عقوبت دنیویہ ہے جو انکار معجزات پر حکومت اسلام کے زمانہ میں جس میں مولانا تشریف رکھتے تھے مرتب ہوتا تھا کہ ملحدین و زنادقہ قتل کر دیے جاتے تھے یعنی اس اندیشہ سے زبان سے انکار نہیں کر سکتے) تاکہ اسلامی آبرو کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں اور مسلمانوں کے تملق میں رہیں تاکہ یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کس عقیدہ کے ہیں جس طرح کھوٹا روپیہ چلانے والے نقد تباہ (یعنی ناقص معدنی) پر چاندی کا پانی پھیر دیتے ہیں اور بادشاہ کے نام کا ٹھپہ لگا دیتے ہیں اسی طرح ان (منکرین منافقین) کے ظاہری الفاظ تو تو حید اور شرع کے ہیں مگر اس ظاہر کے اندر باطن ایسا ہے جیسا روٹی کے اندر (مثلاً) تخم ضرع ہو (کہ اوپر سے طیب اندر سے خبیث اسی طرح انکا ظاہر ایمان اور باطن کفر) غرض (خوف سے فلسفی کی مجال نہیں کہ ذرا دم مارے اور معجزات کا انکار کرے) اور اگر ذرا بھی دم مارے تو دین حق اس کو درہم و برہم کر ڈالے (یعنی حاکم اسلام اس کو قتل کر ڈالے)

دست و پائے او جماد و جان او	ہر چہ گوید آں دو در فرمان او
اس کے ہاتھ اور پیر جماد ہیں اور اس کی روح	جو کچھ کہتی ہے وہ دونوں اس کے حکم میں ہیں
بازباں گر چہ کہ تہمت می نہند	دست و پا ہاشاں گواہی می دہند
زبان سے اگرچہ وہ تہمت دہرتے ہیں	ان کے ہاتھ اور پیر گواہی دیتے ہیں

(اس میں ایک دلیل الزامی کا بیان ہے کہ دیکھو) فلسفی کے (مثلاً) ہاتھ پاؤں جماد ہیں اور پھر بھی اس کی جان جو کچھ ان کو امر کرتی ہے وہ اس کا کہنا مانتے ہیں پس گویا زبان سے تو انفر کرتے ہیں (کہ جماد میں مادہ اطاعت کا نہیں مگر خود ان کے ہاتھ پاؤں (باعتبار حالت مذکور کے) گواہی دے رہے ہیں کہ ان کا انفر محض غلط ہے اور جماد میں مادہ اطاعت کا ہے اور یہاں دست و پا سے مراد مطلق جوارج ہیں کہ زبان بھی اس میں داخل ہے جس میں نطق بھی ہے (اسی طرح شعور سب میں ہے اگر کہا جاوے کہ ان جوارج کو تو روح سے تعلق ہے اس لئے جماد محض نہیں جو اب یہ ہے کہ اسی طرح جمادات کو روح ارواح سے تعلق خاص ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں تعلق تعلق تدبیر ہیں نہ تعلق حلول پس ان میں حیات ہونا کیا عجیب ہے۔)

اظہار معجزہ پیغمبر و بسخن آمدن سنگریزہ در دست ابو جہل

و گواہی دادن بر سالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معجزہ ظاہر کرنا اور سنگریزوں کا ابو جہل کے ہاتھ میں ہات کرنا اور گواہی دینا آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر

قصہ ستون حنانہ سہی نباتات کا شعور و تکلم ثابت کیا تھا اس قصہ سے جمادات کا شعور و تکلم ثابت کرتے ہیں کذا قال

مرشدی) فائدہ یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری

سنگہا اندر کف بو جہل بود	گفت اے احمد بگو ایں چہست زود
سنگ ریزے ابو جہل کی مٹھی میں تھے	بولا اے احمد پ جلد بتا یہ کیا ہے؟
گر رسولی چہست دردستم نہاں	چوں خبرداری زر از آسماں
اگر تو رسول ہے میرے ہاتھ میں کیا چھپا ہے؟	جبکہ آسمان کے راز کا تو خبردار ہے
گفت چوں خواہی بگویم کاںچہاست	یا بگویند آنکہ ماہقیم و راست
فرمایا تو کیا چاہتا ہے میں بتاؤں کہ وہ کیا ہے؟	یا وہ کہیں کہ ہم برحق اور سچے ہیں
گفت بو جہل آں دوم نادر ترست	گفت آ رے حق ازاں قادر ترست
ابو جہل نے کہا دوسری بات زیادہ الوکی ہے	فرمایا ہاں (اللہ تعالیٰ) اس سے زیادہ پر قادر ہے
گفت شش پارہ حجر در دست تست	بشنو از ہر یک تو تسبیح درست
فرمایا تیرے ہاتھ میں پتھر کے چھ ٹکڑے ہیں	اور ہر ایک سے تو صحیح تسبیح سن لے
از میان مشت او ہر پارہ سنگ	در شہادت گفتن آمد بے درنگ
اس کی مٹھی میں ہر سنگریزے نے	فورا (کلمہ) شہادت پڑھنا شروع کر دیا
لا الہ گفت والا اللہ گفت	گوہر احمد رسول اللہ سفت
لا الہ کہا اور الا اللہ کہا	احمد رسول اللہ کا موتی پر دیا
چوں شنید از سنگہا بو جہل ایں	زد زختم آں سنگہارا بر زمیں
ابو جہل نے جب پتھروں سے یہ سنا	غصہ سے ان پتھروں کو زمین پر دے مارا
گفت نبود مثل تو ساحر دگر	ساحراں را سر توئی و تاج سر
بولا تجھ جیسا کوئی دوسرا جاوگر نہ ہو گا	تو ساحروں کا سردار اور سرتاج ہے

یعنی ابو جہل کے ہاتھ میں کچھ کنگریاں تھیں کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ جلدی بتلائے یہ کیا ہے آپ رسول ہیں تو یہ بتلائے کہ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے جبکہ آپ راز آسمان کی خبر رکھتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو کہے تو یہ بتلا دوں کہ یہ کیا چیز ہے اور اگر تو چاہے تو ہاتھ میں کی چیز ہماری راستی و حقانیت کی شہادت دے سکتی ہے ابو جہل بولا کہ یہ دوسری بات تو بہت ہی عجیب ہے (یعنی اگر یہ ہو جاوے تو اور بھی خوب ہے) آپ نے فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے آپ نے فرمایا کہ چھ سنگریزے تیرے ہاتھ میں ہیں اب تو ان کی صحیح صحیح تسبیح سن لے (اس جواب سے اس کی دونوں درخواستیں پوری ہو گئیں) بس اس کی مٹھی میں سے ہر سنگریزہ نے بلا توقف کلمہ شہادت پڑھنا شروع کیا لا الہ الا اللہ کہنے لگے اور محمد رسول اللہ کے الفاظ موتی کی طرح پرونے لگے ابو جہل نے جو سنگریزوں سے کلمہ سنا غصہ سے ان سنگریزوں کو زمین پر دے مارا اور بکنے لگا کہ آپ کے مثل بھی کوئی ساحر نہ ہوگا آپ ساحروں کے سردار اور تاج سر ہیں (نعوذ باللہ تعالیٰ من جہل ابی جہل)

چوں بدید آں معجزہ بوجہل تفت	گشت در خشم و بسوئے خانہ رفت
جب ابو جہل نے وہ معجزہ دیکھا، جل گیا	غصہ میں بھر گیا اور گھر کی طرف چلا گیا
رہ گرفت و رفت از پیش رسولؐ	اوقناد اندر چہ آں زشت سفول
راستہ لیا اور رسولؐ کے سامنے سے چلا گیا	وہ بد بخت، پست فطرت کنویں میں جاگرا
معجزہ را دید و شد بد بخت و زفت	سوئے کفر و زندقہ شد تیز رفت
معجزہ دیکھا اور مزید بد بخت اور سخت ہو گیا	کفر اور بے دینی کی طرف تیز رو ہو گیا
خاک بر فرش کہ بد کور و لعین	چشم او ابلیس آمد خاک بین
اس کے سر پر خاک کیونکہ اندھا اور ملعون تھا	اس کی آنکھ خاک کو دیکھنے والا شیطان ثابت ہوئی
ایں سخن را نیست پایاں اے عمو	قصہ آں پیر چنگی باز گو
اے چچا! اس بات کا اہتمام نہیں ہے	سارگی نواز بوڑھے کا قصہ پھر سنا
باز گرد و حال مطرب گوش دار	زانکہ عاجز گشت مطرب ز انتظار
واپس لوٹ اور گویئے کا حال سن	اس لئے کہ گویا انتظار میں عاجز آ گیا

یعنی اس ابو جہل ملعون کے سر پر خاک پڑے کہ اندھا اور ملعون تھا اس کی نگاہ ابلیس کی طرح خاک میں تھی (کہ آدم علیہ السلام کے مادہ طین کو وہ دیکھا اور کمالات کو بوجہ تکبر کے نہ دیکھا اسی طرح اس ابو جہل نے حضور ﷺ کی ظاہری بشریت کو دیکھا اور تکبر سے آپ کے کمالات نبوت کو نہ دیکھا) غرض اپنا راستہ لیا اور حضور کے سامنے سے چلتا ہوا اور وہ زشت جاہل چاہ (ضلالت) میں گرا (ایسا بڑا) معجزہ دیکھا اور زیادہ بد بخت و سخت ہو گیا کفر و بد دینی کی طرف اور زیادہ تیز چلنے لگا (اب قصہ پیر چنگی کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اس بات کی تو کہیں انتہا ہی نہیں (یعنی حق پر دلائل کثیرہ کا قائم ہونا اور منکرین کا عناد سے پیش آنا مضمون طویل ہے) اس پیر چنگی کا قصہ پھر کہنا چاہئے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور مطرب کا حال سننا چاہئے کیونکہ بیچارہ مطرب انتظار سے زنج ہو رہا ہے (یہ مضمون شاعری کا ہے)

بقیہ قصہ پیرک چنگی و پیغام رسانیدن باو

حقیر بوڑھے سارگی نواز کا بقیہ قصہ اور اس کو پیغام پہنچانا

بانگ آمد مر عمرؐ را کالے عمرؐ	بندہ مارا ز حاجت بازخر
عمر (رضی اللہ عنہ) کو آواز آئی، اے عمرؐ	ہمارے ایک بندہ کو ضرورت سے نجات دلا
بندہ داریم خاص و محترم	سوئے گورستاں تو رنجہ کن قدم
ہمارا ایک خاص اور محترم بندہ ہے	قبرستان کی جانب جا

اے عمرؓ برجہ زبیت المال عام	ہفتصد دینار برکف نہ تمام
اے عمرؓ اٹھ عام بیت المال سے	پورے سات سو دینار ہاتھ میں لے
پیش او برکائے تو مارا اختیار	اس قدر بستیاں کنوں معذور دار
اس کے سامنے لے جانے اے ہمارے برگزیدہ	اتنا لے لے اب معذور سمجھ
اس قدر از بہر ابریشم بہا	خرچ کن چوں خرچ شد اس جا بیا
یہ مقدار جو سارگی کا انعام ہے	خرچ کر جب خرچ ہو جائے اس جگہ آ جانا ہے

یعنی حضرت عمرؓ کو (خواب میں) آواز آئی (سرخی سے اس آواز کی تفسیر ہو سکتی ہے کہ ہاتھ یعنی کسی فرشتہ کی تھی چونکہ بامر حق تھی اس لئے اس طور سے اس میں مضمون ادا کیا گیا گویا خود اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں جیسا قرآن مجید میں قرأت جبرئیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے فاذا قرأناہ الا یہ باقی یہ کہ اوپر اس آواز کی نسبت کہا ہے اصل ہر بان و صداست حالانکہ آواز ملک کو اس صفت سے موصوف نہیں کر سکتے سو تو جیہ اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ ندا حضرت عمرؓ کو بواسطہ تھی مگر چونکہ وہ دال ہے اصل پر اس لئے بعض احکام دال کے اعتبار سے لائے گئے اور بعض احکام مدلول کے اعتبار سے غرض اس آواز کا مضمون یہ تھا کہ (ہمارے بندہ کو محتاجی سے چھڑاؤ ہم ایک خاص اور محترم بندہ رکھتے ہیں تم گورستان میں جاؤ اور اے عمرؓ اٹھو اور بیت المال عام سے سات سو دینار ہاتھ میں لو اور اس کے پاس جا کر یوں کہو کہ تو ہمارا برگزیدہ ہے اس کو قبول کر اور (سردست زیادہ سے) معذور رکھ (یہ عنوان ہاتھ ہمارے کلام عباد کے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں) یہ تیرا ابریشم بہا ہے (جس کا ذکر اوپر مطرب کے کلام میں ہے گفت از حق خواہم ابریشم بہا رخ) اس کو تو خرچ کر اور جب خرچ ہو جاوے پھر یہاں آ جانا اور لے جانا ارشاد کہ چنگ زنی کا ابریشم بہا ہے محمول حقیقت پر نہیں بلکہ اس کی غلطی پر اور اپنی رحمت پر متنبہ فرمانا ہے کہ باوجود ایسی گستاخ در خواست کے ہماری عطا منقطع نہیں پس مقصود نام کرنا ہے نہ خاص اس فعل کی اجرت دینا)

پس عمرؓ زان ہیبت آواز جست	تامیاں را بہر اس خدمت بہ بست
تو عمرؓ (رضی اللہ عنہ) اس آواز کی ہیبت سے اٹھ کھڑے ہو	اور اس خدمت کے لئے کر بست ہو گئے
سوئے گورستان عمرؓ بہاد رو	در بغل ہمایاں دواں در جستجو
عمرؓ (رضی اللہ عنہ) نے قبرستان کا رخ کیا	ہمایاں بغل میں تھی جستجو میں دوڑ رہے تھے
گرد گورستان دواں شد او بے	غیر آں پیر او ندید آنجا کسے
قبرستان کے چاروں طرف بہت دوڑے	اس بوڑھے کے علاوہ کسی کو نہ دیکھا
گفت اس نبود دگر بارہ دوید	ماندہ گشت و غیر آں پیر او ندید
کہا یہ نہ ہو گا پھر دوڑے	تھک گئے اور اس بوڑھے کے سوا نہ دیکھا
گفت حق فرمود مارا بندہ ایست	صافی و شائستہ و فرخندہ ایست
کہا اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ہے ہمارا ایک بندہ ہے	پاک شائستہ اور ہارکت ہے

پیر چنگی کے بود خاص خدا	حبذا اے سر پہاں حبذا
بوڑھا سارگی نواز خدا کا خاص کب ہو گا؟	واہ واہ اے پوشیدہ راز واہ واہ
بار دیگر گرد گورستاں بگشت	ہمچو آں شیر شکاری گرد وشت
پھر قبرستان کا چکر لگایا	جیسے شکاری شیر جنگل کے گرد (چکر لگاتا ہے)
چوں یقین کشتش کہ غیر پیر نیست	گفت در ظلمت دل روشن بے ست
جب ان کو یقین ہو گیا کہ بوڑھے کے علاوہ کوئی نہیں ہے	بولے بہت سے روشن دل اندھیرے میں ہوتے ہیں

یعنی حضرت عمر اس آواز (غیبی) کی ہیبت سے چونک پڑے اور اس خدمت (مفوضہ) کی انجام دہی کے لئے مستعد ہوئے اور قبرستان کی طرف ہمیانی بغل میں لے کر اس (بندہ خاص) کی جستجو میں چلے اور قبرستان کے چاروں طرف بہت کچھ پھرے مگر بجز اس پیر چنگی کے وہاں کوئی نظر نہیں پڑا اپنے دل میں کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہمارا ایک خاص بندہ ہے جو پاک اور لائق اور مبارک ہے بھلا پیر چنگی خدا: مقبول کب ہو سکتا ہے بیچ میں مولانا کہتے ہیں) سبحان اللہ راز غیبی بھی عجیب ہوتے ہیں (کہ حضرت عمر جیسے عارف کامل پر یہ راز اس وقت منکشف نہ ہوا) غرض دوسری بار پھر قبرستان کے چاروں طرف پھرے جیسا شکاری شیر جنگل میں (شکار ڈھونڈتا) پھرا کرتا ہے جب (اچھی طرح) یقین ہو گیا کہ بجز پیر چنگی کے یہاں اور کوئی نہیں ہے اپنے دل میں کہنے لگے کہ (تجربہ ہی کیا ہے بعض اوقات) ظلمت میں بھی بہت سے روشن دل ہوتے ہیں (یعنی ظاہر میں برے ہوتے ہیں اور واقع میں اچھے ہوتے ہیں) فوجہ اس شخص کے مقبولیت کی اس کا خلوص و زاری ہے گو مقرون بہ جہل تھا رہا یہ امر کہ یہ جہل مانع قبول کیوں نہ ہو اسواگر اس عمل کو معصیت لغیرہ کہا جاوے تو بوجہ اتقاع اس غیر کے تلہی و ہیجان تو وہ شہو یہ ہے مانع نہیں ہو اور اگر معصیت لعینہ ہے تو بوجہ غلبہ حسنہ خلوص کے اس سبب پر مانع نہیں ہو اور خوب سمجھ لو بلکہ اس جواب مجمل کو کسی عالم محقق سے مفصل کر لو۔

آمد و با صد ادب آنجا نشست	بر عمر عطسہ فتاد و پیر جست
آئے اور بہت ادب سے وہاں بیٹھے	عمر (رضی اللہ عنہ) کو چھینک آئی اور بوڑھا اٹھ بیٹھا
مر عمر زار دید و ماند اندر شکفت	عزم رفتن کرد و لرزیدن گرفت
عمر (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا اور حیران ہو گیا	چل دینے کا ارادہ کیا اور کانپنے لگا
گفت د باطن خدایا از تو داد	محتسب بر پیر کے چنگی فتاد
دل میں بولا اے خدا تیری دہائی ہے	ناچیز سارگی نواز پر محتسب آ پڑا
چوں نظر اندر رخ آں پیر کرد	دید او را شرمسار و روئے زرد
جب اس بوڑھے کے چہرے پر نظر کی	اس کو شرمندہ اور زرد رو دیکھا
پس عمر گفتش مترس از من مر م	کت بشارتہائے حق آوردہ ام
عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس سے کہا خوف نہ کر مجھ سے نہ بھاگ	کیونکہ میں تو تیرے لئے خدا کی جانب سے خوشخبریاں لایا ہوں

چند یزداں مدحت خوئے تو کرد	تا عمر عاشق روئے تو کرد
اللہ (تعالیٰ) نے تیری خصلت کی اس قدر تعریف کی	کہ عمر کو تیرے چہرے کا عاشق بنا دیا
پیش من بنشیں و مہجوری مساز	تا بگوشت گویم از اقبال راز
میرے سامنے بیٹھ اور جدا کی نہ کر	تاکہ تیرے کان میں تیری اقبال مندی کا راز کہوں
حق سلامت میکند می پرسوت	چونی از رنج و غمان بے حدت
اللہ (تعالیٰ) نے تجھے سلام کہا ہے اور تجھ سے دریافت کیا ہے	کہ بے حد غموں اور تکلیفوں میں تیرا کیا حال ہے؟
نک قراضہ چند ابریشم بہا	خرج کن ایں را و باز ایں جابیا
یہ ہے کچھ تموڑا سا سارگی بجانے کا انعام!	اس کو خرچ کر اور پھر اس جگہ آ جانا

(یعنی حضرت عمرؓ وہاں تشریف لائے اور ادب سے بیٹھ گئے اتنے میں آپ کو چھینک آئی اور (چھینک کی آواز سے) پیر چنگی چونک پڑا حضرت عمرؓ گود یکھنا تھا کہ تعجب (وحیرت) میں رہ گیا اور ارادہ کیا کہ بھاگوں اور (خوف کے مارے) تمام بدن پر لرزہ پڑ گیا اور جی میں کہا کہ اے اللہ بس آپ ہی سے فریاد ہے (بیچارہ) پیر چنگی پر محتسب آ پہنچا حضرت عمرؓ کی نگاہ جو اس کے چہرہ پر پڑی دیکھا کہ بہت شرمندہ اور خوف سے) زرد رنگ ہو رہا ہے آپ نے (تسلی دے کر) فرمایا کہ خوف مت کر اور مجھ سے مت بھاگ کیونکہ میں تیرے پاس حق تعالیٰ کی بشارتیں لایا ہوں حق تعالیٰ نے تیری خصلت کی اس قدر تعریف کی ہے کہ عمر کو (یعنی مجھ کو) تیری زیارت کا مشتاق بنا دیا تو میرے سامنے بیٹھ اور الگ الگ مت رہ تاکہ تیرے کان میں اقبال کا راز کہوں (یعنی اسرار مخفیہ کہوں جس سے تیری مقبولیت معلوم ہوتی ہے) حق تعالیٰ تجھ کو سلام فرماتے ہیں اور تیرا حال پوچھتے ہیں کہ اس بیحد رنج و غم میں تیرا کیا حال ہے اور (نیز ارشاد ہے کہ) یہ چند پارہ زروسیم کے بطور ابریشم بہا کے لے اور ان کو خرچ کر اور (جب خرچ ہو جاویں پھر یہیں چلا آئیو۔

پیر لرزاں گشت چوں ایں راشنید	دست می خاسید و بر خود می طپید
جب یہ سنا تو بوزحا کانپ گیا	ہاتھ کاٹا تھا اور تڑپا تھا
بانگ می زد کاے خدائے بے نظیر	بسکہ از شرم آب شد بیچارہ پیر
چلاتا تھا کہ اے بے مثال خدا!	بیچارہ بوزحا شرم سے پانی پانی ہو گیا
چوں بے بگریست و ز حد رفت درد	چنگ را زد بر زمیں و خرد کرد
جب بہت رویا اور درد حد سے بڑھ گیا	سارگی کو زمین پر دے مارا اور ریزہ ریزہ کر دیا
گفت اے بودہ حجابم از آلہ	اے مرا تو راہزن از شاہراہ
بولا اے (سارگی) تو ہی خدا سے میرا پردہ تھی	اے سارگی تو ہی میرے لئے شاہراہ سے راہزن تھی
اے بخوردہ خون من ہفتاد سال	اے ز تو رویم سیہ پیش کمال
اے (سارگی) تو نے ہی ستر سال میرا خون پیا	اے (سارگی) تیری بچہ سے میرا منہ اہل کمال کے سامنے کالا تھا

یعنی پیر چنگی نے یہ سنتے ہی ٹونا شروع کیا (کہ باوجود میرے اس قدر معاصی کے حق تعالیٰ کی یہ رحمت) اور ہاتھ چبا چبا لیتا تھا اور کپڑا پھاڑ پھاڑ ڈالتا تھا اور چلاتا تھا کہ اے اللہ اب تو شرم کے بارے یہ بوڑھا پائین ہو کر بہا جا ہے (غرض اسی طرح سے) جب بہت رویا اور درد (سوز) حد سے بڑھا تو (اس حالت میں) چنگ کو اٹھا کر زمین پر دے مارا اور چور چور کر ڈالا اور (اس کو خطاب حالی کر کے) کہا کہ تو ہی میرا حق تعالیٰ سے حجاب بنا رہا، تو ہی شاہراہ (اطاعت سے میری رہزنی کرتا رہا) تو ہی ستر برس تک میرا خون پیتا رہا (یعنی مجھ کو زیاں پہنچاتا رہا) تیری ہی وجہ سے میرا منہ اہل کمال کے روبرو سیاہ رہا (کہ کسی کامل کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہا) اب آگے حق تعالیٰ کی جناب میں خطاب معذرت کرتا ہوں اور درمیان درمیان میں اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے۔

اے خدائے با عطاءے با وفا	رحم کن بر عمر رفتہ در جفا
اے خدا تو کہ عطا والا اور با وفا ہے	اس زندگی پر رحم کر دے جو ظلم میں بسر ہوئی
داد حق عمرے کہ ہر روزے ازاں	کس نداند قیمت آں در جہاں
اللہ (تعالیٰ) نے جو عمر دی ہے اس کے ہر دن کی قیمت	اس کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا ہے
خرج کردم عمر خود را دمبدم	درد میدم جملہ را در زیر و بم
میں نے اپنی عمر کا لمحہ لمحہ خرچ کر دیا	اور زیر و بم میں سب کو پھونک دیا
آہ کز یاد رہ و پردہ عراق	رفت از یادم دم تلخ فراق
افسوس! رہ اور پردہ عراق کی یاد میں	میں موت کے تلخ وقت کو بھول گیا
وائے کز تری زیر افگند خرد	خشک شد کشت دل من دل بمرود
ہائے! ناچیز زیر افگند خرد کی تری سے	میرے دل کی کھیتی خشک ہو گئی، میرا دل مردہ ہو گیا
وائے کز آواز ایں بست و چہار	کارواں بگذشت بیگہ شد نہار
ہائے! اس چوبیس کی آواز کی وجہ سے	قافلہ چلا گیا، دن بے وقت ہو گیا

زیر آواز بارک و بم آواز بلند رہے مخفف راہ انہ اول نوازند بعد از ان سرود گویند پردہ عراق نام پردہ سرور زیر افگند شعبہ موسیقی بست و چہار شعبہ موسیقی دور بعض نسخ ہشت و چہار یعنی وہ از وہ مقام) یعنی اے اللہ کہ آپ با عطا و با وفا ہیں اس میری عمر پر رحم فرمائیے جو کہ سراسر جفا میں گزری ہے حق تعالیٰ نے ایسی عمر دی تھی اس کے لئے ایک ایک دن کی قیمت (اتنی زیادہ ہے کہ اس کو) کوئی جان نہیں سکتا مگر میں نے اپنی ایسی عمر کو تمام برباد کر دیا در سب کو زیر و بم میں پھونک دیا افسوس کہ راہ اور پردہ عراق کے فکر و ذکر میں موت کا وقت تلخ مجھ کو کبھی یاد نہ آیا اور افسوس کہ اس ذلیل زیر افگندگی تازگی و رونق کی بدولت میرے قلب کی زراعت (یعنی شوق طاعت) خشک ہوئی اور میرا دل مردہ ہو گیا اور افسوس کہ موسیقی کے ان چوبیس شعبوں کی بدولت قافلہ (عمر کا) گذر گیا اور وقت بے وقت ہو گیا (یعنی اب عمل صالح و طاعت کا وقت نہ رہا۔

اے خدا فریاد از ایں فریاد خواہ	دادخواہم نے ز کس زیں دادخواہ
اے خدا! اسی فریادی سے فریاد ہے	انصاف چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں اسی دادخواہ سے

داد خود را چوں ندادم در جہاں	عمر شد ہفتاد سال از من جہاں
چونکہ میں نے خود اپنے آپ سے اس جہان میں انصاف نہ کیا	میری ستر سال کی عمر (بیکار) گزر گئی
داد خود از کس نیا بم جز مگر	زانکہ او از من بمن نزدیک تر
اپنا انصاف کسی سے نہ حاصل کر سکوں گا سوائے	اس کے جو خود میری ذات سے زیادہ مجھ سے قریب ہے
کیس منی ازوے رسد دم مرا	پس و رایتم چو این شد کم مرا
اس لئے کہ یہ ہستی لمحہ بہ لمحہ مجھے اس سے مل رہی ہے	جب یہ مجھ سے کم ہو گئی ہے تو میں اس کو دیکھ رہا ہوں
ہمچو آنکو باتو باشد ز رشمر	سوئے او داری نہ سوئے خود نظر
جیسے وہ شخص جو تجھے روپے گن کر دے رہا ہو	تو اس کی طرف دیکھتا ہے نہ کہ اپنی جانب
ہمچنین در گریہ و درنالہ او	می شمردے جرم چندیں سالہ او
اسی طرح رو رو کر اور چلا چلا کر	وہ اپنے سالہا سال کے گناہ گن رہا تھا

(یعنی اے اللہ اس فریاد خواہ کی (یعنی میری) فریاد سن لیجئے میں کسی غیر کی فریاد نہیں کرتا بلکہ خود اس داد خواہ کی (یعنی اپنے نفس کی) فریاد کرتا ہوں) (کہ اس نے مجھ کو برباد کیا ہے) جب میں نے عالم میں خود اپنی داد نہ دی (یعنی خیر خواہی نہ کی) یہ میری ستر برس کی عمر میرے ہاتھ سے نکل گئی اب میں اپنی داد کسی اور سے نہیں چاہتا۔ بجز اس ذات پاک کے جس کو میرے ساتھ میری ذات سے بھی زیادہ قرب ہے (کما قال اللہ تعالیٰ ونحن اقرب الیہ من جبل الورد) وجہ زیادہ قرب کی یہ ہے کہ یہ میری ہستی (جس سے میں میں ہوں) دم بدم (بطور تجد و امثال انہیں سے عطا ہوتی ہے) (پس میرا میں ہونا محتاج ہو اس تعلق کا جو ان کے ساتھ ہے اس لئے وہ میری ذات سے بھی زیادہ مجھ سے قریب ہوئے جب وہ مجھ سے ایسے قریب ہیں) تو میں ان کو ہی دیکھوں گا جب کہ یہ ہستی میری نظر سے کم ہو چکی یعنی اپنے نفس کا لاشے ہونا معلوم ہو گیا کہ اس سے کیا کیا خرابیاں ہوئیں اور وہ مجھ سے اقرب ہیں اس لئے میں نے اپنے نفس سے تعلق چھوڑ دیا اور اس ذات پاک کی طرف متوجہ ہوا) اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص تمہارے سامنے روپیہ گن رہا ہو (جو تم کو ملیں گے) تو تم اس کی طرف نگاہ رکھتے ہو اپنی طرف نہیں دیکھتے اسی طرح تعجب نہیں اگر کوئی حق تعالیٰ کی طرف ایسا متوجہ ہو جاوے کہ خود اپنی نظر میں نہ رہے) غرض اسی طرح سے گریہ و نالہ میں مشغول تھا اور سالہا سال کے جرائم شمار کر رہا تھا۔

گردانیدن عمر رضی اللہ علیہ نظر او از مقام گریہ کہ ہستی ست بمقام استغراق

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کا اس کو مقام گریہ سے جو کہ ہستی ہے مقام استغراق کی طرف پھیر دینا

پس عمر گفتش کہ ایں زاری تو	ہست ہم آثار ہشیاری تو
حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اس سے فرمایا کہ یہ تیرا رونا	بھی تیرے ہوش کی علامت ہے
بعد ازاں اور ازاں حالت براند	زاعتذارش سوئے استغراق خواند
اس کے بعد اس کو اس حالت سے ہٹایا	اس کو عذر خواہی سے استغراق کی طرف بلایا

ہست ہشیاری زیاد ماضی	ماضی و مستقبلت پردہ خدا
گذشتہ کی یاد سے ہوشیاری پیدا ہوتی ہے	تیرا ماضی اور مستقبل خدا سے پردہ ہے
آتشے برزن بہر دو تاجکے	پرگرہ باشی ازیں ہر دو چونے
دونوں کو جلا دئے کب تک	تو ان دونوں سے نے کی طرح پرگرہ رہے گا
تاگرہ بانے بود ہمز از نیست	ہمنشیں آں لب و آواز نیست
جب تک بانسری میں گرہ ہے ہمز از نہیں ہے	اس لب اور آواز کی ساتھی نہیں ہے
چوں بطوف خود بطوفی مرتدی	چوں بخانہ آمدی ہم با خودی
جب تک تو خودی کے چکر کے ساتھ طواف کرتا ہے مرتد ہے	جب تو خانہ (کعبہ) میں آیا تب بھی خودی میں ہے
اے خبر ہات از خبر وہ بے خبر	توبہ تو از گناہ تو بتر
اے (مخاطب) تیری خبریں خبر دینے والے سے غیر متعلق ہیں	تیری توبہ تیرے گناہ سے بدتر ہے
راہ فانی گشتہ راہ دیگرست	زانکہ ہشیاری گناہ دیگرست
فناشدہ کا راستہ دوسرا ہی راستہ ہے	اس لئے کہ ہوشیاری ایک دوسرا گناہ ہے
اے تو از حال گذشتہ توبہ جو	کے کنی توبہ ازیں توبہ بگو
اے تو! کہ گذشتہ حالت سے توبہ کرنے والا ہے	بتا اس توبہ سے کب توبہ کرے گا؟
گاہ بانگ زیر را قبلہ کنی	گاہ گریہ زار را قبلہ زنی
کبھی تو نرم آواز کو قبلہ بناتا ہے	کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے کا بوسہ لیتا ہے

(ان اشعار کے ترجمہ سے پہلے چند امور سمجھ لینا چاہئے اول طرق وصول الی اللہ کے مختلف ہیں یعنی بعد اتفاق ضروریات شرعیہ کے تطوعات کے مرتبہ میں ہر شخص کی استعداد و مناسبت کے اعتبار سے قرب کا جدا طریق ہے اور ایک طریق دوسرے طریق کے اثر کو ضعیف کر دیتا ہے بایں معنی ایک کو دوسرے کا مضر کہا جاوے گا جس طرح کوئی شخص تقرب کے لئے تکثیر نوافل کرتا ہوتا ہے کہ اس کے لئے درس و تدریس حدیث کا شغل نماز کو مضر ہوگا اس لئے جس شخص کے لئے وہ تجویز کیا گیا ہو دوسرے شغل سے روکا جاوے گا دوم غیر منتہی کے لئے محویت حالت کاملہ ہے اور غیر اللہ کا شعور خواہ وہ اپنی حالت کا ہو یا دوسرے کی حالت کا ہو حالت ناقصہ ہے سوم حالت ناقصہ کو بمقابلہ حالت کاملہ کے مجازاً اصطلاحاً گناہ و خطا سے تعبیر کر دیا جاتا ہے گو واقع میں وہ گناہ نہ ہو بلکہ حسنہ ہو جب یہ سب امور سمجھ میں آگے اب جاننا چاہئے کہ جو شخص راہ عشق و محبت سے سلوک کا ارادہ کرے اس کے لئے مناسب ہے کہ گناہ سے ایک بار خوب توبہ کر لے پھر اپنے گناہوں کو قصد آیا نہ کرے کہ یہ طریق اس شخص کے طریق کو مضر ہے۔ کیونکہ اس کے طریق کے لوازم میں سے ہے محویت و فناء اور اس طریق میں ہے مطالعہ اپنے حالات کا اس لئے اس کو اس شخص کے حق میں حالت ناقصہ ہونے کے اعتبار سے اصطلاحاً گناہ کہہ دیا جاتا ہے اس تحقیق کے بعد اب ترجمہ سے مطلب ان اشعار کا خوب سمجھ میں آ جاوے گا۔

یعنی حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تیری گریہ و زاری (ہر چند کہ حالت محمود ہے مگر تیری حالت عشقیہ کے اعتبار سے محمود نہیں کیونکہ) یہ شعور و ہوشیاری کی علامات سے ہے اور شعور باعتبار محویت نے ایسی حالت والے کے لئے نقصان کی حالت ہے) کیونکہ فانی شدہ کا طریق ہی دوسرا ہے اس لئے کہ ہوشیاری (اور شعور اپنے حالات کا) یہ خود (باعتبار اصطلاح کے) ایک مستقل گناہ ہے) اور یہی معنی ہیں اس قول کے وجود ک ذنب لا قیاس بہ ذنب) پھر حضرت عمرؓ نے اس کو اس حالت سے اپنی قوت تصرف سے (جدا کیا اور اعتداء رو تو بہ کی حالت سے استغراق و فنا کی طرف لائے (اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہوشیار ہونا حالات ماضیہ کو یاد کرنا ہے اور ماضی و مستقبل دونوں (کا مطالعہ) تیرے لئے حق تعالیٰ سے حجاب ہیں (یعنی مانع استغراق و محویت ہیں اسی لئے اہل طریقت کا ارشاد ہے کہ صوفی کو ابن الحمال رہنا چاہئے اور تذکر و ذنوب سے زیادہ نافع ذکر اللہ کو کہا ہے کیونکہ آخر تذکر کے بعد بھی تو اس ذکر اللہ سے طہارت حاصل کرے گا پھر پہلے ہی سے کیوں نہ اس میں مشغول ہو جاوے قال اللہ تعالیٰ والذین اذا فعلوا فاحشہ او ظلموا انفسہم ذکروا اللہ) پس ماضی و مستقبل دونوں کو آگ لگا دو (یعنی دونوں کی یاد کو چھوڑ دو) کیونکہ ان دونوں کے سوچ بچار سے نے کی طرح پر گرہ رہو گے (یعنی ایک قسم کا اللہ تعالیٰ سے حجاب باقی رہے گا ایک بوجہ اس کے کہ وہ مانع استغراق ہوگا دوسرا گناہ کا یاد کرنا دل میں ایک قسم کا انقباض پیدا کر دیتا ہے جس سے حلاوت ذکر کی اور بشارت و انبساط حق تعالیٰ کے ساتھ جو پہلے تھا وہ زائل یا ضعیف ہو جاتا ہے اور یہ طریق عشق میں مضرب ہے اور ایک بار مبالغہ سے توبہ کر ہی کر چکا ہے اس لئے معافی کی قوی امید ہو ہی گئی ہے پھر اللہ تعالیٰ سے انقباض کیوں پیدا کرے آگے گرہ نے کی تشبیہ کی توضیح ہے کہ) دیکھو جب تک نے میں گرہ رہتی ہے (اور آ رہا نہیں ہوتی) وہ نے نواز کی ہمراہ نہیں بنتی اور اس کے لب و آواز سے ہم نشینی میسر نہیں ہوتی (یعنی اس کے اور اس کے درمیان حجاب رہتا ہے اسی طرح ماضی و مستقبل کا تصور و تذکر حجاب ہوتا ہے جیسا او پر مذکور ہوا غرض یہ تصور و تفکر دلیل ہے شعور و خودی کی اور خودی ایسی چیز ہے کہ) اگر تم حالت طواف میں بھی (کہ بڑی عبادت ہے) مشغول ہو مگر ہو اس وقت اپنے طواف میں یعنی اپنی خودی میں مشغول ہو) تو (اہل طریقت کے نزدیک حسب اصطلاح مذکور) تم مرتد ہو گے کیونکہ خانہ خدا میں بھی (کہ کعبہ ہے) اگر تم اپنی خودی میں ہوئے شخص تیرے اخبار ماضیہ و مستقبلہ خبر دہندہ سے (یعنی حق تعالیٰ سے) محض بے خبر ہیں یعنی اشتعال بحق میں نقصان ڈالنے والے ہیں اس لئے تیری یہ توبہ (کہ بد تکمیل توبہ بشر انظہا کے بھی اس کا بار بار اعادہ کر رہا ہے تیرے گناہ سے بھی (من وجہ) بدتر ہے) کیونکہ زمانہ گناہ میں تو غافل تھا اس لئے زمانہ غفلت میں خودی پر نظر ہونا محل تعجب نہیں بخلاف زمانہ رجوع الی اللہ کے کہ زمانہ مشغولی بحق کا ہے پھر ایسی حالت میں خودی پر نظر ہونا زیادہ محل تعجب ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ) اے شخص جو حالات گذشتہ سے توبہ کرتا پھرتا ہے یہ تو بتلا کہ اس توبہ سے کب توبہ کرے گا ایک زمانہ وہ تھا کہ بانگ زیر کو قبلہ توجہ کر رکھا تھا (یعنی زمانہ گناہ میں تو اس گناہ میں مشغول رہا) اور ایک وہ زمانہ ہے کہ نالہائے زار کو بوسہ دے رہا ہے (یعنی ان کو محبوب بنا رکھا ہے مطلب یہ کہ زمانہ توبہ میں اس گناہ میں مشغول ہو رہا ہے غرض سارا وقت مشغولی بغیر حق میں گزرا کبھی وہ مشغولی صورت معصیت میں تھی کبھی صورت طاعت میں بہر حال گناہ کے دائرہ سے نکلنا نصیب نہ ہو۔

جان پیر از اندروں بیدار شد

چونکہ فاروق آئینہ اسرار شد

بوزے کی جان باطن سے بیدار ہو گئی

چونکہ (عمر) فاروق اسرار کا آئینہ ہو گئے

ہمچو جاں بے گریہ و بے خندہ شد	جالش رفت و جان دیگر زندہ شد
(وہ بوڑھا) روح کی طرح گریہ اور خندہ سے آزاد ہو گیا	اس کی (ایک) جان چلی گئی دوسری جان زندہ ہو گئی
حیرتے آمد دروش آں زماں	کہ بروں شد از زمین و آسماں
اس کے باطن میں اس وقت ایک حیرت پیدا ہوئی	جس سے وہ زمین اور آسمان سے باہر ہو گیا
جستجوئے ماورائے جستجو	من نمیدانم تو میدانی بگوی
جستجو کے علاوہ ایک جستجو (تھی)	میں نہیں جانتا تو جانتا ہے تو بتا
جستجوئے ازورائے حال و قال	غرقہ گشتہ در جمال ذوالجلال
ایک جستجو (کے ساتھ) جو حال و قال سے ماورا تھی	وہ ذوالجلال کے جمال میں مستغرق ہو گیا
غرقہ نے کہ خلاصی باشدش	یا بجز دریا کسے بشناسدش
وہ مستغرق نہیں کہ جس کو چھٹکارا حاصل ہو	یا دریا کے علاوہ اس کو کوئی پہچان سکے
عقل جزو از کل گویا نیستے	گر تقاضا بر تقاضا نیستے
جزوی عقل (عقل) کل کے بارے میں نہ بتا سکتی	اگر تقاضا پر تقاضا نہ ہوتا
چوں تقاضا بر تقاضا می رسد	موج آں دریا بدینجامی رسد
چونکہ تقاضہ پر تقاضہ ہو رہا ہے	اس دریا کی موج اس جگہ تک پہنچتی ہے
چونکہ قصہ حال پیر اینجا رسید	پیر و جالش روئے در دریا کشید
جبکہ بوڑھے کے حال کا معاملہ یہاں تک پہنچا	بوڑھا اور اس کی جان دریا میں ڈوب گئی
پیر دامن را زگفت و گوفشانند	نیم گفتمہ در دہاں او بماند
بوڑھے نے گفتگو سے دامن جھاڑا	آدمی بات کہی (آدمی) اس کے منہ میں رہ گئی

اس میں بیان ہے حضرت عمرؓ کی توجہ سے اس پر استغراق غالب ہو جانے کا یعنی) چونکہ حضرت فاروقؓ آئینہ اسرار الہیہ تھے (آپ نے جو توجہ اتحادی دی تو وہی اسرار سینہ پیر چنگلی میں پہنچے اس لئے پیر چنگلی کی روح باطن سے بیدار (بخت) ہو گئی اور روح (مجرد) کی طرح گریہ و خندہ سے منزہ ہو گیا (یعنی استغراق غالب ہو گیا اور ظاہر ہے کہ گریہ و خندہ یعنی قبض و بسط استغراق میں نہیں رہتا اور وجہ تشبیہ روح سے اس اعتبار سے ہے کہ محل ان انفعالات کا نفس ہے اور روح قطع نظر تعلق نفس سے اس کے ساتھ موصوف نہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ) اس کی جان (من حیث التعلق بالنفس) تو فانی ہو گئی اور دوسری جان (یعنی روح مجرد من حیث التجرد) زندہ و قوی ہو گئی (جیسا ابھی بیان ہوا) اور اس کے باطن میں اس وقت ایک حیرت پیدا ہو گئی کہ لازمہ استغراق (ہے) جس سے وہ زمین و آسمان سے باہر ہو گیا (یعنی بے خود ہو گیا جس سے زمین و آسمان و جمیع ماسوی اللہ سے اس کا التفات قطع ہو گیا اور اس حالت میں اس کو ایک خاص جستجو متعارف جستجو سے علیحدہ پیدا ہوئی یعنی متعارف جستجو تو مکتسب ہوئی ہے اس کو ایک

وہی انجذاب نصیب ہوا) جس کی تفصیلی کیفیت میں نہیں جانتا (اے مخاطب) اگر تجھ کو معلوم ہو تو بیان کر (مگر ہاں) اتنا معلوم ہے کہ ایک ایسی جستجو تھی جو قال و حال سے نرالی تھی (جس کی اجمالی کیفیت اس قدر بیان ہو سکتی ہے کہ) وہ جمال ذوالجلال کے مشاہدہ) میں غرق ہو گیا تھا مراد استغراق انجذابی ہے اور اس کا قال سے خارج ہونا تو ظاہر ہی ہے کیونکہ امر ذوقی ہے رہا حال سے خارج ہونا سو حال سے مراد حال متعارف یعنی طاری بعد الاکتساب ہے گو خود طریاں اکتسابی نہ ہو جیسا اوپر ورائے جستجو میں مذکور ہوا اور چونکہ کیفیت انجذابیہ ہر شخص کی جداگانہ ہے اس لئے ایک صاحب حال کو دوسرے صاحب حال کی کیفیت مفصل معلوم نہیں ہو سکتی اس لئے بیان تفسیر سے عذر فرما کر عنوان اجمالی پر اکتفا فرمایا کہ وہ مستغرق جمال ہو گیا تھا اور جمال کے لفظ سے رویت کا اشتباہ نہ کیا جاوے کہ وارد دنیا میں اس کا امتناع شرعاً ثابت ہے بلکہ بات یہ ہے کہ استغراق میں محض توجہ الی الحق رہ جاتی ہے اور حق تعالیٰ فرمائیے ان اللہ جمیل الحدیث جمیل ہیں اس لئے اس توجہ کو استغراق فی الجمال یا مشاہدہ جمال سے تعبیر کر دیتے ہیں اور اگر سالک اس حالت میں کسی تجلی نورانی وغیرہ سے مشرف ہو تو وہ ذات نہیں ہے بلکہ کوئی مثال ہے یعنی حادث ہے جس میں صفات عظیمہ مناسبہ بصفات الحق رکھی گئی ہیں پس ان صفات کا انکشاف گویا انکشاف صفات حق کا اس طرح سمجھا جاتا ہے جس طرح کلکتہ کے نقشہ کو دیکھنا مجازاً محاورات میں کلکتہ کا دیکھنا سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے اس کو مثال کہتے ہیں کیونکہ مثال کے معنی مشارک فی الصفات ہیں گو مشارک اسی سے زیادہ اس کا درجہ نہیں مثلاً جیسے انسان کو سمع و بصر دیا ہے اس معنی کے اعتبار سے مثال کا اثبات خود قرآن میں ہے مشکوٰۃ فیہا مصباح لآ یہ اور اس کو اصطلاح فن میں تجلی مثالی کہتے ہیں آگے اسی استغراق کی قوت تاثیر بیان فرماتے ہیں کہ) وہ مستغرق بھی ایسا ویسا نہ تھا جس کو اس سے خلاصی ہو جاوے یا جس دریائے نور حق میں وہ غرق ہوا ہے۔ بجز اس دریائے کوئی اس کو پہچان سکے (اس میں دو حکم ہیں ایک تو مصرعہ ثانیہ میں سو اس کی تو وہی وجہ ہے جو اوپر من نمیدانم کی شرح میں گزر چکی اور ایک حکم مصرعہ اولیٰ میں اس کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ وہ استغراق ایسا نہ تھا کہ جو زائل ہو جاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ بلا اکتساب قوت تحمل کی حاصل نہیں ہوتی اگر ایسی حالت میں کوئی کیفیت ذہنی طور پر طاری ہو جاتی ہے صاحب کیفیت اس میں مغلوب الحواس و العقل ہو جاتا ہے اس سے افاقہ نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات مر بھی جاتا ہے یہ معنی ہیں خلاصی نہ ہونے کے دوسری توجیہ خلاصی نہ ہونے کی یہ ہو سکتی ہے کہ استغراق و فنا کا جو اثر تھا کہ ماسوی اللہ سے تعلقات قطع ہو جاویں اور اوصاف نفسانیہ منسحل ہو جاویں وہ اثر ایسا قوی تھا کہ گاہے زائل نہیں ہو سکتا گو اس حالت سے افاقہ بھی ہو جاوے اور یہی معنی ہیں اس قول کے الفانی لایرد حضرت مرشدی نے اس مصرعہ کی تفسیر میں یہی قول پڑھا تھا اسی جگہ سے کہا گیا ہے کہ واصل کبھی مردود نہیں ہوتا حدیث بخاری شریف اس کی مؤید ہے کذالک الایمان اذا خالط بشاشة القلوب اهل لطائف نے اس کی عجیب مثال دی ہے جس طرح بالغ کبھی نابالغ نہیں ہوتا میرے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ جو شخص مردود ہوتا ہے وہ واقع میں واصل ہی نہ ہوا تھا گو اس کو یاد دہروں کو اس پر واصل ہونے کا گمان ہو پس وہ صورتہ واصل ہوتا ہے نہ حقیقتہً اب حدیث مذکور کو حدیث ان الرجل لیعمل بعمل اهل الجنة وما یكون بینہ و بین الجنة الا ذراع فیسبق علیہ القدر فیکون من اهل النار سے اور عقیدہ کلامیہ السعید قد یشتی سے بھی تعارض نہیں رہا) عقل جزا واز کل الخ (یہاں دو نسخے ہیں ایک گویا دوسرا پذیر نسخہ اول کے معنی یہ ہیں کہ) عقل جزو (یعنی عارف) عقل کل (یعنی ذات حق) کے معاملات کا کبھی (اجمالاً بھی) بیان نہ کر سکتا اگر (ادھر سے) تقاضا پر تقاضا نہ ہوتا (اس میں تائید ہے اوپر کے مضمون کی

تفصیل معلوم نہیں یعنی جتنا میں نے کہہ دیا ہے وہ بھی تقاضائے الہامی کی وجہ سے ہے تاکہ ایک گونہ طالبین کو نفع ہو ورنہ اتنے کہنے کی بھی جرات نہ تھی کیونکہ عوام الناس ایشہ کو حقیقت پر اور معاملات الہیہ کو اپنے معاملات پر قیاس کر کے غلطی یا انکار میں پڑ جاتے ہیں) لیکن چونکہ تقاضا پر تقاضا ہو رہا ہے اس لئے اس دریا (یعنی عالم غیب) کی موج (یعنی فیض بیان اجمالی) اس جگہ پہنچ رہی ہے (کہ کچھ بیان اجمالی ہو جاتا ہے اور اس سے نفع پہنچ جاتا ہے اور دوسرے نسخہ کے معنی یہ ہیں کہ) عقل جزوی (یعنی سالک) عقل کل (یعنی ذات حق کے فیوض کو ہرگز نہیں لے سکتا تھا) کیونکہ چہ نسبت خاک ربا عالم پاک) اگر (ادھر سے) جذبہ پر جذبہ نہ ہوتا (یعنی ان کے فضل سے دولت وصول میسر ہوتی ہے) لیکن چونکہ برابر جذبہ پر جذبہ پہنچ رہا ہے اس لئے اس دریا (یعنی عالم غیب) کی موج (فیض) اس جگہ (یعنی قلب سالک میں پہنچ رہی ہے) (جس سے وہ اصل ہو جاتا ہے) غرض جب پیر چنگی کی حالت یہاں تک پہنچی تو پیر اور اس کی جان پر وہ (حیرت) میں منہ چھپا کر رہ گئے یعنی حیرت غالب ہو گئی) اور پیر چنگی نے دامن گفتگو سے جھاڑ دیا (یعنی وہ گفتگو قطع ہو گئی جو پہلے سے طویل و عریض کر رہا تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس حالت کو قال میں نہیں لاسکا) اور وہی کہی ہوئی بات منہ کی منہ ہی میں رہ گئی (یعنی کلام سابق نا تمام رہ گیا یا یہ کہ غلبہ حال میں کچھ حالت طاریہ کا بیان کرنا چاہا مگر قدرت نہ ہوئی لب دوختہ رہ گیا یہ تقریر تو منقول ہے اور احقر کے مذاق پر آخر کے دو شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب استغراق کی یہ نوبت پہنچی تو پیر اور اس کی جان ناسوت سے حجاب میں ہو گئی یعنی اس کا انتقال ہو گیا اور اس نے بولنے چالنے سے دامن جھاڑ دیا یعنی بولنا ختم اور بند ہو گیا بوجہ موت آ جانے کے اور وہ کچھ بات کرنا چاہتا تھا مگر بات بھی منہ ہی میں رہی کہ خاتمہ ہو گیا وجہ اس انتقال کی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس حالت قویہ کا جیسا مصرعہ غرقہ نے کہ خلاصی باشدش کی ایک توجیہ کے ضمن میں بیان ہوا ہے پس بنا پر اس تقریر کے شعر آئندہ یعنی از پے این عیش و عشرت الخ کا مطلب بھی بدل جاوے گا یعنی مولانا اس انتقال پر فرماتے ہیں کہ ایسے مرنے کا کیا غم جو عیش و عشرت روحانی اس کو ملی اس کے حاصل کرنے میں لاکھ جانیں بھی قربان کر دینا چاہئے۔ فافہم

از پے این عیش و عشرت ساختن	صد ہزاراں جاں بشتاید باختن
اس عیش و عشرت کے حاصل کرنے کے لئے	لاکھوں جانیں قربان کر دینی چاہئیں
در شکار پیشہ جاں بازباش	ہمچو خورشید جہاں جاں بازباش
روح کی جھاڑی کے شکار میں باز بن جا	دنیا کے سورج کی طرح جانا باز بن جا
جاں فشاں افتاد خورشید بلند	ہر دمے تی می شود پر می کنند
اونچا آفتاب جان چمڑکنے والا واقع ہوا ہے	ہر سانس میں خالی ہوتا ہے اور وہ بھر دیتے ہیں
در وجود آدمی جان و رواں	میرسد از غیب چوں آب رواں
انسان کے جسم میں جان اور روح	جاری پانی کی طرح غیب سے پہنچتی رہتی ہے
ہر زماں از غیب نو نومی رسد	وز جہان تن بروں شومی رسد
غیب سے ہر وقت نئی نئی پہنچتی رہتی ہے	اور دنیا سے چل (کی آواز) آتی رہتی ہے

جانفشاں اے آفتاب معنوی مر جہان کہنہ را بنما نوی

اے روحانی سورج! جانفشاںی کر پرانی دنیا کو تو نئی (دنیا) بنا دے

اوپر آیا تھا کہ جانش رفت و جان دیگر زندہ شد اسی کی تقریر فرماتے ہیں کہ یہ تو ایک ہی جان فنا ہوئی تھی (ایسے عیش و عشرت میسر ہو جانے کے لئے) (جو اس پیر چنگی کو نصیب ہوئی) اگر لاکھ جانیں بھی ہوں تو قربان کر دینا چاہئے پس تم کو چاہئے کہ پیشہ جان میں شکار کرنے کے لئے باز کی طرح رہو (یعنی حیات باقیہ کی تحصیل میں عالی ہمت رہو جو موقوف ہے اس حیات فانیہ کے مضحمل کرنے پر جس طرح اس پیر کی یہی حالت ہوئی کہ ایک جان دی دوسری جان لی اور اس جان بازی میں) تم مثل آفتاب کے ممتاز رہو کیونکہ یہ آفتاب جان افشان واقع ہوا ہے۔ جان نور کو کہا ہے اور افشان دن اس کے ترشح کو اور اس جان افشانی کا اس کو یہ ثمرہ ملتا ہے کہ وہ (نور سے) ہر وقت خالی ہو جاتا ہے اور پھر اس کو بھر دیتے ہیں (جس سے وہ ہر وقت نورانی رہتا ہے اسی طرح) آدمی کے وجود میں جان و روان عالم غیب سے مثل آب رواں کے پہنچتی رہتی ہے یعنی ہر آن میں جان جدید پہنچتی ہے (یہ اشارہ ہے مسئلہ مشہورہ تجدد امثال کی طرف مقصود یہ ہے کہ جان بازی سے اندیشہ نہ چاہئے کیونکہ یہ جان ظاہری بھی تو ہر وقت نئی آتی ہے اور پہلی فنا ہو جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جان کا خرچ ہونا مضمر نہیں فوراً اس کا بدل مل جاتا ہے پس اسی قیاس پر سمجھو کہ اگر اس جان کو خرچ یعنی مضحمل کر دو گے تو اسی طرح اس کا بدل یعنی جان معنوی تم کو مل جاوے گی اور تشبیہ پانی کے ساتھ اس وجہ سے ہے کہ آب روان سرسری نظر میں تو عین اول معلوم ہوتا ہے مگر واقع میں وہ گزر گیا اور اس کا مثل اس کی جگہ آ گیا گو تماشل صوری سے اتحاد کا شبہ پڑتا ہے اسی طرح تجدد امثال میں ہر شے فنا ہو کر دوسری شے اس کے مثل اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے مگر بوجہ تشابہ کے شے ثانی عین اول معلوم ہوتی ہے غرض ہر آن میں عالم غیب سے جان تازہ پہنچتی ہے (اور بلسان اشارت گویا) یہ امر پہنچتا ہے کہ اس عالم جسمانی سے خارج ہو جاؤ (اور اس جان ظاہری کو مضحمل کر دو یعنی جان تازہ پہنچنا گویا بدلت حال ترغیب دے رہا ہے کہ جان ظاہری فنا کر دو اسی طرح اس کا بدل مل جاوے گا جیسا مصرعہ اولی کی شرح میں بھی بیان کیا گیا ہے آگے مثال آفتاب پر بطور تفریح کے فرماتے ہیں کہ جب جان بازی سے جان بخشی ہوتی ہے تو) اے آفتاب معنوی (سالک) تم بھی جان فشاںی کرو اور اس عالم کہنہ (یعنی تن ناکارہ) کو رونق (جان تازہ کی دکھلاؤ) (جو اس جان ظاہری کے مالے میں عطا ہوگی چونکہ انوار و برکات روحانیہ کا اثر جو ارج پر بھی آتا ہے مثل اشتغال بطاعات و خشوع و خضوع اس لئے یہ کہا گیا کہ تن کو یہ رونق دکھلاؤ)

تفسیر دعائے آل دو فرشتہ کہ ہر روز بر سر بازار ہنادی کنند کہ اللھم اعط کل

منفق خلفاً و کل ممسک تلفاً و بیان آنکہ منفق مجاہد راہ حق ست نہ مسرف راہ ہوا

ان دو فرشتوں کی دعا کی تفسیر جو کہ ہر روز بر سر بازار اعلان کرتے ہیں کہ اے اللہ ہر خرچ کرنے والوں کو اچھا بدل

اور ہر بخیل کو تباہی عطا فرما اور اس کا بیان کہ خرچ کرنے والا اللہ کے راستہ کا مجاہد ہے نہ کہ خواہشات میں اڑانے والا

(اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے مقصود اس کے لانے سے تائید ہے مضمون سابق کی کہ جان بازی سے جان بخشی

ہوتی ہے وجہ تائید اطلاق لفظ انفاق کا ہے جو شامل ہے مال اور جان دونوں کو) ترجمہ حدیث کا یہ ہے کہ اے اللہ ہر خرچ کرنے

والے کو عوض دے اور ہر مسک کو تلف دے)

گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند	دو فرشتہ خوش منادی می کنند
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ نصیحت کے لئے ہمیشہ	دو فرشتے عمدہ منادی کرتے ہیں
گاے خدایا ممسکاں را در جہاں	تو مدہ الا زیاں اندر زیاں
کہ اے خدا! دنیا میں بخیلوں کو	تو نہ عطا فرما مگر تباہی در تباہی
اے خدایا منفقان را در خلف	اے خدایا ممسکاں را در تلف
اے خدا! خرچ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے	اے خدا! بخیلوں کو تباہ کر دے

یعنی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمیشہ (بندوں کی نصیحت کے واسطے دو فرشتے خوب منادی کرتے ہیں کہ اے خدا خرچ کرنے والوں کو سیر رکھے اور ان کے ایک ایک درم کے عوض لاکھوں دیجئے اور ممسکون کو دنیا میں بجز زیاں در زیاں کے اور کچھ نہ دیجئے اور انفاق کرنے والوں کو عوض دیجئے اور امساک کرنے والوں کو تلف دیجئے۔

منفق و مسک محل ہیں بہ بود	چوں محل باشد موثر می شود
موقع دیکھ کر خرچ کرنے والے اور نہ خرچ کرنے والے اچھے ہوتے ہیں	جب موقع ہوتا ہے تو اثر کرتا ہے
اے بسا امساک کز انفاق بہ	مال حق راجز بامر حق مدہ
اے (مخاطب) بہت سی جگہوں پر خرچ نہ کرنا خرچ کرنے سے بہتر ہے	اللہ کے مال کو اللہ کے حکم کے بغیر خرچ نہ کر
تا عوض یابی تو گنج بیکراں	تا نباشی از عداد کافراں
تاکہ تو لا تعداد خزانہ بدلے میں پالے	تاکہ تو کافروں کی شمار میں نہ آئے
کاشتراں قرباں ہی کردندتا	چیرہ گردد تیغ شاں بر مصطفیٰ
جو کہ اونٹوں کی قربانی کرتے تھے تاکہ	ان کی تلواریں مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر غالب آجائے
امر حق را باز داں از واصلے	امر حق را در نیابد ہر دلے
اللہ (تعالیٰ) کا حکم کسی پہنچے ہوئے سے معلوم کر لے	ہر دل خدا کے حکم کو معلوم نہیں کر سکتا

(یہاں سے شعر آئندہ پھر اس مومن ہی گوید تک بطور جملہ معترضہ کے رفع ہے ایک ابہام کا کہ اطلاق لفظ حدیث سے واقع ہو سکتا ہے کہ شاید کوئی شخص مطلق انفاق کو محمود اور مطلق امساک کو مذموم سمجھ جاوے خواہ محل میں ہو یا بے محل میں ہو اس لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ) منفق اور مسک دونوں محل میں اچھے ہوتے ہیں جب اپنے اپنے محل میں ہوں تو اچھا اثر کرتے ہیں بہت سے امساک انفاق سے بہتر ہوتے ہیں (مثلاً معصیت میں انفاق سے امساک بہتر ہے کیونکہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ تمہارا نہیں ہے حق تعالیٰ کا ہے) (پس مال حق کو بدوں امر حق کے مت خرچ کرو تا کہ حکم کے موافق خرچ کرنے سے) تم کو عوض میں گنج بے پایاں (ثواب کا) ملے اور تا کہ (بے حکمی میں خرچ کرنے سے) تمہارا شمار کافروں میں نہ ہو جاوے کہ وہ لوگ شتر قربانی کیا

کرتے تھے تاکہ (اس قربانی و انفاق کی برکت سے) ان کی تلوار (نعوذ باللہ) حضور ﷺ پر غالب ہو جاوے (اور وہ الٹا ان کا وبال گردن ہو گیا) کما قال تعالیٰ 'فسینفقو نہا ثم تكون علیہم حسرة تم یغلبون اس لئے بدوں امرحق خرچ کرنا ٹھیک نہیں) اور امرحق کو (اپنی رائے فاسد سے متعین مت کرو بلکہ) کسی واصل بحق سے تحقیق کرو (علماء راہین سب اس میں داخل ہیں کیونکہ امرحق کو ہر شخص کا قلب (واجتہاد) ادراک نہیں کر سکتا

ف اس میں تاکید ہے غیر محققین کو تقلید محققین کے لئے۔

چوں غلامے باغی کو عدل کرد	مال شہ بر باغیاں او بذل کرد
اس باغی غلام کی طرح جس نے انصاف کیا	اس نے بادشاہ کا مال باغیوں پر خرچ کر دیا
طرفہ تر کا نرا ہی پنداشت عدل	کز سخاوت کردہ ام ایثار و بذل
زیادہ عجیب یہ ہے کہ اس نے اس کو انصاف سمجھا	کہ میں نے سخاوت کی وجہ سے فائدہ رسانی کی اور خرچ کیا
بندہ پندارد کہ او خود عقل کرد	مال شہ را بر مساکیں بذل کرد
غلام سمجھتا ہے کہ اس نے انصاف کیا	بادشاہ کا مال مسکینوں پر خرچ کیا
عدل اس باغی و دادش پیش سناہ	چہ فزاید دوری و روئے سیاہ
بادشاہ کے رو برو اس باغی کا انصاف اور عطا	کیا بڑھائے گا؟ دوری اور سیاہ روی
در نے انداز اہل غفلت ست	کا-نہمہ انفاقہا شاں حسرت ست
قرآن میں غافلوں کے لئے دھمکی ہے	کہ ان کی یہ سب فضول خرچیاں حسرت (کا سبب) ہیں

قربانی کردن سرداران عرب بامید قبول افتادن

عرب کے سرداروں کا قبولیت کی امید پر قربانی کرنا

سروران مکہ در حرب رسول	بودشاں قرباں بامید قبول
رسول (ﷺ) سے لڑائی میں مکہ کے سرداروں کی	قربانی قبولیت کی امید پر تھی
بہر اس مومن ہی گوید زبیم	در نماز اهد الصراط المستقیم
اسی سبب سے مومن خوف سے کہتا ہے	نماز میں (اے خدا) سیدھے راستہ کی رہنمائی کر

(یہ مثال ہے غیر محل میں خرچ کرنے والے کی کہ) جیسے کوئی باغی غلام ہو اس نے اپنے نزدیک بڑا عدل کیا کہ بادشاہ کا مال باغیوں پر خرچ کر دیا (اسی واسطے) قرآن مجید میں اہل غفلت کو متنبہ فرمایا ہے کہ ان کفار کا انفاق سب باعث حسرت ہے (جیسا اوپر آیت گزر چکی ہے) اور طرفہ وہ شخص جو اس کو عدل سمجھ رہا ہے کہ میں نے سخاوت سے خوب خرچ کیا ہے (چنانچہ) وہ غلام یہی سمجھتا ہے کہ میں نے عدل کیا ہے کہ بادشاہ کا مال غریبوں کو تقسیم و خیرات کر دیا ہے تو ایسے باغی کا عدل و عطاء بادشاہ کی نظر میں بجز

مردودیت اور سیاہ روئی کے اور کس چیز کو بڑھا سکتا ہے۔ جیسا سرداران مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاربہ میں قربانی بامید قبولیت (وغلبہ جنگ) کیا کرتے تھے۔ (اور سب ضائع ہوتی تھی) اسی لئے مسلمان خوف کے مارے نماز میں دعا کرتا ہے کہ اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھلا دیجئے (کہ ان نافرمانوں کی طرح ناحق کو حق اور حق کو ناحق نہ سمجھ بیٹھیں۔

آں درم دادن سخی رالائق ست	جاں سردن خود سخائے عاشق ست
روپیہ خرچ کرنا سخی کے لئے مناسب ہے	عاشق کی سخاوت 'جان سپرد کر دینا ہے
ناں دہی از بہر حق نانت دہند	جاں دہی از بہر حق جانت دہند
اگر تو خدا کے لئے روٹی دیکھا تجھے روٹی دیں گے	تو خدا کے لئے جان دے گا تو تجھے جان دیں گے
گر بریزد برگہائے ایں چنار	برگ بے برگیش بخشد کردگار
اگر اس چنار کے پتے جھڑ جائیں	خدا اس کی بے سامانی کو سامان سے بدل دیتا ہے
گر نماںد از جو در دست تو مال	کے کند فضل الہت پائمال
اگر سخاوت کی وجہ سے تیرے ہاتھ میں مال نہ رہا	تو خدا کی مہربانی تجھے برباد کب کرے گی؟
ہر کہ کارو گردد انبارش تہی	لیکیش اندر مزرعہ باشد بہی
جو بوتا ہے اس کو ڈھیر خالی ہو جاتا ہے	لیکن اس کی کھیتی میں خوبی ہوتی ہے
وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد	ا سپیش و موش حوادشہاش خورد
اور جس نے ڈھیر میں رہنے دیا اور بخل کیا	اس کو حوادث کے گھن اور چوہے نے کھایا
ایں جہاں نفی ست در اثبات جو	صورتت صفرست در معنات جو
یہ جہاں عدم ہے وجود میں (مقصد) تلاش کر	تیرا جسم صفر ہے معنی میں (مقصد) ڈھونڈ
جان شور و تلخ پیش تیغ بر	جان چوں دریائے شیریں را بخر
کھاری اور کڑوی جان کو تلوار کے سامنے کر دے	بیٹھے دریا جیسی جان خرید لے
ورنمی تانی شدن زیں آستاں	گوش کن بارے زمن ایں داستاں
اگر تو اس آستانہ سے نہیں جا سکتا ہے	تو ذرا یہ قصہ مجھ سے سن لے

(بعد جملہ معترضہ کے پھر رجوع ہے مضمون سابق ترغیب جان بازی کی طرف کہ) درم دینا تو سخی کے لائق ہے اور جان دینا عشق کی سخاوت ہے اگر تم اللہ کے واسطے نان دو گے تم کو (عوض میں) نانا ملے گی اور اگر اللہ کے واسطے جان دو گے تو جان ملے گی اگر درخت چنار کے پتے جھڑ جاویں گے (یعنی یہ ہستی موہوم فناء ہو جائے گی) تو اللہ تعالیٰ اس کو بے سامانی کا سامان عطا فرمائیں گے۔ (یعنی ہستی مجردینگے جس کو کبھی خزاں ہی نہیں) اسی طرح اگر سخاوت کی وجہ سے تیرے ہاتھ میں مال نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ کا فضل تجھ کو کب پائمال ہونے دے گا (اس کی ایسی مثال ہے کہ) جو شخص کھیتی کرتا ہے اس کی کوٹھی خالی ہو جاتی ہے لیکن کھیت میں اس کی بہتری

ہے (کہ بہت سائل جاتا ہے) اور جس نے کوشی میں رہنے دیا اور بخل کیا تو گھن اور چوہے حوادث کے اس کو کھا ڈالیں گے (یعنی سب خراب ہو جائے گا اسی طرح اگر راہ حق میں جان بازی کی نعم العوض مل جاوے گا ورنہ یہ عمر تو ایک روز ختم ہی ہو جاوے گی اور بدل کچھ نہ ملے گا) یہ عالم (مثل) عدم محض (کے) ہے (یعنی فانی ہے) اثبات (یعنی بقا) میں سعی کرو اور تمہاری صورت (یعنی یہ ہستی ظاہری) محض خالی (ازمنز) ہے اپنے معنی (یعنی مقصود حقیقی) کو تلاش کرو اس جان شور و تلخ (بیکار و بے قدر) کو بادشاہ حقیقی کے روبرو لے جاؤ (یعنی ان کی راہ میں فدا کر دو) اور ایسی جان عوض میں لوجو مثل دریائے شیریں کے ہو اور اگر تم اس آستان سے (یعنی دنیا سے کہ عالم غیب کے اعتبار سے بیرون در ہے) نکلنے کی (اور یہاں کی ہستی کو فدا کرنے کی) ہمت نہیں رکھتے تو مجھ سے ذرا یہ داستان آئندہ سن لو (تا کہ تمہاری نظر میں ایک نظیر آ جاوے کہ جب خلیفہ بغداد نے اس اعرابی کو آب شور کے عوض میں دجلہ شیریں کی سیر اور انعام و اکرام اس کے حوصلہ سے زائد عطا کیا تو شاہنشاہ حقیقی سے کیا بعید ہے پس اس نظیر سے تمہاری ہمت اور رغبت بڑھ جائے گی۔

قصہ آں خلیفہ کہ در کرم از حاتم طائی گذشتہ بود

اس خلیفہ کا قصہ جو سخاوت میں حاتم طائی سے بڑھا ہوا تھا

یک خلیفہ بود در ایام پیش	کردہ حاتم را گدائے جو د خویش
پہلے زمانہ میں ایک خلیفہ تھا	جس نے حاتم کو بھی اپنی بخشش کا فقیر بنایا تھا
رایت اکرام و جو د افراشتہ	فقر و حاجت از جہاں برداشتہ
جس نے اکرام اور سخاوت کا جھنڈا بلند کر رکھا تھا	انلاس اور احتیاج کو دنیا سے اٹھا دیا تھا
بحر و کاں از بخشش صاف آمدہ	داد او از قاف تا قاف آمدہ
سمندر اور کانیں اس کی بخشش کی وجہ سے خالی ہو گئے	اس کی بخشش قاف سے قاف تک تھی
در جہان خاک ابرو آب بود	مظہر بخشش و ہاب بود
خاکدان (دنیا) میں ابرو اور پانی تھا	وہ وہاب (اللہ تعالیٰ) کی بخشش کا مظہر تھا
از عطایش بحر و کاں در زلزہ	سوئے جو دش تا قافلہ در قافلہ
اس کی عطا سے سمندر اور کانیں پہلے میں تھیں	اس کی عطا کی طرف (انسانوں کے) قافلے در قافلے تھے
قبلہ حاجت در و دروازہ اش	رفتہ در عالم بجود آوازہ اش
اس کا در اور دروازہ حاجتوں کا قبلہ تھا	سخاوت میں اس کا شہرہ عالم میں تھا
ہم عجم ہم روم ہم ترک و عرب	ماندہ از جو د و سخایش در عجب
عجم بھی روم بھی ترک اور عرب بھی	اس کی بخشش اور عطا سے تعجب میں تھے
آب حیواں بود دریائے کرم	زندہ گشتہ ہم عرب زو ہم عجم
وہ آب حیات اور دریائے کرم تھا	اس کی وجہ سے عرب اور عجم میں بھی جان پڑ گئی تھی

بشنو اکنوں داستانی باکشاد	اندر ایام چین سلطان داد
اب خوشی سے ایک قصہ سن	اس جیسے داد و دہش کے بادشاہ کے زمانے میں

رہا اس داستان کا اوپر کے اس شعر سے ہے جان شور و تلخ تلخ جیسا ہم نے شعر درمی دانی الخ کی شرح میں اوپر لکھا ہے (یعنی زمانہ سابق میں ایک بادشاہ اسلام تھا جس نے حاتم کو اپنی جو دو عطا کا گدا بنا رکھا تھا اور جو دو کرم کا نشان اس نے بلند کر رکھا تھا اور فقر و محتاجی (گویا) دنیا سے معدوم کر دی تھی دریا اور معدن اس کی بخشش سے خالی ہو گئے تھے (یعنی اس کی چیزیں سب خرچ کر دی تھیں اور یہ مبالغہ ہے) اور اس کی عطا قاف تا قاف پہنچ گئی تھی۔ (یعنی محیط عالم ہو گئی تھی) اس عالم خاک پر وہ (گویا) ابر اور آب تھا اور بخشائش خداوندی کا مظہر تھا اس کی عطا سے تمام بحر اور معدن میں زلزلہ پڑ رہا تھا (کہ اب ہمارے اندر کچھ نہ رہے گا وہ سب خرچ کر ڈالے گا) اس کی سخاوت کی طرف قافلہ پر قافلہ آ رہا تھا اور اس کا دروازہ قبلہ حاجت بن رہا تھا اور جہاں بھر میں اس کی جو دو سخا کا شہرہ ہو رہا تھا۔ عجم اور روم اور ترک اور عرب سب اس کی جو دو سخا سے تعجب میں تھے وہ (گویا) آب حیات تھا اور دریائے کرم تھا اس سے عرب اور عجم سب زندہ ہو رہے تھے۔ (جس طرح آب حیات اور دریا سے زندگانی ہوتی ہے) ایسے بادشاہ باعطا کے زمانہ میں ایک فرحت انگیز یا ایک وسیع قصہ واقع ہوا اس کو سنو (کشاد خوشی یا وسعت)

قصہ اعرابی درویش و ماجرا کردن زن با او از فقر و درویشی

ایک فقیر بدو کا قصہ اور اس کی بیوی کا اس سے جھگڑا کرنا فقر اور افلاس کے بارے میں

گفت و از حد برد گفت و گوئے را	یک شب اعرابی نے مر شوئے را
کہا اور گفتگو حد سے بڑھا دی	ایک رات بدو عورت نے شوہر سے
جملہ عالم در خوشی مانا خوشیم	کیس ہمہ فقر و جفا ہامی کشیم
ساری دنیا خوش ہے اور ہم ناخوش ہیں	کہ ہم یہ سب محتاجی اور سختیاں جھیلے ہیں
کوزہ ماں نے آب ماں از دیدہ اشک	نان ماں نے نال خورش مادر دور شک
ہمارے پاس پیالہ نہیں ہے ہمارا پانی آنکھ کے آنسو ہیں	ہمارے لئے روٹی نہیں ہے ہمارا سالن درد و رشک ہے
شب نہالین و لحاف از ماہتاب	جامہ ما روز تاب آفتاب
رات میں ہمارا بچھونا اور لحاف چاندنی ہے	ہمارا لباس دن میں سورج کی دھوپ ہے
دست سوئے آسماں برداشته	قرص مہ را قرص نال پنداشته
اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں	ہم نے چاند کی نکلیا کو روٹی کی نکلیا سمجھا ہے
روز شب از روزی اندیشی ما	نگ درویشاں ز درویشی ما
روزی کی فکر میں ہمارا دن رات ہے	ہماری فقیری فقیروں کے لئے (باعث) ذلت ہے

خریش و بیگانہ شدہ از مارماں	برمثال سامری از مردماں
اپنا اور پرایا ہم سے گریزاں ہے	جیسا کہ سامری انسانوں سے
گر بخواہم از کسے یکمشت نسک	مرمر اگوید خمش، کن مرگ و جسک
اگر میں کسی سے ایک مٹھی مسور مانگوں	(تو وہ) مجھ سے کہتا ہے کہ چپ ہو جا، غم کھائے جا اور مر جا

(نسک عدس جسک رنج و بلا) یعنی ایک شب ایک اعرابی کی بیوی نے شوہر سے کہا اور حد سے زیادہ کہا کہ تمام یہ فقر و سختی ہم جھیل رہے ہیں سارا جہاں آرام و خوشی میں ہے ہم ہی رنج و غم میں مبتلا ہیں۔ روٹی ہمارے پاس نہیں سالن ہمارا درد ہے اور حسد ہے صراحی پانی رکھنے کی ہمارے پاس نہیں اور پانی کی جگہ آنکھ کے آنسو ہیں۔ لباس ہمارا دن میں تو گرمی آفتاب ہے اور شب میں نہالی اور لحاف کی جگہ ماہتاب ہے۔ اور قرص ماہ کو (مارے حرص کے) قرص ناں سمجھتے ہیں اور (دعا کے لئے) ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ غریبوں کو بھی ہماری غریبی سے اور ہمارے شب و روز روزی کے سوچ میں لگے رہنے سے عار آتی ہے تمام اپنے بیگانے ہم سے بھاگنے لگے جس طرح سامری آدمیوں سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا (اس کو یہ سزا منجاب اللہ ہوئی تھی بوجہ بانی ہونے کے گو سالہ پرستی کے پس اگر کوئی شخص اس کو ہاتھ لگا دیتا تھا تو دونوں آدمی تپ محرقہ میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ اس لئے لوگ بھی اس سے بھاگتے وہ بھی لوگوں سے بھاگتا پس وہ عورت اپنے کو اس سے تشبیہ دیتی ہے) اور اگر میں کسی سے ایک مٹھی مسور مانگتی ہوں تو مجھ کو (طیش سے جواب ملتا ہے چپ رہ، مر جا مصیبت میں پڑی رہ۔

مرعرب را فخر غزوست و عطا	در عرب ما ہمچو خط اندر خطا
عرب کے لئے خصوصاً جنگ اور بخشش (موجب) فخر ہے	عرب میں ہم ایسے ہیں جیسے خط میں حرف غلط
چہ جزا ما بے غذا خود کشتہ ایم	یا بشمشیر عدم سر گشتہ ایم
کہاں کی جنگ ہم بغیر غذا کے مردہ ہیں	یا موت کی تلوار سے پریشان ہیں
چہ خطا ما بے خطا در آتشم	چہ دوا ما درد و غم را مفر شیم
کیسی خطا ہم بلا تصور کے آگ میں ہیں	دوا کیسی؟ ہم تو درد و غم سے پامال ہیں
چہ عطا ما بر گدائی مے تنیم	مرگس را در ہوا رگ می زینم
کیسی بخشش ہم بیک مانگنے پر آمادہ ہیں	ہوا میں کسی کے نثر مارتے ہیں
گر کسے مہماں رشد گر من منم	شب بخشید دلوق او را بر کنم
اگر کوئی مہمان پہنچ جائے اگر میں میں ہوں	رات کو سوئے تو اس کی گدڑی اتار لوں
زیں نمط زیں ماجرا و گفتگو	برد از حد عبارت پیش شو
اس طور پر یہ قصہ اور گفتگو	بیان سے بڑھی ہوئی شوہر سے کرتی
کز عنا و فقر ما کشتیم خوار	سوختیم از اضطراب و اضطرار
کہ مشقت اور افلاس سے ہم ذلیل ہو گئے ہیں	پریشانی اور مجبوری سے ہم جل گئے ہیں

تا بکے ما ایں چنین خواری کشیم	غرقہ اندر بحر ژرف آ کشیم
ہم کب نکاس طرح کی ذلت برداشت کریں؟	آگ کے گہرے سمندر میں ہم غرق ہیں
تا کہ ار روزے در آید میہماں	شرمسار یہاں بریم از وے بجاں
اگر کسی روز اپنا کد کوئی مہمان آ جائے	ہیں انتہائی شرمندگی اٹھانی پڑے
لیک مہماں گر در آید بے ثبوت	دانہ کفکش مہماں سازیم قوت
لیکن اگر کوئی مہمان بلا تحقیق آ جائے	سمجھ لے کہ ہم مہمان کا جوہ بیچ کھائیں گے

(خط اندر یعنی اندر خط) یعنی عرب کے مفاخر میں سے ہے غزوہ کرنا عطا کرنا مگر ہم عرب میں ایسے ہیں جیسے خط کے اندر حرف غلط ہوتا ہے (کہ محض بے اعتبار ہے) اور ہم غزوہ کیا کرتے بے مارے مر رہے ہیں۔ یا یوں کہو کہ شمشیر موت سے سرگشتہ ہو رہے ہیں اور حرف خط یعنی غلط اپنے کو کیا کہیں ہم تو بے خطا ہی آتش غم میں جل رہے ہیں اور سامان ہمارے پاس کہاں ہوتا خود درد و غم کے فرش بن رہے ہیں اور ہم عطا کیا کرتے خود گدائی کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔ (حتیٰ کہ) ہوا میں لگس کی رگ مارتے ہیں (کہ شاید اس میں سے کچھ وصول ہو جائے جس کو محاورہ ہند میں مکھی چوس کہتے ہیں) شب کو نیند نہیں آتی دن ہوتا ہے تو کچھ پاس نہیں ہوتا اور پیٹ کے اندر بجز شوزش پیچ و تاب کے کچھ نہیں ہوتا اگر فرضاً کوئی مہمان آ پہنچے تو اگر میں اسی حالت میں ہوں جس میں کہ اب ہوں (یعنی یہی افلاس رہے) تو جس وقت وہ شب کو سو رہے اس کا مکمل اتار لوں غرض اسی طرح کی گفتگو شہر کے روبرو بیان سے باہر کرتی رہی کہ رنج و فاقہ سے ہم ذلیل ہو گئے اور اضطراب و اضطراب سے ہم جل گئے اب کہاں تک یہ خواری جھیلے رہیں گے۔ آتش (رنج) کے دریائے عمیق میں غرق ہو گئے ہیں اگر اتفاقاً کوئی مہمان کسی دن آنکے تو اس سے بڑی شرمندگی اٹھانی پڑے لیکن اگر وہ بلا تحقیق آ جاوے (اور ہماری حالت تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے کچھ اپنی احتیاط نہ کرے) تو یقیناً جانو کہ اس کی جوتیاں (بیچ کر) کھا جائیں۔

مغرور شدن مریدان محتاج و تشبیہ بدمعیان مزور و ایشانرا

شیخ و اصل پنداشتین و نقدرا از نقل ندانستن و نیافتن

ضرورت مند مریدوں کا دھوکا کھانا اور بناؤٹی مدعیوں سے شبہ میں پڑنا اور ان کو پہنچا ہوا بزرگ سمجھنا اور کھرے کو نقلی سے

نہ پہچاننا اور نہ پانا

بہر ایں گفتند دانا یاں بفسن	میہمان محسناں باید شدن
اسی لئے فن کے سمجھداروں نے کہا ہے	محسنوں کا مہمان بنا چاہیے
تو مرید و میہمان آں کسی	کوستاند حاصلت را از حسی
تو ایسے شخص کا مہمان اور مرید ہے	جو تیری کمائی کمینہ پن سے وصول کر لے

نورند ہد مرترا تیرہ کند	نیست چیرہ چوں ترا چیرہ کند
روشنی نہ دیکھا تجھے تاریک بنا دے گا	وہ قابو پانے والا نہیں ہے کہ تجھے قابو پانے والا بنائے
نور کے یا بندازوے دیگران	چوں ورا نورے نہ بداندر قران
تو اس سے دوسرے کب روشنی حاصل کر سکتے ہیں؟	جبکہ اس کے باطن میں نور نہیں ہے
چہ کشد در چشم ہا الا کہ یشم	ہمچو اعمش کو کند داروئے چشم
آنکھوں میں سوائے (سنگ) یشم کے اور کیا لگائے گا؟	اس چندے کی طرح جو آنکھ کا علاج کرے

اس میں انتقال ہے حال مفلس ظاہر سے طرف حال مفلس باطن کے یعنی اسی لئے (کہ مفلس کا مہمان بننے سے اپنا سرمایہ بھی تلف ہو جاتا ہے) علماء فن نے فرمایا ہے کہ مہمان محسنوں کا بننا چاہئے (تا کہ تمہارے ساتھ احسان کرے مراد یہ ہے کہ بیعت ایسے شخص سے کرے جو دولت باطن سے مالا مال ہو اور تمہاری تربیت بھی کر سکے یعنی کامل مکمل ہو) تم ایسے شخص کے مرید اور مہمان نہ ہو جو تمہارے حاصل سابق کو بھی چھین لے (یعنی جو ذوق و شوق پہلا تھا وہ بھی اس کی صحبت سے گم ہو جاوے) وہ تو خود (طریقت کے خطرات ہیں) دلیر ہے ہی نہیں تم کو تو کیا دلیر کریگا وہ تم کو نور (معرفت و سکینہ) نہ دے گا بلکہ تم کو تیرہ (سیاہ دل) کر دے گا۔ کیونکہ جب اس کو خود اتصال نور (غیب) سے حاصل نہیں تو دوسرے اس سے کیا نور حاصل کریں گے اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی چندھا ہو اور وہ کسی کی آنکھ کا علاج کرے بھلا وہ اس کی آنکھ میں دوا کیا لگاوے گا بجز اس کے کہ اس میں کوئی الا بلا بھر دے جیسے بال یا پشم کہ ایک پتھر ہے آنکھوں کو مضر (کیونکہ اس کو خود تو نظر آتا نہیں کہ میں کیا دوا لگا رہا ہوں خلاصہ یہ ہے کہ جیسے فائدہ البصر دوسرے کی بصر کا معالجہ نہیں کر سکتا اسی طرح فائدہ البصیرت دوسرے کی بصیرت کا علاج نہیں کر سکتا۔

حال ما این ست در فقر و عنا	ہیج مہمانے مبا مغرور ما
افلاس اور مشقت میں ہمارا یہ حال ہے	کوئی مہمان ہم سے دھوکا نہ کمائے
قحط وہ سال ارنیدی در صور	چشمہا بکشا و اندر مانگر
اگر تو نے مجھ دس سالہ قحط نہ دیکھا ہو	تو آنکھیں کھول اور ہمیں دیکھ لے
ظاہر ماچوں درون مدعی	دردش ظلمت زبانش شعشعی
ہمارا ظاہر مدعی کے باطن کی طرح ہے	اسکے دل میں تاریکی ہے اور اس کی زبان چمکیلی (تیز و طرار)

(وہ عورت کہتی ہے کہ جس طرح اس شیخ ناقص مفلس کا حال ہے) بعینہ وہی ہمارا حال ہے فاقہ ورنج میں پس کوئی مہمان خدا کرے ہمارے دھوکہ میں نہ آ جاوے اگر تم نے دس سال کے قحط کو صورت مجسم نہ دیکھا ہو تو آنکھیں کھول کر ہم کو دیکھ لو (کہ وہ مجسم قحط ہم ہیں) بلکہ خود ہمارا ظاہر بھی ایسا ہے جیسا اس مدعی ناقص کا باطن (کہ تباہ محض ہے اس کے قلب میں ظلمت ہے اور زبان خوب آب و تاب والی (یعنی ہماری تباہی اس مدعی سے بھی بڑھی ہوئی ہے کیونکہ اس کا ظاہر تو بارونق ہے صرف باطن ہی خراب ہے اور ہمارا تو ظاہر بھی خراب ہے۔

از خدا نے بوئے اور نے اثر	دعوتش افزوں ز شیفت و بوالبشر
اس میں خدا کی نہ بو ہے نہ اثر	اس کی دعوت شیفت اور ابوالبشر سے بڑھی ہوئی ہے
دیو تمودہ و راہم نقش خویش	او ہمی گوید ز ابدالیم بیش
شیطان نے (بھی) اس کو اپنی صورت نہیں دکھائی	وہ یہ کہتا ہے کہ میں ابدال سے بھی بڑھا ہوا ہوں
حرف درویشاں بدزدیدہ بے	تاگماں آید کہ ہست او خود کسے
درویشوں کی بہت سی باتیں چالی ہیں	تاکہ یہ گمان ہو کہ وہ بھی کچھ ہے
خرده گیرد در سخن بر بایزید	نگ دارد از درون او یزید
باتوں میں (حضرت) بایزید کی عیب گیری کرتا ہے	اس کے باطن سے یزید کو (بھی) شرم آتی ہے
ہر کہ داند مرو را چوں بایزید	روز محشر حشر گردد با یزید
جو اس کو (حضرت) بایزید کی طرح سمجھتا ہے	قیامت کے دن اس کا حشر یزید کے ساتھ ہوگا

(اس میں پھر بیان ہے حال مدعی ناقص کا کہ) حق تعالیٰ سے اس کو نہ بو پہنچی نہ کوئی اثر پہنچا (یعنی نہ صاحب معرفت ہے نہ صاحب حال) مگر دعوت اس کی حضرت شیث علیہ السلام و حضرت آدم علیہ السلام (یعنی انبیاء علیہم السلام سے بھی بڑھی ہوئی) (یعنی عوام کو طریقت کی طرف بلا رہا ہے کبھی شیطان تک نے بھی اس کو اپنی شکل نہیں دکھائی۔ یعنی صاحب کشف بھی نہیں یا یہ کہ مکائد شیطان تک بھی شناخت حاصل نہیں) مگر قول یہ ہے کہ میں ابدال سے بھی بڑھا ہوا ہوں۔ بہت سے ملفوظات بزرگوں کے (کتب یا تقریرات سے) چرا کر یاد کر رکھے ہیں تاکہ (سننے والوں کو) گمان ہو جاوے کہ یہ بھی کچھ ہوں گے اور کمینہ لوگوں کا دستور ہے کہ ملفوظات کا ملین کو یاد کر لیا کرتے ہیں تاکہ بیچارے بھولے بھالے لوگوں پر اس سے افسون پڑھ دیں (جس سے وہ معتقد و مسخر ہو جاویں اور سلیم مار گزیدہ کو بھی کہتے ہیں افسون کی مناسبت سے اس کا لانا رعایت شاعری ہے) اور وہ تقریر میں حضرت بایزید (جیسے کا ملین) پر خرده گیری کرتا ہے (کہ فلاں تحقیق میں ان سے یہ غلطی ہو گئی) لیکن اس کے باطن سیاہ سے یزید تک کو ننگ آتی ہے ایسے شخص کو جو کوئی بایزید سمجھے گا (یعنی کامل سمجھ کر معتقد ہو جائے گا) قیامت میں اس کا حشر یزید کے ساتھ ہوگا (وجہ یہ کہ جب ایسے ناقص کا اتباع کرے گا تو ضرور وہ اس کو گمراہ کرے گا۔ اس لئے حشر بھی گمراہوں کے ساتھ ہوگا۔

بے نوا از نان و خوان آسماں	پیش او ننداخت حق یک استخوان
آسمان کی روٹی اور خوان سے بے سرو سامان ہے	اللہ (تعالیٰ) نے اس کے سامنے ایک ہڈی (بھی) نہیں ڈالی ہے
اوندا کردہ کہ خوان بہنہادہ ام	نائب ہتم خلیفہ زادہ ام
اس نے منادی کی ہے کہ میں نے دسترخوان بچھا رکھا ہے	میں اللہ (تعالیٰ) کا نائب اور خلیفہ زادہ ہوں
الصلا سادہ دلان پیچ پیچ	تاخورید از خوان جودم پیچ پیچ
اے پیچ در پیچ اتقوا صلائے عام ہے	میری بخشش کے خوان سے کھاؤ (حالانکہ) پیچ در پیچ ہے

سالہا بر وعدہ فردا کساں	گرد آں در گشتہ فردا نارساں
کے وعدہ پر لوگ سالوں	اس دروازہ کے گرد چکر کھاتے رہے اور کل آنے والی نہیں ہے
دیر باید تاکہ سر آدمی	آشکارا گردد از بیش و کمی
کانی وقت چاہیے کہ انسان کا بھید	کی اور بیشی میں واضح ہو
زیر دیوار بدن گنجیست یا	خانہ مورست و مار و اژدہا
جس کی دیوار کے نیچے خزانہ ہے یا	چوٹی اور سانپ اور اژدہ کا بھت ہے
چونکہ پیدا گشت کو چیزے نبود	عمر طالب رفتہ آگاہی چہ سود
جب معلوم ہوا کہ وہ کچھ نہ تھا	تو مرید کی عمر گزر گئی اب معلوم ہونے سے کیا فائدہ؟

(یہ بھی تہمت ہے بیان حال مدعی کاذب کا) یعنی آسمانی نان و خوان سے (کہ عبارت ہے غذائے روحانی معرفت و اسرار سے) محض بے نوا ہے اور حق تعالیٰ نے اس کے سامنے ایک ہڈی بھی نہیں ڈالی (یعنی اس میں دولت باطنی کا اثر اتنا بھی نہیں جیسے ہڈی کہ فضلہ ہوتا ہے گوشت کا مگر باوجود اس بینوائی و افلاس باطنی کے) منادی عام کر رکھی ہے کہ میں نے (نعمت باطنی کا) خوان چن رکھا ہے اور میں نائب حق ہوں اور خلیفہ زادہ ہوں (یعنی مثل اپنے پدر آدم علیہ السلام کے خلیفہ اللہ ہوں) ادھر چلے آؤ اے احمق جو حماقت میں پیچ در پیچ گرفتار ہو (مراد اس سے دنیا دار امراء ہیں جو ایسوں کے بہت جلد معتقد ہو جاویں کذا قال مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ غرض ان کو بلاتا ہے کہ آؤ) تاکہ میرے (باطنی) خوان کرم سے حصہ حاصل کرو (مولانا فرماتے ہیں کہ) یہاں خاک نہیں یہاں خاک نہیں (پخص مت جانا) سالہا سال گزر گئے کہ فردا کے وعدہ پر لوگ (طالبان کم فہم) اس کے در کے گرد پھر رہے ہیں مگر وہ فردا اب تک نہیں آیا (یعنی دھوکہ دے رکھا ہے کہ گواہ تک تمہارا مقصود حاصل نہیں ہوا مگر اب عنقریب ہو جاتا ہے مگر وہاں رکھا گیا ہے جو دوسروں کو دے حقیقت میں) بڑی مدت چاہئے کہ آدمی کی خفیہ حالت ظاہر ہو کہ اس میں بیشی ہے یا کمی ہے اور یہ کہ اس کے دیوار تن کے نیچے (یعنی قلب میں) خزانہ (معرفت و کمال) ہے یا کہ وہ مار و مور و اژدہا رزائل نفسانیہ و خصال شیطانیہ) کا گھر ہے (اس لئے عوام بے پہچانے اس کے ہاتھ میں جا پھنسے) جب بعد مدت (معلوم ہوا کہ یہ تو کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن طالب بیچارہ کی عمر ختم ہو گئی اب آگاہ ہونے سے کیا فائدہ) (یعنی جو فائدہ ابتدا سے اس وقت تک سلوک طریق میں مشغول رہنے سے ہوتا وہ فوت ہو گیا اور اتنا فائدہ اب بھی ہے کہ توبہ کرے اور بقیہ عمر کسی کامل کی صحبت میں گزارے اس فائدہ کی نفی مقصود نہیں۔)

در بیان آنکہ نادر افتد کہ مریدے در مدعی مزبور اعتقاد بصدق

بندد کہ او کیست و بدیں اعتقاد بیقائے برسد کہ بخش خواب ندیدہ
باشد و آب و آتش اورا گزند نہ کند و بخش را گزند کند و لیکن نادر نادر باشد

اس بات کا بیان کہ کم ہوتا ہے کہ کوئی مرید جھوٹے مدعی کا سچائی سے معتقد ہو جائے کہ وہ کچھ ہے اور اس اعتقاد کے ذریعہ وہ ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ اس کے پیر نے خواب میں بھی نہ دیکھا ہو اور پانی اور آگ اس کو نقصان نہ پہنچائے اور اس کے پیر کو نقصان پہنچادے لیکن نادر تو نادر ہی ہوتا ہے۔

لیک نادر طالب آید کز فروغ	در حق او نافع آید آں دروغ
لیکن نادر ہے کہ مرید کو روشنی کی وجہ سے	اس کے حق میں وہ جھوٹ مفید ہو جائے
او بقصد نیک خود جائے رسد	گرچہ جاں پنداشت آں آمد جسد
وہ اپنے نیک ارادہ کی وجہ سے ایک مقام تک پہنچ جاتا ہے	اگرچہ جس کو اس نے جان جانا تھا جسم ثابت ہوا
مرورا رومی نماید حالہا	کہ ندید آں ہیچ شیخس سالہا
اس کیلئے ایسے احوال رونما ہوتے ہیں	کہ اسکے ناچیز پیر نے سالوں (بھی) نہیں دیکھی
چوں تخری در دل شب قبلہ را	قبلہ نے واں نماز او روا
جیسا کہ آدمی رات میں قبلہ کی انکل کرنا	ادھر قبلہ نہیں ہے (لیکن) اس کی نماز درست ہو گئی
مدعی را قحط جاں اندر سرست	لیک مارا قحط ناں بر ظاہرست
مدعی کے باطن میں روح کا قحط ہے	لیکن ہمارے ظاہر پر روٹی کا قحط ہے
ماچرا چوں مدعی پنہاں کنیم	بہر ناموس مزور جاں کنیم
مدعی کی طرح ہم کیوں چھپائیں	جھوٹی آبرو کے لئے جان دیں

(اوپر مولانا نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر پیر ناقص ہے تو مرید کو باطنی نفع نہیں ہوتا اس پر سوال ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ باوجود پیر کے ناقص ہونے کے مرید اپنے خلوص نیت و خوش اعتقادی کی بدولت کامیاب ہو گیا ہے پھر شیخ مزور سے بچنے کی کیا ضرورت ہے اپنا اعتقاد درست چاہئے مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ اکثر تو وہی ہوتا ہے جو ہم نے اوپر کہا ہے۔ لیکن ایسے طالب بہت شاذ و نادر ہیں کہ نور (خوش اعتقادی کی وجہ سے) اس کے حق میں وہ (شیخ مزور کا) دروغ نافع ہو جاوے اور وہ طالب اپنی نیک نیت کی برکت سے کسی مقام (مقصود) تک پہنچ جاوے گو اس نے جس کو (یعنی پیر کو) جان (یعنی موصوف باوصاف روحانیہ) سمجھا تھا وہ تو جسد (یعنی مقلوب اوصاف جسمانیہ) ہی نکلا (اور اس میں سے کچھ نہیں ملا مگر خلوص کی وجہ سے محروم نہیں رہا) اور اس کو وہ حالات (باطنیہ) وارد ہوئے جن میں سے شیخ کو برسوں میں خاک بھی نصیب نہیں ہوا اس کی ایسی مثال ہے جیسے وسط دشت میں قبلہ کی تخری (کر لیتے ہیں) کہ واقع میں وہ قبلہ نہیں ہوتا مگر پھر بھی اس کی نماز درست ہو جاتی ہے (مقصود) تشبیہ دینا اس میں ہے کہ خطا بھی مثل صواب کے ہو جاتی ہے تو مشبہ نادر ہے اور مشبہ بہ حکم دائم و مستمر یہ تفاوت تشبیہ میں نہ مقصود ہے نہ مضر ہے حاصل جواب یہ ہے کہ بنائے کار و مدار حکم واقعات اکثر یہ پر ہوا کرتا ہے اور ایسے نوادر کلیت عرفیہ دعویٰ میں نخل نہیں ہوا کرتے پس ایسا نفع قابل اعتماد نہیں رانم اس میں یہ ہے کہ وصول الی اللہ ہوتا ہے جذبہ سے اور جذبہ ہوتا ہے اکثر سلوک سے اور وہ بدن شیخ کامل کے ممکن نہیں اور بلا سلوک کے جذبہ عیانا ہو جاتا ہے جیسا اس طالب مذکور کو ہو گیا پھر وہ عورت کہتی ہے) کہ مدعی کا تو قحط (دولت باطنی باطن میں ہوتا ہے لیکن ہمارا قحط ناں ظاہر میں ہو رہا ہے اپنی حالت مدعی مذکور کی طرح اگر پنہاں کرنا چاہیں تو ناموس مصنوعی کے لئے جان کنی (یعنی سخت مشقت) کرنی پڑے (جس کی اب تاب نہیں اس لئے ترک عار کر کے فکر روزی کرنا چاہئے)

صبر فرمودن اعرابی زن خود را و فضیلت صبر گفتن

بدو کا اپنی بیوی کو قبر کا حکم دینا اور صبر کی فضیلت بیان کرنا

شوئے گفتش چند جوئی دخل و کشت	خود چه ماند از عمر افزوں تر گذشت
شوہر نے اس سے کہا تو آمدنی اور پیداوار کی کب تک جستجو کرگی؟	خود زندگی کتنی رہی ہے زیادہ تو گزر گئی ہے
عقل اندر بیش و نقصان ننگرد	زانکہ ہر دو ہچھو سیلے بگذرد
بھدار کی بیشی کو نہیں دیکھتا ہے	اس لئے کہ دونوں بہاؤ کی طرح گزر جاتے ہیں
خواہ صاف و خواہ سیل تیرہ رو	چوں نمی پاید دے از وے مگو
خواہ صاف ہو یا بہاؤ کی گدلی رو ہو	جبکہ وہ ٹھہرنے والی نہیں ہے اس کا کچھ ذکر نہ کر
اندریں عالم ہزاراں جانور	میزید خوش عیش بنے زیر و زبر
اس دنیا میں ہزاروں جاندار	بغیر کسی تردد کے آرام سے ہی رہے ہیں
شکرمی گوید خدارا فاختر	بر درخت و برگ شب ناساختہ
فاخر اللہ (تعالیٰ) کا شکر ادا کرتی ہے	درخت پر حالانکہ اس نے رات کا کچھ سامان نہیں کیا ہے
حمد می گوید خدارا عندلیب	کا اعتماد رزق برتست اے مجیب
بلبل خدا کی تعریف کرتی ہے	کہ اے قبول کرنے والے رزق کا تجھ پر بھروسہ ہے
باز دست شاہ را کردہ نوید	از ہمہ مردار بریدہ امید
باز نے بادشاہ کے ہاتھ کو دعوت نامہ بنا کر	تمام مرداروں سے امید منقطع کر لی
چچنیں از پشہ گیری تابہ پیل	شد عیال اللہ و حق نعم المعیل
اسی طرح بچھڑ سے لے کر ہاتھی تک	سب اللہ (تعالیٰ) کا کنبہ ہیں اور اللہ (تعالیٰ) بہترین پھول کرنے والا ہے

یعنی خاوند بولا کہ کہاں تک آمدنی اور پیداوار کی جوئیاں رہے گی اور عمر رہے ہی کیا گئی ہے زیادہ تو گزر رہی چکی ہے۔ عاقل آدمی (رزق کی) بیشی کی کو نہیں دیکھا کرتا کیونکہ دونوں (حالتیں) سیلاب کی طرح گزر جاتی ہیں خواہ صفائی سے خواہ تیرگی سے جب اس کو بچا نہیں تو اس کا ذکر ہی کیا (دیکھو) اس عالم میں ہزاروں جانور ہیں کہ خوش عیشی سے بلا تردد زندگی بسر کر رہے ہیں فاخر ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر درخت پر بیٹھی ادا کر رہی ہے۔ اور حالانکہ رات کے لئے کچھ سامان مہیا نہیں کیا ہے اسی طرح عندلیب اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہی ہے کہ اے مجیب الدعوت روزی کا اعتماد آپ ہی پر ہے اسی طرح باز ہے کہ بادشاہ کے ہاتھ پر خوش بخوش سب مرداروں سے احتیاج قطع کر کے بیٹھا ہے۔ اسی طرح پشہ سے لے کر فیل تک سب عیال اللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے ذمہ دار ہیں (عیال جس کا نفقہ کسی کے ذمہ ہو خواہ استحقاقاً خواہ تفصلاً چونکہ اللہ تعالیٰ نے تفصلاً ان کا نفقہ اپنے ذمہ لیا ہے لہذا عیال اللہ کہہ دیا

قال الله تعالى و ما من دابة في الارض الا على الله رزقها وقال عليه السلام الخلق عيال الله

از غبار و گرد باد بود ماست	ایں ہمہ غمہا کہ اندر سینہ ہاست
ہماری ہستی کے غبار اور بگولے ہیں	یہ سب غم جو سینوں میں ہیں
ایں چنیں شدوا نچناں وسواس ماست	ایں غمان بیخ کن چوں داس ماست
اس طرح ہو گیا اس طرح ہو گیا ہمارے دوسے ہیں	یہ جڑ کھودنے والے غم ہمارے لئے درانتی کی طرح ہیں
جز و مرگ از خود براں گر چارہ ایست	دانکہ ہر رنجے ز مردن پارہ ایست
اگر کوئی تدبیر ہے تو موت کے حصہ کو اپنے سے دفع کر دے	سمجھ لے کہ ہر غم موت کا ایک ٹکڑا ہے
دانکہ کلش بر سرت خواہند ریخت	چوں ز جز و مرگ نتوانی گریخت
سمجھ لے کہ اس کے کل کو تجھ پر طاری کر دیں گے	جب تو موت کے حصہ سے نہیں بھاگ سکتا ہے
دانکہ شیریں میکند کل را خدا	جز و مرگ ارگشت شیریں مر ترا
سمجھ لے کہ خدا کل کو میٹھا کر دیکھا	اگر موت کا جزو تیرے لئے میٹھا ہو گیا ہے
از رسولش روگرداں اے فضول	درد ہا از مرگ می آید رسول
اے بیوقوف! قاصد سے منہ نہ موڑ	درد موت کے قاصد ہیں
ہر کہ او تن را پرستد جاں نبرد	ہر کہ شیریں می زید او تلخ مرد
جو شخص تن پروری کرتا ہے جان نہ بچا سکے گا	جو شخص خوشگوار زندگی بسر کرتا ہے وہ تلخ موت مرتا ہے
آنکہ فربہ تر مر او را می کشند	گو سفنداں راز صحرا می کشند
جو زیادہ موٹی ہوتی ہے اس کو ذبح کرتے ہیں	بکری کو جنگل سے لاتے ہیں

(ان اشعار میں مولانا علت غم و تشویش رزق وغیرہ کی اور اس کا معادلہ بیان فرماتے ہیں کہ) یہ جتنے غم و الم کہ قلب میں آتے ہیں یہ سب ہمارے باو و بود (ہستی موہوم) کی گرد و غبار کے بدولت ہیں (یعنی چونکہ اپنی اس ہستی سے دلچسپی ہے پس ہر چیز جو اس کی نخل و منقص لذت معلوم ہوتی ہے ناگوار گزرتی ہے ورنہ اگر اس سے برداشتگی کر لے تو ہر مصیبت سہل معلوم ہو کیونکہ کسی مصیبت کا اثر اس سے زیادہ تو نہیں کہ زندگی کو قطع کر دے گا جب زندگی محبوب نہ ہوگی اس کا قطع بھی گوارا ہوگا چنانچہ اسی کی تفصیل فرماتے ہیں کہ یہ غموم جو (عمر کے) بیخ کن (اور قاطع) ہیں ان کی مثال ہنسیا (یعنی درانتی) کی سی ہے اور یہ امر کہ یوں ہوگا ووں ہوگا یہ ہمارے وسوس و خیالات ہیں (کہ اس غم سے یوں تکلیف ہوگی اس بیماری سے اس طرح موت ہوگی یہی خیالات پریشان کرتے ہیں) یقیناً سمجھ لو کہ خواہ کوئی تکلیف ہو وہ موت کا ایک شعبہ اور جزو ہے تو اگر (تمہارے پاس) کوئی تدبیر ہو تو اس جزو موت کو ٹال دو (یعنی قدرت نہیں ہو سکتی) جب تم جزو موت سے نہیں بھاگ سکتے اسی سے یقین کر لو کہ اس جزو کے کل کو (یعنی موت کو) بھی تمہارے سر پر نازل کریں گے پس اگر یہ جزو مرگ تمہارے نزدیک شیریں و گوارا ہو گیا ہوگا تو

یقیناً اس کے کل (یعنی موت) کو بھی اللہ تعالیٰ تم پر شیریں و گوارا کر دیں گے اور یہ تکالیف جو ہیں موت کے قاصد ہیں پس اس کے قاصدوں سے تم روگردانی و کراہت مت کرو (بلکہ اس پر راضی رہو تا کہ اصل یعنی موت بھی مکروہ نہ معلوم ہو) اور جو شخص شیریں (و مقتم) ہو کر زندگی بسر کرتا ہے (اور مصائب و بلیات کونا گوارا جانتا ہے تو وہ تلخی سے مرتا ہے) کیونکہ ایسے شخص کو موت جو اعظم المصائب ہے کیونکر ناگوار نہ ہوگی) اور جو شخص تن پروری میں رہے گا وہ (ہلاکت سے) جان سلامت نہ لے جاوے گا (یعنی وقت مفارقت لذات کے الم میں مبتلا ہوگا) اس کی ایسی مثال ہے کہ بکریوں کو جنگل سے جمع کر کے لاتے ہیں اور جو سب میں تازہ و فریبہ ہوتی ہے اس کو ذبح کرتے ہیں۔

شب گذشت و صبح آمد اے قمر	چند گیری این فسانہ راز سر
اے چاند رات گزر گئی اور صبح ہو گئی	تو اس قصہ کو کب تک دہرائے گی؟
تو جواں بودی وقائع تر بدی	زر طلب کشتی خود اول زر بدی
تو جوان تھی تو زیادہ صابر تھی	تو زر کی طلبگار بن گئی پہلے تو خود زر تھی
رز بدی پر میوہ چوں کاسد شدی	وقت میوہ کختنت فاسد شدی
تو میوے سے بھری انگور کی تیل تھی کیوں خراب ہو گئی	میوہ پکنے کے وقت تو سڑ گئی
میوہ ات باید کہ شیریں تر شود	چوں رسن تاباں نہ واپس تر رود
چاہیے تھا کہ تیرا میوہ اور زیادہ میٹھا ہوتا	نہ کہ بنی ہوئی رسی کی طرح بل اترنے لگے
جفت مائی جفت باید ہم صفت	تا بر آید کارها بر مصلحت
تو میرا جوڑا ہے جوڑے کو یکساں ہونا چاہیے	تاکہ مصلحت کے مطابق کام چلیں
جفت باید بر مثال ہمدگر	درد و جفت کفش و موزہ درنگر
جوڑے کو ایک دوسرے کی طرح ہونا چاہیے	جوڑے اور موزے دونوں کے جوڑے کو دیکھ
گر یکے کفش از دو تنگ آید بپا	ہر دو جفتش کار ناید مر ترا
دونوں میں سے اگر ایک جوڑے میں تنگ آئے	تو پورا جوڑا ہی تیرے کام میں نہیں آتا
جفت در یک خردو آں دیگر بزرگ	جفت شیر بیشہ دیدی ہیج گرگ
جوڑے میں سے ایک پاؤں میں چھوٹا اور دوسرا بڑا	تو نے دیکھا ہے کہ جنگل کے شیر کا جوڑا بھیڑیا ہو
راست ناید بر شتر جفت جوال	آں یکے خالی و آں پر مال مال
بوروں کا جوڑا اونٹ پر ٹھیک نہیں ہو سکتا	کہ ان میں سے ایک خالی ہو اور دوسرا مال سے بھرا ہوا
من روم سوئے قناعت دل قوی	تو چرا سوئے شناعت می روی
میں جرأت سے قناعت کی طرف جاتا ہوں	تو برائی کی طرف کیوں جاتی ہے؟

مرد قانع از سر اخلاص و سوز	زیں نسق می گفت بازن تا بروز
----------------------------	-----------------------------

صابر مرد، خلوص اور دل (سوزی) سے	دن نکلنے تک اسی طرح پر بیوی سے کہتا رہا
---------------------------------	---

(یہ مقولہ ہے اعرابی کا بی بی سے کہتا ہے کہ) رات گزر گئی اور صبح آچلی اے محبوبہ (یعنی زیادہ حصہ عمر کا گزر گیا اور تھوڑا باقی ہے) اب اس قصہ (فقر و فاقہ) کو کیا تازہ کرنے بیٹھی ہے تو جب جوان تھی (جو زمانہ ہے ہوس کا) تب تو بڑی قانع تھی اب آ کر طالب زر ہو گئی سابق میں (مثل) زر (کے بے عیب) تھی پہلے تو ایسی تھی جیسا پر میوہ درخت انگور اب کیوں بگڑ گئی اور میوہ پکنے کے وقت فاسد ہو گئی تیرا تو میوہ اب زیادہ شیریں ہونا چاہئے (یعنی تجربہ و قرب موت سے تو کل وزہد بڑھنا چاہئے) نہ یہ کہ رسی کے بل کی طرح الٹا اترنے لگے تو تو میری جفت ہے اور جفت (اپنے جفت کا ہم صفت ہونا چاہئے تاکہ مصلحت میں کار بر آری ہو) غرض جفت ایک دوسرے کا نمونہ کا ہونا چاہئے دیکھو کفش و موزہ کی دونوں جفتوں ہی کو دیکھ لو اگر (فرض کرو کہ) ایک جوتی دونوں میں سے پاؤں میں تنگ آوے تو دونوں جفت محض ناکارہ ہو جاتے ہیں (کیونکہ ایک پاؤں میں کوئی پہنتا نہیں) ایسا بھی کہیں ہوا ہے کہ ایک پاؤں میں چھوٹا دوسرے میں بڑا بھلا کہیں شیر بیشہ کا جفت گرگ بھی دیکھا گیا ہے۔ اسی طرح اگر گون کا ایک تھیلہ خالی ہو اور دوسرا مال سے پر ہو تو اونٹ پر لانے میں راست نہیں آتا خلاصہ یہ کہ جب میں دل قوی ہو کر قناعت کی طرف جا رہا ہوں تو پھر تو شاعت (یعنی ذمہ حصر) کی طرف کیوں جا رہی ہے۔ غرض وہ مرد قانع اخلاص و سوز قلب سے اسی طرح عورت سے دن نکلنے تک باتیں کرتا رہا۔

نصیحت کردن زن شوہر را کہ سخن افزوں از قدم و مقام خود مگو کہ لم تقولون
مالا تفعلون کہ ایں سخنہا اگر چہ راست ست امام مقام تو کل ترا نیست و ایں
سخن گفتن فوق مقام و معاملہ خود ترا زیاں دارد و کبر مقتاً عند اللہ باشد

بیوی کا شوہر کو نصیحت کرنا کہ اپنی بساط اور مقام سے بڑھ کر بات نہ کر کیونکہ (فرمایا گیا ہے) جو تم نہیں کرتے ہو وہ کہتے کیوں ہو اس لئے کہ یہ باتیں اگر سچی ہیں لیکن تجھے تو کل کا مقام حاصل نہیں ہے اور یہ بات کہنا مقام اور معاملہ سے بڑھ کر تیرے نقصان کا باعث ہے اور اللہ کے نزدیک بڑی موجب عذاب (کا مصداق) ہوگی۔
ف: اس سے کوئی شخص یوں نہ سمجھے کہ عالم بے عمل کو دوسروں کو نصیحت کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ سمجھنا قواعد کلیہ شرعیہ و اجماع امت کے خلاف ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ بعض کہنا ایسے طرز و عنوان سے ہوتا ہے کہ اس سے دعویٰ عمل کا مترشح ہوتا ہے پس وہ دعویٰ مذموم ہے اور اگر محض تبلیغ کے طور پر ہو تو وہ مذموم نہیں بلکہ مامور بہ ہے قال علیہا السلام فلیبلغ الشاهد الغائب وقال بلغوا عنی ولو آیة اہم من غیر تقلید بالصلاح فی المبلغ

زن بروز دبانگ کا نلے موس کیش	من فسون تو نخوا ہم خورد بیش
عورت اس پر چیخی کہ اے عزت کے شیدائی!	اب میں زیادہ تیرے فریب میں نہ آؤں گی
ترہات از دعوی و دعوت مگو	رو سخن از کبر و از نخوت مگو
دعویٰ اور دعوت کی بکواس نہ کر	جا، تکبر اور غرور کی بات نہ کر

چند حرف طمطراق و کاروبار	کار و حال خود ہمیں و شرم دار
دنیا داری اور کردار کی باتیں کب تک؟	اپنا کام اور حال دیکھ اور شرم کر
نخوت و دعویٰ و کبر و ترہات	دور کن از دل کہ تالیابی نجات
کبر اور دعویٰ اور غرور اور کجواس	دل سے نکال دے تاکہ تو نجات پائے
کبر زشت و از گدایاں زشت تر	روز سرد و برف انگہ جامہ تر
کبر برا ہے اور مفلوسوں سے اور زیادہ برا ہے	ٹھنڈا دن اور برف اور پھر کپڑے بھیکے ہوئے
چند آخر دعویٰ و باد بروت	اے تراخانہ چو بیت العنکبوت
دعویٰ اور موٹپھوں کا تاؤ کب تک؟	اے وہ کہ تیرا گھر مکڑی کے جالے کی طرح ہے
از قناعت کے تو جاں افروختی	از قناعتہا تو نام آموختی
تو نے قناعت سے کب روح روشن کی ہے؟	تو نے قناعتوں کا نام سیکھ لیا ہے
گفت پیغمبر قناعت چیست؟ کنج	کنج را تو و انمیدانی زرنج
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا قناعت کیا ہے؟ خزانہ ہے	تو رنج اور کنج میں فرق نہیں سمجھتا ہے
ایں قناعت نیست جز کنج رواں	تو مزن لاف اے غم ورنج رواں
یہ قناعت تو کنج رواں ہی ہے	اے چلتے پھرتے رنج و غم تو ڈنکیں نہ مار

یعنی عورت یہ سن کر جھلا کر بولی کہ اے ناموس کیش (یعنی اے شخص کہ اس کا کیش اور طریقہ صرف ناموس و لضع ہے حقیقت سے خالی) میں اس سے زیادہ تیرے افسوس میں نہ آؤں گی بیہودہ باتیں دعویٰ (قناعت) کی اور دوسروں کو (قناعت کی طرف) دعوت و تبلیغ کرنے کی مت بنا چل دور ہو کر کبر و نخوت کی باتیں مت کر کب تک ایسے کرو فر کے کلمات اور کاروبار رکھے گا۔ ذرا اپنا عمل اور حال دیکھ کر تو شرمایوں تو تکبر جو بھی کرے برا ہے لیکن اگر مفلس کرے تو اور زیادہ برا ہے (اس کی مثال کئی برائیوں کے جمع ہو جانے میں ایسی ہے کہ) مثلاً دن بھی سردی کا ہو اور برف بھی گر رہی ہو اور کپڑا بھی تر ہو (ظاہر ہے کہ کتنی خرابیاں جمع ہو گئی ہیں) کہاں تک دعویٰ بگھارے گا کتنے دم بھرے گا کتنے موچھوں پر تاؤں دے گا (سب کا حاصل یہ کہ کہاں تک شخی جتلاوے گا۔ کہ میں ایسا قانع ہوں ایسا متمول ہوں) میاں کا حال تو یہ ہے کہ گھر (یعنی قلب) خانہ عنکبوت سے بھی بودا ہے (یعنی قلب میں قوت قناعت نہیں صرف زبانی جمع خرچ ہے) تو نے قناعت سے کون سے دن دل کو رونق دی ہوگی صرف اس کا نام یاد کر لیا ہے (قناعت تو وہ چیز ہے جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قناعت کیا چیز ہے ایک خزانہ ہے اور تجھ کو تو ابھی کنج اور رنج ہی میں تمیز حاصل نہیں قناعت بلاشبہ خزانہ تاپایاں یا خالص ہے مگر تو کا ہے پر لاف زنی کر رہا ہے کہ تو محض جان کا رنج و غم ہے (یہ حدیث مجھ کو یاد نہیں)

تو مخوانم جفت و کمتر زن بعقل	جفت انصاف، نیم جفت دغل
تو مجھے بیوی نہ کہہ اور شوہر ہونے کا اظہار نہ کر	میں انصاف کی (بنیاد پر) بیوی ہوں نہ کہ مکاری کی بیوی

چوں قدم باشاہ و با بگ می زنی	چوں مگس را در ہوارگ می زنی
تو بادشاہ اور سردار کے ساتھ کیوں ہمسری کرتا ہے؟	اڑتی مکھی کے کیوں نشتر مارتا ہے؟
باسگاں زیں استخواں در چاشی	چوں نے اشکم تہی در ناشی
تو ہڈی پر کتوں سے چھینا جھٹی کرتا ہے	تو خالی پیٹ بانسری کی طرح آہ و فریاد کرتا ہے
سوئے مامنگر بخواری سست سست	تا نگویم آنچه در رگ ہائے تست
میری جانب حقارت اور ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھ	تاکہ تیری رگ رگ کا حال نہ کہہ ڈالوں
عقل خود را از من افزوں دیدہ	تو من کم عقل را چوں دیدہ
تو نے اپنی عقل کو میری عقل سے بڑا سمجھا ہے	تو نے مجھ کم عقل کو کیوں پسند کیا ہے؟
ہمچو گرگ زشت اندر ماجہ	اے زنگ عقل تو بے عقل بہ
بد مزاج بھیڑیے کی طرح مجھ پر نہ جھٹ	تیری قابل شرم عقل سے بے عقل ہونا اچھا ہے
چونکہ عقل تو عقیلہ مردم ست	آں نہ عقل ست بلکہ مارو کثردم ست
چونکہ تیری عقل انسانوں کے لئے پھندا ہے	یہ عقل نہیں ہے بلکہ سانپ اور بچھو ہے
خصم ظلم و مکر تو اللہ باد	دست عقل تو زما کوتاہ باد
تیرے ظلم اور مکر کو اللہ سمجھے	(خدا کرے) تیری عقل کی دست درازی ہم پر نہ ہو

(بغل زدوں کنایہ از اظہار جفتی چنانکہ کبوتران جفت با ہمدگر شاد شوند و بغل بہ بغل در پرواز آیند۔ بگ سردار چالش رفتار و پیکار عقیلہ پائے بند شتر۔ یہ تہمت ہے کلام عورت کا) یعنی خبردار مجھ کو اپنی جفت مت کہنا اور زوجیت کا اظہار مت کرنا میں تو انصاف کی جفت ہوں نہ کہ دخل اور بے انصافی کی (جس کو تو نے اختیار کر رکھا ہے) تو دعویٰ استغناء کا) کر کے امراء اور سرداروں کے ساتھ برابری کیوں کرتا ہے جبکہ تیری یہ حالت ہے کہ ہوا میں مکھی کی رگ مارتا ہے (اس کی تفسیر پہلے آچکی ہے) کتوں کے ساتھ تو ہڈی پر لڑتا پھرتا ہے اور خالی البطن کی طرح نالہ کرتا ہے یعنی یہ تو حالت حرص کی پھر اس پر یہ طویل و عریض دعویٰ) تو مجھ کو نظر حقارت سے مت دیکھنا کبھی تیرے سارے رگ پٹھے کھول کر رکھ دوں تو اپنی عقل کو مجھ سے زیادہ سمجھ رہا ہے۔ نہیں معلوم مجھ ناقص العقل کو کیا سمجھ رکھا ہے (یعنی میں تجھ سے کم عقل نہیں ہوں) برے بھیڑیے کی طرح ہمارے اوپر حملہ مت کر تیری عقل سے تو یہ واقع میں ننگ عقل ہے بے عقل ہی بھلا کیونکہ جب تیری عقل آدمیوں کو پھنساتی پھرتی ہے (کہ دعویٰ زہد و قناعت سن کر گرفتار فریب ہو جاتے ہیں) تو ایسی عقل در حقیقت عقل نہیں ہے بلکہ وہ مارو کثردم ہے (جن سے مخلوق کو ضرر پہنچتا ہے اسی طرح تیری عقل سے ضرر روحانی پہنچتا ہے) پس تیرے ظلم و مکر کا تو اللہ ہی جواب دے اور ہم سے تو خدا کرے تیرا دست مکر الگ ہی رہے۔

ہم تو ماری، ہم فسوں گراے عجب	مار گیرو ماری اے ننگ عرب
ہائے تعجب! تو سانپ بھی ہے اور منتر پڑھنے والا بھی	اے عرب کے لئے باعث ذلت تو سانپ بھی ہے اور سپر ایگر

زاغ اگر زشتی خود بشناختے	ہمچو برف از رنج و غم بگداختے
کو اگر اپنی بد صورتی کو پہچان لیتا	رنج اور غم سے برف کی طرح پگھل جاتا
مرد افسوں گر بخواند چوں عدو	اؤفسوں بر مار و مار افسوں برو
منتر پڑھنے والا دشمن کی طرح پڑھتا ہے	وہ سانپ پر منتر اور سانپ اس پر منتر (پڑھتا ہے)
گر نبودے دام او افسون مار	کے فسوں مار را گشتے شکار
اگر سانپ کا منتر اس کے لئے جال نہ ہوتا	تو وہ سانپ کے منتر کا شکار کب بناتا؟
مرد افسوں گرز حرص کسب و کار	در نیابد آل زان افسون مار
منتر پڑھنے والا کمائی اور کام کی حرص کی وجہ سے	اس وقت سانپ کے منتر کو محسوس نہیں کرتا ہے
مار گوید اے فسوں گر ہیں و ہیں	آن خود دیدی فسوں من بہیں
سانپ کہتا ہے اے سپیرے! خوب دیکھ لے	تو نے اپنا منتر دیکھا میرا منتر (بھی) دیکھ لے
تو بنام حق فریبی مر مرا	تا کنی رسوائے شور و شر مرا
تو اللہ کے نام کے ذریعہ مجھے پھانتا ہے	تاکہ تو مجھے شور و شر سے رسوا کرے
نام حقم بست نے آل رائے تو	نام حق را دام کردی وائے تو
مجھے اللہ کے نام نے ہاندھنا کہ تیری رائے نے	تو نے اللہ کے نام کو جال بنایا، تجھ پر افسوس ہے
نام حق بستاند از تو داد من	من بنام حق سپردم جان و تن
اللہ (تعالیٰ) کا نام تجھ سے مجھے انصاف دلانے کا	میں نے اللہ کے نام پر جان اور جسم کو سپرد کر دیا ہے
تا بزخم من رگ جانت برد	یا ترا چوں من بزندانے برد
تاکہ وہ میرے زخم کے بدلے تیری جان کی رگ کاٹ دے	یا تجھے میری طرح قید خانہ میں ڈال دے
زن ازیں گونہ سخن گفتارہا	خواند بر شوئے خود آں طومارہا
عورت اس قسم کی سخت باتیں	دفتر در دفتر شوہر کو سناتی رہی

یعنی اے شوہر تو سانپ بھی ہے (میرے حق میں کہ مجھ کو ایذا و طعن دیتا ہے) اور افسونگر بھی ہے (لوگوں کے حق میں کہ زہد کو قناعت کا دعویٰ کر کے ان کو فریب دیتا ہے) یہ نہایت عجیب بات ہے (کیونکہ یہ دونوں صفتیں عادتاً مجتمع نہیں ہوتیں) خلاصہ یہ ہوا کہ اے ننگ عرب تو مار بھی ہے اور مار گیر بھی ہے (مگر تجھ کو اپنے عیوب کی اطلاع نہیں ورنہ سب دعوے رہ جاتے جس طرح) زاغ کو اگر اپنا زشت (روزشت خو) ہونا معلوم ہو جاتا تو برف کی طرح درد و غم سے گھل جاتا (اور یہ نازش و خرامش بھول جاتا آگے مولانا بمناسبت ذکر افسونگر کے ایک مفید مضمون کا بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ دنیا میں جو شخص کسی کے ساتھ حیلہ گری اور ضرر رسانی کرتا ہے وہ خود بھی حیلہ و ضرر میں مبتلا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ (اگر کوئی شخص سانپ پر دشمن دار افسون

پڑھتا ہے (تاکہ اس حیلہ سے اس کو گرفتار کر لے جس میں اس کا ضرر ہے) تو واقع میں وہ سانپ پر افسون پڑھتا ہے اور سانپ اس پر افسون پڑھتا ہے (اس کا افسون پڑھنا سانپ پر تو ظاہر و مشاہد ہے رہا سانپ کا افسون پڑھنا اس پر اس کا بیان یہ ہے کہ) اگر افسون مارا اس مار گیر کر کے حق میں دام نہ ہو جاتا تو یہ مار گیر افسون مار کے شکار کیسے بن جاتا (یعنی یہ مار گیر جو اس کو پکڑنے آیا ہے تو سانپ میں کوئی وصف مطلوب ایسا ضرور ہے جو اس کے آنے کا باعث ہے مثلاً اس کا خوش رنگ ہونا یا اس کا ذریعہ معاش ہونا وغیرہ وغیرہ پس یہ وصف گویا اس کا جاذب ہے اور اس کے لئے بمنزلہ دام کے ہے اور یہی مراد ہے افسون مار سے تشبیہاً سو مار گیر کا افسون حسی ہے اور مار کا افسون معنوی تو اس مثال میں دیکھ لو مار گیر اس پر حیلہ کرنے چلا تھا لیکن اس کے حیلہ معنویہ میں اول خود گرفتار ہو گیا لیکن باوجود اس گرفتاری معنوی کے) وہ افسون گر بوجہ حرص کسب و کار کے اس وقت اس افسون مار کا ادراک نہیں کرتا (یعنی غلبہ حرص میں اس مضمون کی طرف التفات نہیں کرتا کہ میں بھی اس دام معنوی میں مقید ہو چکا ہوں) سانپ (بزبان حال) کہتا ہے کہ اے افسونگر ذرا خبردار اور ہوشیار رہنا اپنا افسون تو دیکھ چکا ہے اب میرا افسون دیکھو (یہ دوسرا افسون ہے کہ ان اوصاف مطلوبہ کا مشاہدہ کر کے اس میں مشغول ہو جاوے گا اور افسون اول صرف ان اوصاف کا تصور تھا) تو حق تعالیٰ کے نام سے مجھ کو فریب دیتا ہے (جس کو افسون میں پڑھ کر مجھ کو گرفتار کر لیا ہے) تاکہ مجھ کو شور و شر سے رسوائے خلق کرے (جیسا سانپ کے تماشے میں شور و شر ہوتا ہے) مجھ کو واقع میں نام حق نے مقید (و بے قابو) کر دیا ہے نہ کہ صرف تیری رائے اور ہوس نے تو نے نام حق کو (تحصیل دنیا کے لئے جو میری گرفتاری سے مقصود ہے) دام بنا لیا ہے افسوس تیرے حال پر سو وہی نام حق تجھ سے میرا انصاف دلوائے گا میں نے تو اپنا جان و تن اسی کے سپرد کر دیا ہے خواہ میرے ہی نیش سے تیری رگ جان قطع ہو جاوے (یعنی میں تجھ کو ڈس لوں) یا تجھ کو بھی میری طرح کسی مجلس میں مقید کر دے (اور یہ مصداق ہے ضرر کا جو بمقابلہ ضرر رسانی مار کے ہے اور نام حق کا افسون میں ہونا اور سلسلہ تکوین میں اس فعل پر انتقام کا مرتب ہونا باعتبار بعض اوقات و حالات کے ہے پس تخلف اس کا مغل مقصود نہیں اصل مطلب یہ ہے کہ کچھ جزا حیلہ و ضرر کی ملتی ہے سو حیلہ مذکورہ کا ضرر ہونا بھی ظاہر ہے کہ طلب دنیا اس المضار ہے) غرض عورت نے ایسی ایسی درشت باتیں طومار کے طومار شوہر کو سنا ڈالیں۔

نصیحت کردن مرد ز نرا کہ در فقیراں بخواری منگر و در کار حق

بگمان کمال نگر و طعنه مزین در فقر و فقیراں از بے نوائی خویشستن

مرد کا عورت کو نصیحت کرنا کہ فقیروں کو ذلت سے نہ دیکھ اور اللہ کے معاملہ میں کمال کے گمان سے نظر کر اور اپنے

افلاس کی وجہ سے فقر اور فقیروں پر طعنه زنی نہ کر

مرد چوں ایں طعنه ہا از زن شنفت	مستمع شد بعد از ایں میں تا چہ گفت
مرد نے جب یہ طعنے عورت کے سنے	سنا رہا اس کے بعد دیکھ کر کیا کہا؟
گفت اے زن تو زنی یا بوالحزن	فقر فخر آمد مرا طعنه مزین
بولاً اے بیوی! تو عورت ہے یا مجسم غم	مجھے طعنه نہ دے فقر (باعث) فخر ہے

مال و زر سر را بود پیموں کلاه	کل بود آں کز کله سازد پناه
مال و زر ایسے ہیں جیسے سر کی ٹوپی	جو شخص ٹوپی کی پناہ پکڑتا ہے، گنجا ہوتا ہے
آنکہ زلف و جعد رعنا باشدش	چوں کلاہش رفت خوشتر آیدش
جس کی زلف حسین اور گھونگر یا لے ہال ہوں	جب اس کی ٹوپی نہ ہو تو اور زیادہ حسین ہوتا ہے
مرد حق باشد بمانند بصر	پس برہنہ بہ کہ پوشیدہ بصر
مرد خدا بیٹائی کی طرح ہے	پس بیٹائی کھلی اچھی ہے یا ڈھکی ہوئی؟
وقت عرضه کردن آں بردہ فروش	بر کند از بندہ جامہ عیب پوش
غلام فروش دکھاتے وقت	غلام کے عیب چھپانے والے کپڑے اتار دیتا ہے
ور بود عیبے برہنہ اش کے کند	بل بجامہ خدعہ باوے کند
اگر کوئی عیب ہو اس کو بچا کب کرے گا؟	بلکہ کپڑوں کے ذریعہ اس کو دھوکا دے گا
گوید ایں شرمندہ است از نیک و بد	از برہنہ کردن او از تو مرد
کہے گا یہ اچھے برے سے شرماتا ہے	بچا کرنے سے تیرے پاس سے ہماگ جائے گا
خواجہ در عیب ست غرقہ تا بگوش	خواجہ را مال ست و مالش عیب پوش
آقا کالوں تک عیب میں ڈوبا ہوا ہے	(لیکن) آقا کے پاس مال ہے اور اس کا مال عیب کو چھپانے والا ہے
کز طمع عیبش نہ بیند طامع	گشت دلہا را طمعہا جامع
لاہمی لالچ کی وجہ سے اس کے عیب نہیں دیکھتا ہے	لالچ دلوں کو جوڑنے والا بن گیا ہے
ور گدا گوید سخن چوں زرکاں	رہ نیابد کالہ او در دکان
اگر فقیر کان کے سونے کی سی بات کہے	اس کا سامان دکان میں راہ یاب نہیں ہوتا ہے

یعنی مرد نے جواب دیا کہ اری عورت تو عورت ہے یا کوئی بلا ہے (جو سبب ہے غم و اندوہ کا) فقر تو فخر ہے مجھ کو طعنہ مت دے۔ (اشارہ ہے طرف حدیث مشہور الفخر فخری کے مجھ کو حدیث ہونا تو یاد نہیں لیکن فقر کی فضیلت میں بہت حدیثیں وارد ہیں اور جاننا چاہئے کہ بعض احادیث میں مذمت بھی آئی ہے سو تحقیق یہ ہے کہ ایک فقر تو وہ ہے جو غنائے قلب کے ساتھ ہو وہ محمود ہے اور ایک وہ ہے جو حرص و بے صبری کے ساتھ ہو وہ مذموم۔ پس فقر اللہ اچھا اور فقر القلب برا اس مال و زر کی ایسی مثال ہے جیسے سر کے لئے ٹوپی (کہ سر کے عیوب کو ڈھانک لیتی ہے اسی طرح مال دولت مند کے عیوب کو ڈھانک لیتا ہے جیسا مشاہدہ ہے کہ امیر آدمی سے منافع کی امید میں اس کے عیوب سے چشم پوشی کی جاتی ہے) پس وہ شخص غالباً گنجا ہوگا جو ہر وقت ٹوپی مزھی رکھے اور جس شخص کے زلف اور گھونگر یا لے بال ہوں اگر اس کی ٹوپی جاتی رہے تو وہ زیادہ خوش ہوگا (کہ اس حالت میں حسن و جمال زیادہ ظاہر ہوتا ہے اسی طرح اہل کمال کو مال کے پاس نہ ہونے سے کچھ غم نہیں ہوتا (دوسری مثال سنو) مرد حق کی مثال بصر کی سی ہے اب خود سمجھ لو کہ آنکھ کھلی ہوئی اچھی معلوم ہوتی ہے یا

بند ہوئی ہوئی (تیسری مثال لو) جب بردہ فروش غلاموں کو بیچ کے لئے پیش کرتا ہے تو (عادت ہے کہ) غلام کے کپڑے نکال دیتا ہے کیونکہ کپڑا عیب ڈھکنے والا ہوتا ہے (تو مشتری کو احتمال ہوتا ہے کہ شاید اس کے بدن پر کوئی عیب ہوگا) اور اگر سچ سچ اس میں کسی قسم کا عیب ہوتا ہے تو اس کو برہنہ نہیں کرتا بلکہ کپڑے پہنا کر مشتری کو یہ کہہ کر دھوکا دیتا ہے کہ اس کو ہرنیک و بد سے شرم بہت ہے برہنہ کرنے سے چھپ کر ابھی بھاگ جاوے گا (اور تم دیکھ نہ سکو گے پھر خریدو گے کس طرح) اسی طرح سے (جیسا ان مثالوں میں مذکور ہوا) میاں مالدار صاحب کا نون تک (یعنی سراپا) عیوب میں غرق ہوئے پڑے ہیں مگر سرکار پاس مال ہے وہ مال عیب پوش ہو رہا ہے کیونکہ طمع کی وجہ سے کسی طماع کو اس کا عیب نظر نہیں آتا اور طمع ایسی چیز ہے کہ اس نے اکثر قلوب کو گھیر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی ایسی پاکیزہ بات بھی کہے جیسے معدن کا خالص سونا مگر اس کا مایہ (سخن) کان (گوش و ذہن) میں دخل نہیں پاتا۔

کار درویشی و رائے فہم تست	سوئے درویشیاں تو منگر سست سست
درویشی کا معاملہ تیری سمجھ سے اونچا ہے	تو ذلت سے درویشوں کو نہ دیکھ
زانکہ درویشی و رائے کار ہاست	دمبدم از حق مرایشانرا عطا سست
کیونکہ درویشی دنیوی کاموں سے جداگانہ چیز ہے	ان (درویشوں) کے لئے اللہ کی طرف سے ہر وقت بخشش ہے
بلکہ درویشیاں و رائے ملک و مال	روزی دارند زرف از ذوالجلال
بلکہ درویش ملک اور مال کے علاوہ	اللہ سے ایک بھاری روزی پاتے ہیں
حق تعالیٰ عادل سست و عادلان	کے کنند استمگری بر بے دلاں
اللہ تعالیٰ عادل ہے اور عادل	کمزوروں پر کب ظلم کرتے ہیں؟
آں یکے را نعمت و کالا دہند	ویں دگر را بر سر آتش نہند
ایک کو نعمت اور سامان دیں	دوسرے کو آگ پر رکھیں
آتشش سوزد کہ دارد ایں گماں	بر خدائے خالق ہر دو جہاں
اس کو آگ جلائے جو یہ گماں کرے	دونوں جہان کے خالق کے بارے میں
”فقر فخری“ ننگزاف سست و مجاز	صد ہزاراں عز پنہان سست و ناز
”فقر میرا فخر ہے“ نہ کپ ہے نہ مجاز	لاکھوں عزتیں اور ناز پوشیدہ ہیں

(اوپر فقر کے فضائل میں تمثیلیں بیان کی گئی ہیں اب بطور حاصل کے کہتے ہیں کہ) درویشی کا کام تیری فہم سے خارج ہے (اور تو اس کے فضائل و اسرار کے سمجھنے سے قاصر ہے) سو درویشی کو سست نظر سے مت دیکھ اس لئے کہ درویشی کا قصہ سب قصوں سے نرالا ہے ہر دم ان لوگوں کو حق تعالیٰ سے عطائیں پہنچتی ہیں اس لئے یہ درویش لوگ اس ظاہری ملک و مال کے سوا غذائے عظیم و کثیر حق ذوالجلال کی طرف سے پار ہے ہیں (غذا سے مراد غذائے روحانی ہے اور وہ عطا یہی ہے اور یہ تجربہ ہے اہل طریق کا کہ قلت طعام یا فاقہ کو تصفیہ باطن و تنویر قلب میں بڑا دخل ہے اور یوں کوئی اس کو ذریعہ ہی نہ بناوے وہ اور بات ہے) حق تعالیٰ

بڑے عادل ہیں اور عادل لوگ بیدلوں یعنی عاجزوں پر ستمگاری کو کب روار کھتے ہیں کہ ایک کو تو سب طرح کی نعمتیں اور ہر طرح کا سامان عطا فرماویں اور دوسرے کو آگ کے اوپر بٹھلاویں (یہ دلیل ہے فضیلت فقر کی یعنی اگر فقر مطلقاً نعمت نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا نفع نہ ہو تو نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی طرف ظاہر نسبت چور کی لازم آتی ہے کہ امراء کو تو ایسے ایسے عیش دئے اور فقرا ہر طرح خسارہ میں رہے اور لازم محال ہے پس ملزوم یعنی فقر کا مطلقاً منافع سے خالی ہونا بھی منطقی و باطل ہے چنانچہ اوپر ایک بڑی منفعت کا بیان ہو چکا ہے کہ یہ معین ہوتا ہے تنویر باطن میں اور آخرت میں جو درجات اس پر ملیں گے وہ علاوہ) خدا کرے اس کو دوزخ نصیب ہو جو کہ خدائے خالق دو جہاں پر یہ گمان (جو رکھا) رکھے اور یہ جو آیا ہے الفقیر فخری یہ کوئی فضول اور بے معنی بات نہیں (کہ اخبار شرعیہ میں اس کا احتمال ہے نہیں اور نہ اس میں کوئی مجاز و مبالغہ ہے) (کہ بلا دلیل اس کا بھی غلط ہے) بلکہ اس فقر میں لاکھوں عزت اور تاز پنہاں ہیں (کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محبوب ہوتا ہے گو خلاق کو اطلاع نہ ہو)

از غضب بر من لقبها رانده	مار خوی و مار گیرم خوانده
تو نے غصہ سے میرے بہت نام دھرے	تو نے مجھے سانپ جیسی خصلت والا اور سپیرا بتایا
گر بگیرم مار و دندانش کنم	تاکش از سر کو فتن ایمن کنم
اگر میں سانپ پکڑتا ہوں اور اس کے دانت اکھاڑ دیتا ہوں	تو اس لئے کہ اس کو سر کچلنے سے محفوظ کر دوں
زانکمال داندان عدوئے جان اوست	من عدو رami کنم زین علم دوست
چونکہ دانت اس کی جان کے دشمن ہیں	میں دشمن کو اس علم کے ذریعہ درست بناتا ہوں
از طمع ہرگز نخواهم من فسوں	این طمع را کرده ام من سرنگوں
میں لالچ کی وجہ سے منتر نہیں پڑھتا ہوں	میں نے تو لالچ کو اوندھے منہ کر دیا ہے
حاش للذ طمع من از خلق نیست	از قناعت در دل من عالمے ست
خدا کی قسم مجھے لوگوں سے لالچ نہیں ہے	میرے دل میں قناعت کا ایک جہان ہے
از سر امرود بن مینی چناں	زاں فرود آتا نماںد آں گماں
تو امرود کے درخت سے ایسا دیکھتی ہے	اس سے اترا تاکہ وہ گمان نہ رہے
چونکہ بر گردی و سرگشته شوی	خانہ را گردندہ مینی و آں توئی
جب تو گھومے اور سر پکرانے لگے	تو گھر کو گھومتا دیکھے گا حالانکہ گھومنے والا تو ہی ہے

(یہ مقولہ ہے اعرابی کا عورت سے کہتا ہے کہ) تو نے غصہ میں مجھ کو طرح طرح کے لقب دے ڈالے کہیں مار خو کہہ رہی ہے کہیں مار گیر نام رکھ رہی ہے (جیسا کہ اس کے کلام میں اوپر آیا ہے مار گیر و ماری الخ سو مار ہونے کا تو احتمال ہی نہیں کیونکہ میں نے تجھ کو ایذا کی کوئی بات نہیں کہی بلکہ تیری بات کا جواب دے رہا ہوں رہا مار گیر بمعنی فریبندہ خلق بدعوی قناعت و توکل ہونا سو اول تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ مقصود میرا اس کلام سے کسی کو اپنا معتقد بنانا نہیں ہے محض تیرا جواب دینا ہے اور اعلیٰ سبیل التسلیم اگر اس

کو فرض ہی کر لیا جاوے تو جواب یہ ہے کہ اگر میں سانپ پکڑ کر اس کے دانت توڑ ڈالوں تاکہ اس کو سر کوبی سے بے خوف کر دوں کیونکہ اس کے دندان ہی اس کے دشمن جاں ہیں (کہ اس کے خوف سے لوگ اس کو مار ڈالتے ہیں وہ نہ ہوں تو اچھا خاصہ کھیل ہے) سو میں اس علم افسونگری سے دشمن کو (یعنی خود سانپ کو) دوست و محبوب (لوگوں کا) بناتا ہوں (خلاصہ یہ ہوا کہ اسی طرح اگر عوام کو معتقد ہی بنانا ہو اس غرض سے کہ جب وہ معتقد ہو جاویں تو ان کو تعلیم و ارشاد کر کے ان کے صفات ذمیرہ کا جو مایہ عداوت خلق و ہلاک ابدی ہے ازالہ کر دوں اور ان کو عند الخلق و عند الخالق محبوب بنا دوں تو ایسے معتقد بنانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں اس میں اشارہ ہوا ایک مسئلہ کی طرف کہ ریاء الشیخ خیر من اخلاص المرید یعنی کامل اپنے کمالات کا اظہار بھی غرض محمود سے کرتا ہے کہ لوگوں کو نفع ہو اور مرید اپنے نفع میں ساعی ہے اور ظاہر ہے کہ نفع متعدی افضل ہی نفع لازم سے) غرض میں طمع (اور کسی اپنی نفسانی غرض) سے یہ افسون نہیں پڑھ رہا ہوں کیونکہ طمع کو تو میں سرنگوں کر چکا ہوں (یعنی ریاضت سے اس کا ازالہ کر دیا ہے اور اگر اس کو بھی طمع کہا جاوے تو) حاشا وکلا کہ یہ طمع خلق سے نہیں ہے (کہ مال و جاہ حاصل ہو) کیونکہ قناعت کا میرے قلب میں ایک عالم آباد ہے (بلکہ وہ طمع خالق سے ہے اجر و ثواب کی جیسا حضرات انبیاء علیہم السلام کا ارشاد تھا ان اجری الاعلی اللہ مگر تجھ کو بدگمانی سے میرا ہنر بھی عیب نظر آ رہا ہے جیسا مثل مشہور ہے کہ درخت امرود پر سے نیچے کا حال غلط نظر آتا تھا پس) تو بھی درخت امرود پر سے (کہ وہ بدگمانی ہے) ایسا ہی غلط دیکھ رہی ہے اس سے اتر کر (یعنی بدگمانی ترک کر کے) دیکھتا کہ وہ گمان غلط نہ رہے (یہ قصہ مشہور ہے کہ کسی بدکار عورت نے شوہر کو درخت پر چڑھا دیا اور خود مشغول فحور ہوئی اس نے لکارا کہنے لگی اس کی خاصیت ہے چنانچہ خود بھی چڑھ کر جھوٹ موٹ چلانا شروع کیا کہ تجھ سے کوئی مرد بدکاری کر رہا ہے مرد کو اطمینان ہو گیا کہ واقعی درخت ہی کی خاصیت ہے) دوسری مثال غلط بینی کی یہ ہے کہ اگر تمہارا سر گھومنے لگے تو سارا گھر گھومتا ہوا نظر آتا ہے حالانکہ گھومنے والے تم ہی خود ہو۔

در بیان آنکہ جنبیدن ہر کسے از انجاست کہ ویست ہر کسے را از چنبرہ
وجود خود بیند تا بہ بود آفتاب را کہ بود نماید و سرخ سرخ نماید چوں تا بہا از رنگ
بیروں آید و سفید شود از ہمہ تا بہائے دیگر راست گوتر باشد

اس بیان میں کہ ہر چیز کا حرکت کرتے نظر آتا اس لئے ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے وجود کے حلقہ سے دیکھتا ہے یہاں تک کہ نیلے رنگ کے ذریعہ سورج کو نیلا اور سرخ کے ذریعہ سرخ دکھاتا ہے جب چمک رنگ سے صاف ہو جاتی ہے اور سفید ہو جاتی ہے تو تمام دوسری روشنیوں سے زیادہ صحیح دکھانے والی ہوتی ہے۔

یہ مضمون مربوط ہے شعر بالا سے ۔ چونکہ بگروی و سرگشتہ شوی الخ

اور یہ مضمون مرادف ہے المرء یقیس علی نفسه کا اور مثال میں اس مضمون کی تحقیق صحیح فرمادی گئی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب اپنے اندر خود صفات ذمیرہ موجود ہوں۔ ایسا شخص اگر کسی میں اپنے افعال دیکھے گا تو اپنے ہی جیسے اسباب کا احتمال کرے گا اس لئے اس کا قیاس معتبر نہ ہوگا اور جب تصفیہ کر کے مثل آئینہ سفید کے صاف ہو جاوے پھر اس کا قیاس صحیح ہوگا اور یقیس علی نفسه اس صورت میں نہ ہوگا۔

دید احمد را ابو جہل و بگفت	زشت نقشی کز بنی ہاشم شکفت
ابو جہل نے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا اور کہا	یہ بد صورت ہے جو بنی ہاشم میں پیدا ہوا ہے

گفت احمد مرو را کہ راستی راست گفتی گرچہ کار افزاستی

احمد (سلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ تو سچا ہے تو نے سچ کہا ہے اگرچہ بیہودہ کو ہے

دید صدیقش بگفت اے آفتاب اے زشرقی نے زغربی خوش بتاب

حضرت صدیق (رضی اللہ عنہ) نے ان کو دیکھا تو کہا اے آفتاب! اے وہ کہ جو نہ شرقی ہے نہ مغربی! خوب روشن ہو

گفت احمد پ راست گفتی اے عزیز اے رہیدہ تو ز دنیاے نخبیز

احمد (سلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا اے عزیز! تو نے سچ کہا اے وہ کہ جو ناچیز دنیا سے آزاد ہے

حاضراں گفتند کاے صدر الورا راست گو گفتی تو دو ضد گوراچرا

حاضرین نے کہا کہ اے سرد عالم! آپ نے دو متضاد باتیں کہنے والوں کو سچا کیوں کہا؟

گفت من آئینہ ام مصقول دست ترک و ہندو در من آں بیند کہ ہست

فرمایا میں ہاتھ کا تمہا ہوا آئینہ ہوں ترک اور ہندوستانی مجھ میں وہی دیکھتا ہے جو وہ خود ہے

ہر کرا آئینہ باشد پیش رو زشت و خوب خویش را بیند درو

جس کے منہ کے سامنے آئینہ ہو اپنے اچھے اور برے کو اس میں دیکھے گا

یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے دیکھ کر جھک مارا کہ آپ (نعوذ باللہ) ایک نقش زشت ہیں کہ بنی ہاشم سے اس کا ظہور ہوا۔ حضور نے اس کو جواب دیا کہ تو سچا ہے اور سچ کہتا ہے اگرچہ فی نفسہ بیہودہ گو ہے اور حضرت صدیق نے جو دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ تو آفتاب (معنوی) ہیں جو نہ شرقی ہے نہ غربی (کیونکہ نور روح جہات سے منزہ ہوتا ہے) خدا کرے آپ خوب روشن رہیں آپ نے ان کو بھی یہی فرمایا کہ اے عزیز جو دنیاے ناچیز سے آزاد ہو گئے ہو تو تم سچ کہتے ہو۔ حاضرین مجلس نے (تعجب سے) عرض کیا کہ اے سردار عالم آپ نے دو متضاد باتیں کہنے والوں کو راست گو کیسے فرما دیا ارشاد ہوا کہ میری مثال تو آئینہ کی سی ہے کہ دست قدرت نے صیقل کیا ہے پس ترک ہو ہندی ہو کوئی ہو میرے اندر وہ وصف دیکھے گا جو اس میں موجود ہے جیسا کسی کے سامنے آئینہ رکھا ہو اور وہ زشت و خوب کو اس میں دیکھ لیتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خوبی مرنی میں ہوتی ہی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس خوبی پر نظر پڑنے کی علت رائی کی خوبی ہوتی ہے (فائدہ میری نظر سے یہ روایت نہیں گزری۔

اے زن ارطماع می بنی مرا	زیں تخری زنانہ بر تر آ
اے بیوی! اگر تو مجھے لاپٹی سمجھتی ہے	تو اس زنانہ اکل سے باہر نکل
آں طمع را ماند و رحمت بود	کو طمع آنجا کہ آں نعمت بود
وہ (فقر) لالچ کے مشابہ ہے اور رحمت ہوتا ہے	جہاں یہ نعمت ہو وہاں لالچ کہاں؟
امتحان کن فقر را روزے دو تو	تا بفقر اندر غنا بنی دو تو
تو دو دن فقر کو آزما لے	تا کہ فقر کے ذریعہ تجھے دو گنی غنا نظر آئے

صبر کن با فقر و بگزار این ملال	زانکہ در فقرست عز ذوالجلال
فقر پر صبر کر لے اور اس رنج کو ترک کر دے	کیونکہ فقر میں خداداد عزت ہے
سرکہ مفروش و ہزاراں جاں بیں	از قناعت غرق بحر انگبیں
ترش روئی نہ کر اور دیکھ ہزاروں جانیں	قناعت کی وجہ سے شہد کے سمندر میں ڈوبی ہوئی ہیں
صد ہزاراں جان کنی کش نگر	ہمچو گل آغشته اندر گل شکر
تلخی برداشت کرنے والی لاکھوں جانوں کو دیکھ	گلقدن میں پھولوں کی طرح لت پت ہیں

وہ مرد عورت سے خطاب کرتا ہے کہ عورت تو اگر مجھ کو طماع سمجھتی ہے (جیسا مارگیر کہنے سے مستفاد ہوتا ہے) تو اس قیاس تانہ کو ترک کر دے (کہ سبب اس کا نقصان عقل ہے جو خواص زنان سے ہے) البتہ طمع کے مشابہ ضرور ہے مگر واقع میں وہ حمت ہے (جیسا گر بگیرم مار و دندانہ کم کی شرح میں گزر چکا ہے) اور بھلا جہاں اتنی (باطنی) نعمتیں (قلب میں) ہوں وہاں حقیقی طمع کی کہاں گنجائش ہے تو دور روز تو فقر (کے منافع) کا امتحان کر کے دیکھ لے تاکہ فقر کے اندر اضعاف مضاعفہ غنا نظر دے (کہ وہ غنائے قلب ہے اور گو فقر میں مدت سے ہے مگر اس کے منافع کی طرف التفات نہیں کیا اس لئے امتحان نہیں ہوا) فقر میں صبر کر اور اس سے اکتامت کیونکہ فقر میں حضرت ذوالجلال کے نزدیک عزت ہوتی ہے فقر سے ترش روئی مت کر اور ہزاروں جانوں کو قناعت کی بدولت دریائے انگبین (لذت و حلاوت باطنی) میں غرق دیکھ لے (مراد اس سے عارفین و مجبین کی جان ہے) لاکھوں جانوں کو دیکھ لو جو تلخی (فقر و بلا و مجاہدہ) کو جھیل رہے ہیں کہ گل کی طرح گلقدن (مقصود) میں لت ہو گئے ہیں۔

اے دریغا مر ترا گنجا بدے	تا ز جانم شرح دل پیدا شدے
ہائے افسوس تجھ میں اگر گنجائش ہوتی	تو میری جان سے دل کی شرح ظاہر ہوتی
ایں سخن شیرست در پستان جاں	بے کشندہ خوش نمیکرد درواں
یہ باتیں جان کے پستان میں دودھ ہیں	چونے والے کے بغیر اچھی طرح جاری نہیں ہوتی ہیں
مستمع چوں تشنہ و جویندہ شد	واعظ ار مردہ بود گویندہ شد
سننے والا جب پیاسا اور طلبگار ہو	وعظ کہنے والا اگر مردہ (بھی) ہو تو بولنے لگتا ہے
مستمع چوں تازہ آید بے ملال	صد زباں گردد بگفتن گنگ و لال
سننے والا جب تازہ دم اور بے تکان ہو	سینکڑوں کو گئی زبانیں بولنے لگتی ہیں
چونکہ نامحرم در آید از درم	پردہ در پنہاں شوند اہل حرم
جب دروازے سے کوئی نامحرم آتا ہے	مستورات پردے میں چھپ جاتی ہیں
ور در آید محرمة دور از گزند	برکشایند آں ستیراں روئے بند
اور اگر کوئی محرم آتا ہے خدا اسکو سلامت رکھے	تو مستورات نقاب اٹھا دیتی ہیں

(یہ مضمون بھی زبانی اعرابی کے ہے) یعنی کاش تجھ کو فہم کی گنجائش ہوتی اس وقت میری جان سے (اسرار قلب کی شرح ظاہر ہوتی) یعنی تجھ کو اگر مخاطب صحیح پاتا تو برکات فقر کے پورے بیان کرتا) کلام کی مثال دودھ کی سی ہے جو کہ پستان جان میں بھرا ہے بلا جاذب کے اچھی طرح رواں نہیں ہوتا (جس طرح دودھ بدوں طلب بچہ کے جوش سے نہیں اترتا) اگر سننے والا تشنہ اور طالب ہوتا ہے تو واعظ اگر (فرضا) مردہ بھی ہو تو زندہ ہو جاتا ہے یعنی جب سننے والا تازہ اور بے ملال ہو تو تکلم کیسا ہی گنگ اور بے زبان کیوں نہ ہو (جو مراد ہے مردہ سے) وہ صد زبان ہو جاتا ہے (اور یہی مراد ہے زندہ سے) مثلاً دروازے سے کوئی نامحرم آ جاوے فوراً مستورات پردہ کے اندر ہو جاتی ہیں اور اگر خدا سلامت رکھے۔ کوئی محرم آ جاوے تو وہ مستورات برقع چہرہ سے اٹھا دیتی ہیں۔ (اسی طرح اسرار و مضامین عالیہ مثل مستورات کے ہیں اور مخاطب صحیح مثل محرم کے اور منکر یا بد استعداد مثل نامحرم کے پس اہل خطاب سے مضمون کو جوش ہوتا ہے اور بد استعداد کے خطاب سے معاً انقباض ہو جاتا ہے اور یہ امر مجربات میں سے ہے۔

ہر چہ را خوب و خوش و زیبا کنند	از برائے دیدہ بینا کنند
جس چیز کو اچھا اور عمدہ اور حسین بناتے ہیں	دیکھنے والی آنکھ کے لئے بناتے ہیں
کے بود آواز چنگ از زیر و بم	از برائے گوش بے حس اصم
سارنگی کی زیر و بم کی آواز کب ہوتی ہے؟	بہرنے بے حس کے کان کے لئے
مشک را حق بیہدہ خوشدم نکرد	بہرشم کرد و پئے اشم نکرد
اللہ تعالیٰ نے مشک کو خوشبودار بیکار نہیں بنایا	سوگھنے کے لئے بنایا ہے بے حس ناک والے کیلئے نہیں بنایا
نائے را حق بیہدہ خوشدم نکرد	بہر انس آمد پئے اہرم نکرد
اللہ تعالیٰ نے ہانسری کو خوش آواز بیکار نہیں بنایا	انسان کیلئے بنی ہے شیطان کے لئے نہیں بنی
حق زمین و آسماں بر ساختہ است	درمیاں بس نور و نار فروختہ است
اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بنایا ہے	درمیان میں نور اور نار کو روشن کیا ہے
ایں زمین را از برائے خاکیاں	آسماں را مسکن افلاکیاں
اس زمین کو خاک والوں کیلئے	آسمان کو آسمان والوں کے رہنے کی جگہ (بنایا)
مرد سفلی دشمن بالا بود	مشتری ہر مکان پیدا بود
نیچے رہنے والا انسان اوپر کا مخالف ہوتا ہے	ہر مکان کا خریدار پیدا ہو جاتا ہے

(اشم آنکہ قوت شلمہ اور آفتے رسیدہ باشد یعنی اہلیت کی شرط ہونے میں مضامین ہی کی کیا تخصیص ہے ہر مدرک میں مدرک کی اہلیت شرط ہے مثلاً) جس چیز کو حسین و جمیل بناتے ہیں صرف دیدہ بینا کے لئے بناتے ہیں (کیونکہ اس ادراک کی اسی میں اہلیت ہے اور مثلاً) چنگ اور زیر و بم آواز بے حس بہرے کے کان کے لئے کب ہوتی ہے (کیونکہ اس میں اس ادراک کی قابلیت نہیں ہے) پس نے گو حق تعالیٰ نے خالی از حکمت خوش آواز نہیں بنایا ہے بلکہ وہ انس کے لئے موضوع ہے اہرم کے لئے نہیں بنایا ہے

(اہرم چوبیکہ بدان ہر یسہ کو بند۔ یا اہرم)

فائدہ:- یہاں محض مدرک وغیر مدرک ہونے کا ذکر ہے نہ حلت و حرمت کا پس اس سے استدلال اباحت پر بالکل ناتمام ہے) اسی طرح شک کو اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ خوشبودار نہیں بنایا بلکہ سو گنہنے کو بنایا ہے۔ ماؤف الشامہ کے لئے نہیں بنایا (پس شامہ صحیحہ میں اہلیت ہے اور فاسدہ میں نہیں ہے) اسی طرح حق تعالیٰ نے زمین و آسمان بنا کر دونوں کے درمیان میں بہتیرے شر و خیر بنائے ہیں (اور ہر ایک کے لئے جدا اہل ہیں مثلاً) زمین کو خاک کیوں کے لئے بنایا۔ آسمان کو افلا کیوں کا مسکن بنایا چنانچہ زمین کا رہنے والا (باطبع جہت فوق سے نفور ہوگا) یعنی محیط کی جانب اس کا میلان طبعی نہیں ہوتا چنانچہ حکمت کے مشہور مسائل سے ہے اس کو مجازاً دشمنی کہہ دیا) اور ہر مکان کا مشتری پیدا ہو جاتا ہے (کہ بعض کا میلان مرکز کی طرف ہے بعض کا محیط کی طرف سب امثلہ سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں مناسبت شرط ہے)

اے ستیرہ ہیچ تو برخاستی	خویشنتن را بہر کور آراستی
اے پردہ نشین! بسی تو تیار ہوئی ہے	اپنے آپ کو اندھے کے لئے تو نے آراستہ کیا ہے
گر جہاں را پر در مکنوں کنم	روزی تو چوں نباشد چوں کنم
اگر میں دنیا کو اچھوتے موتیوں سے بھر دوں	تب بھی تیرا حصہ نہ ہو تو میں کیا کروں؟
ترک جنگ و رہزنی اے زن بگو	ور نمگیونی بترک من بگو
اے بیوی! ڈکیتی اور جنگ ترک کر دے	اگر نہیں چھوڑتی ہے تو مجھے چھوڑ دے
مر مرا چہ جائے جنگ نیک و بد	کایں دلم از صلحہا ہم می رمد
نیک و بد کی لڑائی کا میرے لئے کیا موقع ہے؟	اس لئے کہ میرا دل تو صلح سے بھی بھاکتا ہے
برسر ایں ریشہا نیشم مزن	زخمہا بر جان بے خویشم مزن
میرے ان زخموں پر ڈنک نہ مار	میری بے خود جان پر زخم نہ لگا
گر خمش گردی و گرنہ آں کنم	کہ ہمیں دم ترک خان و ماں کنم
اگر تو چپ ہوتی ہے تو خیر ورنہ میں یہ کروں گا	کہ ابھی گھر ہار چھوڑ دوں گا
پا تہی کشتن بہ است از کفش تنگ	رنج غربت بہ کہ اندر خانہ جنگ
تنگ جوتے سے بید کا تنگ ہونا بہتر ہے	خانہ جنگی سے سفر کی تکلیف بہتر ہے

(یہ بھی مقولہ ہے اعرابی کا اور تمہہ ہے سابق کا) یعنی اے بی بی بھلا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ تو آمادہ ہوئی ہو اور اپنا بناؤ سنگھار اندھے کے واسطے کیا ہو (اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر امر کے لئے قابل کی ضرورت ہے اس حالت میں) اگر میں تمام عالم کو (اسرار و حکمت کے) موتیوں سے پر کروں لیکن جب (بوجہ بدنہی و نا طلبی کے) تیرے نصیب ہی میں نہ ہو تو میں کیا کر لوں (اس لئے میں کہتا ہوں اے دریغ امر ترا لے) اور اگر تمام بیابان زراور نقود سے پر ہو جاوے لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہو جو برابر بھی کوئی نہیں لے سکتا (اس زراور نقود سے مراد اگر وہی اسرار و علوم ہوں تب تو یہ شعر اپنے ماقبل کا مرادف ہے اور اگر ظاہری زراور نقود مراد ہو تو کئی شعر اوپر جو شعر تھا۔ صبر کن بانقران لے اس کی طرف

رجوع ہے کہ قناعت اس لئے ضروری ہے کہ قسمت سے زیادہ نہیں مل سکتا جو جنگل زر و سیم سے ہی کیوں نہ بھر جاوے بہر حال) تو اس جنگ رہزنی کو (کہ مجھ کو طریق مستقیم سے ہٹانا چاہتی ہے) ترک کر دے اور اگر اس کو ترک نہیں کرتی تو اچھا مجھ کو ترک کر دے اور مجھ کو کسی نیک و سچ و تکرار کرنے کا تو کیا محل ہے میرا دل تو ان متعارف صلحوں تک سے وحشت کرتا ہے (کیونکہ تعلقات سے میری طبیعت آزاد ہے خو صلح و دوستی کا تعلق ہو خواہ جنگ و دشمنی کا بالخصوص جبکہ اکثر دوستوں کی بدولت دین اور دنیا دونوں کا ستیاناس ہوتا ہے) میرے ریش (تعلقات دنیا سے قلب مجروح ہے) میٹھ (طعن) مت مارا اور میری جان بخود پر زخم مت لگا اگر تو خاموش ہو گئی تو خیر ورنہ میں یہ کروں گا کہ اسی وقت گھر بار چھوڑ کر کہیں چل دوں گا کیونکہ تنگ جوتے سے تو ننگے پاؤں اچھا اور گھر میں لڑائی رہنے سے پردیس کی پریشانی اچھی۔

مراعات کردن زن شوئے را و استغفار نمودن از گفته خود

عورت کا مرد کی رعایت کرنا اور اپنے کہے ہوئے سے توبہ کرنا

زن چو دید اورا کہ تند و تو سن ست	گشت گریاں گریہ خود دام زنت
جب عورت نے اس کو دیکھا کہ تند اور تیز ہے	رونے لگی رونا تو خود عورت کا جال ہے
گفت از تو کے چنین پنداشتم	از تو من امید دیگر داشتم
بولی میں تمہیں ایسا نہ خیال کرتی تھی	تم سے تو مجھے اور ہی توقع تھی
زن درآمد از طریق نیستی	گفت من خاک شایم نے ستی
عورت خاکساری سے پیش آئی	بولی میں تمہاری خاک ہوں بیوی نہیں ہوں
جسم و جانم ہر چہ ہستم آن تست	حکم و فرماں جملگی فرمان تست
میرا جسم اور جان جو کچھ بھی ہے تیری ملک ہے	حکم اور فرمان سب تیرا (حق) ہے
گرز درویشی دلم از صبر جست	بہر خویشم نیست این بہر تو است
اگر فقیری سے میرا دل اکڑا	یہ اپنے لئے نہیں (بلکہ) تیرے لئے ہے
تو مرا در دردہا بودی دوا	من نمی خواہم کہ باشی بے نوا
تو میرے دردوں کی دوا رہا ہے	میں نہیں چاہتی کہ تو بے سرد سامان رہے
جان تو کز بہر خویشم نیست این	از برائے تست این بانگ و حنین
تیری جان کی قسم یہ اپنے لئے نہیں ہے	یہ رونا اور چیخنا تیرے لئے ہے
خویش من واللہ کہ بہر خویش تو	ہر نفس خواہد کہ میرد پیش تو
خدا کی قسم میری ہستی تیرے لئے ہے	وہ ہر وقت چاہتی ہے کہ تجھ پر قربان ہو جائے
کاش جاننت کش روان من فدے	از ضمیر جان من واقف شدے
کاش تیری وہ جان جس پر میری جان فدا ہے	میری جان کے دل کی بات سے واقف ہو جاتی

یعنی جب عورت نے دیکھا کہ یہ تو بہت ہی تند و تیز ہونے لگا تو رونا شروع کر دیا (اور رونا (ایسے موقع پر) عورتوں کا معمول ہے کہنے لگی کہ تجھ سے مجھ کو ایسا گمان نہ تھا (کہ قطع تعلق پر آمادہ ہو گیا) تجھ سے تو مجھ کو اور ہی امید تھی (کہ ہمارا تمہارا ساری عمر کا ساتھ ہے) غرض عورت عجز و انکسار کی راہ سے کہنے لگی کہ میں تو تمہاری (جوئی کی) خاک ہوں بی بی (ہونے کا دعویٰ) نہیں (کرتی) ہوں (یعنی لوٹھی ہوں گھر میں نہیں ہوں کذا قال مرشدی) میرا جسم اور جان اور جو کچھ بھی ہے وہ سب تمہاری ہی ہے اور حکم اور فرمان سب تمہارا ہی ہے (جو کہو گے مانوں گی) اور اگر فقر و فاقہ سے میرا قلب صبر سے نکل گیا ہے تو وہ بھی اپنے خیال سے نہیں وہ بھی تیرے ہی واسطے ہے کیونکہ تو میری رنج و تکلیف کی دوا ہمیشہ سے رہا ہے (یعنی میرا غمخوار رہا ہے) اس لئے مجھ کو گوارا نہیں کہ اس طرح بے سرو سامان ہو تیری جان کی قسم کہ یہ فکر و تردد مجھ کو اپنے لئے نہیں بلکہ یہ سب غل پکار تیرے ہی واسطے ہے قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میری خودی و ہستی تیرے وجود کے واسطے ہر وقت اسی تمنا میں ہے کہ تیرے سامنے مرجاؤں (اور فدا ہو جاؤں) کیا خوب ہوتا کہ تیری روح کو جس پر میری جان فدا ہے میری روح کے مافی الضمیر سے واقفیت ہو جاتی (تو اس وقت تو ایسی باتیں روکھی سوکھی نہ کرتا اور سمجھتا کہ میں تیری ہی خیر خواہی کرتی ہوں)

چوں تو با من این چنین بودی بظن	ہم ز جان بیزار گشتم ہم ز تن
جبکہ تیرا گمان میرے ساتھ یہ ہے	میں جسم و جان سے بیزار ہو گئی ہوں
خاک را بر سیم و زر کردیم چوں	تو چنینی با من اے جانرا سکوں
میں نے چاندی سونے پر خاک ڈالی جبکہ	تیرا میرے ساتھ یہ معاملہ ہے اے سکون دل!
تو کہ در جان و دلم جامی کنی	زیں قدر از من تبرامی کنی
تو جو کہ میرے دل و جان میں جگہ بنائے ہوئے ہے	مجھ سے اس قدر (اتلہار) بیزاری کر رہا ہے
تو تبرا کن کہ ہستت دستگاہ	اے تبرائے ترا جاں عذر خواہ
تو بیزار ہو جا' کیونکہ تجھے اختیار ہے	اے (وہ کہ) تیری بیزاری سے میری جان معافی چاہتی ہے
یادمی کن آن زمانے را کہ من	چوں صنم بودم تو بودی چوں ستمن
وہ وقت بھی یاد کر لے کہ..... میں	بت کی طرح تھی اور تو پجاری کی طرح تھا
بندہ بروفق تو دل افروخت ست	ہر چہ گوئی پخت گویم سوخت ست
بندی نے تیری موافقت کے لئے دل منور کر لیا ہے	جس کو تو کہے گا پک کیا میں کہوں گی جل کیا ہے
من سپا ناخ تو ام ہر چم پزی	یا بہ ترشی یا بہ شیریں می سزی
میں تیرے لئے پالک کا ساگ ہوں جس چیز میں تو چاہے مجھے پکالے	کھٹائی میں یا مٹھائی میں تیرے لئے مناسب ہے

یعنی جب تو میرے ساتھ ایسی بدگمانی رکھتا ہے تو میں بھی جان اور تن سے بیزار ہوتی ہوں (یعنی زندگی فضول ہے) میں سیم و زر پر خاک ڈالتی ہوں جبکہ اے قرار جان تو ہی میرے ساتھ اس طرح ہونے لگا تو تو میرے جان و دل میں جگہ کئے ہوئے ہے (یعنی میں تو تجھ کو

اپنا جانتی ہوں اور تو) اتنی ہی بات سے مجھ سے قطع تعلق کرنے لگا ہاں جی تم قطع تعلق کر دو تمہارا زور چلتا ہے تیرے قطع تعلق کے باب میں (میری) جان (تیری) عذر خواہ ہے (وہ عذر یہی ہے کہ تجھ کو دستگاہ ہے اور دستگاہ والا جو کرے زیبا ہے) ذرا وہ زمانہ تو یاد کر کہ جب میں (جو انی و حسن سے) مثل صنم کے تھی اور تو (عشق و محبت میں) مثل صنم پرست کے تھا (کیا اس حالت کے کچھ حقوق نہیں رہے) خیر اس بندی نے تیری ہی موافق بات پر اپنے دل کو روشن کر لیا ہے حتیٰ کہ جس چیز کو تو پختہ کہے گا میں (تائید و تاکید کے لئے) کہوں گی (صاحب پختہ کیا بلکہ) سوختہ ہے میں تو تیری ایسی (مطہج) ہوں جیسے پالک کہ خواہ تشری میں پکاؤ یا شیرینی میں سب زیبا ہے)

کفر کفتم نک باایماں آدم	پیش حکمت از سرجاں آدم
میں نے کفر کا اب میں ایمان لے آئی ہوں	تیرے حکم کے سامنے جان سے حاضر ہوں
خوئے شاہانہ ترا نشاختم	پیش تو گستاخ خرد تاختم
تیرے شاہانہ مزاج کو میں نہ پہچانی	تیرے سامنے بے ہاکی سے میں نے سواری ہاگی
چوں زعفرانو تو چراغی ساختم	توبہ کردم اعتراض انداختم
اب تیرے عنو کو میں نے چراغ بنا لیا	میں نے توبہ کر لی اعتراض کو چھوڑ دیا
می نہم پیش تو شمشیر و کفن	می کشم پیش تو گردن رابزن
میں تیرے سامنے تلوار اور کفن رکھتی ہوں	تیرے سامنے گردن جھکاتی ہوں مجھے مار ڈال
از فراق تلخ می گوئی سخن	ہرچہ خواہی کن ولیکن این مکن
تو کڑے فراق کی بات کرتا ہے	جو چاہے کز لیکن یہ نہ کر
در تو از من عذر خواہ ہے ہست سر	با تو بے من او شفیعے مستمر
میرے ہارے میں تجھ میں عذر خواہی کرنے والی ایک پشیمند چیز ہے	جو میری عدم موجودگی میں ہمیشہ تجھ سے سفارش کرنے والی ہے
عذر خواہم در درونت خلق تست	ز اعتماد او دل من جزم جست
میرا عذر خواہ جو تیرے اندر ہے وہ تیرا اخلاق ہے	اس کے بھروسہ پر میرے دل نے جزم کیا ہے
رحم کن پنہاں ز خود اے چشمکس	اے کہ خلقت بہ ز صد من انگبیس
اے غضبناک! اپنی طرف سے چپکے سے رحم کر دے	اے وہ کہ تیرا غلظت سو من شہد سے بہتر ہے

(یعنی میں نے پہلے (گویا) کفر کی باتیں کی تھیں اب ایمان لاتی ہوں اور تیرے حکم کے آگے جان و دل سے آتی ہوں میں نے تیرے شاہانہ مزاج کو نہ پہچانا تھا اس لئے گستاخ وار تیرے روبرو مرکب دوڑانے لگی تھی (یعنی جرات کرنے لگی تھی) اب تیری صفت عنفو کو مثل چراغ کے اپنا رہنما و وسیلہ بنا کر توبہ کرتی ہوں اور اعتراض ترک کرتی ہوں اور میں تیرے سامنے شمشیر و کفن رکھتی ہوں اور تیرے آگے گردن حاضر کرتی ہوں تو گردن مار دے (یعنی سر تسلیم خم کرتی ہوں جو سزا چاہے تجویز کر) تو فراق ناگواری کی گفتگو کرتا ہے (کہ قطع تعلق کر دوں گا) تو جو چاہے کر لے مگر (خدا کے واسطے) یہ مت کیجیو میرا تو ایک عذر خواہ خود تیرے

اندر موجود ہے اور وہ بلا میری موجودگی کے ہر وقت تیرے ساتھ رہتا ہے اور میری سفارش کرتا ہے اور وہ عذیر خواہ تیرا خلق حسن ہے (کہ وہی باعث ہوتا ہے عفو جرائم کا) اسی کی جرات پر مجھ سے یہ جرم صادر ہو گیا۔ پس اب مجھ پر اے حسنین (ابتداء) اپنی جانب سے تہ دل سے رحم کر تیرے اخلاق تو سوسن شہد سے بھی زیادہ شیریں ہیں۔

زین نسق می گفت بالطف و کشاد	در میان گریہ بر رو اوفتاد
اس طور پر نرمی سے اور دل کھول کر وہ کہہ رہی تھی	روتے روتے منہ کے بل گر پڑی
گریہ چوں از حد گزشت وہائے ہائے	از حدینش مرد را شد دل ز جائے
جب اس کا رونا اور ہائے ہائے کرنا حد سے بڑھ گیا	اس کے رونے سے مرد کا دل پھل گیا
چوں قرارش ماند و صبرش بجائے	زانکہ بے گریہ بد او خود دلربائے
اس کا صبر و قرار کس طرح باقی رہتا	اس لئے کہ وہ تو روئے بغیر (ہی) دلربا تھی
ازاں باراں یکے برقی پدید	زوشرارے بردل مروے جہید
اس بارش سے ایک بجلی چمکی	اور اس کی ایک چمکاری مرد کے دل پر آگری
زانکہ بندہ روئے خوبش بود مرد	چوں بود چوں بندگی آزاد کرد
اس لئے کہ مرد اس کے حسین چہرہ کا غلام تھا	کیا ہو گا جب آزاد غلامی کرنے لگے؟
آنکہ از کبرش دلت لرزاں بود	چوں شوی چوں پیش تو گریاں شود
وہ جس کے تکبر سے تیرا دل لرزتا ہو	تیرا کیا حال ہو گا اگر وہ تیرے سامنے رونے لگے
آنکہ از نازش دل و جاں خود بود	چونکہ آید در نیاز او چوں بود
وہ جس کے ناز سے دل اور جان خون ہوں	جب وہ نیاز مندی کرنے لگے تو کیا ہو گا؟
آنکہ در جور و جفائیش دام ماست	عذر ماچہ بود چو او در عذر خاست
وہ جو ظلم و ستم میں ہمارے لئے جال ہے	اگر وہ عذر خواہی کرنے لگے تو ہمارا کیا عذر ہو گا؟
آنکہ جز خونریزیں کارے نبود	چوں نہد گردن زہے سودا و سود
وہ جس کا خونریزی کے علاوہ کوئی کام نہ تھا	جب وہ گردن جھکا دے تو کتنا اچھا سودا اور نفع ہے
آنکہ جز گردن کشی ناید ازو	خوش در آید باتو چوں باشد بگو
وہ جس کو تکبر کے سوا کچھ نہ آتا ہو	تجھ سے اچھی طرح پیش آئے تو بتا کیا ہو گا؟

یعنی وہ عورت اسی طرح کی باتیں نرمی سے (یعنی تواضع سے) اور دل کھول کر رہی تھی اسی اثناء میں منہ کے بھل گئی پس جب اس کا رونا اور ہائے وائے مچانا حد سے گزر گیا تو اس کے رونے سے مرد کا دل ہل گیا اور بھلا مرد کا صبر و قرار کیونکر قائم رہے

کیونکہ وہ بدوں رونے ہی کے دلربا (یعنی اس کی محبوبہ) تھی اس باران (گرہ) سے ایک برق (سوز دل زن) پیدا ہوئی اور اس کا ایک شرارہ (اثر) مرد کے دل پر آ پڑا (کہ اس کی سوزش قلب بھڑک اٹھی) جو شخص ایسا ہو کہ مرد اس کے چہرہ زیبا کا (پہلے سے) غلام ہو جب ایسا شخص غلامی (ظاہر کرنا شروع کرے تو اس وقت اس مرد کا کیا حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اس کی نخوت (محبوبانہ) سے تیرا دل تھراتا ہو) کہ دیکھیے سیدھے منہ بول بھی پڑے گا دیکھئے کسی بات پر مکدر نہ ہو جاوے) جب ایسا شخص تیرے سامنے رونے لگے تو اس وقت تیرا کیا حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اس کے ناز سے دل و جان خون ہو (یعنی اس کا گرفتار عشق ہو) جب ایسا شخص نیاز میں آ جاوے تو اس وقت تیرے دل کا کیا حال ہو جو شخص ایسا ہو کہ اپنے جو رو جفا کرنے میں بھی ہماری (پھنسانے کے) کے لئے دام (وجاذب قلب) ہو جب ایسا شخص خود عذر کرنے لگے تو اس وقت ہمارے پاس (اس کے عذر قبول نہ کرنے کا) کونسا عذر ہو سکتا ہے جو شخص ایسا ہو کہ بجز خونریزی کے اس کا کوئی کام نہ ہو ایسا شخص اگر گردن جھکا دے تو عجب معاملہ اور عجب اثر ہوگا (سودا خریدا فروخت سود نفع کہ اثر آنت) جو شخص ایسا ہو کہ بجز گردن کشی کے کوئی بات اس سے ظاہر نہ ہوتی ہو ایسا شخص اگر تیرے رو برو سر جھکا دے تو بتلا کیا حال ہو (مراد ان سب اشعار میں یہ ہے کہ اگر محبوب محبت سے معاملہ محبت سا کرنے لگے تو محبت پر کیسا کچھ اثر ہوگا۔)

زین للناس حق آراستہ است	زانکہ حق آراستہ چوں تاندرست
"زین للناس" کو خدا نے آراستہ کیا ہے	جس کو خدا نے آراستہ کیا ہے اس سے چمکارا کیسے ہو سکتا ہے
چوں پے یسکن الیہاش آفرید	کے تو اند آدم از حوا برید
جب اس کو یسکن الیہا کے لئے پیدا فرمایا ہے	تو آدم حوا سے کیسے جدا ہو سکتے ہیں
رستم زال اربود و زحمزہ بیش	ہست در فرماں اسیر زال خویش
اگر رستم زال ہو اور (حضرت) حمزہ سے بھی بڑھا ہوا	وہ اپنی بوزھی (بیوی) کے حکم کا قیدی ہے
آنکہ عالم مست گفتش آمدے	کلمینی یا حمیرا میزدے
وہ ذات جس کی گفتگو سے عالم مست ہو جاتا	فرماتی تھی کہ اے حمیرا! مجھ سے بات کر
آب غالب شد بر آتش از نہیب	آتشش جوشد چو باشد در جیب
بڑائی کی وجہ سے پانی آگ پر غالب ہے	پودے میں ہو تو وہ آگ سے جوش کھانے لگتا ہے
چونکہ دیکے حائل آمد ہر دورا	نیست کرد آں آب را کردش ہوا
جب دیکے دونوں میں حائل ہو گئی	اس آگ نے پانی کو معدوم کر دیا اس کو ہوا بنا دیا
ظاہراً بر زن جو آب ار غالبی	باطناً مغلوب و زن را طالبی
اگرچہ بظاہر تو عورت پر پانی کی طرح غالب ہے	در پردہ تو مغلوب اور عورت کا شیدائی ہے
ایں چنین خاصیت در آدمی ست	مہر حیواں را کم ستاں از کمی ست
یہ انسان کی خصوصیت ہے	حیوان میں محبت کم ہے یہ نقصان کی وجہ سے ہے

(مولانا اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ وہ مرد اس عورت کے گریہ وزاری سے کیوں نرم ہو گیا) یعنی آیت زین للناس الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ (اس حب نساء کو) اللہ تعالیٰ نے (قلب رجال میں) مزین (وخوشنما) بنایا ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مزین بنایا ہو اس سے کیونکر نکلا ممکن ہے (یعنی یہ حب طبعی ہے اس لئے ضرور راز کرتی ہے لیکن اگر کسی امر غیر مشروع کو مقتضی ہو تو مقتضایاً عمل نہ کرے گو دفع اقتضایاً قادر نہ ہو) جب اللہ تعالیٰ نے اس کو سکون قلب مرد کے لئے پیدا کیا ہے تو بھلا آدم (مرد) حوا (عورت) سے کہاں قطع تعلق (قلبی کر سکتا ہے اگر مرد رستم زال جیسا یا حمزہ سے بھی بڑھ کر قوی ہو مگر فرمانبرداری کے وقت اپنی پیر زال ہی کا پابند ہوگا (یعنی طبعاً اس کی موافقت کرے گا جن ذات مقدس کے ارشاد کا تمام عالم غلام تھا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی (حضرت عائشہؓ) سے ارشاد فرماتے تھے کہ مجھ سے باتیں کرو اے حمیرا (یہ لقب ہے حضرت عائشہ کا مطلب یہ کہ عالم آپ کی بات کا مشتاق تھا اور آپ ان کی بات کے مشتاق ہوتے اور گویا ظاہر میں مرد غالب ہے مگر اس کی ایسی مثال ہے کہ پانی آتش پر اپنی عظمت سے غالب ہے (کہ اس کو بجھا دیتا ہے) لیکن اگر درمیان میں (دیکھی وغیرہ کا پردہ ہو جاوے تو (بالعکس آتش ہی پانی کو جوش دینے لگتی ہے (جس سے آتش کا غالب اور موثر ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ غرض جب درمیان میں دیکھی آگئی تو اس پانی کو نیست و نابود کر کے ہوا بنا دیا اسی طرح ظاہر میں تم عورت پر غالب ہو مگر (بوجہ اس کے کہ درمیان میں مہر و الفت و رقت و رحم کا حجاب آ گیا) باطناً عورت سے مغلوب ہو جاتے ہو اور نرم و فرمانبردار بن جاتے ہو) انسان میں تو یہی خاصیت ہے اور حیوانات میں رحم کی صفت کم ہوتی ہے اور سب اس کا کمی عقل ہے اس لئے ان میں صفت رحم کی نہیں اور اس لئے وہ اپنی مادہ سے اس خاص طور کی محبت نہیں کرتے تو خاص وقت میں بوجہ شہوت کے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

در بیان حدیث اھن یغلبن العاقل و یغلبھن الجاہل

اس حدیث کے بیان میں کہ بیشک وہ عورتیں عقلمند پر غالب ہیں اور جاہل ان پر غالب ہے

فائدہ: یہ حدیث مجھ کو یاد نہیں ترجمہ یہ ہے کہ عورتیں عقلاً پر غالب آتی ہیں (کیونکہ ان کی محبت رحم کی ہوتی ہے بس ان کی شگستگی سے پگھل جاتے ہیں نیز ان پر حسن ظن غالب ہوتا ہے فریب میں آ جاتے ہیں) اور جاہل ان پر غالب آتا ہے کیونکہ اس کی محبت شہوت کی ہوتی ہے جب آبریزی کر چکا محبت زائل ہو گئی کذا قال مرشدی

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلان	غالب آید سخت بر صاحب دلاں
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ عورت عقلمندوں	اور صاحب دلوں پر بہت غالب ہے
باز بر زن جاہلان چیرہ شوند	زانکہ ایشاں تند و بس خیرہ روند
پھر جاہل لوگ عورت پر غالب ہو جاتے ہیں	کیونکہ وہ بد مزاجی اور اکڑ پن سے چلتے ہیں
کم بود شاں رقت و لطف و و داد	زانکہ حیوانی ست غالب بر نہاد
ان میں نرمی مہربانی اور محبت کم ہوتی ہے	کیونکہ ان کی طبیعت پر حیوانیت غالب ہے
مہر و رقت وصف انسانی بود	حشمت و شہوت وصف حیوانی بود
محبت اور نرمی انسانی وصف ہوتا ہے	غصہ اور شہوت حیوانی وصف ہوتا ہے

پر تو حق ست آں معشوق نیست	خالق ست آں گویا مخلوق نیست
وہ اللہ (تعالیٰ) کا عکس ہے معشوق نہیں ہے	گویا وہ خالق ہے مخلوق نہیں ہے

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عقلاء یعنی اہل دل پر عورت خوب غالب آ جاتی ہے پھر یہ بھی ہے کہ عورت پر جاہل لوگ خوب غالب ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ تند اور بد لحاظ ہوتے ہیں اور ان میں رقت قلب اور لطف و محبت کم ہوتی ہے وجہ یہ کہ اوصاف حیوانیہ ان پر غالب ہوتے ہیں کیونکہ مہر و رقت یہ اوصاف انسانی ہیں (جو مٹی ہے محبت عقلاء کا) اور خشم و شہوت یہ اوصاف حیوانیہ ہیں (اور وہ شہوت منشا ہوتا ہے محبت جاہل کا بس اس کے زائل ہوتے ہی ادنیٰ محرک سے کہ وہ کسی منفعت کا حاصل کرنا ہے یا کسی مضرت کا دفع کرنا ان کا غضب حرکت میں آ جاتا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ وہ مہر و رقت جو عقلاء کے لئے عورت کے ساتھ محبت کا سبب ہے وہ حقیقت میں عورت کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ تعلق اس محبت کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے مگر عورت چونکہ بعض صفات حق کی مظہر ہے اس لئے بالتبع اس سے محبت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ (وہ عورت پر تو حق ہے وہ خود محبوب نہیں ہے) اور پر تو حق ہونے کے اعتبار سے) گویا وہ خالق ہے مخلوق نہیں ہے (یعنی محبوبیت اس کی مرتبہ مخلوق میں نہیں بلکہ تشبیہ بالخالق کے مرتبہ میں ہے جس پر لفظ گویا دال ہے اور یہ مظہریت چند اعتبار سے ہے اول مرد کی جاذب قلب ہے دوسرے حمل بچہ کی ایک معنی کر مولد و مصور ہے تیسرے بچہ کی مربی ہے چوتھے سبب سکون قلب ہے پانچویں مصلح مواد معیشت ہے اور مظہریت کے معنی اوپر تفصیل سے گزر چکے ہیں۔

تسلیم کر دن مرد خود را بآنچه التماس زن بود از طلب معیشت و آں اعتراض را اشارہ حق دانستن

مرد کا عورت کی درخواست کو قبول کرنا جو روزگار کے بارے میں تھی اور اس اعتراض کو اللہ کا اشارہ جاننا یعنی مرد کا عورت کی درخواست کو جو کہ تلاش معاش کے باب میں تھی مان لینا اور عورت نے جو اعتراضات کئے تھے اس کو منجانب اللہ سمجھنا کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی چیز گھومنے والی ہوگی اس کے ساتھ کوئی گھمانے والا بھی ہوگا چنانچہ جس چرخے کو بڑھایا گھماتی ہے (اور مشاہدہ دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی فاعل ہے) اسی سے چرخ گردوں کو قیاس کر لو (کہ اس کی حرکت یا جو حالت ہو کوئی اس کا فاعل بھی ضرور ہوگا اور وہ حق تعالیٰ ہیں جب ہر حادث میں وہی متصرف ہیں تو کسی کی ایذا رسانی یا اعتراض رانی سے عاقل گود لگیں نہ ہونا چاہئے بلکہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اس کو ہم پر مسلط فرما دیا ہے اس میں ہماری خیر ہے)

بزد عقل ہر دانندہ ہست	کہ باگردندہ گردانندہ ہست
ہر عقلمند کے نزدیک یہ (مسلم) ہے	کہ گھومنے والے کے ساتھ گھمانے والا ہے
ازاں چرخہ کہ گرداند زن پیر	قیاس چرخ گرداں را ہی گیر
اس چرخ کی طرح جس کو بوزی گھماری ہے	گھومنے والے آسمان کو قیاس کر لو

مردازاں گفتن پشیمان شد چناں	کز عوانی ساعت مردن عواں
مرد اس گفتگو سے ایسا شرمندہ ہوا	جیسے ظالم مرتے وقت ظلم سے
گفت خصم جان جاں چوں آدم	برسر جاں من لکدہا چوں زدم
بولاً جان جان کا میں مدقابل کیوں بنا؟	میں نے اپنی جان سے بدسلوکی کیوں کی؟
چوں قضا آید نماںد فہم وراے	کس نمی داند قضا را جز خدائے
جب قضا آتی ہے عقل اور سمجھ نہیں رہتی ہے	خدا کے علاوہ قضا کو کوئی نہیں جانتا ہے
چوں قضا آید فرو پوشد بصر	تا نداند عقل ما پا را ز سر
جب قضا آتی ہے آنکھیں بند کر دیتی ہے	تاکہ ہماری عقل سر پیر کو نہ سمجھ سکے
زاں امام المتقین دادایں خبر	گفت اذا جاء القضاء عمی البصر
اسی لئے متقیوں کے امام نے یہ خبر دی ہے	فرمایا ”جب قضا آتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں“
چوں قضا بگذشت خود را می خورد	پردہ بدریدہ گریباں می درد
جب قضا گزر جاتی ہے انسان اپنے آپ کو کاٹتا ہے	پردہ چاک کر کے گریبان چاک کرتا ہے

یعنی مرد اپنے کہنے سے ایسا پشیمان ہوا جیسے شخصہ مرنے کے وقت اپنے شخصہ ہونے سے متاسف ہوتا ہے (کہ کیوں میں نے یہ عہد اختیار کیا تھا جس سے خلق خدا پر ظلم کئے) کہنے لگا اے ہے میں اپنی جان جان کا کیسے دشمن ہو گیا اور میں نے اپنی جان پر لاتیں کیسے ماریں (یعنی اپنی محبوبہ سے سختی و اہانت سے کیوں پیش آیا آگے مقولہ مولانا کا ہے کہ) جب حکم قضا کا غلبہ ہوتا ہے فہم وراے کچھ نہیں رہتا اور (اسرار) قضا کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں جب قضا آتی ہے نگاہ بند ہو جاتی ہے حتیٰ کہ ہماری عقل کو سر پاؤں کی تمیز نہیں رہتی اسی لئے امام المتقین (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں اور جب قضا گزر گئی بس یہ شخص (مارے ندامت کے) اپنے آپ کو کھا کھا جاتا ہے (کہ میں نے ایسی حرکت کیوں کی) اس وقت حجاب (غفلت کا) اٹھتا ہے تو گریبان پھاڑتا ہے (اسی غلبہ قضا سے وہ مرد باوجود محبت کے سختی سے پیش آیا پھر پچھتا یا)

مرد گفت اے زن پشیمان می شوم	گر بدم کافر مسلمان می شوم
مرد نے کہا اے بیوی میں شرمندہ ہوں	اگر میں کافر تھا تو مسلمان ہوتا ہوں
من گنہگارم تو ام رحمے بکن	برمن یکبارگیم از بیخ و بن
میں خطا دار ہوں تو مجھ پر رحم کر	ایک بارگی میری بیخ کنی نہ کر
کافر پیرار پشیمان می شود	چونکہ عذر آرد مسلمان می شود
بوڑھا کافر اگر شرمندہ ہوتا ہے	جب عذر کرتا ہے تو مسلمان ہو جاتا ہے

من گنہگارم تو ام رحمتی بکن	عذر من پذیر و بشنو این سخن
میں خطاوار ہوں تو مجھ پر رحم کر	میرا عذر قبول کر لے اور یہ بات سن
حضرت پر رحمت ست و پر کرم	عاشق او ہم وجود وہم عدم
رحمت اور کرم سے بھرا دربار ہے	وجود اور عدم (دونوں) اس کے عاشق ہیں
کفر و ایماں عاشق آں کبریا	مس و نقرہ بندہ آں کیمیا
کفر اور ایمان اس کبریا کے عاشق ہیں	تاہا اور چاندی اس کیمیا کے غلام ہیں

یعنی مرد نے کہا کہ اے عورت میں اب پشیمان ہوتا ہوں اگر (فرضا) میں کافر بھی ہو گیا تھا تو اب مسلمان ہوتا ہوں۔ میں تیرا گناہگار ہوں تو رحم کر مجھ کو جڑ پیڑ سے دفعۃً مت اکھاڑ (یعنی مجھ سے مکدر مت ہو کہ اس میں میری بیخ کنی ہے) دیکھو اگر بڑھا کافر (اپنے کفر پر) نادم ہوتا ہے تو عذر کرتے ہی مسلمان ہو جاتا ہے (آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) وہ درگاہ عجیب رحمت اور کرم کی بھری ہوئی ہے جس پر وجود بھی عاشق ہے اور عدم بھی (عشق سے مراد تسخیر اضطراری ہے اور ظاہر ہے کہ جب معدوم کو موجود کرنا چاہتے ہیں یا موجود کو معدوم کرنا ہرگز تخلف نہیں ہوتا) اسی طرح کفر و ایمان بھی اس بارگاہ کبریا کے مطیع (مسخر) ہیں (کہ دونوں کے وہی موجد ہیں جن کے ایجاد سے تخلف محال ہے) غرض مس اور نقرہ دونوں اس کیمیا کے غلام ہیں (یعنی ناقص اور کامل سب متاثر ہیں ان کے تصرفات سے)

در بیان آنکہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون ہر دو مسخر یک تمشیت اند

چنانکہ زہر و پازہر و ظلمت و نور و خلوت فرعون با حق تعالیٰ

اس بیان میں کہ موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون دونوں ایک ہی مشیت کے تابع ہیں جیسا کہ زہر اور تریاق اور تاریکی اور روشنی اور فرعون کی اللہ تعالیٰ سے خلوت

موسیٰ و فرعون معنی را رہی	ظاہر آں رہ دارد و ایں بے رہی
موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون ایک حقیقت کے تابع ہیں	ظاہر وہ راستہ پر ہے اور یہ بے راہ
روز موسیٰ پیش حق نالاں شدہ	نیم شب فرعون ہم گریاں شدہ
موسیٰ (علیہ السلام) دن میں (بھی) اللہ کے سامنے روتے تھے	آدمی رات کو فرعون بھی رویا
کایں چہ غل ست اے خدا بر گردنم	ورنہ غل باشد کہ گوید من منم
کہ اے خدا! میری گردن میں یہ کیسا طوق ہے؟	اگر طوق نہ ہو تو "میں میں ہوں" کون کہے؟
زانکہ موسیٰ را تو مہ رو کردہ	ماہ جانم راسیہ رو کردہ
جس سے تو نے موسیٰ (علیہ السلام) کو چاند کی شکل کر دیا ہے	میری جان کے چاند کو یہ رو کر دیا ہے

زائکہ موسیٰ را منور کردہ	مر مرا زان ہسم مکدر کردہ
جس سے تو نے موسیٰ (علیہ السلام) کو روشن کر دیا ہے	اسی سے مجھے غبار آلود کر دیا ہے
بہتر از ما ہے نمود استارہ ام	چوں خسوف آمد چہ باشد چارہ ام
میرا ستارہ چاند سے بہتر معلوم ہوتا تھا	جب گرہن لگ گیا میں کیا کروں؟
نوبتم گر رب و سلطان می زند	مہ گرفت و خلق پزنگاں می زند
اگر لوگ میرے رب اور سلطان ہونے کا ڈکا بجاتے ہیں	تو چاند گرہن میں آ گیا لوگ تھالی بجاتے ہیں
میزند آں طاس و غوغا می کنند	ماہ را زان زخمہ رسوا می کنند
لوگ طشت بجاتے ہیں اور شور مچاتے ہیں	چاند کو اس ڈکے سے رسوا کرتے ہیں
من کہ فرعونم ز خلق اے وائے من	زخم طاس آں ربی الاعلائے من
میں جو کہ فرعون ہوں ہائے افسوس مخلوق کی جانب سے	ڈکے کی چوٹ میرے ”ربی الاعلیٰ“ پر

اس مقام پر مقصود مولانا کا مطلق تسخیر کا اثبات ہے جو بواسطہ اختیار ہی کے ہو جیسا موسیٰ علیہ السلام کا حق پر ہونا اور فرعون کا باطل پر ہونا اختیار سے تھا پس اس میں نہ جبر کا اشکال ہے نہ اس کو کوئی عذر لاسکتا ہے۔ مولانا نے خود مقامات شیرہ میں جبر کا ابطال فرمایا ہے البتہ بعض اوقات غلبہ شہوت یا غضب یا عار یا حسد وغیرہ اسباب ایسے جمع ہو جاتے ہیں جس سے گو اختیار تو باقی رہتا ہے مگر ہمت نہیں رہتی یہی علامت ہے قہر خداوندی کی اور اسی سے اشتباہ ہو جاتا ہے جبر کا جیسا ان اشعار میں فرعون کے بعض مقولات سے مترشح ہے حالانکہ جبر نفی اختیار کا نام ہے نہ نفی ہمت کا باوجود بقاء و قدرت اختیار کے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون ایک امر معنوی (یعنی تصرف حق) کے مسخر ہیں (یہ امر معنوی تو ان میں مشترک ہے) اور ظاہر میں (جو مطابق واقع کے ہے) ایک تو راہ رکھتے ہیں درد دوسرا بے راہی (اور یہ تفاوت اسی امر معنوی کا اثر ہے آگے تفصیل ہے تسخیر کی کہ) موسیٰ علیہ السلام تو دن کو بھی حق تعالیٰ کے روبرو نالاں ہو رہے ہیں (یعنی اعلانیہ بھی عبادت کرتے ہیں جس طرح خلوت میں کرتے ہیں) اور نیم شب میں فرعون بھی گریاں ہو رہا ہے (اور تسخیر حق کا مشاہدہ کر رہا ہے جیسا آگے مذکور ہے) کہ اے اللہ یہ (انانیت و دعویٰ انارکیم الاعلیٰ کا) کیسا طوق میری گردن میں پڑ گیا ہے کیونکہ اگر طوق نہیں ہے تو انانیت کا دعویٰ کون کرتا ہے طوق سے مراد احقر کے مذاق پر قضا و قدر ہے جس نے جکڑ رکھا ہے کما قال تعالیٰ انا جعلنا فی اعناقہم اغلا الافہی الی الافقان فہم مقمحوں) جس (قضا) سے آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو منور فرمایا ہے اس سے مجھ کو مکدر کر دیا ہے اور جس (قضا) سے موسیٰ علیہ السلام کو ماہر بنا دیا ہے اسی نے میرے ماہ جان کو سیاہ رو کر دیا ہے میرا ستارہ (استعداد و عقل) تو چاند سے بھی اچھا معلوم ہوتا تھا (چنانچہ انتظامات دنیویہ میں ظاہر ہے) مگر جب (تقدیر سے) اس میں خسوف لگ جائے میں کیا علاج کروں (اس سے نفی اختیار لازم نہیں آتی بلکہ اپنی حالت پر تنگدل اور زچ ہو رہا ہے جیسے کم ہمت مغلوب اشہوت و غضب لوگوں کی عادت ہے کہ چاہتے ہیں ہمارے نفس کو کوئی ناگوار امر بھی نہ کرنا پڑے اور یوں ہی ہماری اصلاح ہو جائے) اگرچہ لوگ میرے رب اور سلطان ہونے کی نوبت بجا رہے ہیں (اور ڈکے کی چوٹ سے اس کا اعلان کر رہے ہیں) مگر اس (لغو حرکت) کی ایسی مثال ہے جیسے چاند کو تو گرہن لگ رہا ہے اور خلقت تھالی بجا رہے ہیں (بعض جہلاء سمجھتے ہیں کہ اس سے گرہن جلدی چھوٹ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس حرکت سے چاند

کو کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا فیض جتا ہے اور اظہار ہے اس کے گہن میں آجانے کا اسی طرح گونا گوارا تو خلق کے اس اعلان ربوبیت سے میری بڑی عزت ہے مگر واقع میں میری حماقت کا اظہار اور میری رسوائی ہے چنانچہ آگے مصرح ہے کہ لوگ تھالی بجاتے ہیں اور شور و غل کرتے ہیں بے چارے چاند کو اس بجانے سے سوا کر رہے ہیں یہی حال میرا ہے کہ میں شاہ مصر ہوں اور خلق کے معاملہ سے میرے حال پر افسوس ہے اور وہ تھالی بجانا میری نسبت انکار ہی الاعلیٰ کہنا ہے (موافق میرے دعویٰ کے کہ انار بکم الاعلیٰ)

خواجہ تاشائیم اما تیشہ ات	می شگاند شاخ را در پیشہ ات
ہم ایک آقا کے غلام ہیں لیکن تیرا کھاڑا	تیرے جھل میں شاخ میں شگاف لگاتا ہے
باز شاخے را موصل می کند	شاخ دیگر را معطل می کند
پھر ایک شاخ پر بیوند چڑھا دیتا ہے	اور دوسری شاخ کو بیکار کر دیتا ہے
شاخ را بر تیشہ دستے ہست نے	بیچ شاخ از دست تیشہ رست نے
شاخ کو کھاڑے پر قابو ہے نہیں	کوئی شاخ کھاڑے سے بچتا نہیں
حق آں قدرت کہ آں تیشہ تراست	از کرم کن این کژیہا را تو راست
اس قدرت کے ظلیل جو کہ تیرا کھاڑا ہے	کرم کر کے ان کجیوں کو تو سیدھا کر دے
باز با خود گفتہ فرعون اے عجب	من نہ دریا رہنا ام جملہ شب
پھر فرعون اپنے دل میں کہتا ہائے تعجب	کیا میں تمام رات یا رہنا میں نہیں ہوتا ہوں؟
در نہاں خاکی و موزوں می شوم	چوں بموسئی می رسم چوں می شوم
تہائی میں متواضع اور معتدل ہو جاتا ہوں	جب موسیٰ کے سامنے پہنچتا ہوں کیا ہو جاتا ہوں؟

(یہ بھی تترہ ہے مقولہ فرعون کا جملہ مناجات کے) یعنی ہم دونوں (میں اور موسیٰ علیہ السلام) ایک آقا کے غلام ہیں (یعنی ایک خدا کے بندے ہیں) مگر آپ کا تیشہ (قضا) آپ کے بیشہ (عالم) میں ایک شاخ کو تو شگاف کر کے اس میں ایک شاخ کو پیوند کر دیتا ہے (تاکہ عمدہ پھل لگے سو یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے کہ ان کی ردحانی تربیت فرمائی جاتی ہے تاکہ علوم و کمالات میں ترقی ہو) اور وہی تیشہ دوسری شاخ کو معطل (اور قطع) کر دیتا ہے (اور یہ میری مثال ہے کہ ہلاکت ابدی میں گرفتار ہوں) بھلا شاخ کو تیشہ پر کچھ قدرت ہوتی ہے (جواب یہ کہ) نہیں ہوتی بھلا کوئی شاخ تیشہ کے ہاتھ سے نکل سکتی ہے (جواب یہ کہ) نہیں نکل سکتی۔

ف۔ اگر تمثیل نفی اختیار میں ہے تو مقولہ فرعون کی تمثیل مسلم نہیں اور اگر مطلق تسخیر میں ہے گو بواسطہ اختیار ہو تو جبر لازم نہیں آگے فرعون کہتا ہے) بحق اس قدرت کے کہ وہ تیشہ آپ کے پاس ہے اپنے کرم سے آپ میری ان کجیوں کو راست کر دیجئے (اس سے کوئی شبہ عدم استجابت دعائے ہدایت کا نہ کرے کیونکہ بعثت موسیٰ علیہ السلام بغرض ہدایت خود استجابت ہے جو دعا سے بھی قبل ہو چکی ہے اب وہ خود اس دعوت کو قبول نہ کرے تو اس پر الزام ہے) پھر اپنے دل میں سوچتا کہ تعجب کی بات ہے کیا تمام تمام شب یار بنا یا رہنا میں نہیں رہتا ہوں اور خلوت میں بالکل خاکسار اور معتدل الطبیعت ہو جاتا ہوں مگر جہاں موسیٰ

علیہ السلام کے پاس پہنچا خدا جانے کیا بلا ہو جاتی ہے (کہ پھر وہی سرکشی وہی انکار۔

ف: اس سے کوئی شبہ بھی نہ کرے کہ جب اس کے دل میں تصدیق تھی اور ندامت بھی تھی تو مومن ہو گیا دفع اس شبہ کا یہ ہے کہ شراعی انبیاء علیہم السلام میں اختیار اور قصد سے تلفظ کلمات کفر کا اور تکذیب احکام الہیہ کی اور جھوٹ قبول حق سے کفر قرار دیا گیا ہے گو دل میں تصدیق ہو اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ تصدیق اضطراری ہے جو شرعاً مطلوب اور مامور بہ نہیں ہے کیونکہ امر متعلق ہوتا ہے افعال اختیار یہ کے ساتھ اور یہ اختیاری نہیں خود مشاہدہ براہین سے بالاضطرار قلب میں پیدا ہو جاتی ہے کہ دفع کرنے سے بھی دفع نہیں ہوتی جیسے کوئی سورج کو دیکھ کر چاہے کہ میں اس کو تاریک سمجھوں ہرگز قادر نہیں عرض یہ تصدیق اضطراری ہے اور مطلوب شرعاً تصدیق اختیاری ہے جس کے ساتھ جھوٹ و صدور کفر بالا اختیار کا جمع ہونا غیر ممکن ہے اس لئے ایسے شخص کو مومن نہیں کہہ سکتے اس سے بہت سے نصوص کے معانی حل ہو گئے۔

پیش آتش چوں سیہ رومی شود	رنگ زر قلب وہ تو می شود
آگ کے سامنے کیسا کالا منہ ہو جاتا ہے	کھوٹے سونے کا رنگ دس گنا ہوتا ہے
لحظہ مغزم کند یک لحظہ پوست	نے کہ قلب و قالبم در حکم اوست
ایک لحظہ میں ہمیں گودا بنا دیتا ہے ایک لحظہ میں چمکا	کیا ایسا نہیں ہے کہ ہمارا قلب اور جسم اس کے تابع ہے
خود چہ باشد کار این غیر الہ	لحظہ ماہم کند لحظہ سیاہ
خدا کے علاوہ یہ کس کا کام ہو سکتا ہے؟	ایک لحظہ میں ہمیں چاند بنا دیتا ہے ایک لحظہ میں کالا
زرد گردم چونکہ گوید زشت باش	سبز گردم چونکہ گوید کشت باش
جب وہ کہے بد صورت بن جا' میں زرد ہو جاؤں	جب وہ کہے کھیتی بن جا میں سبز ہو جاؤں
میدویم اندر مکان و لا مکان	پیش چو گانہائے حکم کن فکان
ہم مکان اور لا مکان میں دوڑ رہے ہیں	"کن فکان" کے حکم کے بلے کے آگے

(فرعون کے سوال سابق چون بموسیٰ می رسم چون می شوم + کا مولانا جواب دیتے ہیں کہ سبب اس کا یہ ہے کھوٹا سونا (آب و تاب میں) دس حصہ ہوتا ہے مگر دیکھو آگ کے روبرو کیسی سیاہ پڑ جاتا ہے (حاصل جواب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مثل آتش و محک کے آلہ امتحان ہیں جیسے محک سے اصلی حالت سونے کی کھل جاتی ہے اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے سبب تیرا خبث باطنی جو صورت مناجات و تضرع میں مستور ہو گیا تھا ظاہر ہو جاتا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل سبب ضلالت فرعون کا حب جاہ ہے خلوت میں کوئی امر مزیل جاہ نہیں تھا اس لئے یہ ذمہ ساکن ہو جاتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو دعوت فرماتے تھے اختیار عبدیت کی طرف جس کے لوازم میں سے ترک جاہ ہے پس مزیل جاہ کے پیش آنے سے اس ذمہ کو پھر حرکت ہوتی تھی پس دعوت موسویہ سبب تھی حرکت حب جاہ کی اور وہ سبب تھا اصرار علی الکفر کا اس طور پر موسیٰ علیہ السلام بالواسطہ گویا بطور محک کے سبب اس کے ظہور ضلال کا ہو جاتے تھے یہ تو جواب تھا باعتبار تعیین سبب ظاہری کے آگے بطور اضراب کے سبب حقیقی کی تعیین سے جواب ارشاد ہے کہ) یہ بات نہیں (یعنی تعجب

نہیں یا سب مذکورہ حقیقتہ نہیں) کیونکہ یا بلکہ ہمارا قلب اور قالب سب ان کے حکم میں ہے وہ ایک لحظہ ہم کو مغز بنا دیتے ہیں ایک لحظہ پوست بنا دیتے ہیں ایک لحظہ ماہ کر دیں ایک لحظہ سیاہ کر دیں بھلا یہ (تصرف) بجز خدا تعالیٰ کے اور کسی کا کام بھی ہو سکتا ہے اگر ہمارے لئے حکم ہو کہ کھیتی بن جاؤ تو ہم فوراً ہرے بھرے ہو جائیں اور اگر حکم ہو کہ زرد ہو جاؤ تو فوراً زشت رو (اور بد رونق ہو جائیں غرض چوگان حکم حق کے روبرو (جو کہ صرف کن کہنے سے سب کچھ کر دیتے ہیں) ہم لوگ مکان اور لامکان میں دوڑے دوڑے پھرتے ہیں) یعنی ان کا حکم مکان یعنی عالم تادیات میں بھی چلتا ہے اور لامکان یعنی عالم مجردات میں جس میں ہمارے بعض اجزاء یعنی لطائف بھی داخل ہیں نافذ ہوتا ہے) اور مراد ان سب تمثیلات سے حالات متضادہ محمودہ و مذمومہ ہیں اور حکم سے مراد حکم تکوینی ہے جیسے کن فکان اس پر دلالت کرتا ہے مگر بعض امور میں جن پر جزا و سزا ہے اختیار عبد بھی متوسط ہے لہذا شبہ جبر لازم نہیں خوب سمجھ لو

چونکہ بے رنگے اسیر رنگ شد	موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد
جب بے رنگہ رنگ کا پابند ہو گیا	ایک موسیٰ کا دوسرے موسیٰ سے اختلاف ہو گیا
چوں بہ بیرنگی شدی کاں داشتی	موسیٰ و فرعون دارند آشتی
جب تو اس بے رنگی میں آ جائے جو تو رکھتا تھا	(معلوم ہو گا کہ) موسیٰ اور فرعون (باہمی) صلح رکھتے ہیں

(بے رنگی اطلاق۔ مراد وجود مطلق رنگ تقیید مراد وجودات خاصہ موسیٰ مطلق ہادی مہدی۔ فرعون مطلق ضال مضل۔ یہ ظاہر ہے کہ موجودات عالم مطلق وجود میں باہم مشترک ہیں اور انحاء وجود میں جن کو ظہورات کہتے ہیں باہم متمائز و متغائر یعنی ہر موجود میں اس کا وجود جدا گانہ آثار کے ساتھ ظہور کر رہا ہے مثلاً پانی میں وہی وجود اس طرح ظاہر ہوا کہ آگ کا بجھا دینا پیاس کا بجھا دینا وغیرہ وغیرہ آثار اس پر مرتب ہوئے پس اسی مطلق وجود کے مختلف افراد ہیں جو حصص وجود کہلاتے ہیں اور موجودات ان حصص وجود میں متمائز ہیں اور مطلق وجود میں متحد اور یہ اہل کشف کو محقق ہو گیا ہے کہ یہ وجود مشترک ماہیت واحدہ ہے ہر ماہیت یا ہر موجود کا حصہ وجود دوسری ماہیت یا دوسرے موجود کے حصہ وجود سے مختلف بالماہیت نہیں صرف آثار و عوارض کا اختلاف ہے اور یہ وجود مشترک حال ہے تمام موجودات میں جو ظل یعنی فیضان ہے ایجا د حق کا یعنی حق تعالیٰ کا تعلق اس فیضان میں سب کے ساتھ یکساں ہے یہ نہیں کہ کسی موجود میں ایک طرح کا فیضان دوسرے میں دوسری طرح کا جیسا اوپر ثابت ہوا کہ حصص وجود باہم مختلف بالحقیتہ نہیں وہی ایک حقیقتہ واحدہ سب میں مشترک ہے اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی ایک تقریر یہ بھی ہے اور مرجع اس کا بھی وہی ہے جو دیباچہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جب سب حصص سے نظر مرتفع ہو جاتی ہے چونکہ وجود مطلق کا بدوں مقید کے محال ہے لہذا اس وجود مشترک سے بھی نظر مرتفع ہوگی پس وجود واجب ہی نظر میں رہ جائے گا جب یہ امر مہم ہو چکا تو اب سمجھنا چاہئے کہ اوپر کے اشعار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریق حق پر ہونا اور فرعون کا ناحق پر ہونا بیان کیا گیا ہے اس مناسبت سے بطور انتقال الی التوحید حسب عادت خود اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں کہ) جب اطلاق (یعنی وجود مطلق) مقید برنگ (یعنی متعین بوجودات خاصہ) ہو گیا تو ایک ہادی کو دوسرے ہادی سے اختلاف و تمائز پیدا ہو گیا (جیسا ظاہر ہے کہ انبیاء علیہ السلام فروع شراعیہ میں مختلف ہیں کو وہ اختلاف محمود ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تمائز فی الوجود پر موقوف ہے) جب تم (ان وجودات متمائزہ کو نظر سے رفع کر کے) اسی اطلاق پر پہنچ جاؤ جو تم کو (مرتبہ مابہ الاشتراک میں) حاصل تھا تو وہاں ہادی اور مضل بھی باہم مشترک و متحد نظر آئیں گے (جیسا کہ ظاہر ہے مقصود اس سے ترغیب دینا ہے توحید پر کہ ان حوادث مختلفہ کے مشاہدہ پر نظر کو

مقتصر مت کروان سے نظر بالالے جاؤ تا کہ وہاں مطلق سے بھی نظر گزر کر اصل علت یعنی ذات و صفات و افعال حق کا مشاہدہ میسر ہو)

گر ترا آید بریں گفتہ سوال	رنگ کے خالی بود از قیل و قال
اگر تو میری اس گفتگو پر سوال کرے	رنگ قیل و قال سے کب خالی ہو سکتا ہے؟
اے عجب کایں رنگ از پیرنگ خاست	رنگ با پیرنگ چوں در جنگ خاست
تعب ہے یہ رنگ بے رنگ سے پیدا ہوا	رنگ بے رنگ سے کیوں مختلف ہوا؟

یہ سوال گو محض عامیانه ہے مگر چونکہ کالمین سب کی رعایت فرماتے ہیں اس لئے اس کا جواب دینا مقصود ہے (یعنی) اگر اس مضمون مذکور پر جو (باعتبار فہم عوام کے) کسی قدر دقیق ہے یہ سوال پیدا ہو کہ رنگ یعنی موجودات کثیرہ تو قیل و قال یعنی اختلاف (حمود یا مذموم) سے کبھی خالی نہیں رہتے (ورنہ اگر تمار نہ ہو تو اثنیثیت باقی نہ رہے) پس یہ بات عجیب ہے کہ باوجود یہ تمام وجودات وجود مطلق سے ناشی ہوئے ہیں (کیونکہ یہ سب اسی کے حصص ہیں جیسا اوپر مذکور ہوا) پھر کیا وجہ کہ یہ وجودات خاصہ اس مطلق سے (احکام میں) مختلف ہیں (وہ اختلاف یہی ہے کہ وجود مطلق میں تو آثار مختلفہ نہ تھے اور ان میں پیدا ہو گئے حاصل سوال یہ کہ حقیقت مقید کی جب عین حقیقت مطلق مع قیدتا ہے تو بنظر اس کے عین مطلق ہونے کے ظاہراً مطلق و مقید کے احکام میں اختلاف ہونا مستبعد و مستغرب معلوم ہوتا ہے اور اگر باعتبار امکان کے اس کے استبعاد سے قطع نظر بھی کر لی جائے تب بھی اس اختلاف میں کوئی حکمت اور نفع نہیں معلوم ہوتا حالانکہ مقتضائے اصلی کو مرجوح کر کے امر زائد کو راجح کرنے کے لئے حکمت کی ضرورت ہے بخلاف مقتضائے اصلی کے کہ اس کا ابقاء تو خود مقتضائے حکمت ہے حکمت زائدہ کی ضرورت نہیں اور یہاں مرتبہ مطلق میں بالفعل کوئی اختلاف نہ تھا پھر مقیدات میں کیونکر ہو گیا اور کیوں ہو گیا۔

اصل روغن زآب افزوں می شود	عاقبت با آب ضد چوں می شود
تیل کا 'چ' پانی سے بڑھتا ہے	انجام کار پانی کے مخالف کیوں ہوتا ہے؟
چونکہ روغن راز آب اسرشته اند	آب با روغن چرا ضد گشته اند
جبکہ تیل کو پانی سے تیار کیا ہے	تو پانی اور تیل میں کیوں تضاد ہے؟
چوں گل از خارست و خار از گل چرا	ہر دو در جنگ اند و اندر ماجرا
جب پھول کاٹنے سے اور کاٹنا پھول سے ہے کیوں؟	دونوں جنگ میں (جتلا) ہیں اور بحث و تھمیس میں؟
یا نہ جنگ ست ایں برائے حکمت ست	ہمچو جنگ خرفروشاں صنعت ست
یا یہ جنگ نہیں ہے بلکہ مصلحت کے لئے ہے	دالوں کی جنگ کی طرح مصنوعی ہے
یا نہ ایں ست و نہ آں حیرانی ست	کنج باید کنج در ویرانی ست
یا نہ یہ ہے اور نہ وہ حیرانی ہے	خزانہ چاہئے اور خزانہ ویرانی میں ہے

(ان اشعار میں جواب ہے سوال مذکور کا تقریر اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ حقیقت مقید کی عین حقیقت مطلق کی ہے مگر اس کے

ساتھ مع قیدتا کی قید بھی تو ہے خلاصہ یہ کہ مقید صرف مطلق کا نام نہیں بلکہ مطلق مع المقید کا پس یہ اختلاف احکام مطلق و مقید کا باعتبار مقید و مطلق کے عین ہونے کے نہیں بلکہ باعتبار ان قیود منضمہ کے جن کے انضمام سے وہ مقید غیر ہو گیا ہے مطلق کا اس لئے ممکن ہے کہ مطلق کے اور احکام ہوں اور مقید کے اور احکام ہوں منجملہ ان کے یہ حکم بھی ہو کہ مطلق میں اختلاف نہ تھا مقید میں ہو گیا پس مطلق کا من وجہ اصل اور مقید کا فرع ہونا اس امکان کو مانع نہیں چنانچہ نظیر اس کی یہ ہے کہ (دیکھو روغن کا مادہ پانی سے نشوونما پاتا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ جن نباتات سے تیل نکلتا ہے وہ پانی سے پرورش پاتے ہیں پس اس اعتبار سے پانی من وجہ روغن کی اصل ہوا) مگر انجام کار پانی کے ساتھ (احکام) میں کیسا مخالف ہو جاتا ہے (حتیٰ کہ دونوں چراغ میں جمع ہو کر کام نہیں دے سکتے) ہم جو باپو چھتے ہیں کہ جب روغن کو پانی سے تربیت کیا گیا ہے پھر پانی اور روغن ضد کیوں ہو گئے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ اصل فرع کی تساوی و تماثل تمام احکام میں ضروری نہیں) اور لو جب گل خار سے ہے اور خار گل سے پھر کیوں دونوں مختلف اور زبان حال سے) بحثی میں لگ رہے ہیں (یعنی احکام اور آثار مختلف ہیں اور گل سے خار کا ہونا اور اس کا عکس بایں معنی ہے کہ اول درخت خاردار پیدا ہوتا ہے اس خاردار درخت میں پھول لگ جاتے ہیں پھر اس گل میں تخم ہوتا ہے اور اس تخم سے درخت خاردار پیدا ہوتا ہے کمافی قولہ تعالیٰ یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی اس اعتبار سے باہم دگر اصل و فرع کہہ دیا اس تقریر سے امکان اختلاف اصل و فرع کا تو ثابت ہو گیا رہ گیا دوسرا سوال کہ اس میں نفع کیا ہے تو اس کا جواب ایک تو اسی تقریر سے نکلتا ہے یعنی ممکن ہے کہ یہ اختلاف خود مقصود بالذات ہو پس سوال حکمت ہی بیکار ہے کیونکہ اگر ہر واقعہ مقصود للحکمت ہو تو وہ حکمت بھی ہے ایک واقعہ ہے اس کے لئے بھی ایک حکمت ضروری ہوگی و علیٰ ہذا القیاس یا تو تسلسل محال لازم آئے گا یا کسی واقعہ کو قطع تسلسل کے لئے مقصود بالذات ماننا پڑے گا سو اس میں سب واقعات تساوی ہیں اگر اول ہی سے اصل مسئول عنہ کو مقصود بالذات کہہ دیا جائے تو کیا امتناع ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ) یا یوں کہا جائے کہ یہ اختلاف واقعی (یعنی مقصود بالذات) نہیں بلکہ کسی حکمت کے واسطے ہے (اور وہ حکمت مقصود بالذات ہے) اور خرفروشوں (یعنی دلالوں) کی جنگ کی طرح ایک صنعت ہے (کہ ان کوئی نفسہ جنگ اور بحث مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس میں دوسری مصلحت ہوتی ہے کہ خریدار کی نظر میں سودے کی قدر ہو جائے اور مراد اس حکمت سے امر متعین ہے جو غور و فکر کرنے سے قابل ادراک کے ہو اور تیسرا احتمال جو اب میں یہ ہے کہ) یا یوں کہا جائے کہ نہ یہ بات ہے نہ وہ بات ہے (یعنی نہ خود اختلاف مذکور مقصود بالذات ہونہ کوئی امر متعین و منتهی مصالح کا ہو) بلکہ وہ حکمت محض حیرت ہو (یعنی یہی حکمت ہو کہ عقلاء و عرفاء خوب غور کرنے کے بعد بھی جب اس میں کسی حکمت کی تعیین نہ کر سکیں یا ہر حکمت کو محتاج دوسری حکمت کا دیکھیں الی مالا یتاہی تو عدم تعیین سے حیرت کا ان پر غلبہ ہوتا کہ سب غیر اللہ سے ان کی نظر مرتفع ہو جائے اور اسی طرح عدم تنہا ہی سے بزبان حال یہ پڑھ کر حدیث از مطرب و می گوی و رازد ہر کمتر جو + سب سلسلہ سے قطع نظر کر دیں اور غیر سے نظر مرتفع ہونے کی جو غایت ہے مولانا اس کو فرماتے ہیں کہ) اب خزانہ تلاش کرو کہ یہ حیرت ویرانی ہے (یعنی جب تم پر حیرت غلبہ کرے اور ماسوی اللہ نظر سے اٹھ جائے تو اب جو اس کا ثمرہ ہے حاصل کرو کہ ذات حق میں توجہ کو مستغرق کر دو کیونکہ یہ حیرت مثل ویرانی کے ہے کہ قلب سے سب غیر اللہ کی عمارت کو منہدم کر دیا اور خزانہ ویرانی میں ہوتا ہے پس مشاہدہ حق کا اسی حیرت میں ہو سکتا ہے کیونکہ توجہ الی اللہ کو توجہ الی غیر اللہ مانع تھی جب مانع مرتفع ہو گیا تو مقصود حقیقی تک رسائی سہل ہے پس اس میں کوشش کرو۔

آنچه تو بخش تو ہم می کنی	زاں تو ہم کنج را کم می کنی
جس کو تو خزانہ سمجھ رہا ہے	اس وہم سے تو خزانہ کم کر رہا ہے
چوں عمارت داں تو وہم و راہیہائے	کنج نبود در عمارت جاہیہائے
وہم اور تدبیر کو تو آبادی کی طرح سمجھ	آبادیوں میں خزانہ نہیں ہوتا ہے
در عمارت ہستی و جنگے بود	نیست را از ہستہا ننگے بود
عمارت میں ہستی اور اختلاف ہوتا ہے	فانی کو ہستیوں سے نفرت ہوتی ہے
نے کہ ہست از نیستی فریاد کرد	بلکہ نیست آں ہست را واداد کرد
(یہ بات) نہیں ہے کہ ہست نے نیستی سے نفرت کی	بلکہ نیست نے اس ہست کو رد کر دیا ہے
تو ملو کہ من گریز انم ز نیست	بلکہ او از تو گریز انست با نیست
تو یہ نہ کہہ کہ میں نیست سے گریز کرتا ہوں	بلکہ وہ تجھ سے گریز کرتا ہے ٹھہر
ظاہراً میخواندت او سوئے خود	وز دروں می راندت با چوب رد
بظاہر وہ تجھے اپنی طرف بلاتا ہے	(لیکن) باطن میں تجھے ہکانے کی لکڑی سے بھگاتا ہے
قومے اندر آتش سوزاں چو ورد	قومے اندر گلستان با رنج و درد
ایک قوم جلانے والی آگ میں پھولوں کی طرح ہے	(اور) ایک قوم باغ میں رنج اور درد میں ہے
نعلہائے باژگونہ است اے سلیم	نفرت فرعون را داں از کلیم
اے سلیم! یہ اٹلے نعل ہیں	فرعون کی نفرت کو موسیٰ (علیہ السلام) کی جانب سے سمجھ

(اوپر حصول گنج کے لئے ترغیب دی ہے اب تعین گنج میں جو بعض کو غلطی ہو جاتی ہے کہ لذات دنیویہ کو گنج و مقصود سمجھتے ہیں اس پر متنبہ فرماتے ہیں کہ) جس چیز کو (غلطی سے) تو گنج سمجھ رہا ہے (وہ خیال بالکل ایسا غلط ہے کہ) اس خیال سے تو گنج (حقیقی) کو کم کئے ہوئے ہے (کیونکہ طالب لذات واصل الی اللہ نہیں ہو سکتا آگے اس غلطی کی مثال فرماتے ہیں کہ) خیالات اور رائے کو (جن سے تحصیل لذات دنیا میں کام لیا جاتا ہے) مثل عمارت کے سمجھو اور گنج کبھی عمارتوں کی جگہوں میں ہوتا نہیں (پس عقل معاش کے بقاء کی حالت میں جو مقصود تم کو حاصل ہے وہ گنج نہیں اس گنج کے حصول کے لئے اس کا فنا کہ کنایہ ہے ویرانی سے شرط ہے آگے ان عمارت یعنی عقل معاش و رائے دنیوی کی مذمت فرماتے ہیں کہ) عمارت میں تو (دعویٰ) ہستی اور اختلاف ہوتا ہے (اسی لئے) فانی فی اللہ کو ان ہستیوں سے (اور جو اس کے دلدادہ ہیں ان سے) نفرت ہوتی ہے (اور ہر چند کہ ظاہر میں ان بندگان ہو او ہوس کو بھی بندگان حق سے نفرت و وحشت ہوتی ہے مگر) واقع میں یوں نہیں ہے کہ یہ مدعیان ہستی موہوم ان فانیان راہ حق سے فریاد و گریز کرتے ہوں بلکہ خود ان اہل فنا ہی نے ان مقیدان ہستی کو (اپنے دل سے رد کر رکھا ہے) (پس اے گرفتار ہستی) تم مت کہو کہ میں ہی اس صاحب فنا سے بھاگتا ہوں (اور منہ نہیں لگاتا) بلکہ واقع میں وہی تجھ سے نفور ہے تو (چاہے) کھڑارہ (اور دیکھ لے کہ کون بھاگتا ہے اور جس طرح اس نفرت

میں معاملہ بالعکس ہے کہ ظاہر میں ناقصین اہل کمال سے نفور ہیں اور واقع میں اہل کمال ہی ان ناقصین سے نفور ہیں۔ اسی طرح بلائے میں معاملہ بالعکس ہے کہ (ظاہر میں تو وہ تجھ کو اپنی طرف بلا رہے ہیں) کیونکہ دعوت الی الحق ان کا کام ہے (مگر باطن میں تجھ کو عصائے رو سے دفع کر رہے ہیں) (مطلب یہ ہے کہ باطن میں ان کو اہل نقصان کی طرف بسبب بغض فی اللہ کے میلان نہیں ہے اس لئے جذب نہیں کرتے بلکہ نفرت کی وجہ سے قوت دافعہ غالب ہے اس لئے ان ناقصین کو ان سے وحشت ہے) غرض اس کی مثال الٹی نعلون کی سی ہے (جن کو چوراہے جو توں میں لگا لیتے ہیں کہ اگر مشرق کو جاتے ہیں تو مغرب کی طرف جانے کا نشان بنتا ہے اسی طرح یہاں ظاہر میں کچھ اور محسوس ہوتا ہے اور باطن میں کچھ اور واقع ہے) پس فرعون کی نفرت کو (جو کہ اس کو موسیٰ علیہ السلام سے ہے) تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سمجھو (کہ انہیں کو اس سے نفرت ہے اس وجہ سے اس کو ادھر انجذاب نہیں ہوتا چنانچہ آیت ربنا طمس علی اموالہم واشدد علی قلوبہم اس کی صریح دلیل ہے اور سبب اس کا وہی بغض فی اللہ ہے اس لئے کوئی اشکال شرعی نہیں کہ اہل اللہ تو خیر خواہ ہوتے ہیں نہ کہ بدخواہ کیونکہ خیر خواہی کے لئے دعوت و ہدایت بس ہے جس میں انکو ذرہ برابر دروغ نہیں اور اسی تعاکس ظاہر و باطن کے فروع میں سے ایک امر یہ ہے کہ (یعنی اہل اللہ ظاہر میں) آتش سوزان (یعنی بلا و مجاہدہ) میں ہیں اور (باطن) گلاب کی طرح (روحانی مسرت سے خندان ہیں) اور ایک قوم (یعنی اہل ضلال ظاہر میں) گلستان (یعنی لذات دنیا) میں ہیں اور (باطن میں) رنج و تکلیف میں آلودہ ہیں (کیونکہ) روحانی مسرت سے بے بہرہ ہیں)

سبب حرمان اشقیاء از دو جہاں کہ خسر الدنیا والآخرۃ

بد بخت لوگوں کے دو جہاں سے محروم رہنے کا سبب جنہوں نے دنیا اور آخرت میں خسارہ اٹھایا

آں حکیمک اعتقادے کردہ است	کا آسماں بیضہ زمیں چوں زردہ است
اس فلسفی نے اعتقاد کیا ہے	کہ آسمان اڑے کی طرح اور زمین زردی کی طرح ہے
گفت سائل چوں بماند ایں خاکداں	در میان ایں محیط آسماں
سوال کرنے والے نے کہا کہ بیض زمین کس طرح ٹھہری ہوئی ہے؟	اس احاطہ کرنے والے آسمان کے درمیان میں
ہمچو قندیلے معلق در ہوا	نے براسفل می رود نے برعلا
ہو جیسا ایک معلق قندیل کی طرح	(جو) نہ نیچے جاتی ہے نہ اوپر
آں ہمیش گفت کز جذب شما	از جہات کشش بماند اندر ہوا
اس فلسفی نے کہا کہ آسمان کی کشش ہے	کشش جہات سے ہوا میں ہے
چوں زمقناطیس قبه ریختہ	در میان مانند آہنے آویختہ
جیسے مقناطیس سے ڈھلا ہوا قبہ	لگا ہوا لوہا (اس کے) درمیان رہتا ہے
آں دگر گفت آسماں با صفا	کے کشد در خود زمین تیرہ را
دوسرے نے کہا معلق آسمان	تاریک زمین کو اپنی طرف کب کھینچے گا؟

بلکہ دفعش می کند از شش جہات	تا بماند در میان عاصفات
بلکہ اس کو چھ جانبوں سے دفع کرتا ہے	تاکہ تیز ہواؤں کے درمیان میں رہے

(یہ حکایت تمثیل ہے مضمون بالا۔ نفرت فرعون تو میدان از کلیم + کی) یعنی فلسفی کا اعتقاد ہے کہ آسمان مثل بیضہ کے (محیط) ہے اور زمین زردی بیضہ کی طرح (محاط) ہے کسی سائل نے کہا کہ پھر یہ زمین اسی محیط کے درمیان میں کس طرح مثل قندیل کے ہوا میں معلق ہے کہ نہ اسفل کی طرف جاتی ہے نہ اعلیٰ کی طرف حکیم نے جواب دیا کہ چونکہ سب طرف سے آسمان اس کو کشش کرتا ہے اس لئے وہ خلاء میں رہ گئی جیسے مقناطیس کا ایک قبہ بنایا جائے اور بیچوں بیچ میں ایک گولہ لوہے کا لٹکا دیا جائے (چونکہ وہ مقناطیس تمام جوانب سے اس کشش کرے گا لامحالہ وہ درمیان میں رہ جائے گا۔ یہ جذب آسمان کا مذہب مذکور شاید کسی فلسفی کا ہوگا) دوسرے شخص نے (اسکے رد میں) کہا کہ بھلا آسمان پر صفاز میں تیرہ کو اپنی طرف کیوں کھینچنے لگا (کیونکہ تجاذب کے لئے تناسب شرط ہے اور صاف و تیرہ میں مناسبت مفقود ہے) بلکہ (وجہ تعلق یہ ہے کہ) اس کو کشش جہت سے دفع کرتا ہے (اور قوت دافعہ سب طرف سے مساوی ہے) اس لئے زمین درمیان میں تند ہواؤں کے جھکولوں میں رہ گئی (شاید قوت دافعہ کو عاصفات کہہ دیا ہو یا درمیان میں رہنے سے تند ہوائیں اس پر چلتی ہیں) حاصل تمثیل یہ ہوا کہ اسی طرح اہل کمال اہل ضلال کو باطن اپنے سے دفع کرتے ہیں بوجہ عدم تناسب کے اور یہی سبب ہے حرمان کا چنانچہ آگے تصریح ہے)

پس زدفع ایں جہان و آں جہاں	ماندہ اندایں بیرہاں بے این و آں
پس اس جہان اور اس جہان کے دفع کرنے کی وجہ سے	یہ گمراہ بغیر اس کے اور بغیر اس کے رہے
سرکشی از بندگان ذوالجلال	زانکہ دارند از وجود تو ملال
اللہ کے بندوں سے تو سرکشی اس لئے کرتا ہے	کیونکہ وہ تیرے وجود سے رنجیدہ ہیں
کہربا دارند و چوں پیدا کنند	کاہ ہستی ترا شیدا کنند
ان کے پاس کہربا ہے جب وہ اس کو ظاہر کرتے ہیں	تیرے وجود کے تئیکے کو عاشق بنا لیتے ہیں
کہربائے خویش چوں پنہاں کنند	زود تسلیم ترا طغیاں کنند
اپنے کہربا کو جب وہ چھپا لیتے ہیں	فورا تیری اطاعت کو سرکشی بنا دیتے ہیں

پس چونکہ اہل کمال کا قلب دفع کر رہا ہے اس لئے فرعونوں یعنی گمراہوں کی جان ضلال میں پھنسی ہے یعنی وہ حضرات ان کو اس جہان میں بھی دفع کرتے ہیں (کہ ان سے نفرت و بغض فی اللہ رکھتے ہیں) اور اس جہان میں بھی دفع کریں گے کما حکى الله تعالى و نادى اصحاب النار اصحاب الجنة ان افيضوا علينا من الماء او مमारزقكم الله قالوا ان الله حرمهما على الكافرين. و قال تعالى يوم يقول المنافقون والمنافقات للذين آمنوا انظرونا نقتبس من نوركم قيل ارجعوا وراءكم فالتمسوا نورا) اس لئے یہ بے راہ لوگ خسر الدنیا والآخرۃ ہو گئے تم جو بندگان ذوالجلال سے سرکشی و اعراض کئے ہوئے ہو خوب یقین کر لو کہ ان کو ہی تمہارے وجود سے ملال ہے (پس گویا تم کو دفع کر رہے

ہیں) ان کے پاس ایک کہریا ہے (یعنی ان کے قلب میں قوت جاذبہ ہے) وہ جب اس کو ظاہر کرتے ہیں (یعنی باذن الہی اس سے کام لیتے ہیں) تو تیری ہستی کو جو مثل کاہ کے ہے اپنا شیدا کر لیتے ہیں (جس طرح کاہ کو کہریا کی طرف کشش ہوتی ہے) اور جب وہ اپنی کہریا کو پوشیدہ کر لیتے ہیں (اور تجھ کو اپنی طرف جذب نہیں کرتے تو فوراً تیری صفت تسلیم (وانقیاد و اعتقاد) کو (مبدل بہ) طغیان کر دیتے ہیں (یعنی تجھ کو ان سے انس نہیں رہتا ف: اور یہ کشش اور اس کی تاثیر موقوف ہے اذان الہی پر ورنہ اول تو کشش نہیں ہوتی اور اگر احیاناً کسی عارض سے ہو بھی تاثیر نہیں ہوتی قال اللہ تعالیٰ انک لاتہدی من احببت و قال علیہ السلام اللہم اید الیہ السلام بعمر بن الخطاب او بعمر و بن ہشام الحدیث۔

آ پنچناں کہ مرتبہ حیوانی ست	کو اسیر و سغبہ انسانی ست
جس طرح حیوانی مرتبہ ہے	کہ وہ انسان کا قیدی اور فرمانبردار ہے
مرتبہ انساں بدست اولیا	سغبہ چوں حیواں شناسش اے کیا
انسان کا مرتبہ اولیاء کے ہاتھ میں ہے	حیوان کی طرح فرمانبردار سمجھ اے عقلمند؟
بندہ خود خواند احمدؑ در رشاد	جملہ عالم را بخواں قل یا عباد
قرآن میں احمد (ﷺ) نے اپنا بندہ کہہ کر پکارا ہے	تمام جہان کو "قل یا عباد" پڑھ لے
عقل تو ہچموں شترباں تو شتر	می کشاند ہر طرف در حکم مر
توانٹ ہے اور عقل شترہاں کی طرح ہے	سخت حکم سے ہر طرف پہنچتی ہے
عقل عقلند اولیا و عقلمند	بر مثال اشتران تا انتہا
اولیاء عقل کی عقل ہیں اور عقلیں	آخر تک اونٹوں کی طرح ہیں
اندر ایشاں بنگر آخر ز اعتبار	یک قلاؤ ز ست و جان صد ہزار
ان کو عبرت کی نگاہ سے دیکھ	ایک رہنما ہے اور لاکھوں جانیں ہیں

(اس میں مثالیں ہیں اوپر کے مضمون یعنی خلق کے مسخر ہونے کی اولیاء اللہ کے لئے مثال اول) جس طرح مرتبہ حیوانی (یعنی حیوانات) اسیر اور مسخر مرتبہ انسانی (یعنی انسان) کا ہے (کما قال اللہ تعالیٰ اللہ الذی مسخر لکم الانعام اسی طرح نوع انسان کو اولیاء اللہ کے ہاتھ میں مسخر سمجھو) چنانچہ دلیل یہ ہے کہ (تمام عالم کو) باعتبار معنی تسخیر کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بندہ ارشاد فرمایا ہے چنانچہ تم آ یہ قل یا عباد الذین اسرفوا کو پڑھ کر دیکھ لو) یہ تفسیر باعتبار معنی تسخیر کے گو مستحیل نہیں مگر مستبعد ہے لیکن مدعاے مقصود اس پر موقوف نہیں اطیعوا الرسول و اولیاءہ لعلکم تفلحوا و اسلناک الا کافۃ للناس اس کے اثبات کے لئے کافی ہے مثال ثانی) دیکھو تمہاری عقل (متبوع ہونے میں) مثل شترہاں کے ہے اور تم (اس کے تابع ہونے میں) مثل شتر کے ہووہ عقل تم کو اپنے حکم قوی میں ہر طرف (جہاں چاہتی ہے) لئے لئے پھرتی ہے اسی طرح اولیاء اللہ مثل عقل العقول کے ہیں (کہ عقول کی رہبری کرتے ہیں) اور بقیہ عقول اول سے انتہا تک مثل شتروں کے ہیں (کہ محتاج

تابع اولیا ہیں) ان کی حالت میں ذرا نظر عبرت سے غور کرو کہ (ان حضرات میں سے) ایک رہبر (ہوتا ہے) اور لاکھوں کی بانیں (اس کی پیرو ہوتی ہیں) ف: اوپر تسخیر جذبی کا بیان تھا اور ان اشعار میں مطلق تسخیر مذکور ہے جو عام ہے اس کو بھی اور تسخیر ارشادی یعنی رہبری و رہنمائی کو بھی سوائی مناسبت ربط کلام کے لئے کافی ہے۔

چہ قلاؤز و چہ اشترباں بیاب	دیدہ کاں دیدہ بیند آفتاب
رہنما کیا اور شتربان کیا حاصل کر	وہ آنکھ جو آنکھ آفتاب کو دیکھ سکے
نک جہاں در شب بماندہ میخ دوز	منتظر موقوف خورشید ست و روز
یہ دنیا تاریکی میں ہے بیکار	نظر اور سورج اور دن پر موقوف ہے
اینٹ خورشیدے نہاں در ذرہ	شیر نر در پوستین برہ
حیرت ' ذرہ میں سورج پوشیدہ ہے	بکری کے بچے کی کھال میں شیر نر ہے
اینٹ دریائے نہاں در زیر گاہ	پا برائیں کہ ہیں منہ با اشتباہ
حیرت گھاس کے نیچے چھپا دریا ہے	خبردار شبہ میں اس گھاس پر پاؤں نہ رکھنا
اشتباہ ہے و گمانے در دروں	رحمت حق ست بہر رہنموں
باطن میں محسن ظن اور گمان	رہنمائی کے لئے اللہ کی رحمت ہے

(اوپر اولیاء اللہ کی عظمت شان مثالوں میں بیان کی ہے اب اس سے اضراب کر کے فرماتے ہیں کہ) قلاؤز و شتربان کی مثالیں کیا چیز ہیں (جن سے اولیاء اللہ کی عظمت کی حقیقت معلوم ہو سکے) تم وہ (باطنی) آنکھ دستیاب کرو جو آفتاب (انسان کامل) کو ادراک کر سکے یہ جہان تو (بدوں اولیاء کے شب تاریک (جہل و ضلال) میں (حرکت و عروج الی الکمال سے) میخ دوز (یعنی بستہ) ہو رہا ہے اور روز (ہدایت کا طلوع ہونا تو خورشید (ذات انسان کامل) پر موقوف ہے اور اس کا منتظر ہے (مطلب یہ کہ اگر اولیاء اللہ نہ ہوں تو تمام عالم تاریک ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ انوار دین ان ہی کی ذات سے ہیں) یہ خورشید (یعنی ذات انسان کامل) کہ عبارت ہے اس کی روح سے) ایک ذرہ (یعنی جسم عنصری میں) پوشیدہ ہو رہا ہے (دوسری مثال) گویا شیر نر ایک بکری کی پوستین میں چھپ رہا ہے (تیسری مثال) یہ گویا ایک دریا ہے جو گھاس کے نیچے پنہاں ہو رہا ہے (دیکھو خبردار) اس گھاس پر پاؤں مت رکھ دینا بوجہ اس شبہ کے (کہ شاید یہ انسان کامل ہو مطلب سب امثلہ کا یہ ہے کہ اولیاء اللہ کی ظاہری حالت جسمانی کم روئی یا کہیں جاگی و خستگی کو دیکھ کر ان سے گستاخی و بد اعتقادی مت کرو کیونکہ اس میں اندیشہ ہلاکت کا ہے جیسے کوئی شیر کو جو بکری کی پوستین میں ہے چھیڑنے لگے یا گھاس پر جس کے نیچے دریا ہے پاؤں رکھنے لگے ظاہر ہے کیا انجام ہوگا آگے اس شبہ کا کہ شاید یہ انسان کامل ہو موجب رحمت ہونا فرماتے ہیں کہ) یہ اشتباہ اور گمان مذکور جو قلب میں آجاتا ہے یہ رہنمائی کے لئے رحمت حق ہے (ورنہ مقتضا ولایت خاصہ کا تو یہ تھا کہ عوام کا مرتبہ احتمال میں بھی اس کا انکشاف نہ ہوتا اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی مگر اس صورت میں ان سے کوئی طالب بھی منتفع نہ ہو سکتا اور نیز ان کے ساتھ یہ گستاخی کرنے سے

احتیاط نہ کی جاتی اور گویہ گستاخی بلا علم ہوتی مگر بوجہ قدرت علی اللہ شہر و تعدیل القصد کے معذوری نہ ہوتی پس یہ رحمت حق ہے کہ اولیا کی ذات میں کچھ آثار ایسے رکھ دیئے جس سے اقل درجہ شبہ تو ان کے کامل ہونے کا ہو سکتا ہے جس سے انتفاع بھی بہل ہے اور ادب بھی ممکن ہے اس لئے مولانا اس کو دلیل و جوب ادب میں لائے۔

ہر پیمبر فرد آمد در جہان	فرد بود و صد جہانش در نہان
ہر پیمبر دنیا میں تھا آیا	تھا تھا اور اس میں سو جہان چھپے ہوئے تھے
عالم کبریٰ بقدرت سخرہ کرد	کرد خود را در کہیں نقشے نورد
قدرت سے عالم کبریٰ کو مسخر کر لیا	معمولی نقش میں اپنے آپ کو لپیٹ دیا
ابلہاںش فرد دیدند و ضعیف	کے ضعیف ست آنکہ باشہ شد حریف
بیوقوفوں نے اس کو اکیلا اور کمزور سمجھا	وہ کمزور کب ہو گا جو شاہ کا مصاحب ہو
ابلہاں گفتند مردے بیش نیست	وائے آنکو عاقبت اندیش نیست
بیوقوفوں نے کہا ایک انسان سے زیادہ نہیں ہے	اس پر افسوس ہے جو عاقبت اندیش نہیں ہے
عاقبت دیدن بود از کاملی	دور بودن ہر نفس از جاہلی
کامل ہونا انجام پر نظر رکھنا ہے	ہر وقت جہالت سے دور رہنا ہے
بشنو اکنوں قصہ صالح رواں	بگذر از صورت طلب معنی دراں
اب (حضرت) صالح کا مشہور قصہ سن	الفاظ سے گزر جا ان میں معنی طلب کر
زانکہ صورت میں نہ بیند عاقبت	عاقبت بینی بیابی عاقبت
کیونکہ ظاہر میں انجام کو نہیں دیکھتا ہے	تو انجام پر نظر کرے گا تو عاقبت کو پالے گا

(یہ تقریر و توضیح ہے مضمون بالا کی کہ مقبولان الہی گو بظاہر ضعیف ہوتے ہیں مگر باطناً ان کی بڑی عظمت و رفعت ہوتی ہے پس فرماتے ہیں کہ) ہر پیغمبر دنیا میں تھا آئے ہیں (مگر باوجودیکہ ظاہر میں) فرو ہوتے تھے ان کے باطن میں سینکڑوں عالم مخفی ہوتے ہیں (وہ عالم فیوض ہیں اسماء الہیہ کے یعنی ان کے علوم و کمالات و قبولیت عند اللہ و منصوریت من اللہ) اس عالم اکبر کو (کہ عبارت ہے مجموعہ موجودات عالم سے) اپنی خداداد قدرت سے مسخر کر لیا تھا (کہ نزول برکات میں سب ان کے محتاج تھے حتیٰ کہ سموات و ارض کا بقاء مقبولان الہی کے دم تک ہے اور جب ان میں سے کوئی نہ رہے گا تو اللہ اللہ کہنا موقوف ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو کر عالم نیست و نابود ہو جائے گا جیسا حدیث صحیح میں وارد ہے مگر ظاہر میں اپنے آپ کو ایک ادنیٰ درجہ کی صورت (یعنی تن عنصری و عامیانہ حالت) میں پیچیدہ کر رکھا تھا سو بیوقوف لوگوں نے ان کو تنہا و ضعیف سمجھا لیکن ایسا شخص کیا ضعیف ہو سکتا ہے کہ بادشاہ حقیقی کا مقرب و جلس ہو بیوقوف کہا کرتے کہ ایک آدمی ہیں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں (جیسا قرآن مجید میں حکایت ہے) (البشر انا

واحد منبتہ) واقعی اس شخص کی حالت بھی افسوس ناک ہے جو عاقبت اندیش نہ ہو (جیسا کہ قرآن مجید میں جواب ہے جواب ہے سيعلمون غدا من الکذاب الاشر) انجام اندیشی اور ہر دم جہالت سے دور رہنا بھی کامل ہونے کی علامت ہے (اب اس کی تائید کے لئے تم صالح علیہ السلام کا مشہور قصہ سن لو اور (اس کے سننے سے یہ نتیجہ حاصل کرو کہ) صورت سے گزر کر معنی تک پہنچا کرو کیونکہ صورت بین انجام کو نہیں دیکھتا ہے اگر عاقبت بینی کرنے لگو تو عافیت میسر ہو جائے۔

حقیر دیدن خصمان صالح ناقہ را چوں حق تعالیٰ خواہد لشکرے را ہلاک گرداندور

نظر ایشاں خصمان را حقیر نماید و یقللکم فی اعینہم لیقضی اللہ امرأ کان مفعولاً

دشمنوں کا حضرت صالح کی اونٹنی کو حقیر سمجھنا جب خدا چاہتا ہے کہ کسی لشکر کو ہلاک کرے ان کی نگاہ میں دشمنوں کو حقیر دکھاتا ہے اور وہ تم کو ان کی نظر میں کم دکھاتا تھا تا کہ اس کام کو سرانجام دے جو کرنا چاہتا ہے

ناقہ صالح بصورت بد شتر	پے بریدندش جہل آں قوم مر
(حضرت) صالح کی اونٹنی بظاہر ایک اونٹنی تھی	اس سخت قوم نے جہالت سے اس کی کوچیں کاٹ دیں
از برائے آب جو حشمش شدند	آب کو روناں کو رایشاں بدند
وہ نہر کے پانی کی وجہ سے اس کے دشمن ہو گئے	وہ پانی اور روٹی کے احسان فراموش ہو گئے
ناقہ اللہ آب خورد از جوئے میخ	آب حق را داشتند از حق دریغ
اللہ کی اونٹنی نے ابر کی نہر سے پانی پیا	انہوں نے اللہ کا پانی اللہ سے روکا
ناقہ صالح چو جسم صالحاں	شد کمینے در ہلاک طالحاں
(حضرت) صالح کی اونٹنی کی مثال نیکیوں کے جسم کی سی ہے	(جو) بد بختوں کی ہلاکت کی کمین گاہ بنی
تا براں امت ز حکم مرگ و درد	ناقہ اللہ و سقیہا چہ کرد
دیکھ لو! کہ اس قوم پر موت اور درد کے ذریعہ	اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے نے کیا کیا
شحنہ قہر خدا ز ایشاں بجست	خونہمائے اشترے شہرے درست
خدا کے قہر کے داروغہ نے ان سے طلب کیا	اونٹنی کے خون کے بدلے میں ایک پورا شہر

یعنی ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کی ظاہر میں تو صرف ایک معمولی اونٹنی تھی اس قوم سخت نے جہالت سے اس کے ہاتھ پاؤں قطع کر ڈالے صرف قدرتی پانی کے واسطے اس کے دشمن ہو گئے (آب چاہ کو تشبیہاً آب جو کہہ دیا وجہ تشبیہ کی بلاصنعت بندہ کے اس کا پیدا ہونا ہے) واقعی وہ لوگ پانی کے بھی ندیدہ تھے اور کھانے کے بھی ندیدہ تھے (یعنی بخیل و حریص تھے) ناقہ اللہ قدرتی چشمہ سے پانی پیتی تھی (یہاں تشبیہاً جوئے میخ کہہ دیا) خدا کا پانی خدا ہی سے دریغ کرتے تھے (یعنی اللہ کی خاص اونٹنی کو نہ دیتے تھے) ناقہ صالح کی مثال صالحاں کے جسم کی ہے (کہ مرکب ہے روح کا جو مشابہ ہے صالح علیہ السلام کے جیسا آگے آتا ہے) اور

وہ طالحوں کی ہلاکت کے لئے مثل کمین گاہ کے ہے (کیونکہ شان کمین گاہ کی یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے ہجوم بلیہ کا گمان بھی نہیں ہوتا اس طرف سے محض بے خوف و خطر ہوتا ہے اسی طرح صلحاء کو آزار جسمانی دیتے ہوئے لوگ اندیشہ ناک نہیں ہوتے اور اس کے سبب بتلائے قہر الہی ہوتے ہیں) یہاں تک کہ اس امت پر ناقۃ اللہ اور اس کے پانی پینے کے معاملہ نے دیکھو موت اور مصیبت کا کیا واقعہ نازل کر لیا کہ شحنے قہر خداوندی نے ان لوگوں سے ایک ناقہ کے خون بہا میں پورے ایک شہر کا مطالبہ کر لیا (یہی قصہ ہوتا ہے جسم صلحاء کو آزار دینے کا اور جسم کی تخصیص بدنی وجہ کی جاتی ہے کہ ان کی روح پر تو کسی موذی اور کسی کی ایذاء کا دست رس ہی نہیں ان کو ستانا صرف جسم تک اثر کر سکتا ہے جیسا عنقریب تصریحاً مثنوی میں آتا ہے۔

روح صالح بر مثال اشتر یست	نفس گمرہ مروراچوں پے بر یست
روح جو بھولہ (حضرت) صالح کے ہلنٹ بھی چیز پر (سوار) ہے	اور گمرہ نفس اس کی کوٹھیں کاٹنے والے کی طرح ہے
روح پچھو صالح و تن ناقہ است	روح اندر وصل و تن در فاقہ است
روح بھولہ (حضرت) صالح ہے اور جسم اونٹنی ہے	روح وصل (کی خوشی) میں ہے اور جسم فاقہ میں ہے
روح صالح قابل آفات نیست	زخم بر ناقہ بود بز ذات نیست
روح (جو بھولہ) صالح ہے مصائب کو قبول کرنے والی نہیں ہے	زخم اونٹنی پر ہو گا ذات پر نہیں ہے
روح صالح قابل آزار نیست	نور یزداں سغبہ کفار نیست
روح (جو بھولہ) صالح ہے تکالیف کو قبول کرنے والی نہیں ہے	اللہ کا نور کافروں کا تر لقمہ نہیں ہے
حق ازاں پیوست با جسمے نہاں	تاش آزارند و بیند امتحاں
اللہ تعالیٰ نے اس کو جسم سے پوشیدہ طور پر پیوست کر دیا ہے	تاکہ وہ اس کو ستائیں اور آزمائش میں پڑیں
بے خبر کا آزار ایں آزار اوست	آب ایں خم متصل با آب جوست
(وہ) اس سے بے خبر ہیں کہ اس (روح) کا ستانا اس (اللہ) کا ستانا ہے	اس نیکے کا پانی نہر کے پانی سے وابستہ ہے
زاں تعلق کرد با جسمش آلہ	تا کہ گردد جملہ عالم را پناہ
اس کو اللہ نے جسم سے اس لئے تعلق کیا	تاکہ وہ تمام دنیا کے لئے پناہ بنے
کس نیابد بر دل ایشان ظفر	بر صدف آید ضرر نے بر گہر
ان کے دل پر کوئی فتح نہیں پاتا ہے	ضرر نیپ کو پہنچتا ہے نہ کہ موتی کو
ناقہ جسم ولی را بندہ باش	تاشوی با روح صالح خواجہ تاش
ولی کے جسم کی اونٹنی کا غلام بن جا	تاکہ روح صالح کے ساتھ تجھے ہنوا جلی حاصل ہو

(اس میں تطبیق ہے قصہ کی مقصود مذکور پر کہ مقبولان الہی کو ضعیف نہ سمجھے اور ان کی مخالفت نہ کرے ورنہ مثل موذیان ناقہ صالح کے مستوجب ہلاکت ابدیہ کا ہوگا تقریر تطبیق کی یہ ہے کہ) روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہے وہ شتر کے مثل ایک چیز

(یعنی تن) پر (سوار) ہے اور گمراہ (لوگوں کا) نفس اس کے لئے کوچیں کاٹنے والا (یعنی آزار دہندہ) ہے پس (مقبولین کی) روح تو مثل صالح علیہ السلام کے ہوئی اور تن مثل ناقہ کے ہے سو روح تو (ہمیشہ) وصل (اور راحت) میں ہے (کہ اس پر کسی کا اثر ایذا کا نہیں پہنچتا گو موزی لوگ یہی قصد کرتے ہوں) اور تن فاقہ (وغم) میں (بتلا ہو سکتا) ہے یعنی روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہے آزار کے قابل نہیں (کیونکہ وہ عالم امر سے ہونے کے سبب ایک قسم کا نور الہی ہے کیونکہ مجرد میں مظہریت کی شان زائد ہے کہ وہ تیز و تہجد میں بھی مناسبت رکھتی ہے اور حقیقت نور کی یہی ظہور ہے) اور نور الہی کفار (ومخالفین) کا مغلوب نہیں ہو سکتا اس لئے روح جو مثل صالح علیہ السلام کے ہے قابل آفات نہیں ہے اور زخم (وتکلیف جو کچھ کالمین پر واقع ہوتی ہے وہ) ناقہ (یعنی جسم) پر ہے (انگی) ذات (یعنی روح) پر نہیں ہے (مگر چونکہ تن کو بھی ایک خاص تعلق روح سے ہے اور روح کو ایک خاص تعلق حق تعالیٰ سے ہے اس لئے اس کے آزار رسانی سے وہی سزا ہوتی ہے جو ایذا روح سے بلکہ ایذا حق سے ہونا چاہیے کما قال تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ الخ۔ چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں کہ (حق تعالیٰ نے اس واسطے جسم سے (روح کو) باطن میں پیوستہ فرما دیا ہے تاکہ (اعداء) اس جسم کو آزار دیں اور اس کا نتیجہ بھگتیں (بوجہ تعلق جسم مع الروح اور تعلق روح مع الحق کے جیسا بھی بیان ہوا) یہ موزی اس سے بے خبر ہیں کہ اس کا آزار دینا اس کا آزار دینا ہے (یعنی جسم کا آزار روح کا آزار ہے یا یہ کہ بواسطہ جسم کے روح کا آزار حق تعالیٰ کا آزار دینا ہے) کیونکہ اس خم (تن کا پانی) (یعنی روح) دریا (یعنی حضرت حق) سے اتصال (وتعلق خاص) رکھتا ہے اور (دوسرے) اس واسطے روح کا تعلق جسم سے کر دیا ہے تاکہ (یہ شخص کامل) تمام عالم کے لئے (باعبار ارشاد و ہدایت و فیض رسانی کے) پناہ ہو جائے (یعنی ایک حکمت یہ ہے کہ منکرین کو سزا ہو جس کا اول بیان کیا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ طالبین کو ہدایت و فیض ہو کیونکہ بدوں تعلق جسمانی کے بعثت دنیا میں اور مخالفت و مجانست و وعظ و پند کچھ بھی نہ ہوتا اور تمام عالم اس لئے کہا کہ ہدایت بمعنی رہ نمودن تو سبھی کے لئے ہوئی ہے خواہ کوئی راہ میں بننا چاہے یا نہ چاہے ہاں) ان کے دل پر (یعنی روح پر تو کوئی قابو پانہیں سکتا) یعنی کسی کی ایذا نہیں پہنچ سکتی حتیٰ کہ شیطان بھی مایوس ہے قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان) اور جو کچھ ضرر پہنچتا ہے وہ صدف (یعنی جسم) پر ہے نہ کہ گوہر (یعنی روح) پر (جب کالمین کی یہ شان ہے تو) تم جسم اولیاء کے جو مثال ناقہ کے ہے خادم بنے رہو (یعنی ایذا مت پہنچاؤ بلکہ راحت دو) تاکہ تم روح کے ساتھ جو مثل صالح علیہ السلام کے ہے خواجہ تاشی کا علاقہ ہو جائے (یعنی اس بندہ مقبول کے تم بھی بندہ مقبول ہو جاؤ)

گفت صالح چونکہ کر دید ایس حسد	بعد سے روز از خدا نعمت رسد
(حضرت) صالح نے فرمایا کہ چونکہ تم نے یہ حسد برتا	تین دن کے بعد خدا کا عذاب آئے گا
بعد سے روز دگر از جاں ستاں	آتشے آید کہ دارد سے نشان
اگلے تین دن بعد جان لینے والے (اللہ) کی جانب سے	ایک آگ آئے گی جس کی تین علامتیں ہیں
رنگ روئے جملہ تاں گرد دگر	رنگ رنگ مختلف اندر نظر
تم سب کے چہروں کا رنگ دگر کوں ہو جائے گا	جو دیکھنے میں مختلف رنگ کے ہوں گے

روز اول روئے تاں چوں زعفران	در دوم رو سرخ ہنچوں ارغواں
پہلے دن تمہارے چہرے زعفران جیسے ہوں گے	دوسرے دن چہرے ارغواں کی طرح سرخ ہوں گے
در سوم گردد ہمہ روہا سیاہ	بعد ازاں اندر رسد قہر آلہ
تیسرے دن سب چہرے سیاہ ہو جائیں گے	اس کے بعد اللہ کا عذاب آ جائے گا
گر نشاں خواہید از من زیں وعید	کرۃ ناقہ بسوئے کہ دوید
اگر تم مجھ سے اس دمکی کی علامت چاہتے ہو	اونٹنی کا بچہ پہاڑ کی جانب بھاگا جا رہا ہے
گر تو انیدش گرفتن چارہ ہست	ورنہ خود مرغ امید از دام جست
اگر اس کو پکڑ سکو تو (یہ) تدبیر ہے	ورنہ امید کا پرندہ جال سے نکل گیا ہے

(یہاں سے تفصیل ہے عذاب کی جو ناقہ کے قتل پر نازل ہوا جس کا بیان مجمل آیاتھاناقۃ اللہ وسقیاباچہ کرد+ اور تمیم ہے قصہ کی یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تمہارے حسد کی یہاں تک نوبت پہنچ گئی (کہ ناقہ کا پانی پینا گوارا نہ ہو حتیٰ کہ اس کو قتل کر ڈالا) تو اب تین روز کے بعد خدا تعالیٰ کی جانب سے انتقام آنے والا ہے یعنی (آج کے دن کے علاوہ) تین روز اور گزر جائیں اس وقت آتش قہر خداوندی آنے والی ہے جس کی تین علامتیں ہیں (جو قبل نزول عذاب ظاہر ہوگی) وہ یہ ہے کہ (ان تین دن میں) تم سب کے چہروں کا رنگ مختلف الوان سے مشاہدہ متغیر ہو جائے گا اس طرح سے کہ اول روز تمہارے چہرے زعفران کی طرح زرد ہو جائیں گے اور دوسرے روز ارغواں کی طرح سرخ ہو جائیں گے اور تیسرے روز سب سیاہ ہو جائیں گے ان (تینوں علامتوں) کے بعد وہ قہر الہی (موعود) آئے گا اور اگر (میری) اس وعید کی بھی علامت درکار ہے تو (ابھی جا کر دیکھ لو کہ اس) ناقہ کا بچہ (کہ اس کے ساتھ تھا) پہاڑ کی طرف بھاگا جا رہا ہے اگر تم اس کو بھی پکڑ سکو تو یہ ایک تدبیر ہے (عذاب سے بچنے کی یعنی اس کو پکڑ کر لاؤ رکھو خوب خدمت کرو تا کہ قتل ناقہ کا کفارہ اور اس سے توبہ ہو جائے) ورنہ مرغ امید دام سے نکل ہی چکا ہے (اور امید نجات کی منقطع ہو چکی ہے)

چوں شنیدند ایں ازو جملہ بہ تگ	درپئے اشتر دویدندے چوسگ
جب انہوں نے ان سے یہ سنا سب دوڑ کر	اونٹ (کے بچے) کے پیچھے کتے کی طرح بھاگے
کس نتانست اندراں کرہ رسید	رفت و در کہسار ہاشد نا پدید
کوئی شخص اس بچے تک نہ پہنچ سکا	وہ چلا گیا اور پہاڑوں میں غائب ہو گیا
ہنچو روح پاک کو از ننگ تن	میگریزد جانب رب الممن
پاک روح کی طرح جو کہ جسم کی نرت سے	خدا کی جانب بھاگتی ہے
گفت دیدید ایں قضا مبرم شد دست	صورت امید را گردن زد دست
فرمایا تم نے دیکھ لیا یہ فیصلہ قطعی ہو گیا ہے	جس نے امید کی صورت معدوم کر دی ہے
کرۃ ناقہ چہ باشد خاطرش	کہ بجا آرید احسان و برش
اونٹنی کا بچہ کس کی مثال ہے اس کے دل کی	کہ جس کے ساتھ احسان اور خدمت بجا لاؤ

گر بجا آید دلش رستید از اں	ورنہ نومیدید و ساعدہا گز اں
اگر اس کا دل صاف ہو جائے اس (عذاب) سے چھوٹ گئے	ورنہ نا امید اور حسرت زدہ رہو گے

جب ان لوگوں نے آپ سے یہ بات سنی تو سب کے سب دوڑتے ہوئے اس بچے کے پیچھے چلے لیکن کوئی شخص اس بچے تک نہ پہنچ سکا اور وہ پہاڑوں میں گھس کر غائب ہو گیا جیسے پاک روح کی حالت ہوتی ہے کہ ننگ (ونفرت قید) تن کی وجہ سے حق صل شانہ کی طرف دوڑ کر جاتی ہے (جیسا حدیث میں ہے کہ اس کو فرشتے بلاتے ہیں تو خوش بخوش نکل جاتی ہے) حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے دیکھ بھی لیا اب یہ قضا مبرم (اور حتمی) ہو چکی ہے اور صورت امید کی اس نے گردن مار دی ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ) کرۂ ناقہ کا ہے کی مثال ہے (خود جواب دیتے ہیں کہ) یہ مثال ہے اس کامل کی خاطر کی کہ اس کیساتھ احسان اور اس کی خدمت گزاری کو بجالاء (یعنی جس طرح وہ بچہ اس ناقہ کے متعلقات میں تھا اور اس کی مدارات کفارہ اس کے آزار رسانی کا ہو جاتی اسی طرح بعد ایزد رسانی اولیاء کے ان کی خاطر ان کے متعلقات میں سے ہے کہ اس کی نگہداشت اور اس کو خوش کرنا کفارہ ہو سکتا ہے اس ایزد رسانی کا) پس اگر اس کی خاطر بجا ہووے (یعنی معذرت و خدمت سے اس کی کدورت رفع کر دی جائے) تب تو تم اس (کے وبال) سے بچ گئے ورنہ ناامیدی اور حسرت ہے۔

چوں شنیدند آں وعید منکدر	چشم بہادند آں را منتظر
جب انہوں نے ہولناک دھمکی سنی	سراپا انتظار بن کر انتظار کرنے لگے
روز اول روئے خود دیدند زرد	میزدند از نا امیدی آہ سرد
پہلے دن اپنے چہروں کو زرد دیکھا	اور ناامیدی سے ٹھنڈی آہیں بھریں
سرخ شد روئے ہمہ روز دوم	نوبت امید و توبہ گشت گم
دوسرے دن سب کے چہرے سرخ ہو گئے	امید اور توبہ کا وقت ختم ہو گیا
شد سیہ روز سوم روئے ہمہ	حکم صالح راست شد بے ملحمہ
تیسرے دن سب کے چہرے سیاہ ہو گئے	(حضرت) صالح کا حکم بلا اختلاف صحیح ثابت ہوا
چوں ہمہ درنا امیدی سرزدند	ہمچو اشتر در دو زانو آمدند
جب سب ناامیدی میں مبتلا ہو گئے	اونٹ کی طرح گھٹنوں کے بل آئے
در نے آورد جبرئیل امیں	شرح ایں زانو زدن راجا تمیں
قرآن میں جبرئیل امین لائے ہیں	گھٹنوں کے بل بیٹھنے کی شرح جا تمیں
زانو آں دم زن کہ تعلیمت کنند	وز چنین زانو زدن بیعت کنند
تو دو زانو اس وقت بیٹھ جب تجھے پڑھائیں	اور اس طرح دو زانو بیٹھ جانے سے تجھے ڈرائیں

منتظر گشتند زخم قہر را	قہر آمد نیست کرد آں شہر را
قہر کی چوٹ کے منتظر ہو گئے	قہر ٹوٹا (اور) اس شہر کو نیست و نابود کر دیا

یعنی جب ان لوگوں نے یہ وعید تیرہ سنی تو انتظار میں آنکھ لگا کر بیٹھ گئے پس اول روز اپنے چہروں کو دیکھا کہ زرد پڑ گئے اس وقت ناامیدی سے آہ سرد کرتے تھے (یہ حسرت طبعی تھی جو توبہ نہیں ہے) پھر دوسرے روز سب کے چہرے سیاہ ہی ہو گئے بلا نزاع حضرت صالح علیہ السلام کا قول صحیح ہو گیا جب سب کی ناامیدی ظاہر ہو گئی تو اونٹ کی طرح زانو کے بل گر گئے جیسا قرآن مجید میں جبرائیل امین اس زانو پر گرنے کی شرح (بطور وحی کے لائے ہیں فاصبحوا فی دیار ہم جا ئمیں (جائیں کے معنی لغت میں برسینہ خفتہ کے ہیں نہ برز انو افتادہ کے بعض مفسرین کو بھی جائیں کے اشتباہ سے کہ اس کے معنی برز افتادہ کے ہیں اس تفسیر میں غلطی ہوئی ہے اور یوں جھوم کے لوازم میں سے جو کو کہہ کر یہ تفسیر کر دی جائے تو مجازاً صحیح ہے اب زانو کی مناسبت سے ارشاد ہوتا ہے کہ) زانو مارنا (یعنی زانو پر ادب سے استاد کے روبرو بیٹھنا) اس وقت مفید ہے جب تعلیم وقت ہو اور اس تعلیم میں ایسے زانو مارنے سے تجھ کو ڈرائیں اور بچائیں (ورنہ جب عذاب الہی کا معائنہ ہو گیا اب اضطراری زانو زدن کس کام کا ہے قال تعالیٰ فلم یک یفعمہم ایمانہم لما راؤ ابا سنا اور یہاں تو ہلاکت کا زانو زدن تھا ندامت معذرت کا بھی نہ تھا) غرض اس حالت میں زخم قہر کے منتظر ہو کر بیٹھے تھے کہ قہر آیا اور تمام شہر کو نیست و نابود کر دیا۔

صالح از خلوت بسوئے شہر رفت	شہر دید اندر میان دو دو تفت
(حضرت) صالح خلوت سے شہر کی جانب گئے	شہر کو دھوئیں اور سوکھی میں دیکھا
نالہ از اجزائے ایشاں می شنید	نوحہ پیدا، نوحہ گویاں نا پدید
ان کے اجزاء سے نالہ سنتے تھے	رونا موجود تھا رونے والے معدوم تھے
زاستخوانہا شاں شنید او نالہا	اشک خوں از جان شاں چوں ژالہا
انہوں نے ان کی ہڈیوں سے رونا سنا	ان کی جانوں سے خون کے آنسو اولوں کی طرح (دیکھے)
گریہ چوں از حد گذشت وہائے ہائے	گریہ ہائے جانفزائے دلربائے
رونا اور ہائے ہائے جب حد سے گزر گیا	وہ رونا جو جانفزا اور دلربا تھا
صالح آں بشنید و گریہ ساز کرد	نوحہ بر نوحہ گراں آغاز کرد
(حضرت) صالح نے وہ سنا اور رونا شروع کر دیا	رونے والوں پر رونا شروع کر دیا

یعنی حضرت صالح علیہ السلام خلوت سے (کہ ہلاکت کے وقت آپ علیحدہ ہو گئے تھے) شہر کی طرف متوجہ ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ (آثار قہر سے) تمام شہر دھواں دھار ہو رہا ہے ان کے اجزاء سے رونے چلانے کی آواز آ رہی تھی (یہ نالہ عالم برزخ میں بوجہ تعذیب کے تھا آپ کو مکشوف ہو گیا اور ہر چند کہ وہ عذاب روح کو ہوتا ہے مگر بعض اوقات ان اجزائے جسمیہ پر بھی اسکا اثر نمودار ہوتا ہے چنانچہ قبر میں سے بہت سے حالات برزخیہ منکشف ہوتے ہیں) نوحہ تو ظاہر ہو رہا تھا اور نوحہ گریہ پیدا (اور ہلاک) ہو چکے تھے ان

کی ہڈیوں سے یہ نالے سنائی دیتے تھے اور اشک خونیں ژالہ کی طرح (یعنی بکثرت) ان کی ارواح (معذبہ) سے جاری تھے جب ان کا گریہ اور ہائے ہائے حد سے متجاوز ہوا اور گریہ بھی کیا تھا کہ جانفزا اور دلربا تھا (دلربا تو بایں معنی کہ اس کو سن کر ہوش و حواس اڑے جاتے تھے اور جانفزا اس لئے کہ ان کو سن کر عبرت ہوتی تھی اور تکمیل حیات روحانیہ کے لئے آمادگی پیدا ہوتی تھی) اس وقت (براہ شفقت) حضرت صالح علیہ السلام نے اس کو سن کر رونا اور ان نوحہ گروں پر نوحہ (یعنی غم) کرنا شروع کیا۔

گفت اے قوم باطل زیستہ	وز شما من پیش حق بگریستہ
فرمایا: اے باطل میں زندگی بسر کرنے والی قوم!	اور تم سے میں خدا کے سامنے نالاں رہا ہوں
حق بگفتہ صبر کن بر جور شماں	پند شماں وہ بس نماند از دور شماں
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ان کے ظلم پر صبر کر	ان کو نصیحت کر ان کا دور زیادہ نہیں رہا ہے
من بگفتہ پند شد بند از جفا	شیر پند از مہر جوشد و ز صفا
میں نے عرض کیا نصیحت جو روح جفا کی وجہ سے بند ہوگی	نصیحت کا دودھ محبت اور صاف دلی سے جوش میں آتا ہے
بسکہ کر دید از جفا بر جائے من	شیر پند افسرد در رگہائے من
میرے ہارے میں تم نے بہت ظلم کئے	نصیحت کا دودھ میری رگوں میں ٹھنڈا کیا
حق مرا گفتم ترا لطفی دہم	بر سر آں زخمہا مرہم نہم
اللہ (تعالیٰ) نے مجھ سے فرمایا تجھے (مفت) لطف عطا کروں گا	ان زخموں پر مرہم رکھ دوں گا
صاف کردہ حق دلم را چوں سما	روفتہ از خاطر م جو ر شما
اللہ (تعالیٰ) نے میرے دل کو آسمان کی طرح صاف کر دیا	تمہارے ظلم کو میری طبیعت سے جھاڑ دیا
در نصیحت من شدہ بار دگر	گفتہ امثال و سخنها چوں شکر
میں دوبارہ نصیحت میں لگ گیا ہوں	شکر جیسی باتیں اور مثالیں کہنے لگا ہوں
شیر تازہ از شکر انگیختہ	شیر و شہدے باشکر آمیختہ
شکر سے تازہ دودھ نکالا	دودھ اور شہد کو شکر سے ملایا
در شما چوں زہر گشتہ این سخن	زانکہ زہرستاں بدید از تیخ و بن
اس بات نے تم میں زہر کا کام کیا	اس لئے کہ تم جڑ اور بنیاد سے سراپا زہر تھے

(یعنی اس نوحہ میں آپ نے اس قوم کو خطاب شروع کیا یا تو زبان قال سے اگر اموات کے لئے سماع ثابت ہو جیسا صوفیہ اس طرف گئے ہیں یا زبان حال سے اگر سماع ثابت نہ ہو جیسا اہل ظاہر کا مسلک ہے بہر حال مضمون خطاب کا یہ تھا کہ) آپ نے فرمایا اے قوم جنہوں نے تمام زندگی باطل ہی میں بسر کی اور میں تمہارے ہاتھوں (ہمیشہ) حق تعالیٰ کے سامنے روتا ہی رہا جس پر حق تعالیٰ نے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ ان کی کج ادائیگی پر صبر کرو اور ان کو (بدستور) نصیحت کرتے رہو کیونکہ ان کا دورہ اب تھوڑا ہی باقی

ہے اس پر میں نے عرض کیا کہ نصیحت تو ان کے جو رو جفا کی وجہ سے (جو انقباض طبیعت ہو گیا اس سے) بند ہو گئی کیونکہ نصیحت جو بمنزلہ دودھ کے جب مخاطب سے محبت ہو اور اس کی طرف سے دل صاف ہو جب ہی جوش زن ہوتی ہے (اور وجہ میرے اس عرض کرنے کی جناب باری تعالیٰ میں یہ ہوئی تھی کہ تم نے میرے حال پر بہت سی جفائیں کی تھیں اس لئے شیر نصیحت میری عروق میں منجمد اور ساکن ہو گیا تھا (کہ اس کو جوش نہ ہوتا تھا) حق تعالیٰ نے (میرے معروضہ کے جواب میں) ارشاد فرمایا کہ میں تم کو صفت لطف عطا فرما دوں گا (جس سے افسردگی و انقباض کا اثر نہ رہے گا جو مانع و عطف ہے) اور ان زخموں پر (جو ان کی جفاؤں سے پہنچے ہیں مرہم رکھ دوں گا) (کہ ان کا الم مغلوب ہو جائے گا) غرض حق تعالیٰ نے میرا دل آسمان کی طرح صاف کر دیا اور میرے دل سے تمہارے جو رو جفا کا اثر بالکل زائل کر دیا اس لئے میں مکر نصیحت میں مشغول ہو گیا اور طرح طرح کی مثالیں اور مضامین جو (حلاوت و لذت میں) مثل شکر کے تھے بیان کرنے لگا (اور وہ مضامین خوشگواری و شیرینی میں ایسے تھے) جیسے تازہ دودھ شکر سے پیدا ہوا ہو (ایسا) شیر و شہدان مضامین میں ملا ہوا تھا مگر تمہارے اندر (تمہارے انکار کے سبب) ان مضامین نے زہر کا کام کیا کیونکہ تم اصل فطرت سے زہرستان تھے اس لئے بد استعدادی سے نافع بھی مضر اور موجب ہلاکت ہو گیا جیسا کہا ہے ہر چیز کہ درکان نمک رفت نمک شد + ف: اصل مضمون اس خطاب بعد الہلاک کا قرآن مجید میں مذکور ہے قال تعالیٰ فاصبحوا فی دارہم جائمین فتولی عنہم و قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم و لکن لاتحبون الناصحین۔

چوں شوم غمگین کہ غم شد سرنگوں	غم شما بودید اے قوم حروں
میں غمگین کیوں ہوں جبکہ غم اوندھا ہو گیا؟	اے سرکش قوم! غم تو تم تھے
ہیچ کس بر مرگ غم نوحہ کند	ریش سرچوں شد کسے موبر کند
غم کے شتم ہو جانے پر کوئی روتا ہے؟	جب سر کا زخم اچھا ہو جائے کون ہال اکھاڑتا ہے؟
رو بخود کرد و بگفت اے نوحہ گر	نوحہ ات رامی نیر زنداں نفر
اپنی طرف رخ کیا اور کہا اے نوحہ گرا	یہ لوگ تیرے نوحے کے لائق نہیں ہیں
کشمخوال اے راست خواندہ مبین	کیف اسی خلف قوم کافرین
اے قرآن مبین کے صحیح پڑھنے والے! غلط نہ پڑھ	میں کافروں کی قوم پر کس طرح مخواری کروں؟

یعنی بعد خطاب قوم کے بطور استفہام کے اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوئے اور تسلی کے واسطے بطریق تعجب فرمانے لگے کہ (بھلا کوئی شخص غم کے زوال پر بھی نوحہ کیا کرتا ہے مثلاً سرکار زخم جاتا رہے تو کیا کوئی شخص (غم میں) بال نوحہ کرتا ہے) (یعنی ایسا نہیں ہوتا ہے) پھر میں غمگین کیوں ہوتا ہوں جبکہ غم سرنگوں ہو گیا یعنی اے سرکشو تم لوگ غم تھے (کہ ہلاک و سرنگوں ہوئے گویا غم ہلاک ہو گیا تو خوش ہونا چاہیے) اور اپنے کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ اے نوحہ گر (کہ ان کی ہلاکت پر تاسف کرتا ہے) یہ لوگ تیرے نوحہ کے قابل نہیں (اب مولانا اس مضمون پر قرآن مجید سے استشہاد فرماتے ہیں کہ اے صحیح پڑھنے والے کلام مبین یعنی قرآن مجید کے تم غلط مت پڑھنا (دیکھو قرآن میں ہے کیف اسی علی قوم کافرین یعنی میں کیونکر مغموم ہوں قوم کفار) کی

ت) پر (اور خلف بجا ہے علی کے بطور روایت بالمعنی کے بضرورت شعر لے آئے اور ہر چند کہ یہ قول شعیب علیہ السلام کا جو بعد ہلاکت اپنی قوم کے فرمایا تھا مگر چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے طبائع و معاملات متشابہ و متقارب ہوتے ہیں اور صالح علیہ السلام کے کلام میں لاجنون الناصحین مذکور بھی ہے جس کے لوازم عادیہ سے یہ ہے ناصح کا محزون نہ ہونا ان کے اس پر اس لئے اس اجمال کو اس عبارت شعیبیہ سے مفصل کر دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کو اسی قصہ میں اس آیت کا ہونا خیال گزرا ہو اور یہ کوئی مضائقہ و نقصان کی بات نہیں۔

باز اندر چشم خود او گریہ یافت	رحمت بے علتی بروے بتافت
پھر ان (صالح) نے اپنی آنکھ میں رونا محسوس کیا	بے علت رحمت نے ان پر تجلی کی
قطرہ می بارید و حیراں گشتہ بود	قطرہ بے علت از دریائے جود
قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ (صالح) حیران تھے	وہ قطرے جو بخشش کے دریا سے کسی وجہ کے بغیر آ رہے تھے
عقل اومی گفت کہ ایں گریہ ز چیست	بر چنین افسوسیاں شاید گریست
ان کی عقل کہتی تھی کہ یہ رونا کس وجہ سے ہے؟	ایسے ظالموں پر رونا چاہیے؟
برچہ می گریی بگو بر فعل شاں	بر سپاہ کینہ بد نعل شاں
کس چیز پر روتے ہو؟ بتاؤ ان کے کاموں پر	ان کی پر کینہ شریہ فوج پر
بر دل تاریک پر زنگار شاں	بر زبان زہر ہچموں مار شاں
ان کے زنگ آلود تاریک دل پر	ان کی سانپ جیسی زہر آلود زبان پر
بر دم و دندان سگسار انہ شاں	بر دہان و چشم کژدم خانہ شاں
ان کے کتوں جیسے دانتوں اور سانس پر	ان کے منہ اور آنکھ پر جو بچھوؤں کا گھر تھے
برستیز و تسخر و افسوس شاں	شکر کن چوں کرد حق محبوس شاں
ان کی جگبجوبی اور تمسخر اور ظلم پر	اللہ (تعالیٰ) کا شکر کرو جبکہ اللہ نے ان کو گرفتار کر لیا ہے
دست شاں کژپائے شاں کژ چشم کژ	مہر شاں کژ صلح شاں کژ چشم کژ
ان کے ہاتھ کج ان کے پیر کج آنکھیں کج	ان کی محبت کج ان کی دوستی کج غصہ کج
از پئے تقلید و از آیات نقل	پانہادہ برسر ایں پیر عقل
تقلید اور منقول کہانیوں کی وجہ سے	اس عاقل شیخ کے سر کو پامال کر رکھا تھا
پیر خر نے جملہ گشتہ پیر خر	از زبان و چشم و گوشے ہمدگر
پیر کے خریدار نہیں تھے سب بوزے گدھے ہو گئے تھے	ایک دوسرے کی زبان اور آنکھ اور کان کی وجہ سے

از بہشت آورد یزداں بندگاں تا نماید شاں سقر پروردگاں

اللہ (تعالیٰ) اپنے بندوں کو بہشت سے (اس لئے) باہر لایا تاکہ انہیں دوزخیوں (کے انجام) کو دکھائے

(یعنی گواہی دینے کو بہت تسلی دی مگر) پھر اپنی آنکھ میں گریہ کا اثر پایا اور حق سبحانہ و تعالیٰ کی (صفت رحمت نے جو محض بے علت ہے ان پر تجلی فرمائی) (یعنی بلا سبب غم پانا فیضان رحمت قدیمہ تھا جو بندوں کے حال پر محض فضل سے متوجہ ہوتی ہے) آنسو برسارے تھے اور حیران تھے (کہ مجھ کو کیوں رونا آتا ہے) اور وہ آنسو دریائے جود (رحمت حق) سے بے علت آ رہے تھے + آپ کی عقل کہتی تھی کہ رونے کی کیا وجہ بھلا ایسے ظالموں پر کہیں رونا مناسب ہے آخر کس بات پر روتے ہو تلاء تو سہی کیا ان کے افعال بد پر روتے ہو کیا ان کے کینہ و گروہ پر روتے ہو جو بد نعل اسپ کی طرح (جو نعل لگانے کے وقت کو دے اچھے سرکش) تھے۔ کیا ان کے قلب تاریک پر روتے ہو جو سراسر زنگ آلود تھا۔ کیا ان کی زہریلی زبان پر روتے ہو جو سانپ کے مثل تھی کیا ان کی گفتار و دندان پر روتے ہو جو کتے کے دانت کی طرح تھے۔ کیا ان کی زبان و چشم پر روتے ہو جو مسکن ہے کڑم کا (یعنی اس سے ایسی بات اور نظر نکلتی ہے جو موذی ہو) کیا ان کی جنگ اور تمسخر اور ظلم پر (جو اہل ایمان کے ساتھ کرتے تھے) روتے ہو (یعنی ان کی تو ساری چیزیں بری تھیں ایک بھی رونے کے اور اس کے فوت پر افسوس کرنے کے قابل نہیں) ان کے ہاتھ کج تھے پاؤں کج تھے آنکھ کج تھی (کہ نامرضیات حق میں مصروف اور مشغول تھے) ان کی محبت کج تھی ان کی صلح کج تھی ان کا غصہ کج تھا (کہ محل نامشروع میں صرف ہوتی تھی اب مولانا ان کی کجی کی علت بیان فرماتے ہیں کہ) محض (آبا و اجداد گمراہ کی) تقلید سے اور انہیں گمراہوں سے جو (نظارہ منقول) تھی ان سے اس شیخ عاقل (کامل یعنی حضرت صالح علیہ السلام) کو پامال (اور بے قدر) کر رکھا تھا اور وہ لوگ پیر کے خریدار (یعنی طالب شیخ کامل) نہ تھے بلکہ سب کے سب بوڑھے گدھے (کی طرح احمق) بن رہے تھے ایک دوسرے کی زبان و چشم و گوش کی بدولت (یعنی باہم ایک کی دوسرا زبان سے تعریف کرتا ایک دوسرے کی بات سنتا ایک دوسرے کی نظر وقعت سے دیکھتا اس سے سب اپنے کو ذی رائے و مستغنی عن الہدایۃ سمجھتے تھے اس لئے سب گمراہ رہے آگے اس کی ایک مجمل وجہ بتلاتے ہیں کہ جب کفار کو گمراہ رکھنا اور ہلاک کرنا مقصود تھا تو حضرت انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا اور ان کا تبلیغ کرنا اور ان کا کفار سے طرح طرح کی تکالیف جھیلنا اور سب کا جو ظاہر اصلی نتیجہ ہے کہ مخاطبین کو ہدایت ہو اس کا مرتب نہ ہونا اس میں کیا حکمت ہے اس سے تو یہ حضرات عالم قدس میں رہتے تو ان سب تشویشات سے محفوظ رہتے پس فرماتے ہیں کہ) حق تعالیٰ اس لئے بہشت سے (یعنی مقام مشاہدہ انوار و قرب سے مقبول) بندوں کو اس عالم دنیا میں (لائے ہیں تاکہ ان کو سقر پروردہ لوگوں کا تماشا دکھلا دیں) (سقر پروردہ سے مراد کفار ہیں کہ اصل مرجع ان کا سقر ہے جیسا مرجع پروردہ کا مربی ہوتا ہے قال تعالیٰ فامہ ہاویہ یعنی منجملہ بہت سے اسرار کے اس میں ایک مختصر حکمت یہ ہے کہ اہل جنت کو اہل دوزخ کی مفصل حالت دکھلانا منظور تھی کہ ان لوگوں کے یہ افعال و اعمال ہوتے ہیں اور دوزخ میں جانے کے یہ اسباب ہوتے ہیں اور یہ موقوف تھا اس پر کہ ہادی لوگ یہاں اگر دعوت کریں تاکہ انکار موجب استحقاق نار ہو اور اگر یہ حضرات یہاں نہ آتے تو نہ استحقاق کی کوئی وجہ تھی اور نہ ان کو مشاہدہ ان اعمال کا ہوتا اور قیامت میں صرف عقوبت کا مشاہدہ ہو گا نہ اعمال کا پس یہ ایک حکمت ہے اس معاملہ میں جس سے مقصود معرفت حق تعالیٰ کی ہے اور وہ خود مقصود بالذات ہے اور اس حکمت میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ افعال حق میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں صرف سائل کو کسی قدر تسلی دینا ہے۔

در معنی آیت مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا یبغیان

(اس آیت کے معنی کے بیان میں چلائے دو دریا مل کر چلنے والے ان دونوں میں ہی ایک پردہ جو ایک

دوسرے پر زیادتی نہ کرے“

اہل نار و خلد را ہیں ہمدکاں	درمیان شاں برزخ لا یبغیان
جہنیوں اور جنتیوں کو ہمیشیں دیکھ	انکے بیچ میں پردہ ہے ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہیں
اہل نار و اہل نور آمیختہ	درمیان شاں کوہ قاف ائیختہ
ناری اور نوری ملے جلے ہیں	ان کے درمیان کوہ قاف کڑا ہے
اہل نار و نور باہم درمیاں	درمیان شاں بحر ژرف بیکراں
ناری اور نوری آپس میں متحد ہیں	ان کے درمیان ناپیدا کنار گہرا سمندر ہے
ہمچو درکاں خاک وزر کرد اختلاط	درمیان شاں صد بیابان و رباط
جس طرح معدن میں مٹی اور سونا باہم ملے ہوئے ہیں	ان کے درمیان سینکڑوں جنگل اور سرائے ہیں
ہمچنانکہ عقد در در و شبہ	مخلط چوں میہمان یکشبہ
جس طرح کہ ہار میں موتی اور پتھر	ایک رات کے مہمان کی طرح ملے جلے ہوئے ہیں
صالح و طالح بصورت مشتبہ	دیدہ بکشا بو کہ گردی منتبہ
نیک اور بد صورت میں ملے جلے ہیں	آنکھ کھول ہو سکتا ہے تو آگاہ ہو جائے
بحر را ہمیش شیریں چوں شکر	طعم شیریں رنگ روشن چوں قمر
سمندر کا آدھا شکر جیسا میٹھا	میٹھا مزا رنگ چاند جیسا چمکدار
نیم دیگر تلخ ہمچوں زہر مار	طعم تلخ و رنگ مظلم قیروار
دوسرا آدھا سانپ کے زہر کی طرح کڑوا	مزا کڑوا اور رنگ روغن قیر کی طرح کالا

اوپر کے شعر سے مفہوم ہوا تھا کہ دنیا میں بہشتی اور دوزخی دونوں طرح کے لوگ موجود ہیں اب فرماتے ہیں کہ دنیا میں دونوں کی حالت ظاہر نظر میں مشتبہ و غیر متمیز ہے اس لئے قدرے بصیرت و احتیاط سے کام لینا چاہیے یعنی ان میں جو اسباب خفیہ امتیاز کے ہیں اور وہ ان کی صفات محمودہ و مذمومہ ہیں ان میں تامل کر کے دونوں کو شناخت کرنا چاہیے مقصود مولانا کا بچانا ہے اہل باطل کے پنچہ میں پھنس جانے سے اور اہل کمال کی خدمت میں گستاخی اور بے تو جہی کرنے سے اور اس ظاہری اشتباہ و اختلاط اور حقیقت میں ممتاز و متفاوت ہونے کو تشبیہ دیتے ہیں ان دریاؤں سے جن میں ایک شیریں ایک تلخ ہے مگر ظاہر میں ملے ہوئے چل رہے ہیں جیسا بہت جگہ واقع ہے چنانچہ خود کلکتہ میں جہاں سب دریا سمندر میں گرے ہیں میٹھا دریا ایسا ہی ہے پس مولانا کا مقصود تشبیہ دینا

ہے نہ تفسیر کرنا فہم) یعنی اہل نارواہل خلد کو ایک دکان میں (کہ دنیا ہے) بیٹھا ہوا دیکھ لو مگر واقع میں ان کے درمیان میں ایک حجاب ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے مختلط نہیں ہونے پاتے (اور حجاب اختلاف ہے صفات و اخلاق کا جن میں تامل کرنے سے کھلم کھلا تفاوت محسوس ہوتا ہے جیسا مشاہدہ ہے) اہل نارواہل نور (بظاہر باعتبار صورت و حوان کج بشریہ کے) باہم مختلط ہیں مگر ان کے درمیان میں (معنوی تفاوت اتنا بڑا ہو جیسا) کوہ قاف کھڑا ہے اہل نارواہل نور (صورۃ) متحد ہیں مگر (معنی) درمیان میں ایک دریائے عمیق بے پایاں (حائل) ہے (جیسا ابھی گزرا) اس کی ایسی مثال ہے جیسے معدن میں خاک اور زر اختلاط کئے ہوئے ہیں (کیونکہ سونے کے اجزاء ان ہی اجزاء ارضیہ میں ملے ہوتے ہیں) مگر دونوں کے درمیان میں (اتنا بڑا تفاوت ہے جیسے) صد ہایا باہ اور کاروان سرائیں (وہ تفاوت اختلاف ماہیت کا ہے کہ خاک اور نوع ہے سونا اور نوع ہے) دوسری مثال جیسے لڑی کے اندر موتی اور پوتھ مختلط ہوتے ہیں جیسے ایک رات کا مہمان (کہ اس سے عارضی اختلاط ہے بہت جلد مفارقت ہو جائے گی پس صورت دونوں کی یعنی موتی اور پوتھ کی ایک سی ہے لیکن ماہیت میں اختلاف ہے اور اگر بکنے لگے تو ظاہر میں بھی جدائی پیدا ہو جاتی ہے) پس اسی طرح صار اور طالح میں مشتبه ہوتے ہیں ذرا آنکھ کھولو شاید کہ تم کو اغتابہ ہو جائے (اس میں تصریح ہے مقصود بالمقام کی یعنی چشم بصیرت میں تمیز کر تیسری مثال ایک دریا کا نصف (حصہ) تو شکر کی طرح شیریں ہے مزہ بھی شیریں رنگ بھی روشن جیسے چاند اور دوسرا نصف (حصہ) ہے جیسے سانپ کا زہر مزہ بھی تلخ رنگ بھی تاریک جیسا روغن قیر ہوتا ہے (یہ ایک سیاہ روغن ہے خارش اذیتوں کو مٹاتا ہے)

ہر دو برہم میزنند از تحت و اوج	بر مثال آب دریا موج موج
دونوں آپس میں اوپر اور نیچے سے ٹکراتے ہیں	موج در موج دریا کے پانی کی طرح
صورت برہم زدن از چشم تنگ	اختلاط جانہا در صلح و جنگ
نگ نظری کی وجہ سے ایک دوسرے سے بھڑنا	صلح اور جنگ میں روجوں کا شامل ہونا ہے
موجہائے صلح برہم میزنند	کینہ ہا از سینہ ہا برمی کند
(نوری) صلح کی موجوں کو اہماتے ہیں	سینوں سے کینوں کو نکالتے ہیں
موجہائے جنگ بر شکل دگر	مہر ہا را می کند زیر و زبر
(ناریوں کی) جنگ کی موجیں (ایکے) برعکس	محبوں کو دہالا کرتی ہیں
مہر تلخاں را بشیریں می کشد	زانکہ اصل مہر ہا باشد رشد
مبت کز دود کو مٹانے کی طرف کھینچتی ہے	اس لئے کہ محبتوں کی اصل راہ روی ہے
قہر شیریں را بہ تلخی می برد	تلخ باشیریں کجا اندر خورد
عداوت مٹنے کو تلخ بناتی ہے	کڑوا مٹنے سے کب مناسبت رکھتا ہے؟

(اوپر کے اشعار میں اتقیاء و اشتیاء کی نسبت تین حکم کہے ہیں اول ان میں باہم تفاوت ہونا۔ دوم اس تفاوت کا لازم ہونا چنانچہ ان کے درمیان میں بروز لا یبغیان اور کوہ قاف اور بحر ثرف اور صد بیابان اور رباط کا اثبات کرنا دونوں حکم کے لئے

مفید ہے سوم اس تفاوت کا خفی ہونا جس پر مقام ہذا کے مقصود اصلی یعنی تحقیق تمیز کو متفرع کیا ہے جیسا۔ صالح و طالح بصورت مشتبه الخ میں اس کی مع مقصود کے تصریح ہے۔ اب یہاں سے تقریر ان ہی احکام و مقصود مذکور کی ہے پس اول ان اشعار میں اس تفاوت کا لزوم جس سے مطلق تفاوت بھی مستفاد ہو جائے گا بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا تفاوت اس درجہ لازم ہے کہ باوجود یکہ صلحا طالحین کو اپنا جیسا اور طالحین صلحا کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں مگر پھر بھی صالح صالح رہتا ہے اور طالح طالح یعنی سعید و شقی ازلی نہیں بدلتا اور صلاح و عدم صلاح میں ازلیت و اصلیت ہی معتبر ہے چنانچہ اسی کی تفصیل فرماتے ہیں کہ دونوں صالح و طالح تحت و فوق سے یعنی مختلف پہلوؤں سے (ایک دوسرے پر غلبہ کرنا چاہتے ہیں) (جس کی تفسیر آگے آتی ہے) جس طرح آب دریا میں مختلف موجیں (شیریں موج الگ اور تلخ موج الگ) اٹھتی ہیں (جس سے بدالالت حال یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دریائے مذکور کا حصہ شیریں چاہتا ہے کہ میں تلخ کو دبالوں اور اس کو مغلوب کر کے شیرینی میں اپنا تابع بنا لوں۔ اسی طرح گویا حصہ تلخ چاہتا ہے یہی حالت اتقیاء و اشقیاء کی ہے کہ ہر شخص اپنا اثر دوسرے پر پہنچانا چاہتا ہے جیسا تفسیر میں آئے گا) اور ان میں ایک کا دوسرے پر جسمانی طور پر غلبہ کرنا اصل میں اس کا سبب ارواح کا ایک دوسرے سے صلح و جنگ میں اختلاط کرنا ہے (اختلاط یہ کہ اتقیاء صلح اور خیر کا اثر اشقیاء پر ڈالنے کے لئے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جیسا تفسیر میں آئے گا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ارواح میں ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتے ہیں اسی کا یہ اثر ہے کہ اجسام بھی ایک دوسرے پر تسلط چاہتے ہیں اور تنگ جسم کی صفت واقعہ ہے جس کی وجہ مادیات کا محدود ہونا ہے پس مصرعہ اولی صورت برہم مبتدا ہے اور مصرعہ دوم اختلاط خبر ہے مبالغہٴ مسبب کو مبتدا اور سبب کو خبر بنا دیا جیسے کہا جائے۔ میاں روپیہ تو نوکری ہے اور بعض نسخوں میں چشم تنگ ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کیونکہ چشم سے آثار جسمانی ہی نظر آتے ہیں پس معنی یہ ہوں گے کہ جس برہم زدن کا ادراک چشم تنگ سے ہو رہا ہے اس کا سبب اصلی وہ ہے جو مصرعہ دوم میں مذکور ہے اس برہم زدن اور (اختلاط کی تفسیر مذکور ہے کہ) صلحا تو صلح کی موجوں کو (امواج جنگ پر) غالب کرنا چاہتے ہیں یعنی کینوں کو (جو اشقیاء کے قلب میں خدا اور رسول و اہل حق کی طرف سے ہیں ان کے) سینوں سے دور کرنا چاہتے ہیں اور جنگ کی موجیں (جو اشقیاء کے قلب میں ہیں) وہ اس کے برعکس صلح و موافقت حق کو (جو صفت ہے صلحاء کی) درہم و برہم (اور ان کے قلب سے زائل) کرنا چاہتے ہیں (یعنی یہ اشقیاء ان صلحاء کو مغلوب الاثر کر کے اپنے رنگ میں کہ عناد حق ہے رنگنا چاہتے ہیں) غرض صفت مہر و انقیاد (جو صلحاء کا خاصہ ہے تلخ لوگوں کو) (یعنی فاسد الاعتقاد و العمل لوگوں کو) شیرینی (یعنی ہدایت) کی طرف کھینچتی ہے (یعنی ان کو راہ حق پر لانے کی کوشش کرتی ہے) کیونکہ تمام تر مہر و خیر خواہی کی اصل اور سبب حقیقی اپنا راہ راست پر ہوتا ہے (یعنی خود ہدایت پر ہونا مقتضی ہوتا ہے دوسروں کو راہ ہدایت پر لانے کا) اور قہر و عناد (جو اشقیاء کا خاصہ ہے) شیریں لوگوں کو (یعنی صحیح الاعتقاد و العمل لوگوں کو) تلخی (یعنی ضلالت) کی طرف لانا چاہتا ہے (یعنی ان کو راہ باطل پر لانے کی کوشش کرتا ہے حاصل یہ کہ ہر فریق دوسرے کو اپنے رنگ میں منصغ کرنے میں اس درجہ سرگرم ہے مگر باوجود اس کے تلخ اور شیریں کہاں جوڑ کھاتے ہیں (اور کب مخلوط و متحد ہوتے ہیں یعنی شقی ازلی شقی رہتا ہے اور سعید ازلی سعید رہتا ہے یہ بیان ہو چکا لزوم تفاوت بین الاتقیاء و الاشقیاء کا)

تلخ و شیریں زیں نظر ناید پدید از دریچہ عاقبت تانند دید

کڑوا اور میٹھا اس نگاہ سے نظر نہیں آتا ہے انجام کے دریچے سے دیکھ سکتے ہیں

چشم آخر میں تو اند دید راست	چشم اول میں غرورست و خطاست
انجام پر نظر رکھنے والی آنکھ صحیح دیکھ سکتی ہے	ابتداء کو دیکھنے والی آنکھ دھوکا اور لٹلا ہے
اے بسا شیریں کہ چوں شکر بود	لیک زہر اندر شکر مضمحل بود
(اے) مخاطب بہت سی چیزیں شکر جیسی ہوتی ہیں	لیکن شکر میں زہر چمپا ہوا ہوتا ہے
آنکہ زیرک تر بود شناسدش	چونکہ دید از دورش اندر کشمش
جو زیادہ سمجھدار ہوتا ہے اس کو پہچانتا ہے	جبکہ دوسرے اس کو کشمش میں دیکھتا ہے
وآں دگر در پیش رو بوائے برد	وآں دگر چوں دست بنہد کردرد
اور وہ (دوسرا) سامنے آنے پر سوگمہ لیتا ہے	اور وہ (تیسرا) جب ہاتھ رکھتا ہے رد کر دیتا ہے
وآں دگر شناسدش تا بو کند	وآں دگر چوں برب و دندان نہد
اور وہ (چوتھا) اس کو جب پہچانتا ہے جب سوگمہ لیتا ہے	اور وہ (پانچواں) جب ہونٹ اور دانت پر رکھتا ہے (چھٹا) ہے
پس لبش روش کند پیش از گلو	گرچہ نعرہ میزند شیطان کلو
تو طلق سے پہلے ہی اس کے ہونٹ اس کو رد کر دیتے ہیں	اگرچہ شیطان نعرہ لگتا ہے کہ کما جاؤ
وآں دگر را در گلو پیدا کند	وآں دگر رادر بدن رسوا کند
اور وہ (چھٹا) طلق میں پہنچنے پر معلوم کر لیتا ہے	اور اس (ساتویں) کو بدن میں پہنچ کر شرمندہ کرتا ہے
وآں دگر را در حدث سوزش کند	دمبدم زخم جگر دوزش دہد
اور اس (آٹھویں) کے پانچواں پھرنے میں جلن پیدا کرتا ہے	پے در پے اس میں جگر دوز زخم پیدا کرتا ہے
وآں دگر را بعد ایام و شہور	وآں دگر را بعد مرگ اندر قبور
اور وہ (نواں) دنوں اور مہینوں کے بعد	اور اس (دسویں) کو مرنے کے بعد قبر میں
ور دہندش مہلت اندر قعر گور	لابدآں پیدا شود یوم النشور
اور اگر اس کو قبر کے گڑھے میں مہلت دے دیتے ہیں	لا محالہ وہ حشر کے دن ظاہر ہوتا ہے

(ان اشعار میں بیان ہے اس تفاوت بین الاتقیاء والاشقیاء کے حقیقی و مشتبہ ہونے کا نظر عوام میں بخلاف نظر بصیرت کے جیسا فرماتے ہیں کہ) تلخ و شیریں (یعنی تقی و شقی کو) اس نظر ظاہر بین سے متمیز نہیں کر سکتے البتہ در پچہ کہ (چشم) عاقبت (بین) سے دیکھ سکتے ہیں پس چشم انجام بین تو صحیح دیکھ سکتی ہے اور جو چشم اول بین ہونزا دھوکا اور غلطی ہے (مراد اول سے حالت ظاہری ہے جو چشم ظاہری سے اولاً مد رک ہوتی ہے سو اس میں سب اچھے برے مختلط ہیں خواہ صورت شکل لے لو خواہ میری غریبی لے لو خواہ ظاہری اخلاق و عادات لے لو اگر عادات طبعیہ کو تب تو اشتباہ ظاہری ہے کیونکہ وہ مشترک ہیں اور اگر اخلاق اختیار یہ کو تب بھی اس میں تزویرو فریب ممکن ہے گو اس پر دوام مشکل ہے مگر تاہم اشتباہ بعید نہیں۔ اور مراد آخر اور عاقبت سے حالت باطنی ہے جو نظر قلب و ذوق سلیم

سے ثانیاً یعنی حالت ظاہری کے بعد مد رک ہوتی ہے اسی لئے اس کو آخر کہا سواں میں اختلاط و اشتباہ نہیں ہوتا طریق اس کا یہ ہے کہ بعد ملاحظہ اعمال و اخلاق ظاہری کے کہ طریق سنت پر منطبق ہوں اس کی صحبت میں رہ کر یہ دیکھے کہ قلب کی کیا حالت ہے اگر نورانیت و جمعیت و حب الہی کی بیشی اور دنیا کی کمی اور امور خیر کی رغبت اور نامرضیات حق سے نفرت قلب میں پائے اس شخص کو کامل سمجھے اور اس سے استفادہ ہو اور اگر اس کے برعکس ظلمت و کدورت و پریشانی پائے اس سے اجتناب کرے اور اگر کوئی تفاوت خیر یا شر میں نہ پائے قدرے اور انتظار کرے اگر یہی حالت رہے تو اس کی نسبت کچھ نہ سمجھے دوسری جگہ طلب کرے آگے عاقبت بینی کی وجہ ضرورت فرماتے ہیں کہ بہت سے شیریں ایسے ہیں کہ شکر کی طرح ہیں لیکن اس شکر میں زہر بھی مضمر ہے (اسی طرح بعض لوگ ظاہر میں صلحاء کی صورت بنائے ہیں مگر ان کے اندر اخلاق ذمیرہ ریا و سمعہ یا فساد عقائد یا حب دنیا پوشیدہ ہوتی ہے) جو شخص خوب زیرک ہوتا ہے وہ تو دور ہی سے اس زہر آلود شیرینی کو کشمکش (یعنی رکھنے اٹھانے) میں دیکھ کر پہچان لیتا ہے (اسی طرح جن کے قلب میں نور فراست ہے ان کو زیادہ خوض و تجربہ کی ضرورت نہیں اس کے ناقص ہونے کو پہچان جاتے ہیں) اور دوسرا آدمی ذرا پاس آنے سے پتہ لگا لیتا ہے اور تیسرا اس کو ہاتھ لگانے اور ٹٹولنے سے واپس کر دیتا ہے اور چوتھا جب سونگھے جب پہچانتا ہے اور پانچواں جب لب و دندان اس پر مارے اس وقت نکلنے سے پہلے اس کا لب ظاہر کر دیتا ہے (اس میں زہر ہے) اگر شیطان (قوت شہوانیہ) لگا کرتا ہے کہ کھا بھی جا اور چھٹے کو گلے کے اندر معلوم ہوتا ہے اور ساتویں کو بدن میں پہنچ کر رسوا کرتا ہے (کہ زہر پھیلتا ہے اور کرب محسوس ہوتا ہے اور آٹھویں کو پاخانے میں سوزش دیتا ہے اور وقتاً فوقتاً ایسی تکلیف دیتا ہے جو جگر سے پار ہو جاتی ہے اور نویں اور دسویں کو کچھ دنوں یا کچھ مہینوں کے بعد (اثر محسوس ہوتا ہے یہ سب مراتب ظہور اثر مشبہ بہ یعنی زہر کے اور درجات اس کے شناخت کنندوں کے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسی طرح ناقصین و اہل تزویر کی شناخت کرنے والوں کے مراتب مختلف ہیں بعض نور فراست سے فوراً پہچان لیتے ہیں جیسا سب سے اول بیان ہوا بعض ان کے پاس دو چار بار بیٹھنے سے بعض کسی قدر مخالطت و معاملات کرنے سے بعض ساہا سال کے بعد شناخت کرتے ہیں چونکہ مقصود ذکر مشبہ بہ سے بیان حال مشبہ کا ہے اس لئے تفاوت درجات شناخت مشبہ بہ پر بعض درجات شناخت مشبہ کو عطف کر کے فرماتے ہیں کہ) بعض کو مرنے کے بعد قبر میں معلوم ہوگا (کہ ہم نے تمام عمر ایک گمراہ کے اتباع میں بسر کی جس نے عقائد باطلہ کو عقائد حقہ کے رنگ میں ملمع کر کے جہل میں مبتلا رکھا بعد مرگ ان کا باطل ہونا معلوم ہوا) اور اگر بعض کو قعر گور میں بھی مہلت دیدی جائے گی تو قیامت کے روز اس کا ظہور ہوگا (یہ حکم اس نقصان کے اعتبار سے صحیح ہو سکتا ہے جو باوجود صحت عقائد و اعمال کے مراتب کمال اخلاص حاصل نہ ہوں تو چونکہ اس پر تعذیب تو ہے نہیں اس لئے بعد مرگ معلوم ہونا ضروری نہیں۔ البتہ قیامت میں جب اہل خلوص کامل کو درجات عالیہ ملیں گے اور اس کو کم اس وقت معلوم ہوگا کہ میرا ہادی ناقص تھا جو ان مراتب کمال پر اطلاع نہ دے سکا یا اگر عام لیا جائے تو یہ توجیہ ہوگی کہ ہر چند کہ بعد موت انکشاف آثار و اعمال و احوال کا ہو جاتا ہے مگر چونکہ پوری سزا قیامت میں ہوگی اس لئے تفصیل ثمرات اسی وقت معلوم ہوگی اور اس کے مقابلہ میں علم برزخی مجمل ہے)

مہلتے پیدا ست از دور زماں	ہر نبات و شکرے را در جہاں
رفار زمانہ سے ایک وقت درکار ہے	ہر مصری اور شکر کے لئے دنیا میں
لعل یا بدرنگ و رخشانی و تاب	سالہا باید کہ تا از آفتاب
لعل رنگ اور چمک اور روشنی حاصل کرے	سالوں چاہیں تاکہ سورج سے

پنج سال و ہفت باید تا درخت	یا بد از میوہ رسائی فرو بخت
پانچ اور سات سال درکار ہیں تاکہ درخت	پھل دینے کی وجہ سے شان و شوکت اور نصیبہ حاصل کرے
باز ترہ در دو ماہ اندر رسد	باز تا سالے گل احمر رسد
پھر ہزی دو مینے میں تیار ہو جاتی ہے	اور گلاب کا پھول ایک سال میں آتا ہے
بہر ایں فرمود حق عزوجل	سورۃ الانعام در ذکر اجل
اسی لئے اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا ہے	سورۃ انعام کو مدت کے بارے میں

(اوپر کے اشعار میں ادراک حقیقت کے مراتب مختلفہ کا بیان کیا تھا کہ کسی کو جلدی ادراک ہوتا ہے کسی کو بدیر اور اس اختلاف کی وجہ ظاہری تو ظاہر تھی کہ قوائے ادراک مختلف ہیں یہاں اس کی وجہ حقیقی بتلاتے ہیں کہ) ہر نبات اور شجر کے لئے عالم میں دور زمانہ سے ایک میعاد خاص متحقق ہے چنانچہ آفتاب سے لعل میں رنگ درخشانی پیدا ہونے کے لئے تو کئی سال چاہئیں پھر ترکیبی کو دیکھو کہ دو ہی ماہ میں اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے پھر گل سرخ ہے کہ ایک سال میں پھول آتا ہے اسی لئے حق عزوجل نے سورۃ انعام کی (آیت کو) ذکر میعاد میں فرمایا ہے کما قال تعالیٰ ثم قضیٰ اجلاً و اجلاً مسمیٰ عنده ثم انتم تمترون۔ حاصل وجہ کا یہ ہوا کہ چونکہ علم الہی میں ہر شے کا وقت مقرر و مقدر ہے اس لئے جس شخص کے ادراک کا جو وقت معین ہے اسی وقت ادراک ہوتا ہے)

ایں شنیدی موبہمویت گوش باد	آب حیوانست خوردی نوش باد
تو نے یہ سنا خدا کرے تیرا رواں رواں کان بن جائے	جو تو نے پیا آب حیات ہے خدا کرے تریاق ثابت ہو
آب حیواں خواں مخواں ایں راسخن	روح نوبیں در تن حرف کہن
اس کو آب حیات کہہ بات نہ کہہ	پرانے حرفوں کے قالب میں نئی روح دیکھ

یعنی یہ تحقیق مذکور (کہ اتقیاء و اشقیاء ظاہر میں مشتبہ اور نظر بصیرت میں متمیز ہیں) تم نے سن لی خدا کرے تمہارا بال بال گوش ہو جائے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کی فہم میں تمہاری اعانت کریں) اور واقع میں یہ تحقیق مثل آب حیات کے (زندگی بخش و نفع بخش) ہے خدا کرے تم کو نافع ہو اور اس تحقیق کو نہ آب حیات کہو (معمولی) بات مت کہو اور روح تازہ (یعنی مضمون تازہ) کو الفاظ کہہ نہ (مستعملہ قدیمہ) کے قالب میں دیکھ لو (مخاطب کے قبول و قدر کرنے اور اس سے منفع ہونے کے لئے مدح کردی اور یہ عین شفقت ہے)

نکتہ دیگر تو بشنو اے رفیق	ہمچو جاں او سخت پیدا و دقیق
اے دوست! تو ایک دوسرا نکتہ سن	جو روح کی طرح بالکل ظاہر بھی ہے اور باریک بھی ہے
در مقامے ہست ایں ہم زہر مار	از تصاریف خدائے خوشگوار
ایک جگہ یہ سانپ کا زہر ہے	خدا کے تصرفات سے جو خوشگوار (بنانے والا) ہے
در مقامے زہر و در جائے دوا	در مقامے کفر و در جائے روا
ایک جگہ زہر ہے اور ایک جگہ دوا ہے	ایک جگہ کفر ہے اور ایک جگہ جائز ہے

در مقامے خار و در جائے چو گل	در مقامے سرکہ در جائے چو مل
ایک جگہ کاٹا ہے اور ایک جگہ پھول جیسا ہے	ایک جگہ سرکہ ہے اور ایک جگہ شراب جیسا ہے
در مقامے خوف و در جائے رجا	در مقامے بخل و در جائے سخا
ایک جگہ خوف ہے اور ایک جگہ امید ہے	ایک جگہ بخل ہے اور ایک جگہ سخاوت ہے
در مقامے فقر و در جائے غنا	در مقامے قہر و در جائے رضا
ایک جگہ فقر ہے اور ایک جگہ غنا ہے	ایک جگہ قہر ہے اور ایک جگہ خوشنودی ہے
در مقامے جور و در جائے وفا	در مقامے منع و در جائے عطا
ایک جگہ ظلم ہے اور ایک جگہ وفا ہے	ایک جگہ منع کرنا ہے اور ایک جگہ بخشش ہے
در مقامے درد و در جائے صفا	در مقامے خاک و در جائے کیمیا
ایک جگہ تلخت ہے اور ایک جگہ صاف ہے	ایک جگہ خاک ہے اور ایک جگہ کیمیا ہے
در مقامے عیب و در جائے ہنر	در مقامے سنگ و در جائے گہر
ایک جگہ عیب ہے اور ایک جگہ ہنر ہے	ایک جگہ پتھر ہے اور ایک جگہ موتی ہے
در مقامے حنظل و در جائے شکر	در مقامے خشک و در جائے مطر
ایک جگہ اندرائن ہے اور ایک جگہ شکر ہے	ایک جگہ خشکی ہے اور ایک جگہ بارش ہے
در مقامے ظلم و در جائے محض عدل	در مقامے جہل و در جائے عین عقل
ایک جگہ ظلم ہے اور ایک جگہ خالص عدل ہے	ایک جگہ جہل ہے اور ایک جگہ پوری عقل ہے

(خوشگوار صفت خدا یعنی خوش گوارا کنندہ غذا یا دوا وغیرہ۔ تصاریف جمع تصریف بمعنی تصرف۔ تحقیق مذکور کے متعلق فرماتے ہیں کہ) اے رفیق ایک باریک بات اور سنو جو مثل روح کے (عادل کامل کے روبرو تو) نہایت ظاہر ہے (کیونکہ عادل وجود روح پر آثار خاصہ سے استدلال کرتا ہے) اور (جاہل احمق کے روبرو) بہت خفی ہے (جیسا روح کے محسوس نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کے وجود کا منکر ہوتا ہے جیسا بہت سے اہل طبعیات انکار کرتے ہیں اور ان آثار خاصہ پر جو دوسرے حیوانات میں مفقود ہیں جس سے روح انسانی کا مختلف بالحقیقت ہونا معلوم ہوتا ہے نظر نہیں کرتے) آگے اس نکتہ کا دور تک ضمن تمثیلات میں بیان ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ تحقیق مذکور باوجود مشابہ آب حیات اور کثیر النفع ہونے کے پھر بھی بعض کے حق میں مضر ہوگی اس کے بعد بہت سے اضداد متقابلہ جمع کئے ہیں جن میں ایک نافع اور ایک مضر چلا جاتا ہے مقصود ان کے مجموعہ سے مطلق نافع اور مضر ہونا ہے یعنی یہ تحقیق بعض کو نافع ہے بعض کو مضار ہے اور اکثر مضامین عالیہ کی یہی شان ہوتی ہے چنانچہ تحقیق مذکور طالب حق کے لئے تو اس طرح نافع ہے کہ اس کی طلب بڑھ گئی اور اس کو تنبیہ ہوگئی کہ باطل سے بچنے کی کوشش کرے گا اور اس کی تمیز کرے گا اور منہمک فی الدنیا کو یہ ضرر ہوگا کہ اس کی طلب اور بھی گھٹ جائے گی وہ بہانہ کرے گا کہ جب حق و باطل اس طرح مشتبہ ہے تو طلب کرنا ہی فضول ہے

شاید طلب کیا اور مطلوب تک نہ پہنچے پھر کیوں جھگڑے میں پڑے پس وہ اور زیادہ معطل ہو جائے گا بقول شخصے۔ خوئے بدر ابہانہ
بسیار + چونکہ تمثیلات مذکورہ کی ایک ہی عبارت ہے اور لغات ظاہر و مشہور ہیں اس لئے ترجمہ ترک کیا گیا)

گرچہ ایں جا او گزند جاں بود	چوں بدانجا در رسد در ماں بود
اگرچہ اس جگہ وہ جان کا نقصان ہے	جب اس جگہ پہنچے تو علاج ہے
آب در غورہ ترش باشد و لیک	چوں بانگوری رسد شیریں و نیک
رس کے انگور میں کٹا ہوتا ہے لیکن	جب پختگی پر آتا ہے تو میٹھا اور عمدہ ہوتا ہے
باز در خم او شود تلخ و حرام	در مقامے سر لگے نعم الاوام
پھر مٹکے میں وہ کڑوا اور حرام بن جاتا ہے	سرکہ کے مقام پر وہ بہترین سالن ہے
ایں چنینی باشد تفاوت در امور	مرد کامل ایں شناسد در ظہور
اسی طرح معاملات میں فرق ہوتا ہے	کامل انسان اس کو خوب پہچانتا ہے

(اوپر مذکور تھا کہ مختلف مقامات میں ایک ہی شے کے مختلف اثر ہو جاتے ہیں یہاں اسی کی شرح ہے کہ) اگرچہ اس مقام میں (یعنی محبت دنیا کے لئے) وہ مضمون (اشتباہ اہل حق و اہل باطل کا) گزند جان (ومضر) ہوتا ہے مگر وہی جب وہاں (یعنی محبت و طالب حق کے پاس) پہنچتا ہے عین علاج ہو جاتا ہے (جیسا ابھی اس کی تقریر گزر چکی ہے آگے اس کی مثال ہے کہ) دیکھو ایک ہی پانی ہے کہ انگور خام میں ترش ہوتا ہے مگر جب وہ پختگی کو پہنچ جاتا ہے تو وہی پانی شیریں اور لذیذ ہو جاتا ہے پھر وہی پانی مٹکے میں (جب سڑا لیا جائے تو) تلخ اور حرام ہو جاتا ہے اور وہی پانی سرکہ بن کر نعم الاوام کا مصداق ہو جاتا ہے (حدیث شریف میں سرکہ کے باب میں فرمایا ہے نعم الاوام الخلل یعنی کیا خوب سالن ہے سرکہ) غرض اسی طرح اور امور میں بھی ان کے وجود اور ظہور کے وقت (مختلف اعتبارات و مختلف حالات سے) تفاوت (احکام و آثار کا) ہو جاتا ہے جس کو مرد کامل شناخت کرتا ہے

در بیان آنکہ انچہ ولی کامل کند مریداں را نشاید گستاخی کردن و ہماں فعل کردن کہ حلوا طیب را
زیاں ندارد و مریض رازیاں دارد و سرما و برف انگور رسیدہ رازیاں ندارد و ماغورہ رازیاں دارد کہ در راہ
است و نار رسیدہ لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر صدق اللہ

اس بات کے بیان میں جو ولی کامل کرے مریدوں کے لئے گستاخی کرنا اور وہ کام کرنا مناسب نہیں ہے اس لئے کہ حلوا طیب کو مضر نہیں ہے اور مریض کو نقصان پہنچاتا ہے اور جاڑ اور برف کے انگور کو نقصان نہیں پہنچاتا ہے لیکن کچے انگوروں کو نقصان پہنچا دیتا ہے کیونکہ ابھی راہ میں ہیں اور پختہ نہیں ہیں تاکہ اللہ بخشدے تیرے اگلے پچھلے گناہ اللہ نے سچ فرمایا۔

یہ سرخی تفریح ہے مضمون بالا پر یعنی جب ثابت ہوا کہ ایک ہی چیز کے مختلف مقامات میں مختلف آثار ہوتے ہیں تو اگر کوئی کامل کسی لذت مباحہ مالی یا جاہی میں مشغول پایا جائے تو ناقص کو اس کی نقل نہ کرنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لذت اس کو مضر نہ ہو بلکہ کسی حکمت سے نافع ہو اور اس ناقص کو مضر ہو پس آنچہ سے مراد مباح ہے نہ حرام کیونکہ کامل کو اس کا ارتکاب بالاختیار جائز نہیں اور اضطرار میں کلام نہیں اور

مولانا کا استشہاد آیت سے مشیر ہے کہ ذنب سے مراد ایسے مباحات ہیں اور ان کا غفران یہ ہے کہ وہ مضر نہیں ہوں گی اور ناقص کو مضر ہونے کی وجہ اس کا غیر مباح ہونا نہیں ہے بلکہ اس سے قوت بہیمیہ و سبعیہ بڑھتی ہے اور وہ مفصی الی المعصیۃ ہو جاتی ہے پس مضر لعینہ نہیں لغیرہ ہے۔

گر ولی زہرے خورد نوشے شود	ور خود طالب سیہ ہوشے شود
اگر ولی زہر کھائے تریاق ہو جائے	اگر طالب کھائے تو بے ہوش ہو جائے
رب صہب لی از سلیمان آمدست	کہ مدہ غیر مرا ایں ملک و دست
”رب صہب لی“ (حضرت) سلیمان سے منقول ہے	کہ میرے سوا کسی کو یہ سلطنت اور غلبہ عطا کر
تو مکن با غیر من ایں لطف وجود	ایں حسد را ماند اما آں نبود
میرے غیر پر تو یہ مہربانی اور عطا نہ فرما	یہ حسد سے مشابہ ہے لیکن حسد نہیں تھا
نکتہ لاینبغی میخوای بجاں	سر من بعدی ز بخل او مداں
”لاینبغی“ کا نکتہ غور سے پڑھ	”من بعدی“ کا راز ان کے بخل کی وجہ سے نہ سمجھ
بلکہ اندر ملک دید او صد خطر	موبہو ملک جہاں بدیم سر
بلکہ سلطنت میں انہوں نے سو خطرے محسوس کئے	پوری دنیا کی سلطنت، جان کا خطرہ تھی
بیم سر یا بیم سر یا بیم دیں	امتحانے نیست مارا مثل ایں
جان کا خطرہ یا روحانی خوف یا دین کا خوف	ہمارے لئے اس جیسی کوئی آزمائش نہیں ہے
پس سلیمان ہمتے باید کہ او	بگذر دزیں صد ہزاراں رنگ و بو
پس کوئی سلیمان جیسی ہمت والا چاہیے کہ جو	ان لاکھوں رنگ و بو سے (بچکر) نکل جائے
باچناں قوت کہ او را بود ہم	موج آں ملکش فرومی بست دم
اس قوت کے ہوتے ہوئے جو انکو حاصل تھی	اس سلطنت کی موجیں ان کا سانس گھونٹی تھیں
خواں والیقینا علی کرسیہ	چوں بماند از تخت و ملک خود تہی
یقیناً علی کرسیہ پڑھ	کس طرح اپنے تخت و سلطنت سے خالی ہو گئی
چوں برو بنشست زیں اندوہ گرد	برہمہ شاہان عالم رحم کرد
جب ان پر اس غم کی گرد بیٹھی	دنیا کے تمام بادشاہوں پر ترس کھایا
شد شفیع و گفت ایں ملک و لوا	با کمالے وہ کہ دادی مر مرا
سفارش بن گئے اور کہا یہ سلطنت اور جہنڈا	اس کمال کے ساتھ عنایت فرما جو تو نے مجھے دیا ہے
ہر کرا بدہی و بکنی آں کرم	او سلیمان ست و آنکس ہم منم
جس کو تو عطا کرے اور وہ کرم کرے	وہ سلیمان ہے اور وہ میں ہی ہوں

اونباشد بعدی او باشد معی	خود معی چه بود منم بے مدعی
وہ میرے بعد نہ ہو گا وہ میرے ساتھ ہو گا	میرے ساتھ ہونا کیا ہوتا ہے وہ میں ہی ہوں بغیر کسی دعویدار کے
شرح ایں فرض ست گفتن لیک من	باز میگردد بقصہ مرد و زن
اس کی تشریح کرنا ضروری ہے لیکن میں	پھر مرد اور عورت کے قصہ کی طرف لوٹتا ہوں

(یعنی اگر کامل زہر (یعنی مضر مباح) کا استعمال کرے تو وہ نوش (یعنی نافع) ہو جاتا ہے (اس طور پر کہ اس میں مشاہدہ منعم کا ہوتا ہے اور فناء و بقاء کی وجہ سے احتمال مضرت کا باقی نہیں رہا) اور اگر اسی کو طالب (ناقص) اختیار کرے تو اس کی بصیرت تاریک ہو جائے (بوجہ تقویت قوتہ بہیمیہ و سبعیہ کے چنانچہ اسی بنا پر) رب ہب لی الخ کی دعا حضرت سلیمان علیہ السلام سے (قرآن میں) منقول ہے یعنی کسی اور کو میرے سوا یہ سلطنت و اختیارات عطا نہ فرمائیے اور کسی اور کے ساتھ یہ لطف و جود نہ کیجئے سو یہ تو (بظاہر) حسد کے مشابہ معلوم ہوتا ہے مگر واقع میں حسد نہیں مقام آیت لاینبغی لاحد من بعدی کو ذرا غور سے پڑھو اور اس کا سبب بخل مت سمجھو (چنانچہ عنقریب وہ غور والا مضمون آتا ہے جس سے عدم بخل معلوم ہو جائے گا) بلکہ (اصل وجہ اس دعا کی یہ تھی کہ) آپ نے سلطنت میں صد ہا خطرات دیکھے کہ موبہو اس میں بیم سر تھا بیم سر یہی (کہ ہزاروں آدمی اپنی جان کے دشمن) اور بیم سر بھی (بکسر سین باطن و قلب کی ضرورت شغل الی اللہ میں کمی کا اندیشہ) اور بیم دین بھی (کہ اتنی جزئیات امور ملکی میں سے کسی نہ کسی امر میں خلاف حق ہو جانا کچھ بعید نہیں) غرض ہم لوگوں کے لئے حکومت کے برابر بھی کوئی چیز ابتلاء کی نہیں ہے پس کوئی ایسا ہی سلیمان علیہ السلام کی سی ہمت والا چاہیے جو ان لاکھوں رنگ و بو میں سے (صاف پاک) نکل جائے بلکہ اتنی بڑی قوت پر بھی جو کہ آپ کو حاصل تھی سلطنت کی موجیں (بعض اوقات) آپ کا دم توڑ ڈالتی تھیں (دم بستن اور شکستن پیراک کے دم ٹوٹ جانے کو کہتے ہیں جس سے اندیشہ غرق ہوتا ہے مطلب یہ کہ بعض امور خلاف اولی سہواً صادر ہو جاتے تھے جس کا سبب اشتغال نظم ملکی تھا گو وہ نظم بھی عبادت ہو چنانچہ) آیت القینا علی کرسیہ جسد الخ پڑھ کر دیکھ لو کہ کس طرح (ایک لغزش کے سبب) اسے تخت و سلطنت سے خالی ہو گئے تھے (جس کا قصہ آیت بالا میں مذکور ہے اس آیت کی تفسیر غالباً مولانا نے موافق قول مشہور کے سمجھی ہے چنانچہ بماند الخ ظاہر اسی کا قرینہ ہے اور اس لغزش کا سبب شغل سلطنت کا اس لئے ہے کہ ان ہی مشاغل میں اس زوجہ کے عقائد کی خبر نہ ہوئی مگر چونکہ وہ قصہ بعض قواعد شرعیہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے صحیح تفسیر آیت یہ ہے کہ آپ ایک بار امراء سلطنت پرستی جہاد پر ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ میں سو بیسیوں کے پاس جاؤں گا تو سوڑ کے ہوں گے اور وہ دین کا کام کریں گے فرشتہ نے قلب میں کہا کہ ان شاء اللہ کہہ لیجئے مگر خیال نہ رہا چنانچہ صرف ایک عورت کو حمل رہا اور وہ بھی ناقص الخلقہ پیدا ہوا چنانچہ جسد الخ سے وہی مراد ہے جو دکھلانے کے لئے تخت پر رکھا گیا تھا پس ان شاء اللہ کا خیال نہ رہنا ظاہر اسی سبب سے تھا کہ امراء پر عتاب فرمانے میں مشغول تھے اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ آپ کا سلطان ہونا تھا ورنہ آپ کو فکر انتظام ہی ضرورت تھی اس حیثیت سے اس خیال نہ رہنے کا سبب سلطنت ہوئی اگر مولانا کے قول کو منی علی المشہور نہ کیا جائے اور مصرعہ مذکورہ میں تہی ماندم کی توجیہ یہ کی جائے کہ توبہ کے وقت سب سے خالی القلب ہو گئے اور توبہ بعد لغزش کے ہوتی ہے اس طور پر ذکر ہو جائے گا لغزش کا تو اس توجیہ کی گنجائش ہے مگر بعید اور بے ضرورت ہے (پس چونکہ آپ پر اس غم کی کہ مجھ سے شغل سلطنت ہی

کے سبب ان شاء اللہ متروک ہو گیا) گرد بیٹھ چکی تھی (یعنی اس کی کدورت و ناگواری دیکھ چکے تھے) اس لئے تمام شاہان عالم پر آپ نے رحم فرمایا (اور سوچا کہ جب اس ہمت عالیہ پر سلطنت کا یہ اثر ہے تو کم ہمتوں پر کیسا کچھ اثر و ضرور واقع ہوگا) اس لئے حق تعالیٰ کی درگاہ میں ان سب کی (شفاعت فرمائی اور کہا کہ یہ ملک و علم (اگر کسی کو دینا ہو تو) ایسے کمالات کے ساتھ دیجئے جو مجھ کو دیئے ہیں (تا کہ مضار سلطنت سے مامون رہے) اور جس کو آپ اپنے فضل و کرم سے (قبل عطائے سلطنت وہ کمالات) دے دیں سو وہ شخص تو گویا سلیمان ہی ہے اور وہ شخص تو گویا میں ہی ہوں یعنی وہ بعدی کا مصداق نہیں (جس کے ساتھ وہ دعا مقید ہے) بلکہ وہ تو معنی کا مصداق ہے (یہاں معیت و بعدیت باعتبار مرتبہ کے مراد ہے کہ اقسام تقدم و تاخر میں سے یہ بھی ایک قسم ہے یعنی وہ شخص مرتبہ میں میرے ساتھ ہے یعنی میرا ہم رتبہ ہے بعدی نہیں ہے یعنی رتبہ میں مجھ سے مؤخر اور ناقص نہیں ہے پس آیت میں بعدی کے معنی یہ ہوئے بعدی فی الرتبۃ اس تفسیر پر یہ اشکال دفع ہو گیا کہ دعوت سلیمانی سے لازم آتا ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ دعا شامل ہے۔ وجہ دفع ظاہر ہے کہ آپ بعدی بالتفسیر المذکور میں داخل نہیں ہذا فرسہ مرشدی آگے معنی پر ترقی کر کے کہتے ہیں کہ) معنی کیا چیز ہے بلکہ وہ شخص خود میں ہی) ہوں بلا (نزاع و کلام) کسی مدعی کے اور اس (حکم عینیت) کی شرح کرنا گو ضروری ہے مگر میں ان مردوزن کے قصہ کی طرف رجوع ہوتا ہوں (یہ احقر مختصر شرح اس عینیت کی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ مقبولان الہی کا ہر کمال فیض خاص ہوتا ہے کسی اسم الہی کا اور اسی کو تخلق باخلاق اللہ کہتے ہیں اور اس اسم الہی کو اصطلاح میں (اس کامل کا باطن کہتے ہیں پس جب کوئی کمال سلیمان علیہ السلام اور دوسرے کامل میں مشترک مانا جائے تو دونوں کا باطن وہی اسم الہی ہو اور اس کا واحد ہونا ظاہر ہے پس یہ کہنا کہ دونوں کامل ایک ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کا باطن بالاصطلاح المذکور ایک ہے)

مخلص ماجرائے عرب و جفت اور فقر و شکایت

اعرابی اور اس کی بیوی کے فقر اور شکایت کے قصہ کا خلاصہ

ماجرائے مرد و زن را مخلصے	باز می جوید روان مخلصے
مرد اور عورت کے قصہ کے خلاصے کو	ایک مخلص کی روح تلاش کر رہی ہے
ماجرائے مرد و زن افتاد نقل	ایں مثال نفس خود می دان و عقل
مرد اور عورت کا قصہ ایک مثال واقع ہوا ہے	اس کو اپنے نفس اور عقل کی مثال سمجھ
ایں زن و مردے کہ نفس ست و خرد	نیک بایست ست بہر نیک و بد
یہ عورت اور مرد جو کہ نفس اور عقل ہے	نیک اور بد کے لئے ضروری ہے
وین دو پا بستہ دریں خاکی سرا	روز و شب در جنگ و اندر ماجرا
یہ دونوں اس عالم سفلے کے پابند ہیں	دن رات جنگ اور بحث میں ہیں
زن ہمی خواہد حوتج خانقاہ	یعنی آب و روان و خوان و جاہ
عورت گھر کی ضروریات چاہتی ہے	یعنی آمد اور روٹی اور خوان اور عزت

نفس ہچھوں زن پئے چارہ گری	گاہ خاکی گاہ جوید سروری
نفس عورت کی طرح تدبیر کے درپے ہے	کبھی عاجزی کرتا ہے کبھی بڑائی پاتا ہے
عقل خود زیں فکر ہا آ گاہ نیست	درد ما عیش جز غم اللہ نیست
عقل ان انکار سے واقف نہیں ہے	اس کے دماغ میں اللہ کے غم کے سوا کچھ نہیں ہے

یعنی اس قصہ مرد و زن کے خلاصہ کو مخلصین کا دل طلب کر رہا ہے (یا تو ظاہری خلاصہ مراد ہے یعنی قصہ کا انتظار ہے یا باطنی خلاصہ یعنی تاویل اعتباری کہ انسان پر اس حکایت کا انطباق ہو پس بنا بر احتمال ثانی) (اگلا مضمون اس کی شرح ہے اور بنا بر احتمال اول انتقال ہے دوسرے مطلب کی طرف یعنی) یہ مرد و زن کا قصہ (مذکور) تو محض ایک نقل ہے (اور اصل قصہ جو قابل اہتمام ہے وہ روح و نفس کا ہے پس) اس کو اپنے نفس اور عقل کی مثال سمجھو (کہ زن مثال ہے نفس کی بوجہ نقصان رائے و غلبہ حرص کے اور مرد مثال ہے عقل کی بوجہ کمال فہم و قوت اعتماد علی اللہ کے) اور یہ وزن و مرد کہ مراد نفس و عقل سے ہیں یہ ہر انسان نیک و بد کے لئے (باعتبار متضمن ہونے حکمت الہیہ کے ضروری الوجود ہیں) کیونکہ اگر روح نہ ہوتی تو انسان شتر محض ہوتا خیر کی استعداد ہی نہ ہوتی اور اگر نفس نہ ہوتا تو فضیلت مجاہدہ کی نصیب نہ ہوتی جس کی وجہ سے انسان کی بعض طاعت ملائکہ کی طاعت سے بھی زیادہ قابل قدر ہو جاتی ہے) اور یہ دونوں اس عالم سفلی میں مقید ہو رہی ہیں اور شب و روز اختلاف اور بحثا بحثی میں لگے ہیں عورت (کا قاعدہ ہے کہ) خانہ داری کے حوائج کی (ہر وقت) طالب رہتی ہے یعنی آبرو ہو اور نان و خوان ہو اور جاہ ہو اسی طرح نفس بھی عورت کی طرح ہر وقت ان ہی تدبیرات میں کبھی خاکساری اور تملق اور کبھی بڑائی اور زور اختیار کرتا ہے (یعنی جس طریق سے کام چلتا دیکھتا ہے اسی کو اختیار کرتا ہے) اور عقل خود ان فکروں سے آگاہ نہیں ہے اس کے دماغ میں بجز غم (طلب) حق سبحانہ و تعالیٰ کے نہیں ہے۔

گر چہ سر قصہ ایں دانہ است و دام	صورت قصہ شنو اکنون تمام
گر چہ قصہ کا راز یہ دانہ ہے اور جال	قصہ کا ظاہر ہے اب پورا قصہ سن
گر بیان معنوی کامل شدے	خلق عالم عاقل و باطل بدے
اگر باطن کا بیان مکمل ہو جائے	عالم کی پیدائش بیکار اور باطل ہو جائے
گر محبت فکرت و معنی سے	صورت صوم و نمازت نیستے
اگر محبت فکر اور باطنی معاملہ ہوتا	تو تیری نماز اور روزے کی صورت معدوم ہو جاتی
ہدیہ ہائے دوستاں باہم دگر	نیست اندر دوستی الا صور
دوستوں کے ایک دوسرے کو تحفے	دوستی میں محض صورتیں ہیں
تا گواہی دادہ باشد ہدیہ ہا	بر محبت ہائے مضمحل در خفا
تا کہ تحفے گواہی دیں	اندر چھپی ہوئی محبتوں پر

بر محبت ہائے سر اے ارجمند

زانکہ احساں ہائے ظاہر شاہدند

اے گرامی قدر! چھپی ہوئی محبتوں پر

کیونکہ ظاہری احسانات گواہ ہیں

(بعد بیان تاویل قصہ کے ظاہری قصہ کی طرف توجہ فرماتے ہیں کہ) اگرچہ معنی باطنی قصہ کے تو یہ ہیں جو (اوپر مذکور ہوئے اور طابین کے لئے) مثل دانہ و دام کے ہیں (کہ اسی کی طمع میں حکایت بھی سن لیتے ہیں اور ہر چند کہ دانہ و دام مجموعہ ظاہر حکایت و باطن حکایت کا ہے مگر چونکہ عادتاً باطن مستلزم ظاہر کو بھی ہوتا ہے لہذا مجموعہ کی صفت سے صرف اس کو موصوف کر دیا یا یوں کہا جائے کہ دانہ ست پر جملہ ختم ہو گیا دام اس پر معطوف نہیں بلکہ مبدل منہ ہے اور صورت قصہ اس کا بدل اور سب مل کر شنو کا مفعول پس معنی یہ ہونگے اگرچہ سر قصہ تو یہی دانہ ہے لیکن ظاہر قصہ جو کہ مثل دام کے ہے نیز سننے کے قابل ہے کیونکہ دانہ دام کے نیچے ہی ہوتا ہے تو اگر دام نہ ہو تو دانہ کیسے لے یعنی گو مقصود اصلی صرف باطن حکایت ہے مگر صورت قصہ کو بھی پورا سن لینا چاہیے (کہ اس میں بھی بہت نفع ہے چنانچہ ایک منافع تو ظاہر یہی ہے کہ اگر ظاہری حکایت نہ ہوتی تو اس کے مضمون کا انطباق باطنی حالات پر کیسے ہوتا اب اسی مناسبت سے آگے مطلقاً ظاہر طاعات و اعمال کی ضرورت اور باطن محض کا فوائد اور حکمتوں میں ناتمام ہونے کا بیان فرماتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر رد ہو جو ظاہر کو عبث سمجھ کر شریعت کی نفی کرتے ہیں پس ارشاد ہے کہ) اگر باطن کا بیان (یعنی ظہور) کامل ہو جاتا اور (درمیان سے ظاہر کا حجاب اٹھ جاتا) تو تمام خلق عالم معطل اور باطل (یعنی عبث و خالی از حکمت رہ جاتی) (جس کا بیان یہ ہے کہ) اگر محبت صرف فکر اور امور باطنیہ کو قرار دیا جاتا تو صوم و صلوة کی صورت بالکل معدوم ہو جاتی (تو جو ان ظاہری عبادات میں حکمتیں اور اسرار ہیں ظاہر ہے کہ وہ بھی منفی ہو جاتے چنانچہ ان میں سے ایک حکمت تو یہ ہے کہ) دوستوں میں جو باہم ہدایا چلتے ہیں وہ صرف چند چیزوں کی صورتیں (اور اشیاء ظاہری ہوتی ہیں تاکہ وہ ہدایا مخفی و مضمحل محبت پر شہادت دیں کیونکہ احسانات ظاہری باطنی محبت پر شاہد ہوتی ہیں) (اسی طرح عبادات ظاہرہ شاہد اور دال ہیں عقیدت و محبت قلبی پر اور حکمت کا اس میں حصر نہیں تمثیلاً ایک حکمت عام فہم کا بیان کر دیا غرض اجمالاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اگر صرف باطن مقصود ہوتا تو یہ مقصود روح مجرد سے عالم ارواح میں زیادہ حاصل ہو سکتا تھا کیونکہ کدورت مادہ اور ظلمت ہیولے بھی حاجب نہ ہوتی پس عالم اجسام کو پیدا کرنا اور اس کے ساتھ روح کو متعلق کرنا صریح دلیل ہے اس پر کہ کچھ کمالات و طرق قرب ایسے بھی ہیں کہ ان کا حصول جسم اور طاعات بدنہ پر موقوف ہے خوب سمجھ لو)

شاہدت گہ راست باشد گہ دروغ	مست گاہے از مے و گاہے زدوغ
تیرا گواہ بسی سچا ہوتا ہے بسی جھوٹا	مست بسی شراب سے اور بسی چھاپچھ سے
دوغ خوردہ مسیتے پیدا کند	ہائے و ہوائے و سرگراہینہا کند
چھاپچھ پینے والا مستی ظاہر کرتا ہے	ہائے و ہو اور نشہ دکھاتا ہے
آں مرانی در صلوة و در صیام	می نماید جدوجہدے بس تمام
ریاکار نماز اور روزے میں	پوری جدوجہد ظاہر کرتا ہے
تاگماں آید کہ او مست و لاست	چوں حقیقت بنگری غرق ریاست
تاکہ گمان ہو جائے کہ وہ دوستی سے مست ہے	جب تو اصلیت دیکھے گا تو وہ ریاکاری میں غرق ہے

(اوپر اعمال ظاہری کو شاہد فرمایا تھا اس سے شاید کوئی اپنے یا دوسرے کے اعمال ظاہری سے دھوکا کھا کر معتقد کمال کا ہو جاتا اس لئے فرماتے ہیں کہ) شاید کبھی صادق ہوتا ہے کبھی کاذب جیسا مست کبھی شراب پی کر ہوتا ہے کبھی دوغ سے یعنی دوغ پی کر (جھوٹ موٹ کی) مستی ظاہر کرتا ہے اور بہت ہو یا اور نماز دکھلاتا ہے (اسی طرح) ریاکار آدمی صوم و صلوة میں بڑی کوشش اور اہتمام دکھلاتا ہے تاکہ دیکھنے والوں کو (گمان ہو کہ بڑے مست محبت ہیں اور جو حقیقت میں غور کر کے دیکھو تو بالکل ریا میں مستغرق ہے) پس جب تک اس حال میں خلوص نہ ہو وہ شاہد کاذب کے مثل ہے)

حاصل افعال برونی رہبرست	تانشاں باشد برآنچہ مضمرست
الحاصل ظاہری افعال رہبر ہیں	تاکہ اس چیز کی علامت بنیں جو پوشیدہ ہے
راہبر گہ حق بود گا ہے غلط	گہ گزیدہ باشد و گا ہے سقط
رہبر کبھی صحیح ہوتا ہے کبھی غلط ہوتا ہے	کبھی برگزیدہ ہوتا ہے کبھی ناکارہ ہوتا ہے
یارب آں تمیز دہ مارا بخواست	تاشناسیم آں نشان کز ز راست
اے خدا! درخواست پر ہمیں وہ تمیز عطا کر دے	کہ ہم غلط علامت کو صحیح علامت سے جدا سمجھ سکیں
حس را تمیز دانی چوں شود	زانکہ حس بینظر بنور اللہ بود
تجھے معلوم ہے حس کو تمیز کیسے حاصل ہوتی ہے؟	جبکہ حس "وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" بن جائے

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ افعال ظاہری رہبر ہیں تاکہ کیفیات باطن پر علامت بنیں (جیسے رہبر ہوتا ہے کہ نامعلوم راستہ بتلاتا ہے) سو راہبر کبھی حق ہوتا ہے کبھی غلط ہوتا ہے یعنی کبھی پسندیدہ ہوتا ہے کبھی ناکارہ ہوتا ہے (جیسا اوپر گزرا اس لئے دعا کرتے ہیں کہ) اے یارب ہماری درخواست پر ایسی تمیز عطا فرما دیجئے کہ جس سے ہم علامت کج اور راست کو پہچان لیا کریں اور دوسروں کے دھوکے میں بھی نہ آئیں اور اپنے اعمال کو بھی شوائب ریا سے خالص کر سکیں آگے ایسی تمیز کے حاصل ہونے کا طریق بتلاتے ہیں کہ تم کو معلوم بھی ہے کہ حس (یعنی مدرکہ) کو ایسی تمیز کس طرح ہو جاتی ہے (یہ سوال ہے آگے جواب ہے کہ) اس طرح ہو جاتی ہے کہ حس بینظر بنور اللہ کا مصداق بن جاتی ہے (یعنی نور معرفت سے یہ تمیز ہو جاتی ہے)

ور اثر نبود سبب ہم مظہرست	ہمچو خویشی کز محبت مخرست
اگر اثر نہ پایا جائے سبب بھی ظاہر کرنے والا ہے	جیسے رشتہ داری جو محبت کی خبر دینے والی ہے
نبود آنکہ نور حقش شد امام	مرا ترہا یا سبب ہارا غلام
جس شخص کے لئے اللہ کا نور امام بن جائے وہ نہیں رہتا	آثار اور اسباب کا غلام
چونکہ نور اللہ درآید در مشام	مرا اثر را یا سبب را نبود غلام
جب اللہ کا نور دماغ میں سما جاتا ہے	وہ اثر یا سبب کا غلام نہیں رہتا

تا محبت در دروں شعلہ زند	زفت گرد و ز اثر فارغ کند
جب باطن میں محبت شعلہ زن ہوتی ہے	تو قوی ہو جاتی ہے اور اثر سے فارغ کر دیتی ہے
حاجتیں نبود پئے اعلام مہر	چوں محبت نور خود زد بر سپہر
محبت کے ظاہر کرنے کے لئے اسکو کوئی ضرورت نہیں رہتی ہے	جبکہ محبت اپنا نور آسمان پر پہنچا دیتی ہے
ہست تفصیلات تا گرد تمام	ایں سخن لیکن بجو تو والسلام
بہت تفصیلات ہیں کہ پوری ہو	یہ بات لیکن تو خود تلاش کر لے والسلام

(حاصل مقام بعد امعان نظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اہل اعمال کی قسمیں بیان کی ہیں یعنی اصل میں دو قسمیں ہیں ایک جن سے اعمال شاہد محبت ہونے کی حیثیت سے صادر ہوتے ہیں یعنی مقصود ان کا عبادت سے یہ ہے کہ یہ بندہ ہونے کی مت ہے اور اس کو جناب باری میں پیش کرنے سے ہمارے بندہ ہونے کا اظہار ہے جیسے ہدیہ میں بعینہ یہی غرض ہوتی ہے۔ سرے وہ جن کے صدور اعمال میں یہ حیثیت نہیں یعنی عبادت میں انکا کچھ مقصود ہی نہیں پھر قسم اول کی دو قسمیں ہیں ایک مخلص اللہ کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہیں۔ دوسرے مرانی جو بندوں کے سامنے اس کا اظہار کرتے ہیں ان دونوں قسموں کا ذکر تو پر کے اشعار میں ہے تا گواہی دادہ باشد بدیہا۔ الی قولے شہادت کہ راست آید کہ دروغ + الخ اسی طرح تقسیم اول کی قسم ثانی جنی جن کی عبادت میں ان کا کچھ مقصود نہیں) کی دو قسمیں ہیں ان کا ذکر ان اشعار میں ہے ایک قسم وہ جو محض عادت کی موافق مال بجالاتے ہیں ان کو نہ اظہار بندگی کی طرف التفات ہوتا ہے نہ اخلاص کی کوشش کرتے ہیں نہ ان بے چاروں کو کسی کی نظر اپنی وقعت ظاہر کرنا ہے اور اکثر عوام مسلمان اسی قسم کے ہیں کہ جن نیک کاموں کو اختیار کر لیا ہے خالی الذہن ہو کر ان کو کیے لے جاتے ہیں اور عادت سی پڑ گئی ہے۔ اس شعر۔ وراثر نبود الخ میں ان ہی لوگوں کا بیان ہے۔ دوسری قسم وہ جو تقاضائے محبت سے کرتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت ایسی غالب ہے کہ ثواب و عذاب یا اظہار عبودیت کی طرف التفات بھی نہیں ہوتا جو اس مراتب اخلاص کو طے کر چکا ہے محبت اس کو بے چین کئے ہوئے ہے اس لئے محبت میں غرق محبوب کی خدمت یعنی آدم علیہ السلام نے جب بحکم خداوندی ان کو وہ اسماء بتلائے جبکہ وہ خود نہ بتلا سکے جیسا قرآن مجید میں ہے فلما انباہم باسمائہم (ایہ) اور ملائکہ کو (اس وقت) حق تعالیٰ کی تقدیس سے ایک نیا تقدس حاصل ہوا (یعنی ہر چند کہ وہ پہلے سے تسبیح و تقدیس میں مغول تھے جیسا خود ان کا مقولہ مذکور ہے و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک مگر اس امتحان علم اسماء میں عاجز آنے کے وقت جو تسبیح و تقدیس ان سے صادر ہوئی جیسا انبثونی باسماء هؤلاء کے جواب میں ان کا مقولہ آیا ہے بحانک لاعلم لنا الاما علمتنا انک انت العلیم الحکیم چونکہ یہ وقت تھا اپنے عجز کے مشاہدہ کا جس سے رت حق کا مشاہدہ بڑھ جاتا ہے اس لئے یہ تسبیح و تقدیس پہلی تسبیح و تقدیس سے بڑھی ہوئی تھی اور ظاہر ہے کہ جب عبادت اکمل ہوگی تو اس کا ثمرہ بھی اکمل ملتا ہے اس لئے قدس دیگر کہا اور منجملہ اسی ثمرہ اکمل کے وہ ترقی علم کی تھی جو آدم علیہ السلام کے ان کو اسماء بتلانے سے حاصل ہوئی جیسا آیا ہے قال یا آدم انبثہم باسمائہم فلما انباہم باسمائہم الا یہ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ان کے انکشافات (اور علوم) جو حضرت آدم علیہ السلام کی بدولت حاصل ہوئے وہ سموات کے انکشافات تھے۔

حاصل نہ تھے (یعنی ان کو پہلے سے سموات والارض کے احوال کی اطلاع تھی اور یہ ان کے علوم تھے مگر آدم علیہ السلام کے ذریعے سے جو علوم ان کو حاصل ہوئے وہ بدرجہا ان علوم سابقہ سے زائد تھے اور ان علوم کے حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک آدم علیہ السلام سے جیسا اوپر آیا۔ دوسرے خود آدم علیہ السلام کے مشاہدہ سے کہ ان میں جب علوم عجیبہ و کمالات غریبہ کا مشاہدہ کریں گے لابدان مشاہدات کا علم بڑھے گا اور اس تقریر سے یہ بھی لازم آیا کہ خود حضرت آدم علیہ السلام میں ایسے کمالات جو دوسری مخلوقات علویہ و سفلیہ میں نہ تھے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ملائکہ تو ان کا بھی مشاہدہ کرتے تھے پھر علوم کیوں نہ بڑھے چہ آگے یہی مضمون ہے کہ وسعت میدان روح پاک کے مقابلہ میں ساتویں آسمان کا میدان تنگ ہے (یعنی آدم علیہ السلام کمالات روحانی تھے اور روح میں اس قدر وسعت ہے جس کی وجہ روح کا مجرد ہونا اور صفات میں حق تعالیٰ سے مناسبت ہونا پس لابدان کمالات میں بھی سب سے زائد وسعت ہوگی بخلاف آسمان کے کہ اس میں یہ روح مجرد نہیں ہے اس کے جو کمالات ہوں گے وہ مادی ہوں گے اور مادی اول محدود پھر باری تعالیٰ کے ساتھ جو منزہ ہیں اتنی مناسبت نہیں اس لئے اس میں اس قدر وسعت کمالات کی نہ ہوگی آگے اس کی تائید ہے کہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے (یعنی حدیث قدسی ہے) کہ میں کہیں بالا و پست میں نہیں سما سکتا ہوں یعنی نہ زمین میں نہ آسمان میں بلکہ نہ عرش میں ہرگز نہیں سما سکتا اس کو سمجھو مگر عجب بات ہے کہ مؤمن کے قلب میں سما جاتا ہوں (اس حدیث کے یہ الفاظ مشہور ہیں لا یسعی ارض ولا سمانی ولكن یسعی قلب المؤمن مگر مجھ کو اس حدیث کی تحقیق نہیں لیکن مطلب اس کا مکشوف ہے تو سند پر موقوف نہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ کمالات ممکن کے مظہر ہیں کمالات واجب کے انسان کامل میں چونکہ کمالات سب مخلوق سے زائد ہیں تو ظہور کمالات الہیہ کا بھی اس میں زائد ہوا خصوصاً وہ صفات جن سے حق تعالیٰ کے ساتھ مناسبت و تشبہ بالخلق ہے وہ تو دو وجہ سے مرآة ظہور صفات حق ہیں ایک تعلق صانع و مصنوع سے۔ دوسرے نمونہ صفات حق بننے سے جس سے صفات حق کی معرفت کی قدر تفصیل کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے پس اسی مظہر کمالات حق بننے کو مجازاً اسمانے سے تعبیر کر دیا اور نہ اللہ تعالیٰ محاط ہونے سے منزہ ہیں آگے مؤمن کامل کے قلب میں اسمانے پر تفریح ہے کہ) اگر تو مجھ کو (یعنی حق تعالیٰ کو) طلب کرنا چاہتا ہے تو ان (کاملین کے) قلوب میں طلب کر) (کیونکہ جب میں ان کے قلوب میں ہوں تو وہاں ہی ملوں گا اور قلوب میں ڈھونڈنے سے یہ مراد ہے کہ ان سے فیض باطنی حاصل کرو تو وہی کمالات معرفت و محبت وغیرہ تم میں پیدا ہو جائیں گے اور یہی وصول الی اللہ ہے آگے دلیل ہے کہ) قرآن شریف میں یہ مضمون ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تو میرے بندوں میں داخل ہو کہ جنت سے مل جائے گا کہ وہ میری رویت ہے (یہ تفسیر ہے آیت یا ایہا النفس المطمئنة الی قولہ جنتی کی۔ مولانا نے وادخلی کا عطف فادخلی پر تفسیری لیا ہے کہ اول میں جانا اس میں جانا ہے اور آیت کو مطلق لیا ہے حیات و ممات دونوں سے اس لئے جنت کی تفسیر رویت سے کی تاکہ حیات میں بھی صادق آوے اور رویت یہاں بصری نہیں مشاہدہ اصطلاحیہ مراد ہے) اور عرش باوجود یکہ نورانی اور وسیع ہے مگر جب انسان کو دیکھا تو وہ بھی از جارفہ ہو گیا اور واقعی عرش کی بڑائی بے شک بہت ظاہر ہے لیکن معنی کے سامنے صورت کیا چیز ہے (یعنی عرش گو عظیم ہے مگر ایک صوری یعنی جسمانی و مادی چیز ہے اور انسان معنوی یعنی روحانی و مجرد چیز ہے اور مجرد مادی سے وادسع ہونا بہت جگہ اسی شرح میں گزر چکا ہے۔ فتدکر۔

ہر ملک می گفت مارا پیش ازیں	الفتے می بود بر روئے زمیں
ہر فرشتہ کہتا تھا ہمیں اس سے پہلے	روئے زمین سے محبت تھی
تخم خدمت در زمیں می کا شتیم	زاں تعلق ما عجب می داشتیم
ہم نے زمین میں خدمت کے بیج بوئے تھے	اس تعلق سے ہم متعجب تھے
کایں تعلق چہست با ایں خاکداں	چوں سرشت بابدست از آسماں
کہ اس زمین سے یہ تعلق کیا ہے؟	جبکہ ہمارا خمیر آسمان سے ہے
الف ایں انوار باظلمات چہست	چوں تو اند نور باظلمات زیست
ان نوروں کو تاریکیوں سے محبت کیوں ہے؟	نور تاریکیوں کے ساتھ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟
آدما آں الف از بوئے تو بود	زانکہ جسمت را زمین بدتار و پود
اے آدم! وہ محبت تیری خوشبو کی وجہ سے تھی،	کیونکہ تیرے جسم کا تانا بانا زمین تھی
جسم خاکت را ازیں جا یافتند	نور پاکت را در آنجا یافتند
تیرے خاکی جسم کو اس جگہ سے حاصل کیا	تیرے پاک نور کو اس جگہ چکایا
ایں کہ جان ما ز روح یافت ست	پیش پیش از خاک آں می تافت ست
یہ جو کچھ ہماری جان نے تیری روح سے حاصل کیا ہے	پہلے پہلے زمین سے چکا ہے
در زمیں بودیم و غافل از زمیں	غافل از گنجی کہ دروے بد دفیں
ہم زمین پر تھے اور زمین سے غافل تھے	اس خزانہ سے غافل تھے جو اس میں مدفون تھا

(یہ بھی تہمت ہے بیان فضائل و کمالات آدم علیہ السلام کا) یعنی تمام ملائکہ (حضرت آدم علیہ السلام سے خطاب کر کے) کہہ رہے تھے کہ ہم کو اس زمانہ کے قبل (یعنی جب آپ پیدا نہ ہوئے تھے) روئے زمین سے ایک قسم کی الفت معلوم ہوتی تھی ہم زمین پر احکام و طاعات (جو ہم کو سپرد تھیں) بجالاتے تھے اور اس تعلق سے (جو زمین کے ساتھ تھا) تعجب کیا کرتے تھے کہ ہم کو اس خاکدان سے تعلق ہونے کی کیا وجہ جب کہ ہماری سرشت عالم علوی ہے پھر ان انوار کو (یعنی ہم کو کہ نور سے مخلوق ہیں) ان ظلمات (ارضیہ) سے الفت کیوں ہے اور جو نورانی ہو وہ ظلمات کے ساتھ کیسے زندگی بسر کر سکتا ہے سوائے آدم علیہ السلام (اب معلوم ہوا کہ وہ الفت آپ کے اثر سے تھی کیونکہ آپ کے جسم کا تار و پود (یعنی مادہ زمین سے بنا ہے پس آپ کے جسم خاکی کو دنیا سے لیا اور آپ کے نور پاک (یعنی روح) کو عالم بالا میں منور فرمایا ہماری ارواح کو آپ کی روح سے جس (نور) کا اب ادراک ہوا ہے یہ آپ (کے پیدائش) کے قبل خاک سے جھکتا معلوم ہوتا تھا اور باوجودیکہ ہم زمین ہی میں رہتے تھے (اور اس کو دیکھتے تھے مگر) زمین سے غافل تھے یعنی وہ جو خزانہ اس میں مدفون تھا اس سے بے خبر تھے (مراد اس سے وہی نور آدم ہے چونکہ اجزاء ارضیہ منشاء جسم آدم علیہ السلام ہیں اور روح کا تعلق جسم سے ضرور ہوتا ہے اس لئے ان اجزاء میں بھی اس تعلق روحانی کا اثر تھا اور وہ نور اسی تعلق کی

وجہ سے تھا پس فرشتے کہتے ہیں کہ نور کا تو مشاہدہ ہوتا تھا مگر حقیقت معلوم نہ تھی (بے خیری و غفلت سے یہی مراد ہے)

چوں سفر فرمود مارا ز اں مقام	تلخ شد مارا ازاں تحویل کام
جب ہمیں اس جگہ سے سز کرنے کا حکم فرمایا	اس تبدیلی سے ہمارا مطلق کڑوا ہو گیا
تا کہ جتہا ہمیں کفتمیم ما	کہ بجائے ما کہ آید اے خدا
یہاں تک کہ ہم نے جتیں کیں	کہ اے خدا! ہماری جگہ کون آئے گا؟
نور ایں تسبیح و ایں تہلیل را	می فروشی بہر قال و قیل را
اس تسبیح اور تہلیل کے نور کو	تو لڑائی، جھڑپے سے تبدیل کرتا ہے
حلم حق گسترد بہر ما بساط	کہ بگوسید از طریق انبساط
اللہ (تعالیٰ) کے علم نے ہمیں موقع دیا	کہ کھل کر کھو
ہرچہ آید بر زباں تاں بے حذر	ہمچو طفلان یگانہ با پدر
بلا خوف جو تمہاری زبان پر آئے	جیسے بے تکلف بچے اپنے باپ سے
ماہمی دانیم خود راز شما	لیک می خواہیم آواز شما
خود ہم تمہارے راز کو جانتے ہیں	لیکن تمہاری آواز (میں) سننا چاہتے ہیں
زانکہ ایں دمہا چہ گر نالائق ست	رحمت من بر غضب ہم سابق ست
اس لئے کہ یہ معمولی باتیں اگرچہ مناسب نہیں ہیں	(لیکن) میری رحمت غصہ پر سبقت رکھتی ہے
از پئے اظہار ایں سبق اے ملک	در تو بنہم داعیہ اشکال و شک
اے فرشتو! اس سبقت کے اظہار کے لئے	میں تم میں اشکال اور شک کا داعیہ پیدا کر رہا ہوں
تا بگوئی و نگیرم بر تو من	منکر حلم نیارد دم زدن
تا کہ تم کہو اور میں تم پر گرفت نہ کروں	میری بردہاری کا منکر دم نہ مار سکے
صد پدر صد ما در اندر حلم ما	ہر نفس زاید در افتد در فنا
سو باپ اور سو مائیں ہمارے علم میں	ہر لمحہ پیدا ہو کر فنا ہو رہی ہیں
حلم ایشاں کف بحر حلم ماست	کف رود آید و لے دریا بجاست
ان کا علم ہمارے علم کے سمندر کا جھاگ ہے	جھاگ تو آتے جاتے ہیں لیکن دریا اپنی جگہ پر ہے
خود چہ گویم پیش آں در ایں صدف	نیست الا کف کف کف کف
میں کیا بتاؤں اس موتی کے سامنے یہ سیپ	جھاگ ہی جھاگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

یہ تہہ ہے قول ملائکہ کا بعد بیان تعلق الفت کے کہتے ہیں کہ) جب ہم کو اس مقام (یعنی زمین) سے سفر کرنے کا (اور آسمان پر آنے کا) حکم فرمایا تو ہم کو (بوجہ اس تعلق الفت کے زمین کی مفارقت سے) گرانی ہوئی (یہ زمین سے آسمان پر بلانا اس لئے نہ تھا کہ تمہارے عوض میں اب دوسری مخلوق زمین پر رہے گی کیونکہ اول تو آدمی کو بعض فرشتوں کے نہیں بسایا گیا بلکہ بعض جنات کے دوسرے فرشتے تو اب بھی ان ہی اپنے کاموں میں زمین پر مشغول ہیں بلکہ یہ بلانا غالباً مشورہ کے لئے تھا یا آدم علیہ السلام کے روبرو سجدہ کرانے کے لئے اور فرشتوں کو مفصل علم نہ ہوگا کہ ہم پھر زمین پر بھیجے جائیں گے اس لئے یہ سمجھے ہوں گے کہ اگر دوسری مخلوق زمین پر رہی تو ہم سے زمین کو مفارقت ہو جائے گی جو بوجہ الفت کے گراں تھی خدا جانے مولانا کی نظر سے یہ مضمون الفت و گرانی مفارقت کا گزرا ہوگا آگے اس گرانی پر تفریح ہے کہ) انتہا یہ کہ ہم طرح طرح کی جتیں (مشورہ کے وقت) عرض کرتے تھے کہ اے اللہ ہماری جگہ کون آتا ہے اس نور تسبیح و تہلیل کو (جو ہمارا فعل ہے) آپ (اس مخلوق جدید کی قال و قیل (یعنی عناد و فساد) کے عوض میں (جو اس کا فعل ہوگا) بدلتے ہیں (کما قال تعالیٰ قالوا اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک و نقدس لک۔ اگر وہ روایت گرانی مفارقت ارض کی ثابت نہ ہو تو اس قول ملائکہ کو صرف حق جل و علا شانہ کے استشارہ کا جواب کہا جائے گا اور یہی ظاہر ہے اور مقصود ملائکہ کو اعتراض حق تعالیٰ پر یا طعن آدمی پر نہیں ہے کیونکہ کفر اور معصیت سے ملائکہ منزہ ہیں بلکہ محض اپنے مشورہ کا بغرض امتثال امر ظاہر کرتا اور تخلیق بنی آدم کی حکمت پوچھنا اور اپنے لئے خلافت کی درخواست کرنا اور اس کے ضمن میں اپنے قدیم الخدمت ہونے کا اظہار کرنا ہے رہا یہ کہ الفاظ میں کسی قدر ایہام بے تکلفی کا پایا جاتا ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ) حق تعالیٰ کی صفت حلم نے ہمارے لئے بساط (اجازت) بچھا دیا کہ خوب دل کھول کر جو کچھ تمہاری زبان پر آوے کہہ لو جس طرح باپ کے روبرو بچے (سب کچھ کہہ لیتے ہیں) اور گو ہم کو تمہارا مافی الضمیر معلوم ہے لیکن ہم تمہاری آواز (سننا یعنی تمہاری زبان سے کلام کہلانا) چاہتے ہیں کیونکہ یہ تمہاری باتیں اگر چہ لائق (مقام کمال ادب) نہیں مگر میری رحمت غصب پر سابق ہے اور اسی سابق ہونے کے اظہار کے لئے اے ملائکہ تمہارے اندر (مضمون) موجب اشکال و اشتباہ کو پیدا کرتا ہوں تاکہ تم (اس کے بارہ میں کچھ) بولو (اور میں اپنی رحمت سے) تم پر مواخذہ نہ کروں پس میرے حکم کے منکرین کو پھر کلام کرنے کی مجال نہ رہے (یعنی بعد اثبات اس واقعہ کے پھر انکار نہ کر سکے یعنی یہ حکمت ہے تم کو بولنے کی اجازت دینے میں پس یہ جواب ہو گیا ایہام بے تکلفی الفاظ کا آگے حلم کی عظمت کا بیان ہے کہ ہمارا حلم اتنا بڑا ہے کہ) سینکڑوں باپ سینکڑوں مائیں (جو بچہ کے حق میں بڑی رحیم و حلیم ہوتی ہیں) ہمارے کارخانہ حلم میں پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں (تو ان کا حلم بھی فنا ہو جاتا ہے) بخلاف ہمارے حلم کے کہ اس کو فنا ہی نہیں پس گویا) ان کا حلم ہمارے دریائے حلم کا ایک ادنیٰ کف یعنی بلبہ ہے سو کف آتا ہے چل دیتا ہے اور دریا بحال خود اپنی جگہ قائم ہے (یہ تشبیہ محض متبوع اور تابع ہونے میں ہے نہ جمیع اوصاف و لوازم میں ورنہ) میں کیا (مثال) کہہ سکتا ہوں اس موتی (یعنی حلم حق) کے روبرو یہ صدف (یعنی حکم والدین) تو کچھ بھی نہیں اگر کف کا کوئی کف ہو اور اس کا کوئی کف ہو پھر اس کا کف ہو بس اس سے زیادہ نہیں (بلکہ بدرجہا کم ہے کیونکہ + چہ نسبت خاک ربا عالم پاک اور موتی صدف بھی باعتبار عظیم و حقیر ہونے کے کہہ دیا

کامتخانی نیست اس گفت و نہ لاف

حق آل کف حق آل دریائے صاف

یہ گفتگو نہ آزمائش ہے نہ بکواس

اس جھاگ کی قسم اور اس صاف دریا کی قسم

کر رہا ہے جس طرح عاشق اپنے معشوق کے پاس ہدیہ بغرض اظہار محبت نہیں لے جاتا محض تقاضائے عشق ہوتا ہے اگر ایسے شخص کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ میری خدمت و عبادت مردود ہے تب بھی ترک نہ کرے بخلاف غیر محبت کے کہ ایسی حالت میں فوراً ترک کر دے اشعار نمود آ نکد الخ ان لوگوں کا بیان ہے دوسری بات یہ سمجھو کہ یہاں ایک صفت مقصودہ ہے یعنی محبت الہیہ اور ایک اس کا اثر ہے جو محبت سے پیدا ہوتا ہے یعنی اعمال مقرون بالاخلاص اور ایک اس عمل خالص اور محبت کا سبب ہے یعنی محض صورت اعمالی خالی از اخلاص و ریاء کیونکہ سبب کہتے ہیں اصطلاح شرع میں ایسے امر کو جو مفہمی فی الجملہ ہو یعنی من وجہ مسبب کا وسیلہ بن جائے اور اس کو وجود مسبب میں کچھ دخل ہو سو محض صورت اعمال گا ہے ذریعہ بن جاتا ہے اعمال مع الاخلاص کا یعنی عادت سے اخلاص پیدا ہو جاتا ہے کما سمعت عن مرشدی پس اس کا سبب تو بلا واسطہ ہوا پھر اخلاص سے محبت پیدا ہو جاتی ہے پس اس کا سبب بلا واسطہ ہوا اس لئے محض صورت اعمال عمل خالص اور محبت کا سبب ہو گیا حدیث میں بھی صلوة کو وسیلہ فرمایا ہے جو ہم معنی ہے سبب کا۔ ان تینوں لفظوں کی تفسیر آگے کام آئے گی۔ تیسرے یہ سمجھو کہ کسی شے کی نفی کرنے سے کبھی خود اس شے کی نفی مقصود ہوتی ہے اور کبھی اس کی طرف التفات کرنے کی مثلاً کوئی اپنے شاگرد سے کہے کہ میں شاگردی کی وجہ سے یہ رعایت نہیں کرتا تو یہاں یہ مقصود نہیں کہ شاگردی نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس رعایت میں اس صفت کا خیال نہیں ہے جب تینوں امر سمجھ میں آگئے اب حل اشعار میں بالکل سہولت ہو گئی سنو فرماتے ہیں کہ (اگر اکثر (یعنی اعمال مع الخلوص کہ اثر محبت ہے جیسا ہدیہ کے اثر محبت خلق ہے نہ پایا جائے) بلکہ محض صورت اعمال ہی ہو تو بھی ضرر نہیں کیونکہ گاہے) سبب بھی مظہر مقصود ہوتا ہے (اسی طرح محض صورت اعمال بھی جناب باری میں من وجہ مظہر محبت قرار دی گئی ہے اور وہ احیاناً بعد چندے اخلاص اور محبت پیدا کر دیتی ہے) اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے علاقہ قرابت جو محبت سے مخبر ہے (یعنی صفت مقصودہ محبت ہوتی ہے اور اس کا اصل اثر ہدیہ جو صدق سے ہو جیسے وہاں اعمال خالص تھے لیکن گاہے ہدیہ نہیں ہوتا تو صرف علاقہ قرابت بھی محبت کا سبب قرار دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اسکی طرف مفہمی فی الجملہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں محض صورت اعمال کو سمجھو مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اگر تم کو درجہ اخلاص کا حاصل نہ ہو تو محض صورت اعمال ہی کو اختیار کرو کہ اس سے بھی امید کامیابی ہے اور یہ ہزار درجہ عمل مع الریاء سے بہتر ہے کیونکہ وہ مہلک و مضر ہے جبکہ بقصد ہو ورنہ سو سوسہ ہے اور اکثر بلکہ ہمیشہ ابتدا میں اعمال اسی طرح ہوتے ہیں اسی میں تکلف سے اخلاص کا اہتمام شروع کرنے سے شدہ شدہ مقصود اصلی تک پہنچ جاتا ہے بعضے لوگ حضور تام نہ ہونے سے یا سو سوسہ ریاء سے جو غیر اختیاری ہے تنگدل ہو کر ترک یا تقلیل کر دیتے ہیں یہ بڑی غلطی ہے۔ اب قسم رابع کا بیان فرماتے ہیں کہ) جس شخص کے لئے نور حق (یعنی نور معرفت امام و رہبر بن جاتا ہے) (یعنی عارف کامل ہو جاتا ہے چونکہ معرفت کاملہ کے لئے محبت نرم ہی ہے اس لئے) وہ شخص اثر (یعنی اعمال خالصہ) یا سبب (یعنی محض صورت اعمال) کا غلام (یعنی مقید) نہیں رہتا یعنی جب نور الہی (معرفت دماغ میں سما جاتا ہے) (یہ تفسیر ہوئی نور کے امام ہونے کی) تو وہ اثر یا سبب کا (جن کے معنی مذکور ہوئے) غلام نہیں رہتا (یہاں تمہید کے امر ثالث کو یاد کرو یعنی یہ مطلب نہیں کہ وہ اعمال کا پابند نہیں رہتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان اعمال کو اثر یا سبب ہونے کی حیثیت سے نہیں کرتا یعنی وہ اعمال نہ صرف اس کی رسمی عادت ہوتی ہے اور یہ تو بہت ظاہر ہے اور نہ اظہار جناب باری میں مقصود ہے بلکہ محبت کے غلبہ میں مضطرب و اس سے صادر ہو رہے ہیں اور چونکہ غرق محبت ہے اس لئے التفات الی غیر ہی نہیں جس کے قطع کرنے کی حاجت ہو جو حقیقت ہے اخلاص کی اس لئے تحصیل اخلاص کا بھی اس کو قصد نہیں کہ تحصیل حاصل محال

ہے چنانچہ فرماتے ہیں (یہاں تک کہ (اس معرفت کاملہ کی وجہ سے) اس کے باطن میں محبت (الہی) شعلہ زن ہوتی ہے اور عظیم ہوتی جاتی ہے اور اثر سے فارغ کر دیتی ہے یعنی اس کو (عبادت سے) اظہار محبت کی حاجت نہیں ہوتی جبکہ محبت اپنا نور آسمان پر پہنچائے ہوئے ہے (یعنی اس کی محبت مقبول ہو چکی ہے کما قال تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب) اور اس غرض کے لئے یہ مضمون پورا ہو تفصیلات بہت ہیں (جن میں سے ایک شمتہ احقر نے بیان کیا ہے) مگر تم (اس قوتِ ممیزہ کو) طلب کرو (جس سے ان اقسامِ اربعہ میں امتیاز کر سکو اور ان مراتب کی حقیقت بالخصوص مرتبہ رابعہ کی سمجھ سکو کیونکہ یہ امور حالی ہیں صرف قال سے منکشف نہیں ہوتے) والسلام والحمد لله تعالیٰ علی شرح هذا المقام الذی اتعب الافہام واضل الاوہام

گرچہ شد معنی دریں صورت پدید	صورت از معنی قریب ست و بعید
اگرچہ معنی اس صورت میں ظاہر ہوئے ہیں	(لیکن صورت معنی سے قریب (بھی) ہے اور دور (بھی) ہے)
در دلالت پھو آ بند و درخت	چوں بماہیت روی دور اند سخت
دلالت کرنے میں پانی اور درخت کی طرح ہیں	تو اگر حقیقت پر غور کرے گا (ایک دوسرے سے) بہت دور ہیں
دانہ بین کز آب و خاک و آفتاب	چوں درختے گشت در عالم شتاب
دانہ کو دیکھ پانی اور مٹی اور سورج کی وجہ سے	کیسے بہت جلد دنیا میں درخت بن گیا
ور بماہیت بگردانی نظر	دور دور اند ایں ہمہ از یک دگر
اگر تو حقیقت پر نظر ڈالے	ایک دوسرے سے بہت دور ہیں
ترک ماہیات و خاصیات گو	شرح کن اقوال آں دور زق جو
ماہیوں اور خاصیتوں (کے بیان) کو چھوڑ	ان دونوں رزق کے طلبکاروں کی باتوں کی تفصیل بتا
باز گواز ماجرائے مرد و زن	زانکہ انجامے ندارد ایں سخن
مرد اور عورت کا قصہ پھر سنا	اس لئے کہ اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

(اوپر اعمال کو صورت محبت کہا تھا اور مقصود اصلاح تھی ان لوگوں کی جو صورت کی نفی کرتے ہیں اب احتمال ہوا کہ شاید کوئی اس صورت ہی کو مقصودا عظیم سمجھ بیٹھے اور معنی کو یعنی محبت و امور باطنہ کو بے قدر سمجھے جیسا اکثر عابدین کی حالت ہے کہ محض صورت پر قناعت کر رکھی ہے اس لئے ان اشعار میں ان کے اس خیال کی اصلاح فرماتے ہیں کہ) اگرچہ معنی کا ظہور اس صورت میں ضرور ہوا ہے لیکن پھر بھی صورت (عین معنی نہیں بلکہ معنی سے من وجہ قریب ہے) (یعنی باعتبار دلالت کے) اور من وجہ بعید ہے (یعنی باعتبار ماہیت کے پس صورت معنی کے متعلقات میں سے ہوئی اور بوجہ دلالت تو ضروری الحصول ہوئی اور بوجہ اختلاف ماہیت کے ناقابل قناعت ہوئی) یہ صورت و معنی دال و مدلول ہونے میں مثل آب اور درخت کے ہیں کہ (درخت دلالت کر رہا ہے وجود آب پر کیونکہ اس کا وجود اس پر موقوف ہے اور وجود موقوف دال ہوتا ہے وجود موقوف علیہ پر) لیکن جب ماہیات میں پہنچو تو بہت ہی بعید ہیں (کیونکہ دونوں کی ماہیت قطعاً مختلف ہے پس درخت کہ امر ظاہر ہے مثل صورت کے ہوا اور آب کہ امر مخفی ہے مثل معنی کے ہوا آگے اس کی توضیح ہے) دانہ کو دیکھو کہ آب و خاک و گرمی آفتاب سی کس طرح تھوڑی مدت میں درخت

بن گیا لیکن اگر ماہیت میں نظر (عقلی) دوڑاؤ تو سب ایک دوسرے سے بہت بعید ہیں (اور اسی اختلاف ماہیت کی وجہ سے ہر ایک کی خاصیت بھی جدا ہے یعنی اسی طرح اعمال ظاہری گودیل محبت ہیں مگر عین محبت تو نہیں ایک فرض کے ادا سے دوسرا کیوں معاف ہو گیا بلکہ اس کی تحصیل بھی ضروری ہے آگے تمیم قصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ ان ماہیات و خاصیات کا ذکر چھوڑوان دونوں طالب رزق کے حال کی شرح کرو یعنی اس مردوزن کا قصہ پھر بیان کرو کیونکہ اس مضمون کا تو کہیں خاتمہ نہیں۔

دل نہادن مرد عرب بر التماس دلبر خویش و سوگند خوردن کہ مرادریں تسلیم حیلے و امتحانے نیست

اعرابی کا اپنی محبوبہ کی بات پر راضی ہو جانا اور قسم کھانا کہ اس رضامندی سے میرا مقصد کوئی حیلہ اور آزمائش نہیں ہے

مرد گفت اکنون گداستم از خلاف	حکم داری تیغ برکش از غلاف
مرد نے کہا اب میں خلاف سے باز آیا	تجھے حکم کا دینے کا حق ہے تلوار نیام سے نکال
ہرچہ گوئی مرترا فرماں برم	وربد و نیک آید آنرا ننگرم
جو تو کہے گی تیرا حکم بجا لاؤں گا	اگر اچھائی برائی آئے گی اس کو نظر انداز کر دوں گا
در وجود تو شوم من منعدم	چوں حکم حب یعمی و یصم
میں تیرے وجود میں فنا ہو جاؤں گا	جبکہ میں عاشق ہوں محبت اندھا اور بہرا کر دیتی ہے

یعنی مرد بولا کہ اب میں (تیرے) خلاف کرنے سے گزرا اب تو مجھ پر ہر طرح کا حکم رکھتی ہے خواہ غلاف سے تلوار نکال لے (کہ مجھ کو جان دینے سے بھی عذر نہیں) جو کچھ تو کہے گی میں فرمانبرداری کروں گا اور جو بھلائی برائی پیش آئے گی میں کچھ نہ دیکھوں گا اور میں تیسری ہستی میں محو ہو جاؤں گا کیونکہ میں جب تیرا عاشق ہوں تو عشق کی تو خاصیت یہی ہے کہ اندھا بہرا کر دیا ہے (کہ محبوب کا عیب و صواب سب ایک معلوم ہوتا ہے)

گفت زن آہنگ برم می کنی	یا بحیلت کشف سرم می کنی
عورت نے کہا تو میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کر رہا ہے	یا چالاک سے میرا راز کھول رہا ہے
گفت واللہ عالم السرا اکنی	کافرید از خاک آدم را صنی
اس نے کہا اللہ (تعالیٰ) مجھے ہوئے بھیدوں کا جاننے والا ہے	جس نے برگزیدہ آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا کیا ہے
درسہ گز قالب دادش وانمود	آنچہ در ارواح و درالواح بود
تین گز کے جسم میں جو ان کو دیا ظاہر فرما دیں	وہ تمام چیزیں جو رحوں اور نغیوں میں تھیں
یاد دادش لوح محفوظ وجود	تا بدانست آنچہ درالواح بود
ان کو وجود کی لوح محفوظ یاد کرا دی	یہاں تک کہ وہ ان تمام باتوں کو جان گئے جو نغیوں میں تھیں

تا ابد ہرچہ کہ از پس بود و پیش	درس کرد از علم الاسماء خویش
ابد تک جو ماضی اور مستقبل میں تھا	اپنے اسماء کی تعلیم کے ذریعہ ان کو پڑھا دیا
تا ملک بخود شد از تدریس او	قدس دیگر یافت از تقدیس او
اس علم کی تعلیم سے فرشتے مدہوش ہو گئے	ان فرشتوں نے (اللہ کی) پاکی بیان کر کے اور پاکیزگی حاصل کر لی
آں کشاد شاں کز آدم رومود	در کشاد آسمانہا شاں قبود
وہ انکشافات جو ان کو (حضرت) آدم سے حاصل ہوئے	وہ آسمانوں کے انکشافات میں ان کو حاصل نہ تھے
در فضائے عرصہ آں پاک جاں	تنگ آمد عرصہ ہفت آسماں
اس پاک جان کے میدان کی وسعت (کے مقابلہ) میں	ساتوں آسمانوں کا میدان تنگ ہو گیا
گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است	من نلجتم ہیج در بالا و پست
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ہے	میں اوپر نیچے (کہیں) نہیں سا سکتا ہوں
در زمین و آسمان و عرش نیز	من نلجتم ایں یقین داں اے عزیز
زمین اور آسمان اور عرش میں بھی	میں نہیں سا سکتا ہوں اے پیارے! یقین کر
در دل مومن بکنج اے عجب	گر مرا جوئی دراں دلہا طلب
تعب ہے مومن کے دل میں سا جاتا ہوں	اگر میری تلاش کرے ان دلوں میں تلاش کر
گفت فادخل فی عبادی تلتقی	جنت من رویتی یا متقی
(اللہ تعالیٰ) نے فرمایا میرے بندوں میں داخل ہو جا تو پالے گا	میرے دیدار کی جنت اے پرہیز گارا
عرش با آں نور و پہنائی خویش	چوں بدید اور ابرفت از جائے خویش
عرش نے باوجود اپنے نور اور وسعت کے	جب اس کو دیکھا بے قرار ہو گیا
خود بزرگی عرش باشد بس پدید	لیک صورت کیست چوں معنی رسید
عرش کی بڑائی بہت واضح ہے	لیکن صورت کیا چیز ہے جب معنی آ پہنچیں؟
ہر ملک می گفت مارا پیش ازیں	الفتی می بود بر روئے زمین
ہر فرشتہ کہتا تھا ہمیں اس سے پہلے	روئے زمین سے محبت تھی
تخم خدمت در زمین می کا شتیم	زاں تعلق ما عجب می داستیم
ہم نے زمین میں خدمت کے بیج بوئے تھے	اس تعلق سے ہم متعجب تھے

کایں تعلق چیست با این خاکداں	چوں سرشت ما بدست از آسماں
کہ اس زمین سے یہ تعلق کیا ہے؟	جبکہ ہمارا غیر آسمان سے ہے
الف این انوار باظلمات چیست	چوں تو اند نور باظلمات زیست
ان نوروں کو تاریکیوں سے محبت کیوں ہے؟	نور تاریکیوں کے ساتھ کیسے زندہ رہ سکتا ہے؟
آدما آں الف از بوئے تو بود	زانکہ جسمت راز زمین بدتار و پود
اے آدم! وہ محبت تیری خوشبو کی وجہ سے تھی	کیونکہ تیرے جسم کا تانا پانا زمین تھی
جسم خاکت را ازیں جا یافتند	نور پاکت را در آنجا یافتند
تیرے خاکی جسم کو اس جگہ سے حاصل کیا	تیرے پاک نور کو اس جگہ چکایا
ایں کہ جان ما ز روحت یافت ست	پیش پیش از خاک آں می یافت ست
یہ جو کچھ ہماری جان نے تیری روح سے حاصل کیا ہے	پہلے پہلے زمین سے چکا ہے
در زمین بودیم و غافل از زمین	غافل از گنجی کہ دروے بددین
ہم زمین پر تھے اور زمین سے غافل تھے	اس خزانہ سے غافل تھے جو اس میں مدفون تھا
چوں سفر فرمود مارا ز اں مقام	تلخ شد مارا از اں تحویل کام
جب ہمیں اس جگہ سے سڑ کرنے کا حکم فرمایا	اس تبدیلی سے ہمارا تعلق کڑوا ہو گیا
تا کہ جتہا ہمی گفتیم ما	کہ بجائے ما کہ آید اے خدا
یہاں تک کہ ہم نے جتیں کہیں	کہ اے خدا! ہماری جگہ کون آئے گا؟
نور این تسبیح و این تہلیل را	می فروشی بہر قال و قیل را
اس تسبیح اور تہلیل کے نور کو	تو لڑائی، جھڑپے سے تبدیل کرتا ہے
حلم حق گسترد بہر ما بساط	کہ بگوئید از طریق انبساط
اللہ (تعالیٰ) کے علم نے ہمیں موقع دیا	کہ کمال تکمیل کر
ہر چہ آید بر زباں تاں بے خذر	ہمچو طفلان یگانہ با پدر
بلا خوف جو تمہاری زبان پر آئے	جیسے بے تکلف بچے اپنے باپ سے
ماہمی دانیم خود راز شما	لیک می خواهیم آواز شما
خود ہم تمہارے راز کو جانتے ہیں	لیکن تمہاری آواز (میں) سننا چاہتے ہیں

زائکہ ایں دمہاچہ گر نالائق ست	رحمت من بر غضب ہم سابق ست
اس لئے کہ یہ معمولی باتیں اگرچہ مناسب نہیں ہیں	(لیکن) میری رحمت غصہ پر سبقت رکھتی ہے
از پئے اظہار ایں سبق اے ملک	در تو بنہم داعیہ اشکال و شک
اے فرشتو! اس سبقت کے اظہار کے لئے	میں تم میں اشکال اور شک کا داعیہ پیدا کر رہا ہوں
تا بگوئی و نگیرم بر تو من	منکر حلم نیارو دم زون
تاکہ تم کہو اور میں تم پر گرفتہ کروں	میری برد باری کا منکر دم نہ مار سکے
صد پدر صد ما در اندر حلم ما	ہر نفس زاید در افتد در فنا
سو باپ اور سو مائیں ہمارے حلم میں	ہر لمحہ پیدا ہو کر فنا ہو رہی ہیں
حلم ایشاں کف بحر حلم ماست	کف روڈ آید و لے دریا بجاست
ان کا حلم ہمارے حلم کے سمندر کا جھاگ ہے	جھاگ تو آتے جاتے ہیں لیکن دریا اپنی جگہ پر ہے
خود چہ گویم پیش آں در ایں صدف	نیست الا کف کف کف کف
میں کیا بتاؤں اس موتی کے سامنے یہ سیپ	جھاگ ہی جھاگ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
حق آں کف حق آں دریائے صاف	کامتخانی نیست ایں گفت و نہ لاف
اس جھاگ کی قسم اور اس صاف دریا کی قسم	یہ گفتگو نہ آزمائش ہے نہ بکواس
از سر مہر و صفا ہست و خضوع	حق آنکس کہ بدو دارم رجوع
محبت اور خلوص اور عاجزی کی وجہ سے ہے	اس ذات کی قسم جس کی طرف مجھے لوٹنا ہے

(یعنی عورت نے کہا کہ تو سچ مچ میرے ساتھ احسان کرنے کا قصد کرتا ہے) کہ میرے کہنے کے موافق تلاش معاش کرے گا) یا اس بہانہ سے میرے دل کا بھید لیتا ہے (کہ موافق جانکر اور اپنا سب مافی الضمیر کہہ ڈالے گی) مرد نے جواب دیا کہ قسم کھاتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو سر اور خفی کے جاننے والے ہیں جنہوں نے آدم صلی علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا (اس کے بعد بڑی دور تک حضرت آدم علیہ السلام کے کمالات کا بیان ہے اس کے بعد جواب قسم ہے امتحانی نیست الخ۔ پس بیان ان کمالات کا یہ ہے کہ) تین گز (یعنی تین ہاتھ) کے قالب میں جو کہ ان کو دیا تھا تمام اشیاء جو ارواح والواح میں تھیں (افاضہ علم سے) ظاہر کر دیں (تین ہاتھ سے مراد ساڑھے تین ہاتھ ان کے ہاتھ سے جو ہمارے ہاتھ سے ساٹھ ہاتھ کے تھے اور کسر حذف کر دی آگے اس وانمود الخ کی تفسیر ہے کہ) ان کو لوح محفوظ کی (جو کہ احوال موجودات پر مشتمل ہے) تعلیم کر دی جس سے ان کو اور ارواح کا بھی (جو کہ لوح محفوظ سے نقل کی جاتی ہیں جیسا حدیث میں آیا ہے کہ لیلۃ البراءة میں مقادیر لکھی جاتی ہیں) علم ہو گیا (اور اسی سے علم ارواح کا حصول لازم آ گیا کیونکہ ارواح میں جو علوم حاصل ہوتے ہیں وہ سب بھی لوح محفوظ میں ہیں) غرض ابد

(یعنی قیامت) تک جو کچھ اگلے پچھلے علوم ہیں وہ سب (اجمالاً) اپنی تعلیم سے جو کہ اسما کے ساتھ متعلق تھیں درس فرما دیئے (ابد کی تفسیر قیامت سے اس لئے کی گئی کہ ابد کے حقیقی معنی میں لاتنا ہی فی المستقبل ہے اور ممکن کو علوم غیر متناہیہ کا حاصل ہونا محال ہے اور غالباً سیوطی نے بعض رسائل میں ایک حدیث لکھی ہے جس میں تصریح ہے کہ لوح محفوظ میں بھی قیامت تک کے احوال ہیں اور اجمالاً کی قید اس لئے لگائی گئی کہ ان اشیاء کا علم مفصل کو ممکن ہے مگر واقع نہ تھا چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو مثلاً یہ علم نہ تھا کہ ابلیس مجھ کو دھوکہ دے گا اور مثلاً وہ لفظ حارث کے معنی نہ جانتے تھے کہ براہ لغزش اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھ دیا اور مثلاً یہ یاد نہیں رہا کہ میں اپنی عمر حضرت داؤد علیہ السلام کو دے چکا ہوں پس اس سے کسی کا یہ استدلال واستنباط کرنا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کا علم محیط تھا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو علم آپ سے زیادہ ہی ہے ضرور محیط ہوگا محض بے بنیاد ہو گیا حق یہ ہے کہ علم محیط بامور غیر متناہیہ خاصہ حق جل و علا شانہ کا ہے اور دوسرے کے لئے محال عقلی ہے اور قیامت تک کے محدود واقعات کا جو محال نہیں لیکن بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل قائل ہونا افتراء علی اللہ ہے اور اسماء سے مراد علم الاسماء میں موجودات کی امہات خواص و صفات و اصول و کلیات نعات ہیں پس وہ علم متناہی ہی تھا اور مجمل بھی خوب سمجھ لو اس سے بے شمار اشکالات مرتفع ہو گئے مگر پھر بھی ایسا عظیم تھا) جس کی تدریس سے ملائکہ بے خود و ششدر رہ گئے (فاعل تدریس آدم علیہ السلام ہیں) یہ مقولہ مولانا کا ہے بطور انتقال کے کہ تم جانتے ہو کہ وہ کوزہ یعنی گھڑا (جو عرب لے چلا ہے) کیا چیز ہے (یعنی کس چیز کی مثال ہے) وہ ہمارا تن ہے جو گور کی طرح تنگ و تاریک ہے اور اس میں جو پانی تھا وہ ہمارے حواس ہیں جو محض آب شور کے مثل ہیں (یعنی جس طرح اس کا بدنما گھڑا اور بد مزہ پانی بادشاہ نے قبول کر لیا تھا اسی طرح ہماری ہستی کہ سراسر عیب و نقصان ہے اگر بادشاہ حقیقی کی راہ میں صرف کی جائے اور یہی پیش کرنا ہے تو وہ قبول فرما لیتے ہیں اب مناجات فرماتے ہیں کہ اے اللہ میرے اس خم اور کوزہ کو (کہ میری ہستی ناقص ہے) آپ اپنی فضل سے قبول فرما لیجئے جیسا ارشاد ہے ان اللہ اشتری من المؤمنین الایۃ (آگے اپنے نفس کو یا ہر سالک کو خطاب ہے کہ یہ تن) ایک کوزہ ہے جس میں پانچ حواس کی پانچ ٹونٹی لگی ہیں (کہ ان میں سے مدرکات و محسوسات ذہن میں پہنچتے ہیں اور خیالات ذہنیہ ان ہی کے ذریعہ سے صورت عمل میں ظاہر ہوتے ہیں اس لئے مشابہ ٹونٹی کے ہوئے) پس اس کے پانی کو ہر نجس (یعنی اعمال قبیحہ و صفات ذمیرہ سے) پاک رکھ تاکہ اس کوزہ (تن) دریا (یعنی ذات حق) تک ایک (باطنی) راہ (یعنی معیت) ہو جائے تاکہ یہ تیرا کوزہ (اس اتصال سے) دریا کے اخلاق حاصل کر لے (معیت و نسبت باطنی سے تخلق باخلاق اللہ و اتصاف بصفات حق ضروری ہے) تاکہ جب اس کو سلطان السلاطین کے سامنے بطور ہدیہ لے جائے تو سلطان اس کو پاک دیکھے اور خرید فرما لے (یعنی تجھ کو مقبول کر لے) اس کے بعد اس کا پانی (یعنی علوم و حقائق) بے انتہا (بے معنی لا تقف عند حد) ہو جائے (یعنی واردات کا انقطاع نہ ہو) اور تیرے کوزے سے (یعنی اس کے فیوض سے) صد ہا جہان پر ہو جائیں (یعنی اہل عالم کو تیرا فیض پہنچے) پس (اس کوزے کے پاک رکھنے کے لئے) ٹونٹیاں بند کر دے (یعنی معاصی و شہوات سے روک) اور ان کو آب خم سے پر رکھ۔ (ادھر شعر مناجات خم و کوزہ کا اتحاد مصرع ہے یعنی ان حواس کو مطالعہ احوال باطنی میں مشغول رکھ اور صور خارجیہ کی طرف التفات مت کر جیسے ٹونٹی جو خم کے اندر پانی سے پر ہو) چنانچہ حکم ہے کہ بند رکھو ہوائے نفسانی سے اپنی آنکھیں (یہ تفسیر ہے آیہ قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم کی)

از سر مہر و صفا ہست و خضوع	حق آنکس کہ بدو دارم رجوع
محبت اور خلوص اور عاجزی کی وجہ سے ہے	اس ذات کی قسم جس کی طرف مجھے لوٹنا ہے
گر بہ پشت امتحان ست اس ہوس	امتحان را امتحان کن یک نفس
اگر تیرے نزدیک یہ خواہش آزمائش کے لئے ہے	تھوڑی دیر کے لئے آزمائش کو آزما لے
سرپوشاں تا پدید آید سرم	امر کن تو ہرچہ بروے قادرم
راز کو نہ چھپا تا کہ میرا راز (بھی) ظاہر ہو جائے	جو میں کر سکتا ہوں اس کا حکم دے
دلپوشاں تا پدید آید دلم	تا قبول آید ہر انچہ قابلم
دل (کی بات) نہ چھپا تا کہ میرے دل (کی بات) ظاہر ہو جائے	تا کہ جس بات کے میں قابل ہوں اس کو قبول کروں
چہ کنم در دست من چہ چارہ است	درنگرتا جان من چہ کارہ است
کیا کروں میرے قابو میں کیا تدبیر ہے؟	غور کر لئے میں کس کام کا ہوں

(یہ تہمت ہے مقولہ عرب کا اور یہ قسم معنی معطوف ہے اور پر کی قسم واللہ عالم السر و الخفی پر اور امتحانی نیست جواب ہے قسم کا یعنی اس کف کی قسم (یہ محض تاکید کے لئے مجازاً قسم ہے کیونکہ مخلوق کی قسم حقیقتہً جائز نہیں) اور اس دریا میں صاف (یعنی حلم حق جس کا ذکر اوپر ہے اس) قسم میں جو کہ رہا ہوں یہ نہ امتحان ہے (جیسا تجھ کو شبہ ہوا) اور نہ لاف زنی ہے کہ نرا دعویٰ کروں اور کرنے کا عزم نہ ہو بلکہ محض محبت اور صفائی اور فروتنی کی راہ سے..... میں قسم کھاتا ہوں اس ذات کی جس کے پاس مجھ کو جانا ہے اور اگر (اس پر) بھی تیرے نزدیک میری یہ ہوس (مصالحت و موافقت محض امتحان ہے تو اچھا تو اس کے امتحان ہونے کا امتحان کر لے یعنی اپنے دل کی بات (یعنی جو کام مجھ سے لینے کی دل میں خواہش ہو) دل میں مت رکھ تا کہ میرے دل کی بات بھی تجھ کو معلوم ہو جائے۔ جو کام میری قدرت میں ہو تو وہ مجھ کو بتلا کر دیکھ لے غرض مانی الضمیر کو پوشیدہ مت رکھ تا کہ میرا مانی الضمیر ظاہر ہو جائے تا کہ میں جس قابل ہوں اس کو قبول کر لوں (پس تیرے بتلانے پر میرا امتحان ہو جائے گا کہ آیا میں صدق سے کہہ رہا ہوں یا تیرا امتحان لے رہا ہوں لیکن) میں کیا کام کر سکتا ہوں اور میری قدرت میں کیا تدبیر ہے جو کچھ بتلانا ہو ذرا پہلے) دیکھ لچو کہ میری حقیقت کون سے کام کی ہے (کہ اس میں مجھ کو عذر نہ ہوگا)

تعمین کردن زن طریق طلب روزی شوئے خود را و قبول کردن او

عورت کا اپنے شوہر کیلئے روزی طلب کرنے کا راستہ متعین کرنا اور اس کا قبول کر لینا

گفت زن نک آفتابے تافت ست	عالے زو روشنائی یافت ست
عورت نے کہا 'یہ آفتاب چکا ہے	(اور) دنیا نے اس سے روشنی پالی ہے
نائب رحماں خلیفہ کردگار	شہر بغداد دست ازوے چوں بہار
خدا کا قائم مقام اللہ کا خلیفہ	بغداد شہر اس کی وجہ سے (موسم) بہار جیسا ہے

گر بہ پیوندی بداں شہ شہ شوی	سوئے ہر ادبار تاکے می روی
اگر تو اس بادشاہ سے وابستہ ہو جائے گا بادشاہ بن جائے گا	ہر نعمت کی طرف کب تک چلے گا؟
ہمیشینی مقبلاں چوں کیمیاست	چوں نظر شاں کیمیائے خود کجاست
نسیبہ در لوکوں کی مصابحت کیمیا ہے	ان کی نظر جیسی کیمیا (بھی) کب ہے؟
چشم احمد بر ابو بکر زوہ	اوزیک تصدیق صدیقے شدہ
احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگاہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) پر پڑی	وہ ایک تصدیق سے صدیق ہو گئے

یعنی عورت نے کہا کہ (تو پوچھتا ہے میری قدرت میں کیا تدبیر ہے سو وہ تدبیر میں بتلاتی ہوں کہ ایک آفتاب روشن ہو رہا ہے اور ایک عالم اس سے روشنی لے رہا ہے (وہ کون ہے) نائب رحمان خلیفۃ اللہ (جس کی رونق افروزی) سے شہر بغداد مثل (فصل بہار کے (پر رونق) ہو رہا ہے اگر تو اس بادشاہ کے پاس پہنچ جائے تو (خود مال و دولت سے مثل بادشاہ (کے) ہو جائے پھر ادبار کی طرف کیوں مائل ہوتا ہے) (مطلب یہ کہ خلیفۃ اللہ بڑا سخی ہے وہاں جا کر عرض حاجت کر آگے مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ واقعی) اہل اقبال (یعنی اہل دولت باطنی) کی ہمیشینی بھی کیمیا ہے اور ان کی نظر (یعنی توجہ) کے برابر کوئی کیمیا کہاں ہے (کیمیا اس لئے کہا کہ اس سے اوصاف ذمیرہ کی تبدیل اوصاف حمیدہ سے ہو جاتی ہے جس طرح کیمیا سے ایک معدنی کی تبدیل دوسری معدنی سے ہو جاتی ہے) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مبارک (توجہ دلی) حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پڑ گئی وہ ایک تصدیق سے (یعنی صرف ایمان لاتے ہیں) صدیق ہو گئے (حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل اسلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے محبت و مخلص تھے حضور بھی بہت عنایت فرماتے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ اسی توجہ کی برکت سے ایسی استعداد کامل ہو گئی)

گفت من شہ را پذیرا چوں شوم	بے بہانہ سوئے او من چوں روم
اس نے کہا بادشاہ کے یہاں میں مقبول کس طرح ہو سکتا ہوں؟	ذریعہ کے بغیر میں اس کے پاس کیسے جاؤں؟
نسبتے باید مرا یا حیلے	ہیچ پیشہ راست شد بے آلتے
مجھے کوئی تعلق یا تدبیر چاہیے	کوئی پیشہ بغیر اوزار کے چلا ہے؟
ہمچو مجنونے کہ بشنید از یکے	کہ مرض آمد بہ لیلیٰ اند کے
مجھوں کی طرح؟ کہ جب اس نے	کسی سے سنا کہ لیلیٰ کسی قدر بیمار ہے
گفت آوہ بے بہانہ چوں روم	وربمانم از عیادت چوں شوم
بولو! افسوس! بغیر بہانہ کے کیسے جاؤں؟	اگر مزاج پرسی سے رہ جاؤں گا تو میرا کیا حال ہوگا؟
لیتینی کنت طیباً حازقاً	کنت امشی نحو لیلیٰ شائقاً
کاش میں ماہر طیب ہوتا	لیلیٰ کے پاس شوق سے جاتا

قل تعالوا گفت حق مارا بداں	تا بود شرم اشکنی مارا نشاں
اللہ (تعالیٰ) نے قل تعالوا ہمارے لئے اسی لئے فرمایا ہے	تاکہ ہماری شرم ٹوٹنے کا نشان بن جائے
شب پراں را گر نظر و آلت بدے	روزشاں جولان و خوش حالت بدے
چکاڑوں کے لئے اگر نظر اور ذریعہ ہوتا	دن میں ان کی گردش اور اچھی حالت ہوتی

یعنی مرد بولا کہ بھلا میں بادشاہ کے نزدیک مقبول کب ہو سکتا ہوں (یعنی وہاں تک رسائی اور دخل کب ممکن ہے کیونکہ کوئی ذریعہ نہیں پس بلا ذریعہ اس کے پاس کیوں کر جاؤں میرے لئے یا تو کوئی سلسلہ ہونا ضروری ہے (یعنی کوئی سفارش و ذریعہ ہو) یا کوئی حیلہ ہو (مثلاً کسی قسم کا ہدیہ وغیرہ ہو) بھلا کوئی پیشہ (کام) بلا آلات بھی ٹھیک ہوا ہے (اسی طرح حاضری کے لئے آلہ و ذریعہ ہونا چاہیے) جیسے مجنون کا قصہ ہے کہ اس نے کسی سے سنالیسی کچھ بیمار ہے کہنے لگا افسوس بے بہانہ کیسے جاؤں اور اگر عیادت سے رہ جاؤں تو میرا کیا حال ہوگا کاش میں طبیب حاذق ہوتا کہ لیلیٰ کے پاس شوق سے جاتا (یعنی طب کا بہانہ ہو جاتا) حق تعالیٰ نے اسی واسطے ہم کو قل تعالوا فرمادیا ہے (یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ آپ لوگوں سے فرمائیے کہ آؤ تاکہ ہمارے واسطے یہ ایک ایسا حکم ہو جائے جس سے ہماری شرم کھل جائے (یعنی بے وسیلہ جانے سے شرم آتی ہے جب خود ہی بلا لیا تو کچھ حجاب کم ہو گیا یہ مضمون محض ایک نکتہ ہے ورنہ اس کو مراد قرآنی کہنا بعد سے خالی نہیں آگے اسی ضرورت آلہ و ذریعہ کی تائید ہے کہ (شب پروں کے پاس اگر نظر اور آلہ ہوتا (یہ عطف تفسیری ہے یعنی ان کی نظر ایسی ہوتی جو نور آفتاب کی برداشت کرتی کہ وہ ذریعہ ہو جاتی ادراک آفتاب میں) تو دن کے وقت ان کو جولانی اور خوشحالی میسر ہوتی (پس فقدان آلہ کے سبب استفاضہ نور سے محروم ہیں)

گفت چوں شاہ کرم میداں رود	عین ہر بے آلتی آلت شود
بولی جب شاہ کرم میدان میں کھتا ہے	ہر بے سرو سامانی ذریعہ بن جاتی ہے
زانکہ آلت دعویٰ ست و ہستی ست	کار در بے آلتی و پستی ست
کیونکہ سامان تو دعویٰ اور انانیت ہے	(اصل) کام بے سرو سامانی اور ذلت ہے

(میدان کا مضاف الیہ موہبت مقدر ہے یعنی) عورت نے کہا کہ جب شاہ کریم میدان عطا میں چلتا ہے (یعنی دینے پر آتا ہے) تو خود بے آلتی ہی آلہ ہو جاتی ہے کیونکہ آلہ تو (ایک قسم کا) دعویٰ اور انانیت ہے (کہ ہم با سامان ہیں جس سے استغناء مترشح ہوتا ہے) بڑی بات تو بے آلتی اور پستی میں ہے (جس میں پوری نیاز مندی و اظہار احتیاج ہے) اس میں اشارہ ہے کہ بندہ کو چاہیے کہ اعمال پر عجب اور آلہ نجات ہونے کی حیثیت سے مدعیانہ نظر نہ کرے کہ نجات محض رحمت سے ہوگی جیسا حدیث میں مصرح ہے اور اعمال کو خلوص و محبت سے بطور خدمت کے نیاز مندانہ و ساکنانہ بجالائے پس نفی ذات آلہ کی مقصود نہیں بلکہ صفت آلت کی جیسا احقر نے ذرا قبل سرخی دل نہادن مرد عرب سے مفصل بیان کیا ہے)

گفت کے بے آلتی سودا کنم	تانہ من بے آلتی پیدا کنم
(شوہرنے) کہا کہ بے سرو سامانی کا میں کب خیال کر سکتا ہوں؟	جب تک میں بے سرو سامانی پیدا نہ کر لوں

پس گواہے با یدم بر مفلسی	تا شہم رحمے کند در مفلسی
پس مفلسی پر میرا کوئی گواہ ہونا چاہیے	تاکہ بادشاہ مفلسی میں مجھ پر رحم کرے

مرد نے کہا کہ میں آلتی (اور بیستی) کا خیال (اور دعویٰ) کب کر سکتا ہوں (کہ اس حیثیت سے چلا جاؤں جب تک (مقام اور حال) بے آلتی (کا) پیدانہ کر لوں (یعنی جب تک ایسا خلوص دل میں پیدانہ ہو جائے کہ ان تکلفات و آلات سے بالکل نظر اٹھ جائے اس وقت تک تصنع سے کس طرح اس مخلصانہ بے آلتی کی وضع بنا کر جاسکتا ہوں کہ تصنع ضرور کھل جاتا ہے اور بدوں اتصاف حقیقی کے ہمت نہیں پڑتی) تو اس صورت میں (کہ نہ وہ مقام ہے اور نہ کوئی ہدیہ ہے) مفلسی کا کوئی گواہ چاہیے (گواہ سے مراد اتصاف بصدق و اخلاص ہے) تاکہ بادشاہ مفلسی میں مجھ پر رحم کرے اور اثر اخلاص سے ثابت ہو جائے کہ ہدیہ نہ لانا نہ اخلاص کے دعویٰ کا ذبہ سے ہے نہ ہمارے بے تعظیسی سے ہے بلکہ سبب اس کا افلاس ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ ناقص غیر صاحب حال کو اپنے مرتبہ سے بڑھ کر اہل حال کے سے مقالات یا حالات بنانا تکلف سے مذموم ہے اور رہا صاحب حال سو وہ ان مقامات و حالات میں خود مضطر ہوگا)

تو گواہی غیر گفت و گو و رنگ	وانما تا رحم آرد شاہ شنگ
(اے مخاطب) تو (بھی) گنگو اور وضع کے علاوہ کوئی گواہی	پیش کر تاکہ محبوب بادشاہ تجھ پر رحم کرے
کایں گواہی کش ز گفت و رنگ بد	نزد آں قاضی القضاة آں جرح شد
اس لئے کہ گواہی جو گنگو اور وضع کی تھی	احکم الحاکمین کے سامنے مجروح ہو گئی ہے
پس گواہے ز اندروں می بایدم	نے گواہی بروں می بایدم
مجھے کوئی باطنی گواہ درکار ہے	ظاہری گواہی کی مجھے ضرورت نہیں ہے
صدق می باید گواہ حال او	تا بتا بد نور او بے قال او
سچائی اس کے حال کی گواہ ہونی چاہیے	تاکہ اس کا نور اس کی گنگو کے بغیر چمک جائے

(مولانا بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) اے سالک تو بھی کوئی شاید اس قال و وضع ظاہری کے علاوہ دکھلا جیسا وہ عرب اپنے قال اور ظاہری حال پر قناعت کر کے شاہد صدق و اخلاق ڈھونڈتا تھا تاکہ شاہ محبوب کو تجھ پر رحم آئے (مراد اس شاہد سے اخلاص ہے اور علاوہ کے معنی یہ ہیں کہ اعمال ظاہری بھی رہیں اور یہ شاہد (بھی ہو) کیونکہ یہ ظاہری شاہد جو (صرف) گفتار اور رنگ کا ہے اس احکم الحاکمین کے نزدیک مجروح ہو چکا ہے (اور کسی عبادت کا بدوں اخلاص قبول نہ ہونا ظاہر ہے آگے تہہ ہے مقولہ عرب کا بطور تفریع کے) پس اس صورت میں کوئی شاہد باطنی (یعنی صدق و اخلاص) مجھ کو ضروری ہے نہ یہ کہ ظاہری شاہد کی حاجت ہے کیونکہ آدمی کا شاہد حال صدق و خلوص چاہیے تاکہ اس کا نور خلوص بے زبان سے کہے (دوسرے شخص پر) ظاہر ہو جائے۔

ہدیہ بردن آل عرب سببوائے آب باراں از میان باد یہ
سوئے بغداد بنزد خلیفہ و پنداشت کہ آنجا قحط آب ست

اس بدوی کا جنگل سے بارش کے پانی کا مکہ ہدیہ میں لے جانا خلیفہ بغداد کے پاس اور اس نے خیال کیا کہ وہاں پانی کا قحط ہے

گفت زن صدق آں بود کز بود خویش	پاک بر خیزی تو از مجہود خویش
عورت نے کہا کہ سچائی یہ ہے کہ اپنے وجود سے	اپنی کوشش سے بالکل علیحدہ ہو جا
آب باران ست مارا در سببو	ملکت و سرمایہ و اسباب تو
ٹھلیا میں ہمارا بارش کا پانی ہے	جو تیری ملکیت اور سرمایہ اور اسباب ہے
ایں سبوائے آب را بردار ورو	ہدیہ ساز و پیش شاہنشاہ شو
پانی کی یہ ٹھلیا اٹھا اور جا	تحفہ قرار دے اور بادشاہ کے پاس پہنچ جا
گو کہ مارا غیر زیں اسباب نیست	در مفازہ پہنچ بہ زیں آب نیست
کہنا ہمارے پاس اس سامان کے علاوہ کچھ نہیں ہے	جنگل میں اس سے اچھا پانی نہیں ہے
گر خزانہ اش پر ز در و گوہرست	ایں چنین آبلش نباشد نادرست
اگرچہ اس کا خزانہ موتیوں اور جواہر سے بھرا ہوا ہے	اس کے پاس ایسا پانی نہ ہو گا (یہ) کم یاب ہے

(یعنی عورت نے کہا) کہ تو صدق کی ضرورت ثابت کر رہا ہے تو صدی یہی ہے کہ اپنے وجود اور اپنی قدرت سے صاف الگ ہو جائے (جیسا اوپر گفت چون شاہ کرم الخ کی شرح میں گزر چکا ہے اور اگر علی سبیل التزل ہدیہ اور وسیلہ کی ضرورت ہی تسلیم کر لی جائے تو ہمارے پاس تو ایک عظیم الشان ہدیہ موجود ہے یعنی بارش کا پانی ہمارے گھرے میں بھرا ہے جو کہ تیسری سلطنت اور تیرا سرمایہ و اسباب ہے بس اس سب کو اٹھا اور جا اور بادشاہ کے روبرو اس کو ہدیہ گزارا اور اس سے کہنا کہ ہمارے پاس بجز اس کے اور کچھ اسباب نہیں اور تمام جنگل میں اس سے بہتر پانی نہیں ہے اور بادشاہ کا خزانہ گوزرو گوہر سے معمور ہے مگر ایسا پانی اس کے یہاں بھی نہ ہو گا یہ تو ایک کمیاب چیز ہے۔

چہست آں کوزہ تن محصور ما	اندر او آب ایں حواس شورما
وہ ٹھلیا کیا ہے؟ ہمارا گمرا ہوا بدن ہے	اس میں پانی ہمارے نمکین حواس ہیں
اے خداوند ایں خم و کوزہ مرا	در پذیر از فضل اللہ اشتری
اے خدا میرے اس مٹکے اور کوزے کو	"اللہ اشتری" کی مہربانی سے قبول فرما لے
کوزہ با پنج لولہ پنج حس	پاک دار ایں آب را از ہر نجس
پانچ ٹوٹیوں کا کوزہ (جو) پانچ حواس ہیں	اس پانی کو ہر قسم کی نجاست سے پاک رکھ
تا شود زیں کوزہ منفذ سوائے بحر	تا بگیرد کوزہ من خوائے بحر
تا کہ اس کوزہ کا راستہ سمندر کی جانب ہو جائے	تا کہ میرا کوزہ سمندر کی خصلت اختیار کر لے
تا چوہد یہ پیش سلطانش بری	پاک بیند باشدش شہ مشتری
تا کہ ہدیہ میں جب تو اس کو بادشاہ کے سامنے لے جائے	اس کو وہ پاک دیکھے ہو سکتا ہے کہ بادشاہ اس کا خریدار بن جائے

بے نہایت گرد آتش بعد ازاں	پر شود از کوزہ من صد جہاں
اس کے بعد اس کا پانی لا ایتھا ہو جائے گا	میرے کوزے سے سو جہاں بھر جائیں گے
لولہا بر بند و پردازش زخم	گفت غصوا عن ہوی البصار کم
اس کی ٹونٹیاں بند کر دے اور اس کو ٹکے سے بھر رکھ	فرمایا ہے: خواہش نفسانی سے اپنی نگاہیں بچی رکھ
ریش او پر باد کیس ہدیہ کراست	لائق چوں تو شہے اینست راست
وہ مفرد تھا کہ یہ تختہ کس کو میسر ہے؟	تجھ جیسے بادشاہ کے لائق ہے یہ درست ہے
آں نمی دانست کانبجا برگذر	ہست جاری دجلہ ہچوں شکر
اس کو یہ خبر نہ تھی کہ وہاں راستہ پر	شکر جیسا دجلہ بہہ رہا ہے
درمیان شہر چوں دریا رواں	پر زکشتیہا و شست ماہیاں
شہر کے درمیان سمندر کی طرح جاری ہے	کشتیوں اور مچھلی پکڑنے کے کانٹوں سے پر ہے
روبر سلطان و کاروبار ہیں	حسن تجری تحبہ الانہار ہیں
بادشاہ کے پاس جا اور کاروبار دیکھ	"تجری تحبہ الانہار" کا حسن دیکھ

(رجوع ہے قصہ کی طرف) یعنی اس اعرابی کے دماغ میں ہوا بھری تھی کہ واقعی ایسا ہدیہ کس کے پاس ہوگا اور ایسے بادشاہ کے لائق (شان) یہ ٹھیک ہے اس (غریب) کو یہ خبر نہ تھی کہ وہاں گزرگاہ پر نہر دجلہ شیریں جاری ہے اور شہر کے اندر بحر اعظم کی طرح رواں ہے اور تمام کشتیوں اور مچھلیاں پکڑنے کی شست سے پر ہے (مولانا اس کو خطاب حالی کرتے ہیں کہ) ذرا سلطان کے یہاں جا اور وہاں کا کاروبار اور نہروں کے جاری ہونے کا تماشا دیکھ (کہ حقیقت اپنے ہدیہ کے معلوم ہو)

ایں چنین حسبا و ادراکات ما	قطرہ باشد دراں بحر صفا
اسی طرح ہماری معلومات اور احساسات	اس صاف سمندر میں ایک قطرہ ہیں
باز جوی و باز ہیں و بازیاب	از کہ از من عند ام الکلب
طلب کر اور مشاہدہ کر اور حاصل کر	کس سے؟ اس ذات سے جس کے پاس لوح محفوظ ہے

(بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) اسی طرح (مثل آب سب کے) ہمارے محسوسات و مدارکات ہیں یعنی علوم و تحقیقات جن پر ناز ہے (اس بحر صاف (ذات و صفات حق) کے روبرو محض (قطرہ کی طرح) بے (حقیقت) ہے (پس ہم کو چاہیے کہ اس کو فنا کر کے اس کو طلب کریں جیسا فرماتے ہیں کہ) اسی کو طلب کر۔ اسی کا مشاہدہ کر اسی کو حاصل کر آگے سوال ہے کہ) کس سے طلب کریں (پھر جواب ہے کہ) اس ذات سے جس کے پاس ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ یا علم قدیم) ہے (مراد حق تعالیٰ یعنی ان کو ان ہی سے طلب کرو جیسا کہا گیا ہے کہ) + نتوان تر یافت الاتبو)

در نمد و ختن زن سبویے آب را و مہر بروئے نہادن

عورت کا ٹھلیا کونمدہ میں سینا اور اس پر مہر لگانا

مرد گفت آ رہے سبورا سر پند	ہیں کہ ایں ہدیہ است مارا سود مند
مرد نے کہا ہاں ٹھلیا کا منہ بند کر دے	بھینا یہ تختہ ہمارے لئے مفید ہے
در نمد در دوز تو ایں کوزہ را	تا کشاید شہ بہدیہ روزہ را
تو اس کوزہ کو نمدے میں سی دے	تاکہ بادشاہ تختہ سے روزہ کشائی کرے
کایں چنین اندر ہمہ آفاق نیست	جز ر حیق و مایہ ازواق نیست
اس طرح کا تختہ دنیا میں نہیں ہے	(یہ) عمدہ شراب اور لذتوں کے سرمایہ کے سوا کچھ نہیں ہے
زانکہ ایشاں زا بہائے تلخ و شور	دائماً پر علت اندو نیم کور
اس لئے کہ یہ لوگ کڑوے اور نمکین پانی کی وجہ سے	ہمیشہ بیمار اور آدمے اندھے ہیں
مرغ کا ب شور باشد مسکنش	اوپچہ داند جائے آب روشنش
جس پرندہ کی جائے رہائش کھاری پانی ہو	وہ اپنے صاف پانی کی جگہ کیا جانے؟

(اوپر ریش اوپر بلوآخ میں اس اعرابی کا خیال مذکور تھا یہاں اس کا مقابل و جواب زبانی ہے کہ) اس مرد نے کہا کہ ہاں ان سب کا نہ (کسی چیز سے) بند کرنے (تاکہ چھلک نہ جائے) بے شک یہ ہدیہ ہمارے لئے خوف نافع ہے اور اوپر سے اس کونمدے میں سی دے (کہ ٹوٹنے سے محفوظ رہے) تاکہ اس ہدیہ سے بادشاہ روزہ افطار کرے (یعنی یہ اس قابل ہے) کیونکہ ایسا پانی تمام عالم میں نہیں ہے۔ بجز شراب خالص اور مایہ لذات کے اور کچھ (اس کو کہنا زیبا) نہیں ہے (آگے مولانا اس کی لغویات کی وجہ بیان فرماتے ہیں یعنی وہ) اس سبب سے کہ رہا تھا) کہ یہ اعرابی لوگ آب تلخ و شور سے ہمیشہ پر علت اور ضعیف البصر رہتے ہیں (کیونکہ آب شور سے ضعف بصر دتا ہے یعنی چونکہ خود ہمیشہ ایسے ہی پانی استعمال میں لاتے ہیں وہ اسی کو جانتے ہیں) کیونکہ جس مرغ کا آب شور مسکن ہو وہ اپنے حصہ کی) آب روشن کی جگہ کیا جانے (حصہ اس لئے کہا کہ طلب سے مل سکتا تھا لہذا فر کلمۃ ایشان مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ)

ایکہ اندر چشمہ شورست جات	توچہ دانی شط جیحون و فرات
اے وہ کہ تیری جگہ کھاری چشمہ ہے!	تو جیحون اور فرات (دریا) کے کنارے کو کیا جانے؟
اے تو نارستہ ازیں فانی رباط	توچہ دانی شط جیحون و فرات
اے وہ کہ تو اس فانی سرائے سے نہیں چھوٹا!	تو صحر اور سکر اور انبساط کو کیا جانے
ور بدانی نقلت از اب وجدست	پیش تو ایں نامہا چوں ابجدست
اگر تو جانتا (بھی) ہے تو ہاوا دادا سے سنا سنایا ہے	تیرے سامنے یہ نام حروف گہی کی طرح ہیں

برہمہ طفلان و معنی بس بعید

ابجد و ہوز چہ فاش ست و پدید

تمام بچوں پر اور معنی کس قدر دور ہیں

ابجد اور ہوز کس قدر واضح اور ظاہر ہیں

(بطور انتقال کے ارشاد ہے کہ اسی طرح) تمہارا مسکن تو چشمہ شور بن رہا ہے تم جیحوں و فرات کا کنارہ کیا جانو (یعنی علوم حسیہ و عقلیہ محضہ میں گرفتار ہو علوم حق کو کیا جانو اب علوم کے بعد حالات باطنہ کو کہتے ہیں کہ) تم تو ابھی اس فانی سرائے سے (یعنی مشغولی دنیا سے) نہیں چھوٹے پس تم سحر و سکر و وسط کو (جو حالات باطنی ہیں) کیا جانو اور اگر (برائے نام) جانتے ہو گے تو جیسے باپ دادا سے نقل کیا کرتے ہیں (اسی طرح بزرگوں سے الفاظ سن لئے ہونگے) اور تمہارے سامنے تو یہ اسماء ایسے ہیں جیسے ابجد (مراد الف بے تے الخ) یعنی ابجد ہوز دیکھو اطفال میں کس قدر شائع و ذائع ہیں مگر ان کی غرض (بچوں) پر ظاہر نہیں ہے (اہل علم جانتے ہیں کہ ترکیب کلام ان کی غرض ہے)

پس سبو برداشت آل مرد عرب	در سفر شدمی کشیدش روز و شب
اس بدو مردنے نعلیا اٹھائی	سفر میں (رواند) ہو گیا دن رات اس کو اٹھاتا تھا
بر سبو لرزاں بد از آفات دہر	ہم کشیدش از بیاباں تا بشہر
زمانے کی آفتوں سے نعلیا کے ہارے میں خوفزدہ تھا	اس کو جنگل سے شہر کی طرف لئے جاتا تھا
زن مصلیٰ باز کردہ از نیاز	رب سلم درد کردہ در نماز
عورت نے عاجزی سے مصلیٰ بچھایا	نماز میں "اے خدا اس کو سلامت رکھ" کی دعا شروع کر دی
کہ نگہدار آب مارا از خساں	یارب ایس گوہر بیداں در یارساں
کہ ہمارے پانی کو کینوں سے محفوظ رکھ	اے خدا! یہ موتی اس دریا تک پہنچا دے
گرچہ شویم آگہ است و پرفتن ست	لیک گوہر را ہزاراں دشمن ست
اگرچہ میرا شوہر ہانجر اور صاحب تدبیر ہے	لیکن موتی کے ہزاروں دشمن ہیں
خود چہ باشد گوہر آب کوثر ست	قطرہ زان آب کا صل گوہر ست
موتی کیا ہو گا (حوض) کوثر کا پانی ہے	اس پانی کا قطرہ ہے جو اصل میں گوہر ہے
از دعا ہائے زن و زاری او	و زعم مرد و گراں باری او
عورت کی دعاؤں اور اس کی عاجزی سے	مرد کے غم اور اس کی جفاکشی سے
سالم از دزداں و از آسیب سنگ	بروتا دار الخلافتہ بے درنگ
چوروں اور پتھر کے صدمہ سے سالم	بلا توقف دار الخلافتہ تک لے گیا

غرض + وہ سبواٹھا کرا عربی سفر میں چلا اور شب و روز اس کے جانے سے کام تھا اور آفات زمانہ سے اس سبوا پر اندیشہ کرتا جاتا تھا اسی طرح جنگل سے (جس میں وہ رہتا تھا) شہر (بغداد) تک لئے جاتا تھا ادھر عورت جا نماز بچھا کر نہایت تضرع و زاری سے (اوقات) نماز میں یہ وظیفہ پڑھ رہی تھی کہ اے پروردگار صحیح و سلامت پہنچا دیجئے یعنی ہمارے پانی کو کینوں چوروں سے محفوظ رکھیے

اور اس موتی کو (یعنی اسی پانی کو) اس دریائے سخاوت یعنی خلیفہ) تک پہنچا دیجئے۔ اگرچہ میرا شوہر ہوشیار اور ہنرور ہے لیکن پھر بھی موتی کے ہزاروں دشمن ہوتے ہیں (اور وہ پانی مثل موتی کے ہے آگے ترتی ہے کہ) موتی کی بھی کیا حقیقت ہے وہ تو آب کوثر ہے اور جو پانی موتی کا اصل مادہ ہے (یعنی جس سے موتی بنتا ہے) وہ اسی (ہمارے) پانی کا تو ایک قطرہ ہے غرض عورت کی دعا و زاری اور مرد کی مشقت اور جفاکشی کی بدولت چوروں سے اور ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ رہا اور دار الخلافت تک اس کو لے کر پہنچا۔

دید درگاہے پر از انعامہا	اہل حاجت گستریدہ دامہا
انعاموں سے بھرا ایک دربار دیکھا	ضرورت مندوں نے جال بچا رکھے ہیں
دمبدم ہر سوائے صاحب حاجتے	یافتہ زالاں در عطا و خلعتے
لحم بہ لحم ہر جانب ضرورت مند	اسی در سے عطا اور خلعت پا رہے ہیں
بہر گبر و مومن و زیبا و زشت	ہمچو خورشید و مطربل چوں بہشت
کافر اور مومن اور اچھے اور برے کیلئے (وہ دربار)	سورج اور بارش کی طرح بلکہ بہشت کی طرح تھا
دید قومے در نظر آراستہ	قوم دیگر منتظر برخاستہ
ایک قوم کو دیکھا جو سامنے آراستہ تھی	دوسری قوم منتظر کھڑی تھی
خاص و عامہ از سلیمان تا بمور	زندہ گشتہ چوں جہاں از لفتح صور
خاص اور عام (حضرت) سلیمان سے لے کر چیونٹی تک	جی اٹھے جیسے کہ دنیا صور پھونکنے سے
اہل صورت در جواہر تافتہ	اہل معنی بحر معنی یافتہ
اہل ظاہر جواہر میں لدے ہوئے تھے	اہل باطن نے حقیقت کا سمندر پایا تھا
آنکہ بے ہمت چہ باہمت شدہ	وانکہ باہمت چہ بانعت شدہ
جو بے ہمت تھا کس قدر باہمت ہو گیا	جو باہمت تھا کس قدر نعت والا ہو گیا
بانگ می آمد کہ اے طالب بیا	جود محتاج گدایاں چوں گدا
آواز آتی تھی کہ اے طلبکار! آ جا	سخاوت کو سائلوں کی ضرورت ہے جیسے کہ سائل کو سخاوت کی

(دیکھتا کیا ہے کہ ایک درگاہ ہے کہ دادہش سے معمور ہے اور اہل حاجت نے اپنے اپنے دام بچھا رکھے ہیں (دام سے مراد سوال ہے جو سبب ہوتا ہے عطا کا) برابر ہر طرف اہل حاجت کو اس درگاہ سے عطا و خلعت مل رہے ہیں اور (بلا تخصیص) کافر مومن، بھلے برے سب کے لئے آفتاب اور بارش بلکہ بہشت کی طرح دروازہ فیض کا کھلا ہے شاید بہشت کے باب میں کسی کو شبہ ہو تو سمجھ لو کہ بہشت تو سب ہی کے لئے کشادہ ہے اور اس کی طرف سب کو مدعو کیا جاتا ہے کوئی خود ہی نہ جائے تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی عمر بھر نور آفتاب سے منتفع نہ ہو تو اس کے عموم میں کیا خلل ہے) ایک قوم کو دیکھتا ہے کہ (بادشاہ) کے پیش نظر آراستہ ہوئی کھڑی ہیں۔ دوسری قوم ہے کہ (احکام شاہی کے) منتظر کھڑے ہیں تمام خواص و عوام غنی سے لے کر فقیر تک سب میں جان آ رہی ہے جس طرح تضح صور

سے جہان میں جان آجائے گی اہل صورت (یعنی طالبان اموال ظاہری) کو جو اہرات مل رہے ہیں اور اہل معنی (یعنی طالبان قرب خوشنودی) کو اور ہی عجیب دولت یعنی رضا جو اموال کے ساتھ وہ نسبت رکھتی ہے جو دریا کو جو اہرات سے ہے حاصل ہو رہی ہے جو بے ہمت تھے وہ (ہمت شاہی کو دیکھ کر) باہمت ہو رہے ہیں اور جو باہمت تھے وہ کس قدر بانمت ہو گئے ہیں اور (غایت و فور کرم سے مادی کی) آواز آ رہی ہے کہ کوئی مانگنے والا ہے تو چلے اس کو دیا جائے گا اور دیگر احسان نہ جتلیا جائے گا کیونکہ خود وجود و کرم کو بھی سائلوں کی ضرورت ہے (ورنہ کرم کس پر ہو تو ہم اپنی ضرورت سے بھی دیتے ہیں نہ صرف ان کی ضرورت سے پھر احسان کیوں جتلا دیں گے اور یہ غایت کرم ہے کہ خود سائلوں کو بلانا اور ان پر احسان نہ جتلانے کا اظہار کر دینا کہ کسی کو شرمندگی نہ ہو)

در بیان آنکہ چنانکہ گدا عاشق کریم شکریم ہم عاشق گداست اگر گدا را صبر بیش بود کریم بردراو

آید و اگر کریم را صبر بود گدا بردراو آید اما صبر کمال گدا و نقصان کریم است

اس کا بیان کہ جس طرح فقیر، سخی کا عاشق ہے سخی بھی فقیر کا عاشق ہے، اگر فقیر کا صبر بڑھا ہوا ہے تو کریم اس کے دروازے پر آ جاتا ہے اور سخی کو صبر ہو تو فقیر اس کے دروازے پر آتا ہے لیکن صبر کرنا فقیر کا کمال ہے اور سخی کا عیب ہے

جو محتاج ست و خواہد طالبے	ہمچنانکہ توبہ خواہد تا بے
سخت ضرورت مند ہے اور کوئی طلبگار چاہتی ہے	جس طرح توبہ توبہ کرنے والے کو چاہتی ہے
جو دم جوید گدایان و صاف	ہمچو چوہاں کا عینہ جویند صاف
سخت فقیروں اور کمزوروں کو تلاش کرتی ہے	جیسے حسین صاف آئینہ تلاش کرتے ہیں
روئے خوباں ز آئینہ زیبا شود	زوئے احسان از گدا پیدا شود
حسینوں کا چہرہ آئینہ سے حسین بنتا ہے	احسان کا چہرہ فقیر سے رونما ہوتا ہے
چوں گدا آئینہ جو دست ہاں	دم بود بر روئے آئینہ زیاں
جبکہ فقیر سخت کا آئینہ ہے خرد	پونک مارنا آئینہ کے چہرے کی مہادی ہے
پس ازیں فرمود حق در واضحی	بانگ کم زن اے محمد بر گدا
اس لئے اللہ (تعالیٰ) نے (سورہ) واضحی میں فرمایا ہے	اے محمد (سلی اللہ علیہ وسلم) فقیر کو نہ جھڑک

اوپر منادی کا قول تھا جو محتاج گدایان۔ یہ اشعار اس سے مربوط ہیں اور مقولہ ہے مولانا کا یعنی مخلوقات کی صفت جو (اپنے ظہور میں) محتاج ہے سائل کو چاہتی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے توبہ کا تحقق تا جب کے وجود کو مقتضی ہے اسی طرح صفت جو و سائلوں اور غریبوں کے ہونے کو مقتضی ہے جس طرح حسین لوگ کہ صاف آئینہ کو تلاش کرتے ہیں کیونکہ حسین لوگوں کے چہرہ کی زیبائش آئینہ سے (ظاہر) ہوتی ہے اسی طرح احسان کی صورت کا سائل سے ظہور ہوتا ہے (کیونکہ اگر سائل محتاج نہ ہو تو اخیاء کی سخاوت کس طرح ظاہر ہو اور اخیاء اس ظہور کے محتاج اس لئے ہیں کہ اس سے ثواب ملتا ہے اور اس احتیاج الی الظہور سے یہ شبہ

مرقع ہو گیا کہ خالق کی صفت جو دکا ظہور بھی تو موقوف ہے و جو دطالب پر وجہ ارتقاع یہ ہے کہ وہ خود محتاج ظہور نہیں لہذا تو قف ظہور مستلزم احتیاج الی الخلق نہیں خوب سمجھ لو) پس اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے سورہ والضحیٰ میں فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سائل کو جھڑکومت (جیسا ارشاد ہے واما السائل فلا تمہر) کیونکہ جب سائل صفت جو دکا آئینہ (کی طرح مظہر) ہے تو ظاہر ہے کہ آئینہ پر پھونک مارنے سے زیان ہوتا ہے (اور تاریک ہو جاتا ہے اسی طرح سائل کو جھڑکنے سے اس کا قلب مکرر ہو جاتا ہے اور اس شخص کا عمل سخاوت صادر ہونے سے رہ جاتا ہے جس سے حریان ثواب نصیب ہوتا ہے۔

آں یکے جودش گدا آرد پدید	وین دگر بخشد گدایاں را مزید
ایک وہ ہے جس کی سخاوت کو فقیر رونما کرتا ہے	اور یہ دوسرا وہ ہے جو فقیر کو زیادہ دیتا ہے
پس گدایاں آئینہ جود حق اند	وانکہ باحق اند جود مطلق اند
فقراء اللہ (تعالیٰ) کی سخاوت کے آئینہ ہیں	اور جو لوگ اللہ سے وابستہ ہیں وہ مجسم سخاوت ہیں
وانکہ جزایں دو بود خود مردہ است	او بریں در نیست نقش پردہ است
اور جوان دونوں کے علاوہ وہ مردہ ہے	وہ اس دروازے پر نہیں ہے پردے کا نقش ہے

(اوپر گدا کو آئینہ جو دکا کہا ہے یہاں جو دکا کے بعض اقسام بیان فرماتے ہیں کہ جو دکا کی دو قسمیں ہیں) ایک وہ شخص ہے جس کی جو دکا کو (اس کے پاس) لا حاضر کر دیتی ہے (یعنی یہ گدا کو تلاش نہیں کرتا بلکہ گدا اس کی شہرت جو دن کر اس کی تلاش میں آتا ہے) دوسرا وہ شخص ہے جو گداؤں کو (از خود) عطائے مزید دیتا ہے (یعنی خود گدا کو تلاش کر کے اس کو دیتا ہے تو گدا کو تلاش کرنا دینے پر مزید ہے پس قسم اول ناقص ہے اور سرخی میں اسی کو کہا ہے صبر کریم نقصان کریم ست اور قسم دوم کامل جیسا ظاہر ہے اور گداؤں کی تین قسم ہیں جیسا فرماتے ہیں کہ (پھر) گدا کی قسمیں سنو بعض گدا تو جو دکا کے مظاہر ہیں (ایک قسم تو یہ ہوئی مراد ان سے وہ محتاج ہیں جو صبر و قناعت کئے اللہ تعالیٰ کے نام پر بیٹھے ہیں جن کی نسبت آیا ہے لایسلون الناس الحافا۔ ان کو آئینہ جو دکا اس واسطے کہا کہ بلا کسی ظاہری حیلہ کے جو اللہ تعالیٰ ان کو رزق دیتے ہیں تو اس عجیب طور پر دینے سے اللہ تعالیٰ کی صفت جو دور ذاتی کا پورا ثبوت اور ظہور ہوتا ہے اور اس ظہور سے جو شبہ احتیاج الخالق الی الخلق فی الظہور ہو سکتا تھا اس کو اوپر کے شعر رومی خوبان الخ کی شرح میں دفع کر چکا ہوں کہ احتیاج جب ہوتی جب خود ظہور محتاج الیہ ہوتا وہاں خود ظہور ہی کی احتیاج نہیں اپنے ارادہ و اختیار سے خدا جانے کن کن حکمتوں کے واسطے ظہور فرمایا ہے) اور جو درویش باحق ہیں (یعنی ان کو نسبت معیت و مقام قرب حاصل ہو ان کو گدا کہنا محض مجاز ہے بلکہ) وہ خود جو د مطلق ہیں (کیونکہ جب اپنی صفات کو فنا کر کے متصف بصفات حق ہو گئے تو صفات حق میں سے جو د مطلق بھی ہے اس کے ساتھ ہی ان کو مخلوق ہو اس لئے ان کو جو دکا یا جو د مطلق ہو گئی حدیث میں بھی ہے الغنی غنی القلب اور یہ قسم دوم ہے جو اول سے کامل ہے) اور جو گدا ان دونوں قسموں کے علاوہ ہو (یعنی نہ صابر ہونہ کامل ہو بلکہ بے صبر اطامع و حریص ہو خواہ تہذیب سے سوال کرتا ہو جیسے مکار و ریا کار لوگ بزرگوں کی وضع تحصیل مال و جاہ کے لئے بنا لیتے ہیں اور خواہ بے حیائی سے مانگتا ہو جیسے کلنگدھے پھرتے ہیں یہ تیسری قسم ہے تو) ایسا شخص خود مردہ ہے (کیونکہ اس میں آثار حیات حقیقیہ کے نہیں) وہ اس دروازہ (قبول عند الحق) پر آنے کے لائق نہیں بلکہ نقش پردہ (کی طرح بیرون در) ہے۔

فرق درمیان آنکہ درویش ست بخداوتشنہ خدا و آنکہ درویش ست از خداوتشنہ است بغیر

فرق اس شخص میں جو اللہ کا بھکاری اور اس کا پیاسا ہے اور اس شخص میں جو خدا سے بے پروا اور غیر کا پیاسا ہے

لیک درویشے کہ او تشنہ خداست	ہست دائم از خدا لیش کار راست
لیکن وہ فقیر جو اللہ (تعالیٰ) کا پیاسا ہے	اس کا کام ہمیشہ خدا کی جانب سے درست ہے
لیک درویشے کہ تشنہ غیر شد	او حقیر و ابلہ و بے خیر شد
لیکن وہ فقیر جو غیر کا پیاسا ہے	وہ ذلیل اور بیوقوف ہے اور بھلائی سے خالی ہوا
نقش درویش ست اونے اہل جاں	نقش سگ را تو میند از استخوان
وہ صرف فقیر کی تصویر ہے جاندار نہیں ہے	کتے کی تصویر کو ہڈی نہ ڈال
فقر لقمہ دارد اونے فقر حق	پیش نقش مردہ کم نہ طبق
وہ لقمہ کی فقیری رکھتا ہے نہ کہ اللہ (تعالیٰ) کی فقیری	مردے کی تصویر کے سامنے طباق نہ رکھ
ماہی خاک کی بود درویش ناں	شکل ماہی لیک از دریاں رماں
روٹی کا فقیر مٹی کی پھلی ہوتا ہے	پھلی کی فصل ہے لیکن دریا سے بے تعلق ہے
نقش ماہی کے بود درویش آب	آں زبے آبی نمیکرد خراب
پھلی کی تصویر پانی کی فقیر کب ہوتی ہے؟	وہ پانی نہ ہونے سے جاہ نہیں ہوتی ہے
مرغ خانہ است اونہ یسمرغ ہوا	لوت نوشد او نوشد از خدا
وہ گھریلو پرندہ ہے نہ کہ ہوا کا سمرغ	لذیذ کھانے کھاتا ہے خدا سے فیض حاصل نہیں کرتا ہے

(اوپر قسم ثالث کا ذکر تھا اس سے استدراک کر کے قسم ثانی کا بیان فرماتے ہیں کہ) لیکن جو درویش کہ تشنہ (و مشتاق) حق تعالیٰ کا ہے اس کا معاملہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ٹھیک رہتا ہے (اب پھر قسم اول سے استدراک کر کے قسم ثالث کا بیان کرتے ہیں تاکہ مقصود کہ بیان فرق ہے جیسا سرخی میں مذکور ہے اچھی طرح واضح ہو جائے یعنی) لیکن جو درویش کہ غیر اللہ کا تشنہ و طالب ہے وہ محض ذلیل اور احمق اور بے خبر ہے اور وہ محض درویش کی صورت بے جان ہے تم نقش سگ کے سامنے ہڈی مت ڈالو (یہ تمثیل ہے یعنی نقش کے ساتھ اصل کا سا معاملہ مت کرو اب کچھ شبہ نہ رہا) اور وہ شخص لقمہ کا فقیر ہے حق تعالیٰ کا فقیر نہیں ہے تم نقش مردہ کے رو برو طبق مت رکھو (ممکن ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس کو مال مت دو جیسا حدیث میں ہے یا یا کل طعامک الا لقی یہ تو ہدیہ و دعوت میں ہے اور اگر اس کے مہذب یا غیر مہذب سوال پر دیا جائے تو جس صورت میں اس کے پاس مال یا قوت اکتساب ہو اس کو مانگنا تو حرام ہی ہے مگر اس کو دینا بھی فقہاء نے حرام لکھا ہے کیونکہ اعانت علی المعصیۃ ہے اگر کوئی نہ دے تو بھیک مانگنا اور مکرو فریب کرنا چھوڑ دیں اور جس کو سوال درست ہے اس کا یہاں ذکر ہی نہیں اس کو دینا جائز بلکہ

ضروری ہے) اور اس درویش حریص خالی از کمالات) کی مثال ماہی خاکی کی ہے (یعنی زمین پر یاد یوار پر جو ماہی کی تصویر بنا دیتے ہیں) کہ وہ شکل تو ماہی کی ہوتی ہے مگر دریا سے بھاگتی ہے (یعنی پانی کی طلب و مشتاق نہیں ہوتی جیسا فرماتے ہیں کہ) نقش ماہی پانی کی محتاج و طالب کب ہوتی ہے اور پانی نہ ہونے سے وہ کبھی پریشان اور مضطرب نہیں ہوتی (ایسا ہی یہ درویش درویشوں کی شکل تو ہے مگر حق تعالیٰ کا طالب و مشتاق نہیں نہ اس کو بعد حق سے کچھ بے چینی ہے دوسری مثال اس کی یہ ہے کہ) وہ مرغ خانہ کے مثل ہے نہ یہ مرغ ہوا کے مثل (یعنی عالم سفلی کی طرف مائل ہے نہ عالم علوی کی طرف) وہ لذیذ کھانے کھانا جانتا ہے خدا تعالیٰ (کے فیوض) سے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

عاشق حق ست او بہر نوال	نہیست جالش عاشق حسن و جمال
وہ عطیہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کا عاشق ہے	اس کی جان حسن و جمال کی عاشق نہیں ہے
گر تو ہم می کند او عشق ذات	ذات نبود وہم اسماء و صفات
اگر وہ ذات (خداوندی) کے عشق کا خیال کرتا ہے	اسماء اور صفات کا خیال ذات (خداوندی) نہیں ہوتا ہے
وہم مخلوق ست و مولود آمد ست	حق نہ زائید ست اولم یولد ست
خیال مخلوق ہے اور پیدا شدہ ہے	حق (تعالیٰ) پیدا نہیں ہوا ہے وہ "لم یولد" ہے
عاشق تصویر وہم خویشستن	کے بود از عاشقان ذواکمن
اپنے وہم کی تصویر کا عاشق	اللہ (تعالیٰ) کے عاشقوں میں سے کب ہو سکتا ہے؟

اوپر درویشان حریص کا بیان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے طالب نہیں ہیں اب ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ اگر ایسے شخص کے قلب میں کسی بزرگ کی صحبت یا برکت ذکر سے کچھ اثر محبت الہی کا بھی پایا جائے تو اعتبار کے قابل نہیں کیونکہ (وہ حق تعالیٰ کا عاشق نعمت کے واسطے بن رہا ہے) (یعنی خدا تعالیٰ نے چونکہ خوب نعمتیں دے رکھی ہیں طبعی طور پر کہ منعم کے ساتھ قلب کا تعلق ہوتا ہے کچھ محبت الہی اس کے قلب میں گدگداتی ہے) اور حسن و جمال (حق) کا وہ ہرگز عاشق نہیں اور اگر وہ خود بھی تو ہم رکھتا ہو کہ میں ذات (حق) کا عاشق ہوں تو (اسکی غلطی ہے کیونکہ اس نے جیسا حق تعالیٰ کو خیال کر رکھا ہے خدا تعالیٰ اس سے منزہ ہیں پس) وہ ذات حق نہیں ہے بلکہ اسماء و صفات الہیہ کا ایک (فرضی) خیال ہے (اسماء و صفات بھی نہیں ورنہ ان کا عاشق تو حکم میں عاشق ذات ہی کے ہے یعنی چونکہ اس کو حال نصیب نہیں اس لئے صفات حق اس پر متجلی نہیں اور بدوں تجلی کے معرفت نہیں ہوتی لہذا وہ محض تصور صفات ہے) اور اس سے محبت ہے اور وہم و تصور اوصاف و حدود سے پیدا ہوتا ہے (کیونکہ جو شخص صاحب حال نہیں اور اسماء و صفات کا علم بدیہی ہی نہیں۔ تو لا بد قوت فکریہ سے معلومات تصور یہ کو ترتیب دے کر حدود و رسوم بنا کر اس کے ذریعہ سے علم عقلی حاصل کرے گا پس علم جس کو وہم و تصور کہا ہے اوصاف یعنی رسوم و حدود سے زائیدہ ہوا) اور حق تعالیٰ زائیدہ ہیں نہیں بلکہ لم یولد ہیں پھر وہ تصور زائیدہ ذات حق کہاں ہوا تو اس کا عاشق عاشق حق نہ ہو اچنانچہ فرماتے ہیں کہ) جو اپنے وہمی تصور کا عاشق ہو وہ حق تعالیٰ کے عشاق میں سے کب ہو سکتا ہے (اور ہر چند کہ ذوق و وجدان و حال سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ بھی حصولی ہے کہ حصول صورت ذہنیہ سے ہے مگر چونکہ عدم زوال میں مثل حضوری کے ہے بخلاف علم نظری کے زوال کو زیادہ متحمل ہے اس لئے علم حالی کو بمقابلہ علم نظری کے بمنزلہ علم حضوری کے قرار دے کر حصولی کو نظری کے ساتھ خاص کیا اور اس کو زائیدہ فکر کہا)

عاشق آں وہم گر صادق بود	آں مجازش تا حقیقت می کشد
اس خیال کا عاشق بھی اگر سچا ہو	وہ مجاز اس کو حقیقت تک پہنچا دیتا ہے
شرح میخوابد بیان این سخن	لیک می ترسم ز افہام کہن
اس بات کا بیان تفصیل چاہتا ہے	لیکن میں پرانے خیالات سے ڈرتا ہوں
فہم ہائے کہنہ کوتہ نظر	صد خیال بدر در آرد در فکر
کوتاہ نظر لوگوں کی بوسیدہ عقلیں	خیل میں سیکڑوں برے خیالات لائیں گی
برسماع راست ہر کس چیر نیست	لقمہ ہر مرغے انجیر نیست
سچی بات سننے پر ہر شخص قادر نہیں ہے	ہر پردے کی خوراک انجیر نہیں ہے
خاصہ مرغ مردہ بوسیدہ	پر خیال اعلیٰ بے دیدہ
خاص طور پر مردہ سزا ہوا پردہ	اندھا اندھے پن کے خیالات سے بھرا ہوا

(اوپر تنقیص ہے عاشق خیال و تابع قال اور بعض صورتوں میں اس کا بھی نافع ہونا فرماتے ہیں کہ) اس خیال کا عاشق بھی اگر صادق ہو (یعنی صدق و خلوص سے طاعات و اعمال و ذکر میں لگ جائے اور طلب میں مستعد ہو جائے) تو وہ مجازی (معرفت) بھی اس کو حقیقی (معرفت) تک پہنچا دیتی ہے (یعنی خلوص و اعمال و ذکر کے انوار سے ذوق حال میسر ہو جاتا ہے) اور اس مضمون کا بیان کرنا ذرا شرح کا محتاج ہے مگر مجھ کو پرانی فہموں سے (یعنی علماء رسمی و حکما و متکلمین سے) اندیشہ (انکار کا) معلوم ہوتا ہے (کیونکہ یہ لوگ حالات و ذوقیات سے منکر ہیں ایسے افہام کہنہ کوتہ میں صدہا خیال بد (اعتراضات و شبہات) اپنی فکروں میں لادینگے کیونکہ حقائق کے سننے پر ہر شخص قادر نہیں (بلکہ مخصوص ہے صاحب حال کے ساتھ) جس طرح ہر مرغ کی غذا انجیر نہیں پھر خاص کر ایسا مرغ جو محض مردہ اور بوسیدہ ہو (کہ قلب میں ذرا کیفیت نہ ہو) اور نرے علوم خیالیہ سے بھرا ہو اور (علوم محمودہ سے نابینا ہو) اس سے مراد حکما و فلاسفہ ہیں اور خصوصاً اس لئے کہا کہ متکلمین بوجہ علم کتاب و سنت و خشیت الہی کے محض بے کیف و نابینا نہیں آخر خشیت ایک حالت ہے اس کا انکار نہیں کر سکتے گو بعض حالات کا انکار کریں کتاب و سنت کے حقائق منقولہ کا انکار نہیں کر سکتے گو علوم کشفیہ میں کلام کرتے ہوں)

نقش ماہی را چہ دریا و چہ خاک	رنگ ہندو را چہ صابون و چہ زاک
پھلی کی تصویر کے لئے کیا دریا اور کیا خشکی	ہندوستانی کے رنگ کیلئے کیا صابون اور کیا مہنگوی
نقش اگر عمکیں نگاری بر ورق	او ندارد از غم و شادی سبق
اگر کاغذ پر تو کوئی نمکین تصویر بنائے	اس کو خوشی اور غم سے کوئی واسطہ نہ ہو گا
صورتش عمکیں و او فارغ از ازاں	صورتش خندان و اوزاں بے نشان
اس کی صورت عمکیں ہے اور وہ غم سے خالی ہے	اس کی صورت ہنسی ہے اور وہ اس (ہنسی) سے خالی ہے

وین غم و شادی کہ اندر دل خفی ست	پیش آں شادی و غم جز نقش نیست
یہ غم اور خوشی جو دل میں چھپی ہوئی ہے	اس خوشی اور غم کے سامنے سوائے نقش کے کچھ نہیں ہے
صورت خندان نقش از بہر تست	تا از اں صورت شود معنی درست
تصویر کی ہنسی ہوئی صورت تیرے لئے ہے	تاکہ اس صورت سے باطن درست ہو جائے
صورت غمگین نقش از بہر ماست	تا کہ مارا یاد آید راہ راست
غمگین تصویر کی صورت ہمارے لئے ہے	تاکہ ہمیں سیدھا راستہ یاد آ جائے

(اس میں رجوع ہے ان ابیات کی طرف ماہی خاکی بود الخ جس میں بیان تھارسی درویشوں کا۔ درمیان میں علم نظری و ذوقی کا بیان جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا تھا پس فرماتے ہیں کہ جب اس رسی درویش کی مثال نقش ماہی کی سی ہو تو) نقش ماہی کے لئے دریا اور خاک برابر ہے (یعنی وہ طالب دریا نہیں جس طرح وہ درویش طالب حق نہیں) جیسے رنگ سیاہ زشت کے لئے صابن کیا اور پھٹکری کیا (جس سے رنگ کو صاف کرتے ہیں یعنی وہ دونوں کو مقتضی نہیں) اور اگر کسی ورق پر (مثلاً) ایک مغموم صورت بنا دو تو اس کو حقیقی غم و شادی کچھ حاصل نہیں صورت تو غمگین ہے مگر وہ غم سے خالی ہے اسی طرح اگر صورت خندان ہے جب بھی وہ اس سے محض بے خبر ہے اسی طرح یہ غم و شادی جو (ناقصین کے) قلب میں مضمر ہے (خواہ وہ ناقصین درویش کہلاتے ہوں) (دنیا دار) اس غم و شادی کے روبرو (جو کاملین پر وارد ہوتی ہے جس کو قبض و بسط کہتے ہیں) نقش سے زیادہ نہیں (مطلب یہ کہ ان ناقصین کے حالات ظاہری و باطنی سب نقل محض و نقش صرف ہیں حقیقی کمالات سے محروم ہیں آگے اس ظاہری غم و شادی طبعی کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ) ان نقوش ظاہری کی صورت خندان یا ان کی صورت غمگین تمہارے ہمارے (ہدایت کے) لئے ہوتا کہ اس ظاہر کو دیکھ کر باطن درست ہو اور تا کہ ہم کو راہ راست یاد ہو جائے (خلاصہ حکمت کا یہ ہوا کہ یہ ظاہری کیفیات باطنی کیفیات کے نمونے ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو باطن کا یقین نہیں ہو سکتا تھا اور لوگ اس سے محروم رہتے اب ان کو دیکھ کر کسی قدر استبعاد دفع ہو جاتا ہے پھر طلب سے حصول ہو جاتا ہے پس از بہر تست اور از بہر ماست میں تقسیم مقصود نہیں بلکہ جمع کرنا حکم میں مقصود ہے جیسا ترجمہ سے ظاہر ہو گیا)

نقشہائے کاندریں جما مہاست	از برون جامہ کن چوں جامہاست
وہ تصویریں جو ان جاموں میں ہیں	جامہ کن (جام کے درجے) سے باہر کپڑوں جیسی ہیں
تا برونی جامہا بینی و بس	جامہ بیروں کن در آئے ہمنفس
جب تک تو (جامہ کن سے) باہر ہے کپڑے دیکھتا ہے	اے ساتھی! کپڑے اتار اندر آ جا
زانکہ با جامہ در آنسورہ نیست	تن ز جان و جاں زتن آ گاہ نیست
اس لئے کہ کپڑوں کے ہوتے ہوئے اس جانب راستہ نہیں ہے	جسم کو جان اور جان کو جسم کی خبر نہیں ہے
باز می گردم سوئے قصہ عرب	از بیان سر و راز بوالعجب
میں بدوی کے قصہ کی طرف لوٹتا ہوں	سر اور عجیب راز کے بیان سے

(جامہا جمع جامہ نہ جام او قافیہ از قبیل این قافیہ است خراب کجا تا کجا کہ در دیوان حافظ واقع شد۔ و حمام در شعر اول غیر آن حمام است کہ در شعر دوم ظرف مقدر در آہست۔ حمام اول دنیا کہ عالم ظاہر است محض بمناسبت نقش آوردند و حمام ثانی عالم باطن است کہ در بر ہنہ شدن در آن حمام تشبیہ دادند۔ جملہ کن درجہ حمام کہ در آن رسیدہ جامہ از تن دور کنندہ و اضافت بیرون بسویش بیانیہ است اور ابا اعتبار حمام بیرون گفتند۔ از بیان متعلق باز مینگردم او پر ظاہر کا ادنیٰ اور باطن کا مقصود و اعلیٰ ہونا بیان کیا ہے اب تحصیل باطن کا طریقہ ایک مثال میں بتلاتے ہیں کہ (یہ تو موجودات ظاہری مثل نقوش حمام کے ہیں جن کا نقش محض ہونا اور پر بھی مذکور ہوا ہے) ان کی مثال ایسی ہے جیسے حمام کے بیرونی درجہ جملہ کن میں کپڑے ہوتے ہیں۔ سو جب تک حمام سے باہر ہو بدن پر کپڑے نظر آتے ہیں ہاں کپڑے اتار دو اور حمام کے اندر چلے جاؤ کیونکہ کپڑوں سمیت اس طرف جانے کا راستہ نہیں (اسی طرح عالم ظاہری یعنی اجسام اور صفات جسمانیہ مثل کپڑے کے ہیں اور عالم باطن یعنی ارواح و صفات روحانیہ مثل حمام کے جب تک صفات جسمانیہ و شہوات نفسانیہ کے ساتھ موصوف رہو گے باطن تک رسائی نہ ہوگی ان سے تجربہ ترک تعلق کر دو باطن منکشف ہوگا پس تن کی مثال جامہ کی سی ہے وجہ تشبیہ یہ ہے کہ) تن کو جان کی خبر نہیں (یعنی صفات روحانیہ سے بے ذوق ہے) جس طرح جامہ کو تن کی خبر نہیں (کہ جسم میں کیا کیا صفات ہیں اور اسی وجہ تشبیہ پر متفرع ہے دوسری وجہ کہ تن صاحب روح ہے جیسے جامہ صاحب تن اور حقیقت اس حجاب کی وہی بے خبری ہے آگے فرماتے ہیں کہ) (اب ان اسرار عجیبہ کا بیان چھوڑ کر اس سے قصہ عرب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پیش آمدن نقیبان و دربانان خلیفہ از بہر اکرام اعرابی و پذیرفتن ہدیہ اورا

بدوی کے اعزاز کے لئے خلیفہ کے دربانوں اور نقیبوں کا آگے بڑھنا اور اس کے ہدیہ کو قبول کر لینا

آں عرابی از بیابان بعید	بر در دارالخلافہ چوں رسید
وہ بدوی دور کے جنگل سے	جب دارالحکومت کے دروازہ پر پہنچا
پس نقیبان پیش اعرابی شدند	بس گلاب لطف بررویش زدند
تو نقیب بدوی کے پاس آئے	(اور انہوں نے) مہربانی کا گلاب اس کے چہرے پر چھڑکا
حاجت او فہم شاں شد بے مقال	کار ایشان بد عطا پیش از سوال
بغیر گفتگو کے اس کی حاجت ان کی سمجھ میں آگئی	ان کا کام سوال سے پہلے عطا کرنا تھا
پس بدو گفتند یا وجہ العرب	از کجائی چونی از رنج و تعب
انہوں نے اس سے کہا کہ اے عرب کے سردار!	تو کہاں سے آیا ہے تکیف اور حکم سے تیرا کیا حال ہے؟

یعنی وہ اعرابی بیابان دور سے (چل کر) دروازہ دارالخلافہ پر پہنچا پس نقیب لوگ اعرابی کے روبرو آئے اور گلاب لطف خوب اس کے منہ پر چھڑکا (یعنی بلطف پیش آئے) اور اس کی حاجت بے کہے ان کی سمجھ میں آگئی کیونکہ ان لوگوں کا معمول تھا بے مانگے دینا (ادھر اس کی خشکی بتلا رہی تھی) پس انہوں نے اس سے کہا کہ اے وجہ العرب (یعنی عرب) تو کہاں سے آتا ہے اور رنج و تعب سے تیرا کیا حال ہے (بیان کر)

گفت و جہم گر مرا وجہ دہید	بے وجوہم چوں پس پشتم نہید
اس نے کہا میں سردار ہوں! اگر مجھے ذریعہ معاش دیدو	(اور) اگر مجھے پس پشت ڈالو تو میں بے حقیقت ہوں
اے کہ در روتاں نشان مہتری	فرتاں خوشتر زر جعفری
اے (نقیبو)! تمہارے چہروں پر سرداری کا نشان ہے	تمہاری شان و شوکت جعفری سونے سے زیادہ خوشنما ہے
اے کہ یک دیدار تاں دیدار ہا	اے نثار دید تاں دینار ہا
اے (نقیبو) تمہارے ایک دیدار بہت سے دیدار ہیں	اے (نقیبو) تمہارے دیدار پر اثر فیاں نچاؤر ہیں
اے ہمہ بینظر بنور اللہ شدہ	از برحق بہر بخشش آمدہ
اے (نقیبو) جو سب کے سب اللہ کے نور سے دیکھنے والے ہو	اللہ تعالیٰ کے پاس سے انعام دینے کے لئے آئے ہو
تازنید آں کیمیا ہائے نظر	برسر مسہائے اشخاص بشر
تاکہ وہ کیمیا اثر نکاہیں ڈالو	انسانوں کے وجود کے تانے پر
من غریبم از بیاباں آدم	بر امید لطف سلطان آدم
میں مسافر ہوں جنگل سے آیا ہوں	بادشاہ کی مہربانی کی امید پر آیا ہوں
بوئے لطف او بیابانہا گرفت	ذره ہائے ریگ ہم جانہا گرفت
اس کی مہربانی کی خوشبو جنگلوں میں پھیل گئی ہے	ریت کے ذروں میں بھی جانیں پڑ گئی ہیں
تا بد بینجا بہر دینار آدم	چوں رسیدم مست دیدار آدم
میں یہاں دینار کے لئے آیا	جب پہنچا تو دیدار سے مست ہو گیا
بہرناں شخصے سوئے نانبا دوید	داد جاں چوں حسن نانبا را بدید
ایک شخص روٹی کے لئے نانبا کی جانب دوڑا	جب نان بائی کا حسن دیکھا جان دیدی
بہر فرجہ شد یکے تا گلستاں	فرجہ اوشد جمال باغبان
ایک شخص تفریح کے لئے باغ میں گیا	باغبان کا حسن اس کی تفریح کا سبب بن گیا
ہمچو اعرابی کہ آب از چہ کشید	آب حیواں از رخ یوسف چشید
اس بدوی کی طرح جس نے کنویں سے پانی کھینچا	(حضرت) یوسف کے رخ سے آب حیات پی لیا
رفت موسیٰ کاتشے آرد بدست	آتشے دید او کہ از آتش برست
موسیٰ (علیہ السلام) گئے تاکہ آگ لائیں	انہوں نے وہ آگ دیکھی جس کی جہ سے آگ سے کنارہ کش ہو گئے

جست عیسیٰ تارہد از دشمنان	بردش آں جستن بچارم آسمان
(حضرت) عیسیٰ دشمنوں (کے زلف) سے کوئے تاکر نجات حاصل کریں	وہ کودتا ان کو چوتھے آسمان پر لے گیا
دام آدم خوشہ گندم شدہ	تا وجودش خوشہ مردم شدہ
(حضرت) آدم کا ہال گیموں کی ہال بنی	یہاں تک کہ ان کا وجود انسانوں کا کچھا بن گیا
باز آمد سوائے دام از بہر خور	ساعدا شہ یافت و اقبال و فر
باز کمانے کے لئے ہال کی جانب آیا	اس کو بادشاہ کی کلائی پر جگہ اور شان و شوکت ملی

اعرابی نے کہا کہ میں بزرگ اس وقت ہونگا جب آپ لوگ مجھ کو آبرو دیں گے اور اگر پس پشت ڈال دیں گے (یعنی اعراض کریں گے) تو محض بے آبرو ہوں آپ ایسے لوگ کہ آپ کے چہروں سے نشان سرداری عیاں ہے اور آپ لوگوں کی شان زر خالص سے بھی خوشتر ہے۔ رآپکا ایک دیدار (دوسروں کے) ہزاروں دیدار کے قائم مقام ہے اور آپ کے دیکھنے پر دینار شمار کر دینا چاہیے آپ سب کے سب۔ بنظر بنور اللہ کے مصداق ہیں (جیسا حدیث میں ہے اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ بنظر بنور اللہ یعنی آپ لوگ اہل ایمان و عرفان ہیں) اللہ تعالیٰ کے یہاں سے (دنیا میں) خاص داد و دہش ہی کے لئے آئے ہوتا کہ اپنی نظر کرم کی کیمیا کو افراد بشر کے تانبے پر لگا دو (کہ وہ اہل دولت ہو جائیں حالت میری یہ ہے کہ) میں ایک پر دیسی ہوں ایک بیابان سے آیا ہوں اور بامید الطاف سلطانی آیا ہوں کیونکہ ان کے الطاف کے شہرہ نے تمام بیابان کو احاطہ کر رکھا ہے اور ریگ کے ذروں میں بھی (گویا) جان آرہی ہے اس وجہ سے یہاں زر و دینار کے لئے آیا تھا لیکن یہاں جو پہنچا تو (دینار وغیرہ سب بھول گیا آپ کے یا سلطان کے دربار سلطانی کے) دیدار میں مست ہو گیا یہ ایسی بات ہو گئی کہ ایک شخص روٹی کے لئے ایک نان بانئی کے پاس آیا لیکن نان بانئی کا جمال دیکھ کر جان جاتی رہی (یعنی عاشق ہو گیا) یا جیسے کوئی سیر کرنے کو باغ میں گیا وہاں باغبان کا جمال اس کا تماشا گاہ سیر ہو گیا یا مثلاً اس اعرابی نے کنویں سے پانی نکالا تھا اس کو حسن یوسفی سے آب حیات کی چاشنی نصیب ہو گئی یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس لئے (کوہ طور پر) آئے تھے کہ آگ لگا دیں گے۔ انہوں نے ایسی آتش تجلی دیکھی کہ اس آگ کو بھی بھول گئے یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس واسطے بھاگے تھے کہ (یہودی) دشمنوں کے ہاتھ سے بچ جائیں مگر ان کا وہ بھاگنا ان کو چراغ چارم تک لے گیا (یہ بناء علی الشہرۃ فرما دیا ورنہ بروی حدیث صحیح آسمان دوم پر تشریف فرما ہیں چنانچہ تحقیق اس کی مع توجیہ چراغ چارم کے قصہ وزیر یہودی میں لکھ چکا ہوں) یا جیسے خوشہ گندم حضرت آدم علیہ السلام کے لئے (لغزش میں پھنس جانے کا) دام ہو گیا (جو بظاہر حالت ضرر کی تھی مگر اس میں بھی نفع ہوا) یہاں تک کہ ان کا وجود آدمیوں کا خوشہ بن گیا (کہ ان سے نسل پھیلی جن میں کیسے کیسے اہل کمال ہوئے جن سے کتنی مخلوق فیض یاب ہوئی اور آدم علیہ السلام کو بھی یہ نفع ہوا کہ اولاد میں جتنے صلحاء انبیاء و اولیاء ہوئے ان کے اعمال کے ثواب میں آپ بھی شریک ہیں کیونکہ ولد صالح خیر جاری ہوتا ہے اور یہ بھی ایک تقریر ہے اس لغزش کے اسباب رفع درجات آدم علیہ السلام میں سے ہونے کی) یا جیسے کوئی باز دام کی طرف اس لئے آئے کہ دانہ کھائے گا پھر اس کو (بعد گرفتاری دام بادشاہ کا بازو) بیٹھنے کو) اور اقبال و شوکت میسر ہو جائے (غرض مشترک ان سب تمثیلات میں یہ ہے کہ قصد کیا تھا چھوٹی چیز کا اور مل گئی بڑی چیز)

طفل شد مکتب پے کسب ہنر	برامید مرغ یا لطف پدر
بچہ ہنر حاصل کرنے کتب میں کیا	باپ کی مہربانی یا کسی چڑیا کی امید پر
پس ز مکتب آں یکے صدرے شدہ	ماہیانہ دادہ و بدرے شدہ
پھر مکتب سے وہ صدر ہو گیا	ماہواری (فیس) دی اور چاند ہو گیا
آمدہ عباسؓ حرب از بہر کیس	بہر قمع احمدؓ و استیز دیس
عباس (رضی اللہ عنہ) کینہ پروری سے جنگ کے لئے آئے	احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیخ کنی اور دین سے لڑنے کے لئے
گشت دیں راتا قیامت پشت و رو	در خلافت او و فرزندان او
قیامت تک کے لئے دین کے پشت پناہ بن گئے	خلافت کے معاملہ میں وہ اور ان کی اولاد
آمدہ عمرؓ بقصد مصطفیٰؐ	تیغ در کف بستہ بس میثاقہا
(حضرت) عمرؓ آنحضرتؐ کے قتل کے ارادہ سے آئے	تکوار ہاتھ میں لے کر بہت سے عہد کر کے
گشتہ اندر شرع امیر المومنین	پیشوا و مقتدائے اہل دیں
شریعت میں امیر المومنین بنے	دینداروں کے پیشوا اور مقتدا بنے
آں علف کش سوئے ویرانہا شدہ	بے خبر بر کنج ناگہ پازدہ
وہ گھمبیرا جنگوں کی جانب چلا	اچانک بے خبری میں اس کا پاؤں خزانہ پر پڑ گیا
تشنہ آمد سوئے جوئے آب در	دید اندر جوئے خود عکس قمر
پیاسا نہر کی طرف آیا پانی میں	نہر کے اندر اس نے چاند کا عکس دیکھ لیا
من بریں در طالب چیز آدم	صدر گشتم چوں بد ہلینز آدم
میں اس دروازہ پر ایک چیز کا طالب بن کر آیا	جب دہلیز پر پہنچا صدر بن گیا
آب آوردم متحہ بہرناں	بوئے نانم بردتا صدر جہاں
روٹی کی خاطر میں پانی کا تحفہ لایا	روٹی کی تمنا مجھے دنیا کے صدر کے پاس لے آئی
ناں بروں راند آدمی راز بہشت	ناں مرا اندر بہشتے در سرشت
روٹی نے انسان کو جنت سے نکالا	مجھے روٹی نے جنت سے وابستہ کر دیا
رستم از آب زناں ہچوں ملک	بے غرض گردم بریں در چوں فلک
فرشتے کی طرح میں روٹی اور پانی سے نجات پا گیا ہوں	میں اس آسمان جیسے در کا بغیر کسی غرض کے طواف کرتا ہوں

(یہ بھی تتمہ ہے مضمون سابق کا دوسری تمثیلات کے ضمن میں یعنی) جیسے لڑکا مکتب میں کسب و ہنر سیکھنے محض مرغ (مثل

کبوتر وغیرہ) یا باپ کی خوشنودی کی امید پر جاتا تھا (جس کا باپ نے وعدہ کیا تھا) مگر اس کے بعد وہ مکتب سے صدر اعظم ہو کر نکلا جب مکتب میں وہ دیا گیا تھا ہلال تھا اب بدر ہو گیا یا جیسے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب حرب تھے کینہ و مخالفت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلع و قمع اور دین اسلام سے مقابلہ کے سبب (بدر میں آئے تھے) یعنی گوان کی خودیہ غرض نہ تھی جیسا بحر العلوم نے نقل کیا ہے کہ اگر کرہا آئے تھے مگر اہل کینہ کا کینہ اس اکراہ کا سبب ہو اس لئے کینہ کو سبب کہا جاسکتا ہے گو سبب بعید ہو پس کین اور استیزان کی صفت نہ ہوگی اور کفار کی ہوگی مگر بہر حال یہاں آ کر جب گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے اور مسلمان ہو گئے تو) پھر قیامت تک یعنی زمانہ دراز تک (وہ ان کی اولاد خلافت کے اعتبار سے دین کے معین و مددگار ہو گئے یا جیسے حضرت عمرؓ بقصد اہلاک) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے بہت سے قول و قرار کر کے آئے تھے مگر پھر شرع میں امیر المؤمنین اور اہل دین کے پیشوا و مقتدا ہو گئے یا جیسے کوئی گھسار اوریرانہ میں (گھاس کے لئے) چلا اور دفعۃً بے خبری میں خزانہ پر پاؤں پڑ گیا یا جیسے کوئی پیاسا نہر کے پانی میں آیا اور نہر میں چاند کا عکس نظر آ گیا (جس کا گمان بھی نہ تھا اسی طرح) میں اس در پر چیز کا طالب آیا تھا مگر دہلیز پر قدم رکھتے ہی صدر یعنی سردار بن گیا صدر و دہلیز کا مقابلہ لطافت شاعری ہے) میں پانی تحفہ میں لایا تھا تا کہ روٹی ملے سو روٹی کی بو (یعنی امید) نے مجھ کو صدر جنت تک (یعنی اس دربار تک) پہنچا دیا حالانکہ روٹی نے (یعنی گیہوں نے) آدمی کو جنت سے نکالا ہے مگر (عجیب بات ہے کہ) مجھ کو روٹی نے جنت میں داخل کر دیا (کیونکہ امید مان اس درگاہ تک لائی) اور یہاں آ کر آپ سے (جو تحفہ میں لایا ہوں) اور مان سے (جسکی طلب میں آیا ہوں) فرشتہ کی طرح (کہ اس کو آب و مان کی احتیاج نہیں) چھوٹ گیا (یعنی دونوں کی طرف التفات نہ رہا) اب تو اس درگاہ فلک جاہ پر بلا غرض طواف کرتا ہوں۔

در بیان آنکہ عاشق دنیا بر مثال عاشق دیوار نیست کہ برو آفتاب تافتہ و جہد نکر دتا فہم کند کہ اس تاب از دیوار نیست از آفتاب ہست در آسمان چہارم لاجرم کلی دل بردیوار نہاد و چوں پر تو آفتاب
بآفتاب پیوست او محروم ماند و حیل پنہم و بین مایشتھون

اس کا بیان کہ دنیا کے عاشق کی مثال اس دیوار کے عاشق جیسی ہے جس پر سورج چمکا ہو اور اس نے یہ سمجھنے کی کوشش نہ کی کہ یہ روشنی دیوار کی نہیں ہے سورج کی ہے جو چوتھے آسمان میں ہے لامحالہ وہ بالکل دیوار پر عاشق ہو گیا اور جب سورج کی روشنی سورج سے جا ملی تو وہ محروم رہ گیا اور آڑ کر دی گئی ان میں اور ان کی مراد میں ف: فلک چہارم پر باعتبار قول مشہور اہل بہیت کے کہہ دیا اور نہ خود ان کے پاس بھی کوئی دلیل صحیح نہیں ہے۔

بے غرض نبود بگردش در جہاں	غیر جسم و غیر جان عاشقان
دنیا میں گردش بے غرض نہیں ہوتی ہے	سوائے عاشقوں کے جسم اور جان کے
عاشقان کل نہ اس عشاق جزو	ماند از کل آنکہ شد مشتاق جزو
کل کے عاشق نہ کہ یہ جزو کے عاشق	جو جزو کا عاشق ہوا وہ کل سے (دور) رہ گیا

چونکہ جزوے عاشق جزوے شود	زود معشوقش بکل خود رود
جب کوئی جزو کسی جزو کا عاشق ہو	اس کا معشوق بہت جلد اپنے کل کی طرف چلا جاتا ہے
ریش گاؤ و بندہ غیر آمد او	غرق شد کف در ضعیفی در زد او
وہ بے وقوف اور غیر کا غلام بنا	وہ ڈوبا اس نے کمزور پر ہاتھ مارا
نیست حاکم تا کند تیمار او	کار خواجہ خود کند یا کار او
وہ (معشوق) حاکم نہیں بنتا کہ اپنے اقتدار (سے) اس (عاشق) کی طرف ہی کہے	وہ (معشوق) آقا کا کام کرے یا اس (عاشق) کا
فازن بالحرہ پے ایں شد مثل	فاسق الدرہ بدیں شد منتقل
آزاد عورت سے زنا کر یہ مثل اسی لئے بنی ہے	موتی کی چوری کر اسی لئے منقول ہوا ہے
بندہ سوئے خواجہ شد او ماند زار	بوئے گل شد سوئے گل او ماند خار
غلام اپنے آقا کی طرف روانہ ہوا وہ عاجز رہ گیا	پھول کی خوشبو پھول میں گئی وہ کاٹا رہ گیا

(اوپر اعرابی کا قول آیا ہے بے غرض گروم الخ۔ اس مناسبت سے تعلق بے غرض کی تحقیق فرماتے ہیں) کہ دنیا میں کسی کاروبار یا میں کوئی شخص بے غرض نہیں ہے بجز جسم و روح (یعنی ذات) عشاق کے (کہ ان کے افعال بجز محبت ہوتے ہیں کسی مقصود خاص کی طرف التفات نہیں ہوتا نہ یہ کہ وہ غرض سے مستغنی ہوتے ہیں کہ یہ مخلوق میں محال ہے اور ان عشاق سے مراد کل کے (یعنی حق تعالیٰ کے) عشاق ہیں نہ جزو کے (یعنی مخلوق کے یہاں کل و جزو بمعنی متبوع و تابع کے ہے نہ بمعنی متبادر کے یعنی ان کی بے غرضی کی مدح کرنا ہوں پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عشق مخلوق میں بے غرضی نہیں ہوتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ بے غرضی قابل مدح نہیں کیونکہ اس کا مبنی یعنی عشق مخلوق خود مذموم و موجب خسران ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) جو مخلوق کا مشتاق و عاشق ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ سے دور رہ جاتا ہے (ایک خسران تو یہ ہوا۔ دوسرا خسران یہ کہ خود اس معشوق سے بھی جدائی ہو جاتی ہے پس خسران دنیا و لا آخرہ ہو جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ) جب ایک مخلوق دوسری مخلوق پر عاشق ہوتا ہے وہ معشوق تھوڑے دنوں میں (ختم عمر پر) اپنے خالق کے پاس چلا جاتا ہے یہ عاشق مجازی محض احمق اور بندہ غیر ہے گویا ڈوب رہا ہے اس لئے کمزور چیزوں کو پکڑ رہا ہے (جیسا مشہور ہے الغریق تیشبٹ با کشیش اور مخلوق کا کمزور ہونا ظاہر ہے) وہ اس کا معشوق حاکم (مطلق) تو ہے نہیں کہ اس کی (پورے طور سے) تیمارداری کرے (اور اس کو راحت ابدی دے سکے) وہ بے چارہ معشوق اپنے مالک حقیقی کے احکام (تکویدیہ یا تشریحیہ علی سبیل منع الخلو) بجالائے یا اس عاشق کا کام کرے (یعنی خود ہی محتاج و مسخر قدرت ہے اس کو کیا راحت دے سکتا ہے) اسی واسطے مثل مشہور ہے کہ اگر برا کام کرنا ہو تو بی بی سے کرے (لوٹڈی سے کیا کرے) اور اسی واسطے منقول ہے کہ اگر چوری کرنا ہو تو موتی چرادے (یعنی طلب مذموم بھی بڑی چیز طلب کے یہاں مقصود اس مثل سے ظاہر ہے کہ مخلوق ادنیٰ درجہ کی چیز ہے اپنی ہمت اس میں صرف نہ کرے کہ ادنیٰ بھی ہے اور مذموم بھی بلکہ حق تعالیٰ کا عاشق ہو کہ عالی بھی ہے اور محمود بھی) وہ معشوق مجازی تو حق تعالیٰ کا غلام تھا اپنے مالک کے پاس (مرکر) چلا گیا یہ عاشق مفارقت سے (زار و زار رہ گیا جیسے بوئے گل مل کے پاس چلی گئی اور یہ مثل خار کے (خشک و لاغر) یعنی مخلوق نہ اس کے راحت پہنچانے پر قادر ہے نہ ہمیشہ اس کو اپنے وصل سے مسرور رکھنے پر یہ کتنا بڑا خسران ہے)

ہمچوں آں ابلہ کہ تاب آفتاب	دید بردیوار و حیراں شد شتاب
اس احمق کی طرح جس نے سورج کی روشنی	دیوار پر دیکھی اور فوراً حیران ہو گیا
عاشق دیوار شد کایں باضیاست	بے خبر کاں عکس خورشید سماست
دیوار کا عاشق بن گیا کہ یہ پر نور ہے	یہ معلوم نہیں کہ یہ آسمان کے سورج کا عکس ہے
چوں باصل خویش پیوست آں ضیا	دید دیوار سیہ ماندہ بجا
جب وہ روشنی اپنی اصل سے جا ملی	دیکھا کال دیوار اپنی جگہ پر کھڑی ہے
او بماندہ دور از مطلوب خویش	سعی ضائع رنج باطل پائے ریش
وہ اپنے مطلوب سے دور رہ گیا	معت بہاؤ تکلیف اکارت زخمی
ہمچو صیادے کہ گیرد سایہ	سایہ کے گرد و را سرمایہ
(ہماز کا عاشق) اس فکاری کی طرح ہے جو سایہ کو پکڑے	سایہ اس کا سرمایہ کب بن سکتا ہے؟
سایہ مرغے گرفتہ مرد سخت	مرغ حیراں گشتہ برشاخ درخت
فکاری نے پرندے کے سایہ کو مقبولی سے پکڑ رکھا تھا	پرندہ درخت کی شاخ پر حیران تھا
کایں مدغ بر کہ می خندد عجب	اینٹ باطل اینٹ پوشیدہ سبب
یہ بیہودہ دماغ، تعجب ہے کس پر ہنستا ہے؟	عجب! باطل ہے عجب! سبب پوشیدہ ہے

(یہ مثال ہے عشق مخلوق کی کہ) جیسے کوئی احمق دیوار پر آفتاب کی روشنی (یعنی دھوپ) کو دیکھ کر حیران رہ جائے اور دیوار پر عاشق ہو جائے کہ یہ خود منور ہے اور یہ خبر نہ ہو کہ یہ خورشید فلک کا عکس ہے جب وہ دھوپ اپنی اصل معدن میں جا ملی (یعنی غروب آفتاب سے دھوپ جاتی رہی) تو دیکھتا ہے کہ دیوار بجائے خود سیاہ ہو گئی اور یہ شخص اپنے مطلوب سے دور رہ گیا ساری مشقت و تکلیف (جو عشق دیوار میں اٹھائی تھی) بیکار اور ضائع گئی اور پاؤں زخمی ہے (جس سے معشوق کی تلاش میں دوڑے) یا جیسے کوئی صیاد و سایہ صید کو پکڑتا ہو بھلا سایہ کب ذخیرہ ہو سکتا ہے بس سایہ مرغ کو بڑے زور سے پکڑے بیٹھا ہے اور وہ مرغ (جس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے) اور وہ درخت پر بیٹھا حیران دیکھ رہا ہے کہ یہ ماؤف الدماغ اوروں پر (ان کی کسی حماقت پر) کیا منہ لے کر ہنستا ہوگا کہ عجیب باطل چیز ہے (یعنی سایہ جس کو تھامے بیٹھا ہے) اور عجیب سبب خفی ہے (یعنی وہ مرغ کہ سبب ہے اس سایہ کا مطلب دونوں مثالوں کا یہ ہے کہ متبوع کو چھوڑ کر تابع کو طلب کرنا خسران ہے جیسا ان مثالوں میں ہے اسی طرح حق تعالیٰ کو کہ متبوع ہیں چھوڑ کر خلق کو تابع ہو طلب کرنا خسران ہے)

ورتو گوئی جزو پیوستہ کل ست	خارمی خور خار پیوستہ گل ست
اگر تو کہے جزو کل سے وابستہ ہے	کانٹا کھالے 'کانٹا' پھول سے ملا ہوا ہے

جزو یک رو نیست پیوستہ بکل	ورنہ خود باطل بدے بعث رسل
جزو پوری طرح کل سے جڑا ہوا نہیں ہے	ورنہ رسولوں کی بعثت بیکار ہوتی
چوں رسولاں از پئے پیوستن اند	پس چہ پیوندن دشاں چوں یک تن اند
جبکہ رسول ملانے کے لئے ہیں	وہ کس چیز کو ملائیں گئے جب ایک ہی ہیں
اس سخن پایاں ندارد اے غلام	زانکہ جرے سخت دارد ایں کلام
انے لڑکے! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے	اس لئے کہ یہ بات بہت کشش رکھتی ہے
شرح کن حال عرب اے بانظام	روز بے گہ شد حکایت کن تمام
اے منتظم! بدوی کے حال کی تفصیل بتا	دن بے وقت ہو گیا کہانی ختم کر

(اے مضمون سابق پر ایک سوال و جواب ہے) یعنی اگر اعتراض کرو کہ جزو بھی تو کل سے ملا ہوا ہے (یعنی مخلوق کو بھی تو خالق سے ایک قسم کا تعلق اور اتصال ہے جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں عینیت کہتے ہیں اس عینیت کے اعتبار سے مخلوق پر عاشق ہونا خالق پر ہوتا ہے پھر وہ مذموم کیوں ہے یہ اعتراض اس اصطلاح کے نہ جاننے سے پیدا ہوتا ہے اور یہی ہے وہ ضرر جو عوام کو عبارات تصوف کے سننے سے پہنچا ہے مولانا جواب دیتے ہیں کہ) اچھا تو پھر خار کھایا کرو کیونکہ خار کو بھی ایک قسم کا اتصال و تعلق گل کے ساتھ ہے (یہ جواب لڑائی و جھلم ہونے کے تحقیقی و مفصل یہ ہے کہ) مخلوق من کل الوجود خالق کے ساتھ اتصال نہیں رکھتی (کہ ایک کا عاشق دوسرے کا ہو) ورنہ خود انبیاء علیہم السلام کا مبعوث ہونا بے کار ہو جاتا کیونکہ جب حضرات انبیاء مخلوق کو خالق کے ساتھ ملانے کے واسطے آئے ہیں تو اگر پہلے ہی دونوں کمتن (یعنی متحد) ہیں (جیسا معترض کہتا ہے) تو پھر ملانے کس چیز کو آئے ہیں (پس خود دلیل ہے کہ مخلوق و خالق میں اتصال مطلوب معترض نہیں ہے) ف یہ جواب محتاج ہے کسی قدر شرح کا جاننا چاہیے کہ اتصال و اتحاد تین معنی پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ ایک معنی لغوی کہ دو چیزوں کی ذات کا ذاتا مل جانا اور ایک ہو جانا یہ تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں محال عقلی و نقلی ہے اور قائل ہونا اس کا الحاد و زندقہ ہے دوسرے معنی اصطلاحی جس کو عینیت کہتے ہیں یعنی ایک شے کا متبوع اور محتاج الیہ و موقوف علیہ ہونا اور دوسری کا محتاج و تابع و موقوف ہونا ایسا علاقہ تمام مخلوق کو خالق کے ساتھ ہے جیسا ایک جگہ اس کی مفصل بحث آچکی ہے تیسرے معنی عربی یعنی محسبیت و محبوبیت کا تعلق خاص دو شخصوں میں ہونا یہ علاقہ خاص مقبولان الہی کو اللہ تعالیٰ سے حاصل ہے پس اعتراض معترض کا بناء علی المعنی الاول ہے جو معنی ثانی کی غلط فہمی سے پیدا ہوا ہے پس جواب اصلی کے لئے معنی ثانی کی شرح کافی ہوتی کیونکہ محض محتاج ہونے سے لازم نہیں ہے کہ اس کا عشق عین عشق محتاج الیہ ہو جیسا بدیہی ہے مگر مولانا نے سہولت عوام کے لئے معنی ثالث پر جواب مٹی فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ اتصال خلق و حق کا جو حکم کیا جاتا ہے اس میں اصطلاح دقیق کو تو تم سمجھ نہیں سکتے اس لئے یوں سمجھو کہ اس اتصال سے مراد معنی ثالث ہے جس کو تم محاورات میں بھی بولتے ہو بس جواب یہ ہوا کہ جب مراد اتصال سے یہ ہے تو یہ اتصال سب مخلوق کو حاصل نہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام کو اس اتصال کی تحصیل و تکمیل کے لئے بھیجا ہے پس جب یہ اتصال سب کو حاصل نہیں تو ہر مخلوق کا عشق خالق کا عشق

کیسے ہو جائے گا البتہ اس سے یہ لازم ہے کہ جس مخلوق کو ایسا اتصال ہو جیسے انبیاء و اولیاء ان سے محبت کرنا عین محبت حق تعالیٰ کی ہوگی سو یہ لازم صحیح اور منصوص قرآنی ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ اور مولانا کا کلام نص ہے اثبات تباہن بین المخلوق والحق میں اور اس تباہن کا انکار تو حیدر محمدانہ کہلاتی ہے کذا سمعت عن مرشدی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اب قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں کیونکہ اس میں سخت سوچیدگی ہے اس لئے اس عرب کا حال کہ وقت تنگ ہو گیا ہے وہ حکایت پوری کرو۔

سپردن عرب ہدیہ خود بغلامان خلیفہ و شرح آل

بدوی کا اپنے تحفہ کو خلیفہ کے نوکروں کے سپرد کرنا اور اس کی تفصیل

با نقیبیاں حال خود را آل عرب	چوں بگفت او دید ہنگام طلب
بدوی نے اپنی حالت نقیبوں سے	جب کہنا اور اس نے سوال کا موقع دیکھا
آل سیوئے آب را در پیش داشت	تخم خدمت را در آنحضرت بکاشت
وہ پانی کی ٹھلیا پیش کر دی	(اور) اس دربار میں خدمت کا بیج بو دیا
گفت ایں ہدیہ بدایں سلطان برید	سائل شہ را ز حاجت و خرید
بولاً یہ تحفہ بادشاہ کے پاس لے جاؤ	بادشاہ کے بھکاری کو حاجت سے نجات دلاؤ
آب شیرین و سیوئے سبز و نو	ز آب بارانی کہ جمع آمد بہ گو
ٹھلیا پانی ہے ٹھلیا سبز اور نی ہے	بارش کا پانی ہے جو گڑھے میں جمع ہو گیا تھا
خندہ می آمد نقیبیاں را ازاں	لیکن پذیر رفتند آنرا ہچموں جاں
نقیبوں کو اس پر ہنسی آ رہی تھی	لیکن انہوں نے جان کی طرح اس کو قبول کر لیا
ز آنکہ لطف شاہ خوب باخبر	کردہ بود اندر ہمہ ارکان اثر
اس لئے کہ اہمے باخبر بادشاہ کی مہربانی	سب کارکنوں میں اثر کے ہوئے تھی
خوئے شاہاں در رعیت جا کند	چرخ اخضر خاک را خضرا کند
بادشاہوں کی عادت رعایا میں گھر کر لیتی ہے	سبز آسمان زمین کو سرسبز کر دیتا ہے
شہ چوں حوصے داں حشم چوں لولہا	آب از لولہ رود در گولہا
بادشاہ کو حوض اور خادموں کو ٹونیاں سمجھ	پانی ٹونوں کے ذریعہ ٹالیوں میں جاتا ہے
چونکہ آب جملہ از حوصے ست پاک	ہر یکے آبے دہد خوش ذوقناک
جبکہ سب کا پانی پاک حوض کا ہے	ہر ایک (ٹونٹی) خوش ذائقہ پانی دیتی ہے

وردر اں حوض آب شورست و پلید	ہر یکے لولہ ہماں آرد پدید
اگر اس حوض میں کھارا اور ناپاک پانی ہے	ہر ٹوٹی سے وہی پانی نکلے گا
زانکہ پیوست ست ہر لولہ بحوض	خوض کن در معنی ایں حرف حوض
کیونکہ ہر ٹوٹی حوض سے وابستہ ہے	ان حرفوں کے معنی میں خوب غور کر لے

یعنی جب عرب نے اپنا حال نقیبوں سے کہا اور دیکھا کہ اب طلب مقصود کا موقع ہے تو وہ گھڑا اٹھا کر سامنے رکھ دیا گویا تخم خدمت کو اس درگاہ میں بویا (کہ اب اس ہدیہ پر ثمرات مرتب ہوں گے) اور کہا کہ یہ ہدیہ سلطان کے پاس لے جاؤ اور سلطانی سائل کو یعنی مجھ کو (فقر و حاجت سے چھڑاؤ اور دیکھو پانی کیسا شیریں ہے اور گھڑا سبز رنگ اور نیا ہے اور یہ اس بارش کا پانی ہے جو گڑھے کے اندر جمع ہو گیا تھا نقیبوں کو ان باتوں سے ہنسی آتی تھی لیکن (براہ خوش اخلاقی) جان کی طرح اس کو قبول کر لیا کیونکہ سلطان خوشخودانا کی صفت لطف کا سب ارکان دولت میں اثر ہو گیا تھا آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ) بادشاہوں کے اخلاق رعیت کے اندر متمکن ہو جاتے ہیں جیسا چرخ سبز رنگ (بارش سے) زمین کو سبز و تازہ کر دیتا ہے (یہ مثال محض شاعری ہے چونکہ زمین بارش میں محتاج آسمان کی ہے اس لئے اس کو بادشاہ اور اس کو رعیت قرار دے دیا) بادشاہ کی مثال ایسی سمجھو جیسے ایک بڑا حوض ہے اور خدم حشم جیسے اس میں نل لگے ہوں اور ان نلوں سے نالیوں میں پانی جاتا ہے اگر ان سب نلوں میں پانی پاک حوض سے آتا ہے تو وہ نل خوش مزہ پانی دیں گے اور اگر اس حوض ہی میں شور اور پلید پانی ہے تو ہر نل میں سے وہی نکلے گا کیونکہ وہ سب نل حوض کے متصل ہیں اس کلام کے مضمون میں خوب غور کر لو (وجہ شبہ مفہوم ہو جائے گی اور پانی مثال اخلاق کی ہے اور وجہ اس تاثیر کی صحبت معنویہ ہے جس میں غالب کا اثر مغلوب پر آتا ہے اسی بنا پر مشہور ہے الناس علی دین ملوکہم)

لطف شاہنشاہ جان بے وطن	چوں اثر کردست اندر کل تن
بے وطن جان کے بادشاہ کی مہربانی نے	پورے بدن میں کیا اثر کیا ہے!
لطف عقل خوش نہاد خوش نسب	چوں ہمہ تن را در آرد در ادب
پاک طبیعت، پاک نسب، عقل کی لطافت	کس طرح تمام بدن کو مہذب کر دیتی ہے
عشق شنگ بے قرار بے سکوں	چوں در آرد کل تن را در جنوں
شوخی، بے چین، بے قرار عشق	کس طرح سارے بدن کو جنوں میں مبتلا کر دیتا ہے
لطف آب بحر کو چوں کوثرست	سنگریزش جملہ در و گوہرست
اس دریا کی لطافت کو دیکھ جو کوثر کی طرح ہے	اس کے سنگریزے سب موتی اور گوہر ہیں
ہر ہنر کا ستا بدایاں معروف شد	جان شاگردش بدایاں موصوف شد
جس ہنر میں استاد مشہور ہوتا ہے	اس کے شاگرد کی جان انہی سے موصوف ہوتی ہے

پیش استاد اصولی ہم اصول	خواند آں شاگرد چست با وصول
اصول استاد کے سامنے اصول	پڑھتا ہے مستعد اور کامیاب شاگرد
پیش استاد فقیہ آں فقہ خواں	فقہ خواند نے اصول و نے بیاں
فقہ کا پڑھنے والا فقیہ استاد کے سامنے	فقہ پڑھتا ہے نہ (علم) اصول اور نہ (علم) بیان
پیش استادے کہ او نحوی بود	جان شاگردش از و نحوی شود
اس استاد کے سامنے جو نحوی ہو	شاگرد کی جان اس سے نحوی بن جاتی ہے
باز استادے کہ آں محورہ ست	جان شاگردش از و محوشہ ست
پھر وہ استاد جو راہ (خدا) میں محورہ ہے	اس کے شاگردوں کی جان شاہ میں محورہ ہو جاتی ہے
زیں ہمہ انواع دالش روز مرگ	دالش فقرست ساز راہ و برگ
علم کی ان قسموں میں سے مرنے کے دن (آخرت کے)	راستہ کا ساز و سامان علم فقر ہی ہے

تائید و توضیح ہے مضمون بالا کی یعنی) شاہ روح بے وطن (یعنی لامکانی) کی لطافت نے دیکھو تمام بدن میں کیسا اثر کیا ہے (کہ آثار حیات رگ رگ میں پھیل رہے ہیں اور عقل پاک نہاد خوش نسبت کو دیکھو تمام بدن (و جوارح) کو کس طرح ادب میں لے آتی ہے (یعنی تعلیم عقل سے حرکات میں ادب ظاہر ہوتا ہے چونکہ روح مجردات میں سے ہے اور عقل اس کے قویٰ میں سے ہے اس لئے روح کو لامکانی اور عقل کو خوش نسبت کہا کہ صفت کو موصوف سے نسبت ہوتی ہے اور عشق کو دیکھو جو شوخ و بے قرار و بے سکون ہے کہ تمام بدن کو کس طرح (حرکات) جنون میں لے آتا ہے اور اس دریا کو دیکھو جو مثل کوثر کے ہے اس کے پانی کی لطافت سے اس کے تمام سنگریزے موتی اور جواہرات ہیں (غالباً حوض کوثر ہی مراد ہے چون بڑھانے میں مبالغہ ہو جاتا ہے کہ جب مشبہ کا یہ حال ہو تو اصل ایسا کیوں نہ ہوگا) اسی طرح جس فن میں استاد مشہور ہوتا ہے اس کا شاگرد بھی اسی سے متصف ہو جاتا ہے چنانچہ اصولی کے سامنے شاگرد مستعد اصول پڑھتا ہے اور فقیہ کے روبرو دفعۃً پڑھے گا نہ اصول اور نہ بیان اور جو نحوی ہوگا اس کے پاس رہنے سے شاگرد نحوی ہو جائے گا پھر جو استاد محو طریقت ہوگا اس کا شاگرد بھی شاہ حقیقی (کی زیارت) میں محو ہو جائے گا (اب یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ گویہ سب علوم مذکورہ کسی درجہ میں کمال ہیں لیکن) ان سب انواع علم میں موت کے وقت صرف علم فقر ہی سامان سفر (آخرت) بن سکتا ہے (باقی سب الفاظ و اصطلاحات ہیں جو یہاں ہی رہ جاتے ہیں اور علم احکام ظاہری و باطنی سب علم فقر میں داخل ہے چنانچہ تصوف کی تعریف کتب فن میں لکھی ہے معرفۃً طرق تعمیر لظاہر و الباطن اگر شبہ ہو اوپر تو فقہ کا بھی ذکر ہے اس کا بیکار ہونا بھی لازم آتا ہے جو اب یہ ہے کہ اوپر وہ فقہ مراد ہے جس پر عمل کر کے وسیلہً قرب نہ بنایا جائے ورنہ سب علوم مذکورہ محمودہ ہیں)

ماجرائے مرد نحوی در کشتی با کشتیبان و جواب دادن او

ملاح کے ساتھ کشتی میں نحوی کا قصہ اور اس کا جواب دینا

آں یکے نحوی بہ کشتی در نشست	رو بکشیاں نہاد آں خود پرست
ایک نحوی کشتی میں سوار ہوا	اس تکبر نے ملاح کا رخ کیا

گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا	گفت نیم عمر تو شد در فنا
بولاً تو نے کچھ نحو پڑھی ہے اس نے کہا نہیں	اس نے کہا 'تیری آدمی عمر برباد ہوئی
دل شکستہ گشت کشیاں ز تاب	لیک آندم گشت خاموش از جواب
رنج سے ملاح کا دل ٹوٹ گیا	لیکن اس وقت جواب سے خاموش رہا
باد کشتی را بگردابے فگند	گفت کشتیاں بداں نحوی بلند
ہوا نے کشتی کو بھنور میں ڈال دیا	ملاح نے بلند آواز سے نحوی سے کہا
ہیچ دانی آشنا کردن بگو	گفت نے از من تو سباجی مجو
تو کچھ تیرا جانتا ہے بتا	اس نے کہا تو مجھ سے تیرا کی امید نہ کر
گفت کل عمرت اے نحوی فناست	زانکہ کشتی غرق این گردابہاست
اس نے کہا 'اے نحوی! تیری ساری عمر برباد ہے	اس لئے کہ کشتی ان بھنوروں میں ڈوب رہی ہے

(علم فقر کے بوقت موت کا آمد ہونے کی مثال میں حکایت لائے ہیں کہ) ایک نحوی کشتی میں بیٹھا اور کشتی بان کی طرف متوجہ ہو کر وہ خود پرست پوچھنے لگا کہ کیوں جی کچھ نحو بھی پڑھی ہے اس نے کہا کوئی نہیں کہنے لگا واہ آدمی عمریوں ہی غارت ہوئی وہ بے چارہ دل شکستہ ہو کر ہیچ و تاب کھانے لگا مگر اس وقت جواب سے خاموشی اختیار کی اتفاق سے ہوانے کشتی کو کسی گرداب میں جا ڈالا اسی وقت کشتی بان نے پکار کر اس نحوی سے پوچھا کہ کیوں جی کچھ تیرا بھی آتا ہے کہ تو کہنے لگا کوئی نہیں مجھ سے سباجی کے جو بیان مت ہو اس نے کہا واہ میاں نحوی صاحب آپ کی ساری عمر غارت ہوئی کیونکہ کشتی اس گرداب میں ڈوبا چاہتی ہے (آگے تقریر تطبیق ہے)

محومی باید نہ نحو این جا بداں	گر تو محومی بے خطر در آب راں
اس جگہ حویت چاہئے نہ کہ نحو سمجھ لے	اگر تو محو ہے بے خطر سمندر میں کود جا
آب دریا مردہ را بر سر نہد	ور بود زندہ ز دریا کے رہد
دریا کا پانی مردے کو سر پر اٹھا لیتا ہے	اگر زندہ ہو تو دریا سے کب بچ سکتا ہے؟
گر بمردی تو ز اوصاف بشر	بکر اسرار ت نہد بر فرق سر
اگر تو بشری خصلتوں سے مردہ ہو جائے	اسرار کا سمندر تجھے سر پر اٹھا لے گا
اے کہ خلقا نرا تو خرمی خواندہ	این زماں چوں خبر بریں تیخ ماندہ
اے (وہ) کہ مخلوق کو تو نے گدھا کہا ہے	تو اب گدھے کی طرح اس برف میں پھنسا ہے
گر تو علامہ زمانی در جہاں	نک فنائے این جہاں ہیں این زماں
اگر تو دنیا میں علامہ زمانہ ہے	اب دنیا کے فنا ہونے کو دیکھ

مرد نحوی را ازاں در دو حتم	تا شمارا نحو محو آموختیم
نحوی انسان کا قصہ ہم نے اس لئے منسلک کر دیا ہے	تاکہ تمہیں فنا کا طریقہ سکھا دیں
فقہ و نحو نحو و صرف صرف	در کم آمد یابی اے یار شگرف
فقہ کا فقہ اور نحو کی نحو اور صرف کی صرف	اے بھلے یارا تو فنا میں پائے گا

(یہ تقریر ہے تطبیق کی یعنی جس طرح وہاں علم شنآوری کی ضرورت تھی نحو کی ضرورت نہ تھی اسی طرح) یہاں (یعنی قطع راہ حق میں) علم محو (علم فنا) کی ضرورت ہے نحو کی ضرورت نہیں اگر تم محو ہو چکے ہو تو بے خطر اپنے کو (بحر طریقت یعنی راہ حق و اسرار و سلوک کے) پانی میں ڈال دو کیونکہ آب دریا مردہ کو اپنے اوپر اٹھا لیتا ہے (جیسا مشاہدہ ہے اور اگر زندہ ہو تو دریا (میں غرق ہونے) سے چھوٹنا مشکل ہے اسی طرح اگر تم اوصاف بشریہ ذمیرہ) سے فنا ہو چکے ہو تو بحر اسرار بالتفسیر المذکور) تم کو اپنے سر پر اٹھالے گا (اور کچھ خطرہ نہ ہوگا اے شخص تم تمام مخلوق کو (نور علم ربی میں) گدھا کہا کرتے تھے اب (مرتے وقت) گدھے کی طرح خود (حب مال و جاہ کے) تلخ میں کیوں پھنس رہے ہو (جس سے جان رجوع الی اللہ سے انک رہی ہے اب وہ تمہارا علم کام کیوں نہیں آتا) اگر تم دنیا میں علامہ دہر تھے تو کیا اب دیکھو اس وقت یہ دنیا (تمہارے اعتبار سے) فنا ہو رہی ہے (کما قال علیہ السلام من مات فقد قامت قیامت) ہم نے نحوی کا قصہ اس لئے بیان کیا ہے کہ تم کو محو کا طریقہ بتلایا ہے (یعنی اس کی تحصیل کی ترغیب دی ہے) فقہ اور نحو اور صرف ان سب کا مغز اور مقصود محویت میں حاصل ہوگا (یعنی ان سب سے یہی مقصود ہونا چاہیے سو علم احکام تو اس کا خود واسطہ قریب ہے اور علوم الہیہ بواسطہ علم احکام کے اس کا واسطہ ہیں ورنہ پھر یہ سب بیکار ہے جیسا اوپر شعرین ہمہ تلخ میں کہا ہے اور جو احقر نے فقہ کی توجیہ کی تھی یہ تقریر اس کی مؤید ہے کہ یہ علوم اگر وسیلہ قرب ہو جائیں تو محمود ہیں ورنہ بیکار)

آں سبویے آب دانشہائے ماست	واں خلیفہ دجلہ علم خداست
وہ پانی کی ٹھلیا ہمارے علوم ہیں	اور وہ خلیفہ خدا کے علم کا دجلہ ہے
ما بسوہا پر بدجلہ می بریم	گرنہ خردانیم خود را ماخریم
ہم ٹھلیاں بھر کر دجلہ کی طرف لے جا رہے ہیں	اگر ہم اپنے آپ کو گدھا نہ سمجھیں تو گدھے ہیں
بارے اعرابیٰ بداں معذور بود	کوز دجلہ غافل و بس دور بود
اب سمجھ لے کہ وہ بدوی تو اس بارے میں	کیونکہ وہ دجلہ سے غافل اور بہت دور تھا
گرز دجلہ باخبر بودے چوما	او نبردے آں سبوی را جا بجا
اگر وہ ہماری طرح دجلہ سے باخبر ہوتا	تو وہ ٹھلیا کو منزل بہنول نہ لے جاتا
بلکہ از دجلہ اگر واقف بدے	آں سبورا بر سر سنگے زدے
بلکہ اگر دجلہ سے واقف ہوتا	تو وہ ٹھلیا کو پتھر پر مار دیتا

آں سبویئے تنگ پر ناموس و ننگ شد حجاب بحر برزن آں بسنگ

وہ مخمّر ٹھلیا، شرم اور ذلت سے بھری ہوئی وہ سمندر (علوم معرفت) کا حجاب بن گئی اس کو پتھر پر پٹخ دے

(وان خلیفہ بخذف مضاف یعنی دجلہ خلیفہ۔ یہ مرتبط ہے قصہ کے اس شعر سے آں سبویئے آب رادر پیش داشت الخ بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) وہ سبویئے آپ مثال ہمارے علوم کی ہے (یہ تسامحاً فرمایا مطلب یہ کہ سب مثال ہماری ہستی کی ہے اور اس کا آب مثال ہمارے علم کی ہے) اور وہ دجلہ خلیفہ مثال دجلہ علم خدا کی ہے (یعنی خلیفہ مثال خدا تعالیٰ کی) اور دجلہ مثال علم خدا تعالیٰ کی) ہم لوگ (اس اعرابی کی طرح) گھڑے بھر بھر کر دجلہ کے پاس لے جاتے ہیں (یعنی اپنی حقیر ہستی کو علوم و کمالات ناچیز سے مزین کر کے علم و کمال خداوندی کے روبرو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ہمارے اوصاف ہیں) اگر (اس حالت میں) ہم اپنے کو خرنہ سمجھیں تو بے شک خرنہ خیر اعرابی تو اس لئے معذور بھی تھا کہ وہ دجلہ سے بے خبر اور دور تھا اگر ہماری طرح (کہ علم و کمالات خداوندی سے بقدر استعداد واقف ہیں) وہ باخبر ہوتا تو ان سب کو ہرگز جا بجانہ لے جاتا بلکہ اگر دجلہ کی اس کو خبر ہوتی تو ان سب کو پتھر پر دے مارتا (مگر افسوس ہم نے اپنی ہستی و اوصاف کو فنا نہ کر دیا چونکہ تمہارا بھی یہ سبھی ہستی جو کہ تنگ اور پر ناموس و ننگ ہے بحر (کمالات حق) سے حجاب ہے (کہ اس طرف کی توجہ ادھر سے مانع ہے اس لئے اس کو (مجاہدہ کے) پتھر پر دے مارو) کہ فنا ہو جائے اور مانع مرتفع ہو جائے اور اس ہستی کا تنگ و پر ناموس و ننگ ہونا ظاہر ہے)

قبول کردن خلیفہ ہدیہ را و عطا فرمودن با کمال بے نیازی از اں ہدیہ

خلیفہ کا ہدیہ کو قبول کرنا اور بخشش کرنا اس ہدیہ سے پوری بے نیازی کے باوجود

چوں خلیفہ دید و احوالش شنید	آں سبورا پر ز زر کردز مزید
جب خلیفہ نے (اسکو) دیکھا اور اس کے حالات سنے	اس ٹھلیا کو اشرافیوں سے بھر دیا بلکہ اور زیادہ دیا
آں عرب را کرد از فاقہ خلاص	داد بخششہا و خلعتہائے خاص
اس بدوی کو فاقہ (کشی) سے نجات دی	(اس کو) بخشش اور خاص شاہی جوڑے دیئے
پس نقیبے را بفرمود آں قباد	آں جہان بخشش و آں بحر داد
پھر اس عالیجاہ بادشاہ نے نقیب کو حکم دیا	اس جہان بخشش اور عطا کے سمندر نے
کایں سبوی پر زر بدست او دہید	چونکہ واگرد سوائے و جلس برید
کہ اس ٹھلیا کو اشرافیوں سے بھر کر اس کو دیدو	جب واپس لوٹے تو اس کو دجلہ کی جانب لے جاؤ
از رہ خشک آمدست و آں سفر	از رہ و جلس بود نزدیک تر
وہ خشکی کے راستہ سے آیا ہے اور سفر	دجلہ کے راستہ سے اس کے لئے زیادہ قریب ہوگا
چوں بکشتی در نشیند رنج راہ	خود فراموشش شود آں جایگاہ
جب وہ کشتی میں بیٹھے گا، راستہ کی تکلیف	اس جگہ وہ بھول جائے گا

ہمچناں کردند و دادندش سبوں	پر زرو بردند تا دجلہ دو تو
انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کو نصلیا دیدی	اشرافیوں سے بھری ہوئی اور اسکو دوا (اللف کیساتھ) دجلہ کی طرف لے گئے
چوں بکشتی درنشت و دجلہ دید	سجدہ می کرد از حیا و می خمید
جب وہ کشتی میں بیٹھا اور اس نے دجلہ دیکھا	شرم سے سجدہ کرتا تھا اور جھکتا تھا
کائے عجب لطف آں شد وہاب را	واں عجب تر کوستد آں آب را
کہ تعجب ہے اس لکھ بخش بادشاہ کی مہربانی پر	اور اس پر زیادہ تعجب ہے کہ وہ پانی (کاہدیہ) قبول کر لیتا ہے
چوں پذیرفت از من آں دریائے جود	آنچناں نقد و غل را زود زود
اس دریائے سخا نے کیسے قبول کر لیا؟	بہت جلد اس جیسے کھونے سکے کو

یعنی جب خلیفہ نے اس کو دیکھا اور اس کا حال سنا تو ان سب کو اشرافیوں سے پر کر دیا اور مزید براں اور بھی دیا اور اس عرب کو فاقہ سے رہائی دی اور بہت سے انعام اور خاص خلعت دیئے اس کے بعد ایک نقیب کو اس بادشاہ عظیم الشان نے جو کہ عالم بخشش اور دریائے عطا تھا حکم دیا کہ یہ سب پر دینا اس کے حوالہ کرو اور جب واپس جانے لگے تو اس کو دجلہ کی طرف سے لے جاؤ کیونکہ خشکی کی راہ سے اور بڑے سفر سے آیا ہے دجلہ کی طرف سے مسافت کم پڑے گی اور نیز جب کشتی میں بیٹھے گا تو اس جگہ بیٹھ کر تھکان سفر بھی فراموش ہو جائے گا غرض خدا نے ایسا ہی کیا اور اس کو وہ گھڑا دے دیا جو اشرافیوں سے پر تھا اور دجلہ کی طرف لے گئے جو کہ دو ہر لطف تھا (کہ دولت بھی ملی اور تفریح بھی) جب وہ کشتی میں بیٹھا ہے اور دجلہ دیکھا ہے تو بس یہ حال تھا کہ مارے شرم کے سجدہ کی طرح پیشانی زمین سے لگ لگ جاتی تھی اور دو ہرا ہوا جاتا تھا اور کہتا تھا کہ اس شاہ وہاب کے عجیب الطاف ہیں اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ اس نے ایسا پانی قبول کر لیا یا اللہ اس دریائے جود نے مجھ سے ایسا کھوٹا مال خوشی خوشی کس طرح قبول کر لیا (اس میں اشارہ ہے الطاف حق کی طرف کہ اسی طرح بندہ کے اعمال کو جو ان کی عظمت و شان کے روبرو محض ہیچ ہیں اپنے فضل و کرم سے قبول فرما لیتے ہیں اور مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر ت علی قلب بشر عطا کرتے ہیں)

کل عالم را سبوداں اے پسر	پرسدہ از لطف و خوبی تا بسر
اے بیٹا! پوری دنیا کو نصلیا سمجھ	جو لطف اور خوبی سے کناروں تک بھری ہوئی ہے
قطرہ از دجلہ خوبی اوست	کاں نمی گنجد ز پری زیر پوست
(یہ نصلیا) اس کی خوبی کے دجلہ کی ایک بوند ہے	جو اپنے پر ہونے پر پھولا نہیں ساتا ہے
کنج مخفی بدز پری چاک کرد	خاک را تا باں تر از افلاک کرد
چھپا ہوا خزانہ تھا جو فراوانی کی وجہ سے پھٹ پڑا	جس نے خاک کو افلاک سے (بھی) زیادہ روشن کر دیا
کنج مخفی بدز پری جوش کرد	خاک را سلطان اطلس پوش کرد
وہ چھپا ہوا خزانہ تھا فراوانی کی وجہ سے اس نے جوش مارا	مٹی کو اطلس پوش بادشاہ بنا دیا

(اس میں اعادہ ہے اس تشبیہ سابق کا کہ ہماری ہستی و کمالات مثل سب آب کے ہیں اور کمالات الہیہ مثل دجلہ کے زیادت تو صبح کے لئے اعادہ فرمایا ہے) یعنی تمام عالم (کی ہستی) کو مثل سبھی کے سمجھو کہ (گو) لطف و خوبی سے سر بسر پر ہے (مگر) حق تعالیٰ کے دجلہ خوبی کے سامنے ایک قطرہ ہے (یعنی محض ہیچ اور لاشے ہے) کیونکہ (وسعت میں) اس خوبی حق کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی چیز پوست میں بھری ہو مگر اس میں گنجائش نہ ہو (اور اس سے نکلی پڑتی ہو) دوسری مثال جیسے مثلاً ایک گنج زیر زمین مخفی تھا اور بہت پر ہونے سے (زمین کو) چاک کر کے نکل پڑا اور اپنی چمک دمک سے زمین کو افلاک سے بھی زائد تا بااں کر دیا یعنی اس گنج مخفی نے بہت پر ہونے سے جوش کیا اور زمین کو ایسا (روشن) کر دیا جیسے کوئی سلطان اطلس پوش ہو (وجہ تشبیہ صرف دو ہیں وسعت و تقاضاے ظہور و بس اور نعوذ باللہ اضطرار میں تشبیہ نہیں ہے کہ وہ اضطرار سے منزہ ہیں اور گنج مخفی سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے قول مشہور کنت کز اخفیا فاحبیت ان اعراف فخلقت الخلق اس قول کی کوئی سند صحیح تو نظر سے نہیں گزری مگر مضمون قواعد شرعیہ کے موافق ہے کیونکہ مخفی مراد باطن کا ہے اور مثال دینا واجب کو ممکن سے خود منصوص قرآنی ہے عبادت کے لئے مخلوق کا پیدا ہونا ثابت ہے معرفت عبادت میں داخل ہے تو معرفت مقصود و خلق ہوئی اور خلق پر ارادہ کی تقدیم یقینی اور معرفت کا خیر ہونا مسلم اور صحبت کا حاصل ارادہ خیر ہونا معلوم پس اس سے مجموعہ مضمون مذکور کا حاصل ہو گیا اور خاک سے اشارہ ہر طرف انسان کے جس میں جزو غالب خاک ہے اور اس میں اشارہ ہے مسئلہ مشہورہ فن کی طرف کہ اللہ تعالیٰ مع ذات و صفات کے جمیل ہیں جیسا حدیث میں اللہ جمیل اور جمال مقتضی ہوتا ہے ظہور کو یعنی ظہور اس کے مناسب ہے اللہ تعالیٰ حکیم ہیں اس امر مناسب کی رعایت سے بالا اختیار مخلوق کو پیدا کیا جس سے اپنے افعال کا اور ان کے واسطے سے اپنے صفات کا اور ان کے واسطے سے اپنی ذات کا ظہور فرمایا پھر مخلوقات میں زیادہ اختصاص انسان کو دیا حتیٰ کہ خاص بندوں کو اپنی صفات کا فیض خاص عطا فرمایا جیسا حدیث بیہتی میں ہے قال تعالیٰ اعطیہم من حلمی و عقلی اے علمی اسی لئے اس کو مظہر اتم یعنی باضافت دوسری مخلوقات کے کہتے ہیں اور اس جمال مطلق و کامل کے لوازم میں سے ہے وسعت کیونکہ غیر وسیع محدود کا جمال بھی محدود و غیر کامل ہوگا اس لئے تشبیہات مذکورہ میں وسعت کو مقتضی ظہور کہنا اور تحقیق مشہور میں جمال کو مقتضی کہنا باہم متنافی نہیں ہیں خوب سمجھ لو)

ور بدیدے قطرہ از دجلہ خدا	آں سبورا او فنا کردے فنا
اگر (کوئی) خدا کے دجلہ کا ایک قطرہ دیکھ لیتا	اس ٹھلیا کو وہ بالکل فنا کر دیتا
آنکہ دیدندش ہمیشہ بے خودند	بیخودانہ برسبو سنگے زدند
جنہوں نے اس کو دیکھا ہے وہ ہمیشہ بے خود ہیں	انہوں نے بیخودوں کی طرح ٹھلیا پر پتھر مار دیا ہے
اے ز غیرت برسبو سنگے زدہ	آں سبوز اشکست کامل تر شدہ
اے وہ جس نے غیرت سے ٹھلیا پر پتھر مارا ہے	وہ ٹھلیا ٹوٹنے سے اور مکمل ہو گئی ہے
خم شکستہ آب از و نارینختہ	صد درستی زیں شکست اینچختہ
ٹھلیا ٹوٹ گئی اس کا پانی نہیں بہا	اس شکستگی سے سینکڑوں درستیاں پیدا ہو گئی ہیں
جزو جزو خم برقص ست و بحال	عقل جزوی رانمودہ این محال
ٹھلیا کا ٹکڑا ٹکڑا رقص اور حال میں ہے	ناقص عقل کو یہ ناممکن نظر آتا ہے

نے سبب پیدا دریں حالت نہ آب خوش بہیں واللہ اعلم بالصواب

اس حالت میں اس کے سامنے نہ ٹھلایا ہے نہ پانی اچھی طرح سمجھ لے اور اللہ (تعالیٰ) بہتر جانتا ہے

یہ تفریح ہے تشبیہ سابق پر یعنی جب ہر شخص کی ہستی و کمالات۔ ہستی و کمالات حق کے سامنے ایسی ناچیز ہے جیسے دجلہ اور آب دجلہ کے روبرو سبھی اور آپ سبھی پس) اگر وہ شخص (جو مدعی کمالات ہے) دجلہ خداوندی سے ایک قطرہ بھی دیکھ لیتا (یعنی ایک شہد بھی وجود کمالات الہیہ میں سے اس کو منکشف ہو جاتا کیونکہ احاطہ ممکن کا واجب کو تو محال ہی ہے) تو اپنے سبھی (یعنی ہستی و کمال) کو بالکل فنا کر ڈالتا (یعنی ایسی ریاضت کرتا کہ ذوقاً و حالاً اس کو کالعدم دیکھتا) اور جن لوگوں کو اس ہستی و کمال حق کا انکشاف ہو گیا ہے بے خودوں کی طرح انہوں نے سبھی ہستی کو سنگ مجاہدہ پردے مارا ہے (اب اہل فنا کو خطاب کرتے ہیں کہ) اے شخص جس نے براہ غیرت (کہ وجود واجب کے روبرو وجود ممکن پائیداری کے قابل نہیں) سبھی پر پتھر مار دیا ہے (مغموم مت ہونا) کیونکہ وہ سبھی اس شکست سے اور زیادہ کامل ہو گیا ہے (کیونکہ فنا عن الصفات البشریہ کو بقاء بالصفات الالہیہ لازم ہے) یہ خم ہستی شکستہ ہو گیا اور اس میں سے پانی نہیں گرا (یعنی فنائے ہستی سے صفات کامل زائل نہیں ہوئیں بلکہ) صد ہا درستی اس شکست سے پیدا ہو گئی (کیونکہ اب علوم کمالات وہیہ عطا ہوئے) اس خم ہستی کا ایک ایک جزو (شکستہ ہونے کے بعد) رقص و حالت میں ہے (کیونکہ اس شخص کے رگ رگ میں اثر نور اور محبت و معرفت کا سراپت کر جاتا ہے جیسا حدیث میں ہے اجعل فی قلبی نوراً و شعری نوراً و اودی و عصبی و لحمی و عظمی و بشری و فوئی و حتی الی ان قال و اجعلنی نوراً) مگر عقل ناقص (یعنی عقل فلسفی و عقل معاش و مقید بعلوم رسمیہ) کو یہ امر محال معلوم ہوتا ہے (کیونکہ یہ لوگ ان حالات و اذواق کے منکر ہیں) اور اس حالت (فناء) میں نہ سبب ہے ہستی نظر آتا ہے نہ آب علم و کمالات اس کو اچھی طرح غور سے سمجھو واللہ اعلم بالصواب (یعنی اپنی ہستی و کمالات کی طرف التفات نہیں ہوتا صرف توجہ الی اللہ والی صفات رہ جاتی ہے اسی لئے نے سبب پیدا کہا ہے نے سبب باقی نہیں کہا شرح اس کی دیباچہ کتاب ہذا میں گزری ہے)

چوں در معنی زنی بازت کنند	پر فکرت زن کہ شہبازت کنند
تو جب معنی کا دروازہ کھٹکٹائے گا تیرے لئے کھول دیں گے	نکر کا پر پز پز اچھے شہباز بنا دیں گے
پر فکرت شد گل آلود و گراں	زانکہ گل خواری ترا گل شد چوناں
تیرے فکر کا پر مٹی میں سن کیا ہے اور ہماری ہو گیا ہے	کیونکہ تو مٹی کھانے والا ہے تیرے لئے مٹی روٹی کی طرح بن گئی ہے
ناں گل ست و گوشت کمتر خورازیں	تانمانی ہچمو گل اندر زمیں
روٹی اور گوشت مٹی ہے اس کو کم کما	تاکہ مٹی کی طرح تو زمین میں نہ رہ جائے
خاک می خوردیم عمرے در غذا	خاک مارا خورد آخر در جزا
ہم غذا میں تمام عمر مٹی کما رہے	آخر کار بدلہ میں مٹی نے ہمیں کما لیا
چوں گر سنہ می شوی سگ میشوی	تند و بد پیوند و بدرگ می شوی
جب تو بھوکا ہوتا ہے کتا بن جاتا ہے	تو بد مزاج، بداخلاق، بد خصلت ہو جاتا ہے

چوں شدی تو سیر مردارے شدی	بے خبر چوں نقش دیوارے شدی
جب تیرا پیٹ بھر جاتا ہے تو مردہ ہو جاتا ہے	دیوار کی تصویر کی طرح بے خبر ہو جاتا ہے
پس دے مردار دیگر دم سگی	چوں کنی در راہ شیراں خوش تگی
پس ایک وقت تو مردار ہے اور دوسرے وقت تو کتا ہے	تو شیروں کے راستہ میں کب خوش رفتار ہو سکتا ہے؟
آلت اشکار خود جز سگ مداں	کترک انداز سگ را استخوان
اپنے شکار کے ذریعہ کو کتے کے سوا کچھ نہ سمجھ	کتے کو ہڈی کم ڈال
زانکہ سگ چوں سیر شد سرکش شود	کے سوئے صید و شکارے خوش دود
اس لئے کہ کتے کا جب پیٹ بھر جاتا ہے وہ سرکش	پھر صید اور شکار کی طرف اچھی طرح کب دوڑتا ہے؟

اوپر اسرار بیان فرما کر کہا تھا کہ عقل جزوی پر ان اسرار کا انکشاف نہیں ہوتا اب اس انکشاف کا طریقہ اور مانع انکشاف کا بیان کرتے ہیں کہ (اگر تم معانی (واسرار) کا دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لئے کھول دیا جائے (یعنی اسرار کو اس کے طریقہ سے کہ وہ ریاضت ہے طلب کرو تو انکشاف ہو) اور ذرا پر فکر کو ہلاؤ کہ تم کو شہباز بنا دیا جائے (یعنی مراقبات سے عروج روحانی کا قصد کرو کہ استعداد عروج حاصل ہو) مگر تمہارا پر فکر تو بالکل (تلذذات دنیویہ سے) گل آلودہ اور گراں ہو رہا ہے کیونکہ تم گل خوار ہو اور گل تمہاری غذا روٹی کی طرح بن گئی ہے اور گل سے مراد یہی نان و گوشت (لذات دنیویہ) ہیں ان کو ذرا کم کھایا کرو (عنی تقلیل حظوظ کرو) تاکہ گل کی طرح زمین ہی میں نہ رہ جاؤ (یعنی عمر بھر اسی میں توجہ مبذول رہے اور عالم سفلی میں گرفتار رہو اور یہ لذات موجب افسردگی فکر محمود ہو جائیں) ہم لوگ (مراد تم لوگ) عمر بھر غذا میں خاک (یعنی لذات دنیویہ) کھاتے رہے آخر (نتیجہ یہ ہوا کہ ہم کو خاک کھا گئی (یعنی مرکھپ گئے وہ لذائذ ہم کو نافع نہ ہوئیں) تمہاری حالت یہ ہے کہ اگر گرسنہ ہوتے ہو تو سگ ہو جاتے ہو (اور جھنجھلاہٹ میں) تند خو اور بد خلق اور بدرگ ہو جاتے ہو اور اگر شکم سیر ہوتے ہو تو مردار کی طرح بے خبر مثل نقش دیوار ہو جاتے ہو غرض بعض اوقات میں مردار اور بعض اوقات میں سگ رہتے ہو تو پھر شیروں کے (یعنی سالکین کی) راہ میں کس طرح دوڑ سکتے ہو (مطلب یہ ہے کہ بدوں ریاضت و تہذیب نفس کے جوع اور شبع دونوں مضر ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے اس لئے طریقہ کے موافق (کہ اتباع شیخ و خلوص نیت و عزم سلوک اس کے شرائط میں سے ہے) ریاضت میں کوشش کرو چنانچہ فرماتے ہیں کہ (اپنے آلہ شکار کو کتے سے زیادہ مت سمجھو (یعنی تمہارے قوائے نفسانیہ و جسمانیہ اس لئے بنائے گئے ہیں کہ ان کو زیر حکومت عقل رکھ کر ان اعمال و طاعت میں جن میں ان قوی کی ضرورت ہے صرف کیا جائے پس مثل سگ شکاری کے ہوئے) پس تم سگ کے روبرو ذرا تھوڑی استخوان ڈالا کرو کیونکہ اگر یہ سگ زیادہ سیر شکم ہو گیا تو سرکشی کرنے لگے گا پھر صید کی طرف کب خوشی سے دوڑے گا (یعنی زیادہ لذات و آرام میں مشغول ہونے سے یہ قوی طاعات میں گئی یا سستی کرنے لگیں گے جیسا مشاہدہ ہے اور لفظ کترک میں اشارہ ہے کہ مراد تقلیل ہے نہ ترک محض ورنہ زیادہ ضعف قوی سے بھی سے ضرر ہوتا ہے)

آں عرب را بے نوائی می کشید	تا بداں درگاہ و آں دولت رسید
اس بدوی کو بے سروسامانی کھینچ لائی	یہاں تک کہ وہ اس درگاہ اور اس دولت تک پہنچ گیا

در حکایت گفتہ ام احسان شاہ	در حق آں بے نوائے بے پناہ
میں نے قصہ میں بادشاہ کے احسان کا ذکر کیا ہے	(جو) اس بے نوا اور بے پناہ کے حق میں (کیا کیا)
ہرچہ گوید مرد عاشق بوئے عشق	از دہانش می جہد در کوئے عشق
عاشق انسان جو کچھ کہتا ہے عشق کی خوشبو	عشق کے کوچہ میں اس کے منہ سے مہک جاتی ہے
گر بگوید فقہ فقر آید ہمہ	بوئے فقر آید از اں خوش دمدمہ
اگر وہ فقہ کی بات کرتا ہے سب فقر ہوتا ہے	اس خوش گفتاری سے فقر کی خوشبو آتی ہے
در بگوید کفر آید بوئے دین	آید از گفت شکش بوئے یقین
اگر وہ کفر (کی بات) کہتا ہے دین کی خوشبو آتی ہے	اس کے شک کی بات سے بھی یقین کی خوشبو آتی ہے
ور بگوید کثر نماید راستی	اے کثری کہ راست را آ راستی
اگر نیز می بات کہے تو سیدی نظر آئے	اے کثری (تو خوب ہے) کہ تو نے سیدی بات کو آراستہ کر دیا ہے
کف کثر کز بحر صافی خاست ست	اصل صاف آں فرع را آ راست ست
نیز صاف جہاگ جو صاف دریا سے پیدا ہوتا ہے	صاف اصل نے اس فرع کو آراستہ کر دیا ہے
آں کفش را صافی و محقوق داں	ہمچو دشنام لب معشوق داں
اس کے اس جہاگ کو صاف اور صحیح سمجھ	معشوق کے منہ کی گالی کی طرح سمجھ
گشت ایں دشنام نامطلوب او	خوش ز بہر عارض محبوب او
اس کی ناپسندیدہ گالی (بھی)	اس کے محبوب چہرے کی وجہ سے اچھی ہے

(اور پر چند جگہ اس قصہ ظاہری کی تطبیق باطنی حالات پر فرمائی ہے اور آئندہ بھی آتی ہے۔ ہم عرب ماہم سیواں۔ پس ان اشعار میں اسی تطبیق کی تائید اور تطبیق آئندہ کی تمہید ہے اور مقصود یہ ہے کہ محققین کے کلام میں ہمیشہ مقاصد و معانی پر نظر رکھنا چاہیے ظاہر کو نہ دیکھنا چاہیے نہ خود ظاہر حکایت کو اور نہ ان الفاظ کو جو ان معانی کے بیان کرنے میں نامناسب یا موہم آجائیں) یعنی اس عرب کو بینوائی اس درگاہ اور دولت تک پہنچ کر لے گئی اور اس بینوا بے پناہ کے حق میں جو احسان بادشاہ کا ہوا (اس کو ہم نے) صورت) حکایت میں بیان کیا ہے (لیکن مقصود اس سے بندہ اور حق تعالیٰ کے معاملہ کا بیان کرنا ہے کہ اسی طرح بینوائی پر وہ رحم فرماتے ہیں طلب شرط ہے اور حکایت سے اس مضمون کے مقصود ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم تو عاشق حق ہیں) اور عاشق جو بات کہے گا (گو وہ معمولی ہو مگر) اس کے منہ سے مقام عشق میں عشق ہی کی خوشبو نکلے گی (اس لئے ہماری حکایات میں بھی معاملات محبت و محبوب مقصود ہوں گے) عاشق اگر فقہ کی بات کرے گا وہ بھی فقر ہی کی ہوگی اور اس جوش کلام سے بولے فقر آئے گی) کیونکہ مقصود اس کا اس علم سے تحقیق مرضیات و نامرضیات محبوب ہوگا پس ہر مسئلہ سے اس کی غرض یہ ہوگی کہ اس امر سے محبوب راضی ہے اس سے ناراض اور یہی فقر ہے) اور اگر وہ (ظاہراً) کفر کی بات کہے گا تو اس سے بولے دین آئے گی (جیسے مسائل دقیقہ کہ ظاہر میں لوگ بوجہ نہ سمجھنے کے اس کو کفر جانتے ہیں اور

وہ عین عرفان ہے) اور اس کے شک کی بات سے بھی یقین کی خوشبو آئے گی (شک سے مراد کشف والہام کہ جمہور کے قول پر وہ ظنی ہے یقینی نہیں مگر اس میں اثر یقینیات ہی کا سا ہے یعنی شفاے قلب و شرح صدر و طمانیت و سکون) اور اگر (ظاہر میں) کج (اور غلط) بات بھی کہے گا تو راست معلوم ہوگی (اس کی مثال وہی کفر ظاہری اور دین حقیقی ہو سکتی ہے) کیا اچھی کجی ہے کہ جس سے راست کی درستی ہوگئی (راست سے مراد طالب صادق صراط مستقیم پر قائم اور ظاہر ہے کہ ایسے اسرار سے ان کی اصلاح ہوتی ہے اس کلام کج کی ایسی مثال ہے کہ بحر صاف سے جو کج اٹھتا ہے تو وہ اصل صاف (یعنی بحر) اس کف کو آراستہ کر دیتا ہے (یعنی اس کف کی شکل غیر ہندی بوجہ صفائے مادہ کے بد نما نہیں معلوم ہوتی اسی طرح کلام کج ظاہری کا اصل منشاء ایک قلب صافی حق بین ہے اس لئے وہ لفظی کجی قبیح نہیں) تم اس کف کو (بوجہ صفائے منشاء و اصل) صاف اور راست کیا ہو سمجھو اور ایسا سمجھو جیسے لب معشوق کی دشنام کہ اس کی دشنام نامرغوب اس کے عارض محبوب کے سبب خوش (اور لذیذ) معلوم ہوتی ہے (بوجہ شبہ صرف یہ ہے کہ ظاہر برا اور منشاء اچھا)

از شکر گر شکل نانے می پزی	طعم قند آید نہ ناں چوی می مزی
اگر تو شکر سے روٹی پکائے گا	جب تو چکھے گا اس میں شکر کا مزا آئے گا نہ کہ روٹی کا
وربت زریں بیابد مومنے	کے ہلد او را پئے سجدہ کنے
اگر کوئی مومن سونے کا بت پالے گا	اس کو سجدہ کرنے کے لئے کب چھوڑے گا
چوں بیابد مومنے زریں وشن	کے ہلد آں را برائے ہر من
جب کوئی مومن سونے کا باپ پالے گا	اس کو پجاری کے لئے کب چھوڑے گا
بلکہ گیرد اندر آتش افگند	صورت عاریتیش را بشکند
بلکہ اس کو لے کر آگ میں ڈال دے گا	اس کی عارضی بہت کو توڑ دے گا
تا نماند بر ذہب نقش وشن	زانکہ صورت مانع ست و راہرن
تاکہ سونے پر بت کی صورت نہ باقی رہے	اس لئے کہ صورت مانع اور رہزن بنی ہے
ذات زرش داد ربانیت ست	نقش بت بر نقد زر عاریت ست
اس کا اصل سونا خدا کی دین ہے	نقد سونے پر بت کی تصویر عارضی ہے
بہر کیسے تو کلیمے رامسوز	در صداع ہر مگس مگذار روز
پسو کی وجہ سے تو گدڑی کو نہ جلا	ہر بھی کی درد سری کی وجہ سے دن کو باہر نکلنا نہ چھوڑ
بت پرستی گر بمانی در صور	صورتش بگزار و در معنی نگر
اگر تو صورتوں میں (لگا) رہا تو بت پرست ہے	صورت سے گزر جا اور معنی کو دیکھ
مرد جچی ہمرہی حاجی طلب	خواہ ہندو خواہ ترک و یا عرب
(اگر) توج کا جو نامرد ہے تو حاجی کو اپنا ہمسر بنا	خواہ ہندوستانی ہو خواہ ترکی یا عرب ہو

منگر اندر نقش و اندر رنگ او	بنگر اندر عزم و در آہنگ او
تصویر اور اس کے رنگ کو نہ دیکھ	اس کے ارادے اور قصد کو دیکھ
گر سیاہست و ہم آہنگ توست	تو سفیدش خواں کہ ہمرنگ توست
اگر وہ کالا ہے اور تیرا ہم خیال ہے	تو اس کو گورا سمجھ کیونکہ وہ تیرا ہمرنگ ہے
ور سپیدست و ورا آہنگ نیست	زوہر کزدل مر اور ارنگ نیست
اگر وہ سفید ہے اور تیرا ہم خیال نہیں ہے	اس سے تعلق نہ رکھ کیونکہ وہ دل سے ہمرنگ نہیں ہے

(اوپر بیان ہوا ہے کہ مطلوب اصلی باطن ہے یہاں اسی کی مثالیں ہیں) مثال اول تم شکر کو روٹی کی شکل پکاؤ لیکن جب چکھو گے تو قد کا مزہ آئے گا روٹی کا نہ آئے گا (دیکھو ظاہر مؤثر نہ ہو باطن مؤثر رہا) مثال ثانی اگر کسی مسلمان کو ایک سونے کا بت مل جائے تو وہ اس کو (بت سمجھ کر نفرت سے) کب چھوڑ دے گا کہ کوئی بت پرست اٹھالے گا (ہم نہیں اٹھاتے) بلکہ (سونا سمجھ کر) اس کو ضرور لے لے گا اور اس بے ہودہ شکل مٹانے کے لئے اس کو لے کر آگ میں ڈال دے گا (اور پگھلا کر) اس کی عارضی صورت کو توڑ ڈالے گا تاکہ سونے پر بت کی ہیبت باقی نہ رہے کیونکہ یہی شکل (بت پرست کے لئے خدا پرستی سے) مانع اور راہزن ہے اور سونا تو ذات ماہیت میں ایک قدرتی چیز ہے اور اس خالص سونے پر بت کی ہیبت عاریتی چیز ہے (تو اس ظاہری ہیبت کی وجہ سے اس کی ذات کو کیوں چھوڑا جائے دیکھو اس مثال میں بھی ظاہر کا اعتبار نہیں ہوا اور نہ اس کو نہ لیتا باطن مطلوب رہا کہ وہ ماہیت ہے سونے کی البتہ غیر مشروع ہونے کی وجہ سے وہ ظاہر محو کیا گیا اور اکسیر اشارہ ہے کہ ظاہر مطلقاً ناقابل نظر بھی نہیں اگر حدود شرعیہ سے متجاوز ہوگا تو اس کی اصلاح کریں گے پس یہاں سے کسی کو اس سمجھنے کی گنجائش نہ رہی کہ جب باطن ہی معتبر ہے تو خلاف شریعت ہونا بھی مضر نہیں خوب سمجھ لو آگے مثال ہے اس کی کہ ظاہر نامحمود کی وجہ سے کوئی شخص باطن محمود کو بھی چھوڑ دے تو نادانی ہے یعنی) تم ایک پسو کے واسطے سارے کبیل کو مت جلاؤ اور مکھیوں کے درد سر اور تکلیف دینے سے تم دن (کے انوار) کو مت چھوڑو (کہ تاریکی مکان میں مقید ہو جاؤ کہ یہاں نہ آئے گی مطلب یہ کہ غیر مطلوب کی ناگواری سے مطلوب کو کیوں ضائع کرتے ہو اسی طرح ظاہر غیر مطلوب سے نفرت کر کے باطن مطلوب کو مت چھوڑو آگے ظاہر محض کو مقصود سمجھنے کی مذمت ہے یعنی) اگر تم صورت ظاہر میں مقید رہو گے تو (ایک قسم کے) بت پرست ہو گے صورت چھوڑ دو اور معنی (باطن) کو دیکھو۔ مثال ثالث مثلاً تم حج کرنے جاؤ تو ہمراہ لینے کے لئے کسی حاجی کو تلاش کرو خواہ وہ ہندی ہو خواہ عرب ہو یعنی تم اس کے کنش و رنگ کو مت دیکھو بلکہ اس کے عزم و قصد کو دیکھو اگر وہ سیاہ رنگ ہے لیکن تمہارا شریک عزم ہے تو تم اس کو سفید سمجھو کیونکہ (باطن) تمہارا ہمرنگ ہے اور اگر سفید ہو اور اس کا وہ ارادہ نہ ہو تو اس سے قطع تعلق کر دو کیونکہ باطن کے رو سے اس کا وہ رنگ نہیں ہے (دیکھو اس مثال میں بھی شرکت قصدی پر کہ امر باطنی ہی نظر ہوتی ہے شکل و رنگ پر کہ امر ظاہری ہے نظر نہیں ہوتی)

ایں حکایت گفتہ شد زیر و زبر	ہمچو فکر عاشقاں بے پاؤ سر
یہ قصہ بغیر ترتیب کہہ دیا گیا ہے	جیسا کہ عاشقوں کا خیال بے سرد پا (ہوتا ہے)

سرندارد چوں ازل بودست پیش	پاندارد با ابد بودست خویش
(عاشق کے خیال کا) سرائیں ہوتا ہے کیونکہ وہ ازل سے بھی پہلے کا ہے	(وہ) انتہا نہیں رکھتا ہے (اس لئے کہ) ابد سے وابستہ ہے
بلکہ چوں آب ست و ہر قطرہ ازاں	ہم سرست و پا وہم بے ہر دواں
بلکہ وہ پانی کی طرح ہے اور اس کا ہر قطرہ	سر اور پیر بھی رکھتا ہے اور بغیر سر و پا بھی ہے
حاش للہ ایں حکایت نیست ہیں	نقد حال ماؤتست ایں خوش بہیں
خدا بچائے خردار یہ کہانی نہیں ہے	یہ ہمارا اور تیرا موجودہ حال ہے ' غور کر
پیش ہر صوفی کہ او بافر بود	ہر چہ آں ماضی ست لایذ کر بود
ہر اس صوفی کے لئے جو شان و شوکت والا ہے	جو گزر گیا ہے وہ ناقابل ذکر ہوتا ہے
چوں بود فکرش ہمہ مشغول حال	ناید اندر ذہن او فکر مآل
جبکہ اس کا فکر پوری طرح حال میں مشغول ہوتا ہے	اس کے ذہن میں انجام کا فکر (بھی) نہیں آتا ہے
ہم عرب ماہم سبوا ماہم ملک	جملہ ما یوفک عنہ من افک
بدو بھی ہم ہیں اور ٹھلایا بھی ہم ہیں اور بادشاہ بھی	سب وہی ہے جس سے باز رہا وہی جو پھیرا گیا
عقل را شوداں وزن ایں نفس وطبع	ایں دو ظلمانی و منکر عقل ستمع
عقل کو شوہر اور نفس اور طبیعت کو عورت (سمجھ)	یہ دونوں تاریک اور منکر ہیں عقل ستمع ہے

(جب او پر ثابت ہو چکا کہ مقصود اصلی معنی ہے اب فرماتے ہیں کہ اسی طرح حکایت مذکورہ میں بھی معنی مقصود ہیں یعنی) یہ حکایت بالکل غیر مسلسل بیان کی گئی جیسے فکر عاشق کہ نہ اس کی کہیں ابتدا ہوتی ہے نہ انتہا (غیر مسلسل یہ کہ اجزاء حکایت کے درمیان درمیان اور مضامین کی طرف انتقال ہوتا گیا اب فکر عاشق کی بے سرو پائی بطور جملہ معترضہ کے بیان کرنے لگے یعنی) ابتدا تو اس لئے نہیں ہوتی چونکہ موجود ازل (ذات حق) اس کی پیش نظر (وقبلہ توجہ) ہے اور انتہا اس لئے نہیں ہوتی کہ اس کو موجود ابدی (ذات حق کے ساتھ نسبت اور تعلق ہے) یعنی ذات حق چونکہ ازل و ابدی ہے یعنی نہ ابتداء میں محدود ہے نہ انتہا میں اور ایسے موجود کے کمالات کا غیر متناہی ہونا لازم اور بدیہی ہے اور یہی کمالات قبلہ توجہ عاشق ہیں اس لئے فکر کا بھی غیر متناہی ہونا ضروری ہے گو بوجہ حدود بمعنی لائق عند حد ہوگا یہ وہ مضمون ہے نہ حش فایتے دار دنہ سعدی راسخ پایاں + بمیر دشمنہ مستحقے و دریا پہچان باقی + آگے فکر عاشق کی بے سرو پائی کی مثال ہے یعنی) بلکہ وہ مثل آب کے ہے جس میں ہر قطرہ (اس مجموعہ آب کے لئے) طرف ابتدائی بھی (فرض کیا جاسکتا ہے اور طرف انتہائی بھی اور دونوں کی نفی بھی) صحیح ہے کیونکہ قسمت بالقوہ ہیں دونوں حکم ہر قطرہ کے لئے صحیح ہیں اور قسمت بالفعل کے اعتبار سے دونوں منفی ہیں وجہ تشبیہ صرف ابتدا و انتہا کی اثبات و نفی ہر دو حکم کا مختلف اعتباروں سے صحیح ہوتا ہے چنانچہ فکر عاشق میں ابتداء و انتہا کی نفی کی وجہ صحبت تو معلوم ہو چکی رہا اثبات دونوں حکم کا وہ باعتبار معنی غیر متناہی بالفعل کے ظاہر ہے کیونکہ امکان و حدود کے ساتھ لا متناہی بالفعل کا اجتماع محال ہے) حاصل کلام یہ کہ حاشا دکلا کہ

(با اعتبار قصد کے) یہ حکایت نہیں بلکہ ہماری تمہاری حالت موجودہ ہے (اور ان ہی اپنے حالات و معاملات پر تطبیق دینے سے یہ حکایت غیر مسلسل ہوگئی) اور جو صوفی شان تصوف رکھتا ہوگا اس کے نزدیک تو قصص ماضیہ قابل ذکر نہیں ہوتے (پس دعا اگر ماضی کو کہے یا سنے گا تو حالت موجودہ پر انطباق پیش نظر رہے گا آگے ترقی فرماتے ہیں کہ ماضی تو کیا اس کی تو یہ شان ہے کہ) چونکہ اس کی فکر بالکل مشغول حال ہی ہوتی ہے اس لئے اس کے ذہن میں تو فکر عاقبت بھی نہیں آتی (کیونکہ وہ محبت و رضا و تسلی میں غرق ہوتا ہے اس لئے جو تجلیات بالفعل وارد ہیں ان کے مشاہدہ میں مشغول ہے محبت اس مشاہدہ کو نہیں چھوڑنے دیتی ادھر تسلیم و رضا سے سب امور مفلوض بمشیت محبوب کر دیئے اس لئے یہ نہیں سوچتا کہ آئندہ میرے لئے کیا ہوگا اور اس کیفیت کو دعا سے کہ اسمیں آئندہ کی طلب ہوتی ہے اس لئے یہ نہیں سوچتا کہ آئندہ میرے لئے کیا ہوگا اور اس کیفیت کو دعا سے کہ اسمیں آئندہ کی طلب ہوتی ہے منافات نہیں جیسا اہل ذوق جانتے ہیں یعنی امثال امر یا اظہار اعتقاد کے لئے مانگتے ہیں اور قبول نہ ہونے کو ناگوار نہیں جانتے اب اجمالاً قصہ کی تطبیق اپنی حالت پر فرماتے ہیں کہ) عرب بھی ہم ہیں اور سبوی بھی ہم ہیں اور بادشاہ بھی ہم ہیں غرض سب ہم ہی ہم ہیں جن کو اس (کے ماننے سے انحراف ہے وہ منحرف ہوتے ہیں) اس بیت میں مجاز بالخذف ہے اصل کلام یوں ہی قصہ عرب معاملہ ماست قصہ سبوی معاملہ ماست قصہ ملک معاملہ ماست پھر ان تینوں جملوں میں بھی معاملہ کی اضافت ما کی طف متفاوت ہے چنانچہ جملہ اولی و ثانیہ میں محمول ظاہر پر ہے جملہ ثالثہ میں معاملہ با ماست مراد ہے تو اس میں معاملہ کا مضاف الیہ اصل میں حق ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی قصہ ملک معاملہ حق با ماست اس صورت میں ملک سے حق کو تشبیہ ہوئی جس میں کوئی اشکال نہیں اور نہ لفظی کوئی اغلاق و تعقید ہے کیونکہ جملہ اولی و ثانیہ میں اضافت مصدر کی فاعل کی طرف ہے اور ثالثہ میں مفعول کی طرف اور دونوں یکساں حالت پر شائع و صحیح ہیں اور مصرعہ ثانیہ میں آیت کی تفسیر مدلول قرآنی نہیں بلکہ اقتباس ہے جس کا جواز محققین کے نزدیک ثابت ہے پس اس شعر میں تین تشبیہیں ہیں جن کی تقریر اشعار بالا میں متفرق مواقع پر آچکی ہے اور مقصود صرف ان ہی تین امور کی تشبیہ نہیں ہے ان کی تخصیص محض تمثیلاً ہے مطلب یہ ہے کہ سارا قصہ ہمارے معاملات کا نمونہ ہے چنانچہ ایک تشبیہ نہیں ہے ان کی تخصیص محض تمثیلاً ہے مطلب یہ ہے کہ سارا قصہ ہمارے معاملات کا نمونہ ہے چنانچہ ایک تشبیہ شعر آئندہ میں ہے کہ) عقل (صحیح) کو شوہر کی مثال سمجھو (کہ وہ مناظرہ مذکور سے عارف معلوم ہوتا ہے) اور اس نفس و طبیعت کو مثل عورت کے سمجھو (کہ اس کو طلب دنیا تھی چنانچہ فرماتے ہیں کہ) یہ دونوں ظلمت (محبوبیت) میں مقید ہیں اور (دولت باطنی کا) انکار کرتے ہیں اور عقل مثل شمع کے ہے (کہ خود بھی منور ہے اور دوسروں کو بھی منور کرتی ہے اگر کوئی طالب نور ہو مقصود مولانا کا ان تطبیقات میں حصر نہیں ہے بلکہ محض تشبیہ کے واسطے دو چار تمثیلوں کی تقریر فرمادی ہے تاکہ طالب حق ہر جگہ اسی طرح تامل کر کے منطبق کر لیا کرے)

بشنو انوں اصل انکار از چہ خاست	زانکہ کل را گونہ گونہ جزو ہاست
اب سن انکار کی بنیاد کیسے پڑی؟	اس لئے کہ کل کے مختلف قسم کے اجزاء ہیں
جزو کل نے جزو با نسبت بکل	نے چوبوئے گل کہ باشد جزو گل
(حقیقی) جزو کل نہیں جزو کل کی نسبت (تالی ہونے میں)	ایسی (بھی) نہیں ہے جیسے کہ پھول کی خوشبو پھول کا جزو ہوتی ہے

لطف سبزہ جزو لطف گل بود	بانگ قمری جزو آں بلبل بود
(بلکہ اس طرح ہے جیسے) سبزہ کا لطف پھول کے لطف کا جزو ہوتا ہے	(جیسے) قمری کی آواز بلبل کا جزو (تابع ہونے کی حیثیت سے) ہوتی ہے
گر شوم مشغول اشکال و جواب	تشنگاں را کے تو انم داد آب
اگر میں اعتراض اور جواب میں مشغول ہو جاؤں	(تو) پیاسوں کو کب سیراب کر سکوں گا؟
گر تو اشکالی بکلی و حرج	صبر کن کہ الصبر مفتاح الفرج
اگر تو مجسم اشکال اور تنگی ہے	(تو) صبر کر، صبر کشادگی کی کنجی ہے
احتما کن احتما زاند یشہا	زانکہ شیرانند درایں پیشہا
دوسوں سے بہت پرہیز کر	اس لئے کہ ان جھاڑیوں میں شیر چھپے ہیں
احتما ہا بردوا ہا سرور ست	زانکہ خاریدن فزونی گر ست
پرہیز دواؤں سے بہتر ہے	اس لئے کہ کھجانا، خارش کی زیادتی (کی علامت) ہے
احتما اصل دوا آمد یقین	احتما کن قوت جانت بہیں
پرہیز یقیناً دوا کی جڑ ہے	پرہیز کر (پھر) اپنی روح کی طاقت دیکھ
احتما ہا مرد و اہا را سرست	ہضم دارو علت نو دیگر ست
پرہیز دوا کی اصل ہے	دوا کا ہضم ہو جانا، دوسری نئی بیماری ہے
قابل ایں گفتہا شوگوش دار	تا کہ از زرسازمت من گوشوار
ان باتوں کو قبول کرنے والا بن، توجہ سے سن	تا کہ میں تیرے لئے سونے کے آدیزے بناؤں
گوشوارہ چہ کہ کان زر شوی	تا بماہ و تا ثریا بر شوی
آدیزہ کیا ہوتا ہے بلکہ تو سونے کی کان بن جائے گا	یہاں تک کہ چاند اور ثریا سے بھی بالاتر ہو جائے گا

(گر خارشٹ اوپر کے شعر میں نفس و طبع محبوب کو منکر دولت باطنی کا فرمایا تھا اب کوئی پوچھتا ہے کہ جب دولت باطنی امر متحقق ہے اور دلائل اس کے تحقق پر قائم ہیں پھر انکار کی کیا وجہ خصوصاً جبکہ ان سب کا موجد بھی ایک ہے اس کا جواب دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف الاستعداد پیدا کیا ہے اس لئے باوجود قیام اسباب اتفاق کے قبول و انکار حق میں مختلف ہو گئے اور یہ مضمون اشعار آئندہ اولاً بشنوا الخ میں تمام ہوا ہے درمیان میں اسطر اداد دوسرے مضامین آگئے ہیں پس فرماتے ہیں کہ) اس کی وجہ سنو کہ انکار (حقائق و دولت باطنی کا باوجود قیام دلائل صحیحہ بلکہ مشاہدہ کے) کا ہے سے پیدا ہوا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ کل کے (یعنی حق تعالیٰ کے) اجزاء (یعنی مخلوقات) مختلف (الاستعداد) ہیں (وہ اختلاف استعداد سبب اختلاف عقائد و اعمال کا ہو گیا۔ اب اس شعر میں جو حق تعالیٰ کو کل اور مخلوقات کو جزو کہہ دیا جو اصطلاح میں بمعنی متبوع و تابع ہے جس کا چند جگہ بیان کیا گیا ہے اور متبوع و تابع کے اقسام بہت ہیں تو احتمال ہوا کہ ایسا نہ ہو سماع جزو و کل کے حقیقی معنی سمجھ لے یا مجازی میں کوئی معنی مستحیل سمجھ جائے

اس لئے اس کی تحقیق فرماتے ہیں کہ اس سے کل کا جزو (بالمعنی اکتفاً) مراد نہیں (کہ اللہ تعالیٰ اجزاء سے منزہ ہیں) بلکہ محض مراد یہ ہے کہ جیسے جزو کو نسبت (جمعیت کی) کل کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی معنی مجازی تشبیہی مراد ہیں تابع) پھر یہ نسبت (جمعیت) بھی ایسی نہیں جیسے بولے گل تابع گل ہوتی ہے (کہ بوصفت ہے اور گل موصوف کیونکہ اللہ تعالیٰ محل و موصوف بہ حوادث بننے سے بھی منزہ ہیں) بلکہ ایسی نسبت مراد ہے جیسے لطف سبزہ (غیر گل) تابع لطف گل ہوتا ہے یا جیسے بانگ قمری کہ تابع بانگ بلبل ہوتی ہے (کہ لطف سبزہ نہ لطف گل کا جزو ہے نہ اس کی صفت اسی طرح بانگ قمری نہ بانگ لمیل کا جزو ہے نہ صفت بلکہ حکم جمعیت محض ہاں معنی صحیح ہے کہ لطف سبزہ ناقص ہے اور لطف گل کامل اسی طرح بانگ قمری ناقص ہے اور بانگ بلبل کامل اور ناقص کو کامل کا تابع کہہ دیتے ہیں اسی طرح حق تعالیٰ کے ساتھ مخلوقات کو نہ علاقہ جزئیت ہے نہ علاقہ وصفیت بلکہ صفات و کمالات حق تعالیٰ کے لئے علی سبیل الکمال ثابت ہیں اور مخلوق ان میں ناقص ہے ہاں معنی مخلوق کو جزو یعنی تابع خالق کا کہہ دیا اب چونکہ اس معنی جمعیت میں بھی احتمال تھا کہ کوئی شخص غرض تشبیہ کی کہ مطلق اشتراک من وجہ ہوتا ہے نہ سمجھ کر ناقص و کامل ہونے کے تفاوت کو بعینہ اسی تفاوت مشبہ بہ کے مثل نہ سمجھ جائے حالانکہ وہ بھی باطل ہے کیونکہ کہاں نسبت محدود کی محدود کے ساتھ کہاں محدود کی غیر محدود کے ساتھ پھر تیبیۃ خلق اللہ لخلق میں تیبیۃ فی الایجاد بھی معتبر ہے جو مشبہ بہ میں نہیں اس لئے اشارہ فرماتے ہیں کہ اشکال اس میں بھی ہے اور جواب بھی ہے جیسا احقر نے ابھی غرض تشبیہ کو بتلایا ہے لیکن) اگر ان اشکالات و جوابات میں مشغول ہو جاؤں تو طالبوں کو (کہ ان میں سے ایک وہ وسائل سبب اختلاف کا بھی ہے) کب ضروری مضمون بتلا سکتا ہوں (آگے ان اشکالوں کے رفع ہونے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ) اگر تم سراسر اشکال اور شبہ بھی ہو تو ریاضت کرو کیونکہ ریاضت کلید کشادگی ہے (وجہ یہ ہے کہ حقیقت کے منکشف نہ ہونے سے لفظی و معنوی اشکالات واقع ہوتے ہیں ریاضت سے وجدان و ذوق صحیح ہو جائے گا تو تعلق خالق و مخلوق کا کہ امر ذوقی ہے منکشف ہو جائے گا پھر کوئی اشکال نہ رہے گا آگے ریاضت کا رکن اعظم بتلاتے ہیں کہ) پرہیز کرنا (محرکات و انسہاک فی المسابحات و اشتغال بغیر الحق سے) یقیناً تمام دواؤں کی اصل ہے چندے پرہیز کرو پھر دیکھو روح میں کیا قوت ہے (آگے بطور تخصیص بعد تعمیم کے فرماتے ہیں کہ) خیالات لایعنی سے بھی پرہیز کرو کیونکہ اس پیشہ قلب میں بڑے بڑے مہلک خطرات و خیالات مثل شیر کے بھر رہے ہیں (ان کو نکالو ورنہ خوف ہلاک ہے) اور پرہیز تمام دواؤں سے بڑھ کر ہے کیونکہ کھجانے سے (کہ مرض خارش میں بد پرہیزی ہے) خارش بڑھتی ہے اور اگر (بد پرہیزی سے) دارو (یعنی مسہل) کھپ جائے تو اور نئی بیماری کھڑی ہو جاتی ہے (پس ریاضت کر کے) ان مضامین کے قابل ہو جاؤ پھر سنو تا کہ تمہارے لئے طلانی گوشوارہ بنا دوں گا (یعنی اسرار و معارف سناؤں گا آگے ترقی ہے کہ) گوشوارہ کیا چیز ہے تم خود معدن طلا ہو جاؤ گے (یعنی اسرار و معارف کے سننے کے محتاج نہ رہو گے خود صاحب اسرار بن جاؤ گے اور انوار تمہارے قلب میں سے پیدا ہونے لگیں گے) یہاں تک کہ ماہ و ثریا پر پہنچ جاؤ گے (یعنی عروج باطنی ہو جائے گا)

اولاً بشنو کہ خلق مختلف	مختلف جانند از یاتا الف
پہلے سن لے کہ مختلف مخلوق	الف سے یا تک مختلف حقیقتیں ہیں
در حروف مختلف شور و شکے ست	گر چہ از یک روز سر تا پایکے ست
مختلف حروف (جہتی) میں (اختلاف کا) شور اور شک ہے	اگرچہ ایک اعتبار سے سر سے پیر تک ایک ہیں

از یکے رو ضد و دیگر متحد	از یکے رو ہزل و از یکروئے جد
ایک پہلو سے (ایک دوسرے کے) مخالف دوسرے (پہلو سے) متحد ہیں	(جیسا کہ کوئی جملہ) ایک پہلو سے مذاق اور دوسرے (پہلو سے) مقصود ہو
پس قیامت روز عرض اکبرست	عرض او خواہد کہ بازیب و فرست
قیامت (کا دن) بڑی پیشی کا دن ہے	پیشی وہ چاہے گا جو شان و شوکت سے ہے
ہر کہ چوں ہندو بد و سودائی ست	روز عرضش نوبت رسوائی ست
جو کوئی ہندو کی طرح برا اور سودائی ہے	اس کے لئے پیشی کا دن رسوائی کا وقت ہے
چوں ندارد روئے ہیمچوں آفتاب	او نخواہد جز شب ہیمچوں نقاب
جو شخص آفتاب جیسا چہرہ نہ رکھتا ہو	وہ نقاب کی طرح رات کے سوا کچھ نہ چاہے گا
برگ یک گل چوں ندارد خار او	شد بہاراں دشمن اسرار او
جبکہ اس کا کاٹنا پھول کی ایک پتی (بھی) نہ رکھتا ہو	موسم بہار اس کے چھپے ہوئے رازوں کا دشمن ہو گا
وانکہ سرتا پا گل ست و سون ست	پس بہار او را دو چشم روشن ست
جو شخص سر سے پیر تک گل اور سون ہے	موسم بہار اس کے لئے دو روشن آنکھیں ہیں
خار بے معنی خزاں خواہد خزاں	تازند پہلوئے خود با گلستاں
بے حقیقت کاٹنا خزاں ہی خزاں چاہتا ہے	تاکہ گلستاں کا مقابلہ کر سکے
تا پوشد حسن آن و ننگ این	تا نہ بینی ننگ آن و رنگ این
تاکہ وہ (خزاں) اس کا حسن اور اس کا عیب ڈھک دے	تاکہ تو اس کا عیب اور اس کا رنگ نہ دیکھ سکے
پس خزاں اور بہارست و حیات	یک نماید سنگ و یاقوت نکات
اس کے لئے خزاں بہار اور زندگی ہے	جو پتھر اور قیمتی یاقوت کو یکساں دکھاتی ہے

(امیں رجوع ہے مضمون سابق۔ بشنوا کنون اصل انکارا ح کی طرف مع ایک مضمون مفید زائد علی الجواب کے جو ان اشعار میں مذکور ہے پس قیامت الخ اور یہ پس معطوف ہے اولاً پر اب اولاً اور پس کے معنی بھی درست ہو گئے جو اب کے بعد اس مضمون کا بڑھانا اشارہ ہے طرف ارشاد طالب کے کہ تمہارا سوال محض تحقیقات لسیات کے لئے ہے جو چند ان مفید نہیں پوچھنے کی بات یہ ہے کہ اس اختلاف و انکار کا ثمرہ کیا ہوگا جس کو ہم بے پوچھے بتلا دیں گے اس کے لئے تیاری کرو خواہ علت اختلاف و انکار کی کچھ ہی ہو اس کو جواب علی اسلوب الحکیم کہتے ہیں پس ارشاد ہے کہ) اول تو (اپنا خلاصہ جواب) سنو کہ مختلف خلایق باعتبار اپنی حقائق کے مختلف ہیں جیسے تختی کے حروف دیکھوان حروف مختلفہ میں شور و شک (مراد مطلق اختلاف) واقع ہو رہا ہے کہ ہر ایک کی صورت جدا صورت جدا اور اسی سے احیاناً شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ کون حرف ہے اور احیاناً دو شخص میں اختلاف ہو جاتا ہے اس لئے اس کو شور و شک سے مجازاً تعبیر فرمایا) اگرچہ ایک حیثیت سے سب ایک بھی ہیں (کہ ماہیت جنسیہ میں متشارك ہیں کیونکہ حرف کی تعریف سب پر

صادق آتی ہے اس گرچہ میں اشارہ ہے سوال کے اس منشاء کی طرف جس کو احقر نے بشنوا کنون کی تمہید میں لفظ خصوصاً سے لکھا ہے (غرض ایک حیثیت سے متخالف ہیں) (کہ صورتیں اور اصوات مختار ہیں) اور دوسری حیثیت سے (یعنی ماہیت) میں متحد ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بات ہو کہ وہ ایک طرح سے ہزل ہو اور دوسرے طور پر مقصود ہو (یہ تو جواب ہو گیا) پھر وہ مضمون مفید زائد علی الجواب سنو کہ (قیامت کا دن بڑی پیشی کا دن ہوگا اور ظاہر ہے کہ پیشی اس کو پسند ہوتی ہے جو بازیب و فر ہو جو شخص ہندی زشت رو کی طرح سیاہ ہوگا پیشی کے دن اس کی رسوائی ہے چونکہ اس کا چہرہ آفتاب کا سا نہیں ہے وہ صرف رات کو پسند کرے گا جو نقاب کی طرح چھپائے رہے چنانچہ خاردار درخت جس پر ایک برگ گل بھی نہیں آتا موسم بہار اس کی قلعی کھولنے میں دشمن ہے اور جو سرتاپا گل اور سوسن ہو بہار اس کو مثل چشم کے عزیز ہے غرض خار بے کمال تو خزاں چاہتا ہے تاکہ خزاں میں گلستان کے مقابلہ کا دعویٰ کر سکے تاکہ اس کا حسن اور اس کا عیب چھپا رہے تاکہ ان دونوں کا رنگ اصلی نظر آئے پس اس کے لئے خزاں ہی بہار اور حیات ہے تاکہ سنگ اور یاقوت پاکیزہ ایک نظر آئے (مطلب یہ کہ دنیا میں کہ مثل خزاں ہے سب کا نیک و بد مخفی ہے قیامت میں کہ مثل بہار ہے سب کھل جائے گا پس نیک اس کے متمنی ہیں اور بد متوحش)

باغبان ہم داند آں را در خزاں	لیک دید یک بہ از دید جہاں
باغبان بھی اس کو موسم خزاں میں جانتا ہے	لیکن ایک کا دیکنا دنیا کے دیکھنے سے بہتر ہے
خود جہاں آں یک کس ست و آگہ است	ہر ستارہ بر فلک جزو ماہ است
وہ ایک شخص خود جہاں ہے اور باخبر ہے	آسمان پر ہر ستارہ چاند کا جزو ہے
خود جہاں آں یک کس وست باقیان	جملہ اتباع و طفیل ان اے فلاں
جہاں وہی ایک شخص ہے اور ہائی	سب تابع اور طفیلی ہیں اے فلاں!
او جہان کامل ست و مفرد ست	نسخہ کل وجود او را بدست
وہ پورا جہاں ہے اور اکیلا ہے	وجود کل کا نسخہ (جو حقیقت انسانی ہے) اس کے ہاتھ میں ہے

(اوپر قیامت کا روز عرض اکبر ہونا بیان کیا تھا جس سے غرض یہ تھی کہ جب قیامت میں اس طرح عیوب باطنہ پر اطلاع عام ہوگی تو اس کی اصلاح کی تیاری کرنا ضروری ہے چنانچہ احقر نے اس غرض کی طرف ان اشعار کی شرح میں اشارہ کیا ہے اب اس مقام میں اسی غرض کی تکمیل کا طریقہ بتلانا منظور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اصلاح عیوب بدوں اطلاع عیوب ممکن نہیں بعض امراض و عیوب اس قدر دقیق و خفی ہیں کہ خود خواہان اصلاح کو اس پر اطلاع نہیں ہوتی جیسا کتب سلوک و تہذیب دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے تو ایسے شخص کی ضرورت ہوتی جو ایسے امراض کی تشخیص و تمیز کر سکے اور وہ شیخ کامل ہے پھر یہ شیخ کامل جو تشخیص کرتا ہے اس میں اکثر اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ اپنے عیوب جس قدر ان کی سمجھ میں آئیں اس سے پوشیدہ نہ کرے جیسے بعینہ مثال طیب کی ہے کہ بعض احوال نبض و قارورہ یا طمس یا یوں بشرہ سے پہچان لیتا ہے اور بعض احوال میں خود اس مریض کے بیان کی بھی ضرورت ہوتی ہے تو اس خاص حالت میں بعض اوقات نفس اس کے سامنے اظہار عیوب میں منقبض ہونے لگتا ہے پس مولانا ان اشعار میں ان دونوں مضمونوں کا بیان کرتے ہیں شیخ کامل کے مبصر ہونے کا بھی اور اس سے اپنے عیوب پوشیدہ نہ کرنے کا بھی پس

ارشاد ہے کہ (باغبان اس (گل و خار) کو خزاں میں بھی (کہ اس وقت سب درخت ایک حالت میں ہیں) جانتا ہے) کہ کس میں گل ہوگا کس میں نہ ہوگا) لیکن (برے درختوں کے لئے) اس ایک کا دیکھنا تمام جہان کے دیکھنے سے (کہ موسم بہار میں واقع ہو گا) بہتر اور غنیمت ہے (کہ ایک ہی نظر میں رسوائی ہے ممکن ہے کہ فن باغبانی سے اس میں کوئی ایسا مادہ جدا کر دے یا ایسا پیوند لگا دیا جائے جس سے اس کے اوصاف کی تبدیلی ہو جائے یہاں شیخ کامل کو بوجہ مبصر و مصلح دقائق نفسانیہ ہونے کے باغبان سے تشبیہ دی ہے اور دنیا کو خزاں سے تشبیہ دی ہے کہ اس میں وہ دقائق نظر عام سے مخفی ہیں غرض تشبیہ سے یہ ہوئی کہ شیخ کامل کو ان دقائق عیوب کی اطلاع دینا بھی ہو سکتی ہے لیکن اس کے روبرو عیوب مذکورہ کے ظاہر ہونے سے شرم و عار کرنا نہ چاہیے اس لئے کہ یہاں صرف ایک کو اطلاع ہوگی اور قیامت میں تمام جہان کو پھر اس ایک کی اطلاع ہر طرح مفید ہے کہ اصلاح کر دے گا اور وہ عام اطلاع بجز اہانت کے اور کیا ہوگی اس لئے شیخ کامل کو طلب کر کے اس سے اصطلاح کر لینا ضروری ہے آگے شیخ کامل کی علوشان کا بیان ہے تاکہ طالب کو عقیدت سے زیادہ نفع ہو پس اشارہ ہے کہ وہ (شیخ) خود تنہا تنہا (بوجہ جامعیت کمالات کے) بجائے ایک عالم کے ہے اور وہ (ان دقائق عیوب سے) آگاہ ہے (دوسرے اہل عالم کی مثال اس کے سامنے ایسی ہے جیسے جتنے ستارے آسمان پر ہیں وہ چاند کے سامنے) (نورانیت میں) ایک ادنیٰ درجہ کی چیز ہیں اور وہ شخص بجائے پورے جہان کے ہے اور (اپنے کمالات میں) یکتا ہے اور نسخہ مقصودا عظم ہستی کا (کہ حقیقت انسانیہ ہے) اس کے ہاتھ میں ہے (حقیقت انسانیہ کا مقصودا عظم ہونا ظاہر ہے اور اس کے ہاتھ میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی طالب صادق اس سے اپنی اصلاح باطل کرانا چاہے تو اس پر خوب قادر اور اسمیں خوب ماہر ہے) اور وہ شخص اکیلا گویا سارا جہان ہے اور باقی سب لوگ اس کے تابع اور طفیلی ہیں (منافع دنیویہ میں بھی کہ ان حضرات سے عالم قائم ہے جس سے سب منفع ہوتے ہیں اور منافع دیدیہ میں بھی کہ سب کا ان کی طرح محتاج ہونا محتاج بیان نہیں)

پس ہمیں گویند ہر نقش و نگار	مژدہ مژدہ نک ہمیں آید بہار
ہر نقش و نگار یہ کہتا ہے	خوشخبری ہو خوشخبری اب بہار آتی ہے
تا بود تاباں شگوفہ چوں زرہ	تا کنند آں میوہ ہا پیدا گرہ
تا کہ شگون زرہ کی طرح چکیں	تا کہ میوے گچھے پیدا کریں
چوں شگوفہ ریخت میوہ سر کند	چونکہ تن بشکست جاں سر برزند
جب شگونہ جزا میوہ نکلا	جب جسم ختم ہوا روح ظاہر ہوئی

(اور قیامت کا روز عرض اکبر ہونا مذکور تھا اب اس کے قرب آمد کا بیان فرماتے ہیں تاکہ طالب نجات و قرب الہی لیت و عمل کو چھوڑ کر اس کے لئے مستعد ہو جائے یعنی) پھر یہ سمجھو کہ (دنیا کا) ہر نقش و نگار (اپنے خزاں تغیر و فنا سے) یہ مژدہ یعنی خبر دے رہا ہے کہ اب بہار (قیامت) چلی آ رہی ہے (جس طرح خود خزانہ حالت بتلا دیتی ہے کہ اس کے ختم ہونے پر بہار آئے گی اسی طرح دنیا میں ہر جزو کا فنا مشعر ہے فنائے کل پر سب کے بعد قیامت ہوگی وجہ تشبیہ اس کی بہار کے ساتھ اوپر آ چکی ہے اور اس اخبار و دلالت کی غایت یہ ہے) تاکہ (ابتدائے بہار میں) شگونے زرہ کی طرح چمکنے لگیں اور تاکہ (شباب بہار میں) وہ میوے

اپنی گرہ ظاہر کریں اور (شگوفہ آجانے کے بعد میوہ میں کچھ دیر نہیں ہے شگوفہ جھڑنے کی دیر ہے) جوں ہی شگوفہ جھڑا اور میوہ ابھرا اسی طرح دلائل قیامت بتلا رہے ہیں کہ یہ نشوونما بدن کا اور بڑھنا عمر کا مشابہ ہے شگوفہ کھلنے کے روز نہ اس بہار قیامت سے قریب کر رہا ہے جس میں معانی و دقائق خفیہ کہ بمنزلہ ثمرات بدن کے ہیں ظاہر ہونے والے ہیں ان کے ظہور میں بجز فنائے بدن کے اور کچھ دیر نہیں ہے جیسا فرماتے ہیں کہ (جوں ہی یہ تن شکستہ و فنا ہوا اور روحانی حالات کا ظہور ہوا) جیسا حدیث میں ہے من مات فقد قامت قیامتہ اور پھر قیامت کبریٰ میں بھی کیا دیر لگے گی کہ عمر برزخ حسب فحوائے نصوص بہت قصیر معلوم ہوگی سوال اس تشبیہ سے تقریر مذکور پر لازم آتا ہے کہ ابتدائے بہار دنیا ہی میں آگئی ہے کیونکہ شگوفہ ابتدائے بہار میں ہوتا ہے اور اس سے از دیاد بدن و عمر کو تشبیہ دی ہے اور یہ دونوں چیزیں دنیا میں ہیں جو اب یہ ہے کہ کوئی چیز کچھ نہ کچھ تغیر سے خالی نہیں اور ہر تغیر مقدمہ فنا ہے جیسا حدیث میں ایسے حوادث کو منایا فرمایا ہے اور فنا مقدمہ قیامت ہے اس بنا پر ہر تغیر مقدمہ قیامت ہے پس ابتداء بہار ہوگئی

میوہ معنی و شگوفہ صورتش	آں شگوفہ مرثدہ میوہ لعمتمش
میوہ معنی ہے اور شگوفہ اس کی صورت ہے	شگوفہ خوشخبری ہے میوہ اس کی نعمت ہے
چوں شگوفہ ریخت میوہ شد پدید	چونکہ آں کم شد شد اس اندر مزید
جب شگوفہ جہڑا میوہ رونما ہوا	جب شگوفہ گمنا تو یہ (میوہ) بڑھا
تا کہ ناں نشکست قوت کے دہد	نا شکستہ خوشہا کے مے دہد
جب تک روئی نہ ٹوٹے طاق کب دیتی ہے؟	نہ ٹوٹے ہوئے خوشے شراب کب بتاتے ہیں
تا ہلیلہ نشکند با ادویہ	کے شود خود صحت افزا در ریہ
جب تک ہیز دواؤں میں نہ کٹے	بھپڑے میں صحت افزا کب ہوتی ہے؟

(اس میں انتقال سے فنائے اضطراری سے (جس کا اوپر بیان تھا) فنائے اختیاری کی طرف اور فائدہ اس کا ترغیب ہے مجاہدہ و ریاضت پر جو کہ مقصود اصلی ہے بیان قیامت سے یعنی اوپر کی تشبیہ سے معلوم ہو گیا کہ) میوہ مثال معنی کی ہے اور شگوفہ مثال صورت کی اور شگوفہ گویا بخبر ہے اور میوہ اس کا مقصود ہل بشارت ہے اور جب شگوفہ گرتا ہے تب میوہ ظاہر ہوتا ہے اور جوں جوں شگوفے (گر کر) کم ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی میوے افزوں ہوتے جاتے ہیں (پس اسی طرح اوصاف جسمانیہ حجاب اوصاف روحانیہ کے ہیں اس لئے ان کو مجاہدہ و ریاضت سے فنا کرو تا کہ اوصاف روحانیہ سے مشرف ہو اور یہی فنائے اختیاری ہے آگے اس کی مثال ہے کہ بدوں فنا کے مقصود اصلی حاصل نہیں ہو سکتا یعنی دیکھو جب تک روئی (کھانے کے لئے) توڑی نہ جائے تو قوت نہیں دے سکتی (کیونکہ وہ معدہ میں جا ہی نہیں سکتی) اور اسی طرح جب تک (انگور کے) خوشے کچلے نہ جائیں تو شراب نہیں نکل سکتی اسی طرح جب تک ہلیلہ کو دوسری دواؤں کے ساتھ کوفتہ نہ کیا جائے (جس سے استعمال کے قابل ہو جائے) اس وقت تک پھپھڑے کے لئے صحت افزا نہیں ہو سکتی (پس جس طرح ان مثالوں میں بدوں شگستگی کے اصلی غرض حاصل نہ ہوئی اسی طرح بدوں فنا مقصود اصلی تک رسائی مشکل ہے اور چونکہ ریاضت و مجاہدہ کی تعیین طرق و تعدیل و ترتیب میں مرشد کامل کی حاجت ہوتی ہے اس لئے آگے اوصاف مرشد کامل کے اور آداب مسترشد کے بیان فرماتے ہیں اور گواہ پران اشعار میں کہ باغبان ہم داند الخ کسی قدر اس کا بیان

ہوا ہے مگر وہ بہت مجمل تھا اور یہاں مفصل ہے) واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وقد تم بحمد اللہ ودعوانہ الربع الثالث من ترجمۃ
الدفتر الاول من المثنوی المعنوی للسانع والعتشرین من جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ من الحرۃ النبویہ صلے اللہ علیہ وسلم عدد البریہ فقط۔

در صفت پیر و مطاوعت کردن با او

پیر کی تعریف اور اس کی تابعداری کرنے کا بیان

وجہ ارتباط ابھی اس سرخی سے اوپر بیان ہو چکی ہے

ایک دو کاغذ بر فزا در وصف پیر	اے ضیاء الحق حسام الدین بگیر
پیر کے بیان میں ایک دو کاغذ اور بڑھا لے	اے ضیاء الحق حسام الدین! لے
برخی آید جہاں را بے تو کار	گرچہ جسمت نازک ست و بس نزار
(لیکن) دنیا کا کام تیرے بغیر نہیں لگتا ہے	اگرچہ تیرا جسم نازک اور بہت لاغر ہے
لیک بے خورشید مارا نور نیست	گرچہ جسم نازکت راز ورنیست
لیکن سورج کے بغیر ہمارے لئے روشنی نہیں ہے	اگرچہ تیرے نازک جسم میں طاقت نہیں ہے
لیک سرخیل دل و سر رشتہ	گرچہ مصباح و زجاجہ گشتہ
لیکن (اہل) دل کا پیشوا اور آغاز کار ہے	اگرچہ تو چراغ اور قندیل بن گیا ہے
درہائے عقد دل ز انعام تست	چوں سررشتہ بدست و کام تست
دل کے ہار کے موتی تیرا انعام ہیں	جبکہ آغاز کار تیرے ہاتھ میں اور منشاء کے مطابق ہے

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین (جو کہ مثنوی کے تصنیف کے باعث ہیں اور ہی لکھتے جاتے تھے) ایک دو ورق اور لے کر
مرشد کامل کے اوصاف میں بڑھا لو اور اگرچہ آپ کا جسم (کثرت ریاضات سے) بہت ہی نازک اور ضعیف ہے (کہ لکھنے کی
زیادہ مشقت کی برداشت مشکل ہے) مگر بدوں آپ کے اہل جہان کی (یعنی ان میں جو طالب ہیں ان کی) کار بر آری (تحقیق
اسرار و تعلیم طریقت کی) نہیں ہوتی اور اگرچہ آپ کے جسم نازک میں قوت نہیں لیکن (کیا کیا جائے کہ) بدوں خورشید کے ہم لوگوں
کو (یعنی طالبین کو) نور نہیں میسر ہوتا (یعنی چونکہ آپ اپنے وقت کے شیخ ہیں اور بدوں توجہ شیخ الوقت کے طالبوں کو نور باطنی اور
مقصود اصلی نہیں حاصل ہوتا اس لئے آپ ان کے نفع رسانی کے لئے تعب برداشت فرمائیے جس میں اس مضمون کا تحریر فرمانا بھی
داخل ہے) اور اگرچہ آپ (نورانیت میں) مثل چراغ اور (لطافت میں) مثل قندیل شیشہ کے ہو گئے (اور ایسے منور و لطیف کو توجہ
الی الحق مکرر و مشوش کرتی ہے) لیکن (اس کے ساتھ ہی) آپ گروہ اہل دل کے سرخیل (اور پیشوا یعنی شیخ) اور (تصنیف مثنوی کے
لئے) سررشتہ (اور سبب نظم) بھی ہیں پس جب (اسکا) سررشتہ آپ کے ہاتھ اور قصد میں ہے تو اس باطنی ہار (یعنی مثنوی) کے موتی
(یعنی مضامین و اسرار) آپ کے انعام کے سبب ہیں کہ نفع رسانی خلاق آپ کو باعث ہوئی کہ مجھ پر تصنیف مثنوی کے لئے
اصرار فرمایا یہی انعام ہے طالبین پر پس یہ دوسری وجہ اس مضمون کے تحریر فرمانے کی ہوئی حاصل اس وجہ کا یہ ہوا کہ علاوہ شیخ کامل

ہونے کے دوسرا یہ امر بھی اس کا مقتضی ہے کہ آپ باعث تالیف ہیں پس آپ کے جذب رغبت سے یہ مضامین لکھے جاتے ہیں اگر آپ اکتا جائیں تو میں بھی یہ مضامین نہیں لکھ سکتا اس لئے آپ کو توجہ فرمانا تحریر میں ضرور ہوا تا کہ مجھ پر آمد ہو اور لکھتا جاؤں

برنویس احوال پیر راہ داں	پیر را بگزین و عین راہ داں
واقف راہ عہ کے احوال تحریر کر	عہ (کا دامن) تمام لے اور حقیقی راستہ پالے
پیر تابستان و خلقاں تیر ماہ	خلق مانند شب اند و پیر ماہ
بہر موسم بہار ہے اور مخلوق خزاں ہے	مخلوق رات جیسی ہے اور عہ چاند ہے
کردہ ام بخت جواں را نام پیر	کوز حق پیرست نہ از ایام پیر
میں نے جواں بخت کو عہ کہا ہے	کیونکہ وہ خدا کی جانب سے عہ ہے عمر کی وجہ سے عہ نہیں ہے
اوچناں پیرست کش آغاز نیست	باچناں در یتیم انباز نیست
وہ ایسا عہ ہے جس کی ابتداء نہیں ہے	اور ایسے یتیم موتی کا (کوئی) شریک نہیں
خود قوی تری بود خمر کہن	خاصہ آں خمریکہ باشد من لدن
پرانی شراب خود زیادہ طاقتور ہوتی ہے	خصوصاً وہ شراب جو علم لدنی کی ہو
خود قوی تری شود خمر قدیم	آں کہن تر بہتر اے شیخ علیم
پرانی شراب خود زیادہ قوی ہوتی ہے	اے دانا شیخ! جس قدر زیادہ پرانی ہو بہتر ہے

(یعنی جب ثابت ہوگی کہ آپ کو تحریر میں توجہ فرمانا ضروری ہے تو بس) مرشد واقف طریقت کا حال لکھیے (آوردہ حال یہ مضامین ہیں کہ اے طالب) پیر کو اختیار کرو اور اس کو عین راستہ سمجھو (یعنی راہ باطن کے لئے اس کو ایسی شرط اعظم سمجھو کہ گویا راستہ وہ خود ہے) پیر کی مثال موسم تابستان یعنی بہار کی سی سمجھو اور باقی خلأق کی مثال تیر ماہ یعنی موسم خزاں کی سمجھو (کہ خزاں کی بے رونقی بہار ہی سے مبدل بر رونق ہوتی ہے اسی طرح قلب کی تیرگی مرشد ہی سے مبدل لطف ہوتی ہے) اور خلأق مثال شب کی ہیں اور پیر مثل چاند کے ہے) کہ شب چاند سے منور ہوتی ہے اسی طرح باطن خلق مرشد سے منور ہوتا ہے آگے لفظ پیر سے جو ایہام ہوتا ہے کہ شاید اس کا بوڑھا ہی ہونا ضروری ہے اس کے دفع کے لئے فرماتے ہیں کہ) میں بخت جواں کو پیر کہہ رہا ہوں (یعنی دولت باطنی سے جو خوش اقبال ہو مراد پیر سے وہ ہے خواہ جواں ہو یا بوڑھا) کیونکہ پیر کا پیر ہونا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے نہ کہ ایام و سال سے (یعنی اس کی ظاہری کم عمری و جوانی سے اس کے پیر ہونے میں شبہ مت کرو کیونکہ) یوں تو وہ ایسا پیر (اور اتنا قدیم) ہے جس کا کہیں آغاز ہی نہیں اور ایسے در یتیم کا کوئی نظیر نہیں (اس کا یہ مطلب ہے کہ حق تعالیٰ کے علم قدیم میں سب کا سعید و شقی ہونا موجود ہے اس سعادت معلومہ بعلم قدیم ازلی کے اعتبار سے مجازاً اس کو قدیم کہہ دیا یعنی گو خود پیر قدیم نہیں مگر پیری تو قدیمی ہے اور پیری ہی دیکھنے کی چیز ہے اور اسی طرح اگر وہ عمر میں بھی بوڑھا ہو تو اس کے ضعف جسمانی سے ضعف روحانی و ضعف احوال باطنہ کا شبہ مت کرو کیونکہ) پرانی شراب تو اور زیادہ تیز ہو جاتی ہے پھر خاص کردہ شراب جو حق تعالیٰ کی طرف سے ہو (یعنی شراب محبت و کیفیت باطنی) تو ایسی شراب تو کہیں

زیادہ اچھی ہوتی ہے (وجہ یہ کہ کیفیت باطنیہ یومانیو ماترتی پذیر ہوتی ہے پس بڑھاپے میں روحانی قوت گھٹتی نہیں بلکہ بڑھتی ہے پھر یہ کہ اس کا تجربہ و بصیرت احوال طالبین کے متعلق زائد ہو جاتا ہے اس لئے بوڑھا ہونا نہ اس کو مضر نہ طالب کو مضر۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر این سفر	ہست بس پر آفت و خوف و خطر
پیر (کا توسل) اختیار کر یہ سفر بغیر پیر کے	آفت اور خوف و خطر سے بہت پر ہے
آں رہے کہ بارہا تو رفتہ	بے قلاؤز اندر آں آشفتم
جس راستہ پر تو بارہا چلا ہے	بغیر رہنما کے تو اس میں پریشان ہے
پس رہے را کہ ندیدیستی تو ہیج	ہیں مرو تنہا ز رہبر سر میج
پھر وہ راستہ جو تو نے کبھی نہیں دیکھا ہے	خبردار! تنہا نہ جا (اور) رہبر سے انحراف نہ کر
ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد	او زغولان گمرہ و در چاہ شد
جو شخص بغیر پیر کے راستہ پر چلا	وہ شیطانوں کی وجہ سے گمراہ اور ہلاک ہوا
گر نباشد سایہ پیر اے فضول	بس ترا سرگشتہ وارد بانگ غول
اے مہل! اگر پیر کا سایہ نہ ہو	شیطان کی آواز تجھے بہت پریشان کرے گی
غولت از رہ افگند اندر گزند	از تو داہی تر دریں رہ بس بدند
شیطان تجھے گمراہ کر کے نقصان پہنچا دے گا	تجھ سے زیادہ چالاک اس راستہ میں بہت سے (گمراہ) ہوئے ہیں

(مربوط ہے اس مصرعہ کے ساتھ پیر را بگزیں و عین راہ دان یعنی) پیر کو اختیار کرو کیونکہ بدوں پیر کے یہ سفر (سلوک باطنی) سخت پر آفات و خطرات ہے (دیکھو جس راستہ میں بارہا چلنے کا تم کو اتفاق ہوا ہو) (اکثر اوقات) بلا رہبر کے اس میں پریشان ہو جاتے ہو تو (بھلا) جس راستہ کو کبھی دیکھا تک نہ ہو (جیسے طریق سلوک) اس میں تنہا ہرگز مت چلنا اور رہبر سے انحراف مت کرنا جو شخص بلا مرشد اس راستہ میں چلتا ہو وہ شیاطین (کے اغوا سے) گمراہ اور ہلاکت میں واقع ہو جاتا ہے یعنی اگر سایہ (توجہ و تعلیم) مرشد نہ ہو تو شیاطین کی آواز (یعنی خطرات و عقائد فاسدہ) تم کو پریشان رکھیں اور شیاطین تم کو راہ (مستقیم) سے گزند (ہلاکت) میں ڈالیں تم سے زیادہ زیادہ زیرک اس راہ میں ہوئے ہیں (اور شیاطین نے ان کو خراب کیا ہے) بدوں مرشد کے گمراہ ہونے کی وجہ جاہل کے لئے تو یہ ہے کہ اس کو علم شریعت کا نہیں ہوتا ذرا ذکر سے قلب میں کوئی کیفیت پیدا ہو گئی اپنے کو صاحب کمال سمجھنے لگا تکبر سے خراب ہوا کچھ کشف ہونے لگا اور اس کی حقیقت نہ سمجھا اپنی کشف کے اعتماد پر کسی امر شرعی کا انکار کرنے لگا کوئی شیطانی خواب نظر آ گیا کہ فلاں گناہ کر لے اس کو کر بیٹھا خصوصاً جب باطنی ذوق و شوق یا کشف میں کمی نہ پائی پورا یقین ہو گیا کہ یہ فعل جب مضر باطن نہیں ہو تو حلال ہو گا حالانکہ یہ کیفیات اگر مخالفت شرع کے ساتھ ہوں قابل اعتبار نہیں یہ ثمرہ ریاضت کا ہے نہ دلیل قبول کی اور اگر وہ شخص عالم ہے تو شیطان اس پر اس طرح تسلط کرتا ہے کہ اول کسی طاعت کی طرف بلاتا ہے اور انجام اس کا کوئی معصیت ہوتی ہے یا ریاضت میں اعتدال نہیں رہتا

اور اس سے جسمانی ضرر ہوتا ہے اور بہت سی طاعات ضروریہ سے بیکار ہو جاتا ہے بعض اوقات وقائق معصیت تک نظر نہیں پہنچتی دنیا اور ایسی معاصی میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہے بعض اوقات اطلاع پر بھی مرض کچھ ہوتا ہے علاج کچھ کرتا ہے بعض اوقات عقائد میں وسوسہ ڈالتا ہے اور دلیل کے مقدمات میں خدشہ نکالتا ہے حتیٰ کہ بدوین کر دیتا ہے آخر یہ بہتر فرتے گمراہ کیا علماء سے خالی تھے ان ہی طریقوں سے شیطان نے برباد کیا بعض اوقات اس تردد میں رہتا ہے کہ میرے لئے کون عمل نافع ہوگا کبھی اس کو لیا کبھی اس کو لیا اسی طرح ایک پر بھی دوام نہیں رہتا اور اس کے برکات نہیں ملتے پس شیطان کی ان سب چالاکیوں کا دفعیہ شیخ کامل جانتا ہے اس کے اتباع سے آدمی سب بلاؤں سے محفوظ رہ سکتا ہے خوب یاد رکھو

از بنے بشنو ضلال رہرواں	کہ چہ شاں کرد آں ابلیس بدرواں
راستہ چلنے والوں کی گمراہی قرآن سے سن	کہ ان کے ساتھ بد ذات شیطان نے کیا کیا ہے؟
صد ہزاراں سالہ رہ از جادہ دور	بردشان و کردشاں ز ادبار عور
سیدھے راستہ سیلاکوں سال کی مسافت پر دور	انہیں لے گیا اور بد بختی کی وجہ سے ان کو بچا کر دیا
استخوانہا شاں بہین و موئے شاں	عبرتتے گیر و مراں خسوئے شاں
ان کی ہڈیاں اور ہال دیکھ لے	عبرت حاصل کر اور ان کا راستہ نہ اختیار کر
گردن خر گیر و سوئے راہ کش	سوئے رہبانان و رہ دانان خوش
گدھے کی گردن پکڑ لے اور (اسکو) راستہ کی طرف کھینچ	(سیدھے) راستہ والوں اور راستہ کو خوب جاننے والوں کی طرف
ہیں مہل خرا و دست اے و مدار	زانکہ عشق اوست سوئے سبزہ زار
خبردارا گدھے کو نہ چھوڑ اور اس کو آزاد نہ کر	اس لئے کہ اس کا عشق سبزہ زار سے ہے
گر یکے دم تو بغفلت و اہلیش	او رود فرسنگہا سوئے حشیش
اگر تو غفلت سے اس کو تھوڑی دیر کے لئے بھی آزاد چھوڑ دیا	وہ میلوں گھاس کی جانب چلا جائے گا
دشمن راہ است خر مست علف	اے بسا خربندہ را کردہ تلف
گھاس کا عاشق گدھا راستہ کا دشمن ہے	بہت سے اناڑیوں کو اس نے ہلاک کیا ہے

(خربندہ آنکہ منقاد و مسخر خراست یہ دلیل ہے اس مصرعہ کی کہ تو واہی تردد میں رہ بس بند + اور پھر اس پر تفریح ہے یعنی) قرآن مجید سے ایسے رہرووں کی ضلالت کا سن لو (جنہوں نے مرشدان کامل یعنی انبیاء علیہم السلام کا اتباع نہیں کیا کہ ابلیس بد ذات نے ان کی کیا گت بنائی کہ جادہ مستقیم سے ان کو لاکھوں سال کی مسافت پر دور جا ڈالا اور ان کو ادبار میں پھنسا کر (دولت ایمان سے) بربندہ کر دیا تم ان کی ہڈیاں اور ہال دیکھ کر عبرت پکڑو اور اپنے خرفنس کو ان کی (راہ) کی طرف مت چلاؤ (یعنی انہماک شہوات میں جو کہ سبب ہوا تھا انبیاء علیہم السلام کے اتباع نہ کرنے کا ان کی موافقت مت کرو) بلکہ اس خرفنس کی گردن پکڑ کر راہ (مستقیم) کی طرف لے چلو یعنی جو اس راہ پر چل رہے ہیں اور اس راہ کو جانتے

ہیں (ان کی طرف لے چلو) اور اس خرفنس کو یوں ہی (مطلق العنان) مت چھوڑ دو اور اس سے بے فکر مت ہو کیونکہ اس کا میلان سبزہ زار (یعنی لذات نفسانیہ) کی طرف ہے اگر تم ایک لحظہ بھی غفلت سے اس کو چھوڑ دو گے تو یہ کوسوں گھا س کی طرف کو نکل جائے گا (یعنی ہر وقت اس کے مراقب رہو کہ یہ اپنی خواہش کو کسی امر عظیم یا خفیف میں امر حق پر غالب نہ کر دے) یہ خرفنس دشمن راہ حق ہے اور علف کا مست ہے اور اس نے بہت سے پیروان نفس کو برباد کیا (اگر کسی کو شبہ ہوا ہو کہ دعویٰ تو یہ تھا کہ پیر کی ضرورت ہے اور دلیل میں ضرورت اتباع نبی کی ثابت کی پس جو شخص مسلمان ہو اس کے لئے پیر کی ضرورت نہ ہوئی اور جو کافر ہو اس کو مسلمان ہونا کافی ہوا جو اب یہ ہے کہ اصل مقصود اتباع نبی کا ہے اور وہی مرشد اصلی ہیں مگر خود انکی اتباع کامل کا طریقہ بھی رائے سے یا علم رسمی سے معلوم نہیں ہوتا جیسا ابھی اوپر گذرا ہے اس لئے جس شخص کا پیر نہ ہو وہ نبی کا بھی پورا متبع نہیں البتہ زمان نبوت میں خود بلا واسطہ چونکہ نبی سے استفادہ ممکن ہے لہذا واسطہ کی حاجت نہیں)

گر ندانی رہ ہر انچہ خرنجواست	عکس آں کن خود بود آں راہ راست
اگر تو راستہ نہیں جانتا ہے تو جو گدھا چاہے	اس کے برخلاف کر وہی سیدھا راستہ ہو گا
شاو روھن پس آنگہ خالفوا	ان من لم یصھن تالف
ان (عورتوں) سے مشورہ کر پھر خلاف کرو	جو شخص ان کے خلاف نہیں کرتا ہے ہلاک ہو جانے والا ہے
باہو او آرزو کم باش دوست	چوں یھلک عن سبیل اللہ اوست
خواہش نفسانی اور آرزو سے دوستی نہ کر	کیونکہ وہی ہے جو تجھے اللہ (تعالیٰ) کے راستہ سے گمراہ کرتی ہے
ایں ہوا را نشکند اندر جہاں	ہیچ چیزے ہمچو سایہ ہمرہاں
دنیا خواہش نفسانی کو پامال نہیں کرتی	کوئی چیز جیسا کہ ساتھیوں کا سایہ

اوپر کہا ہے کہ نفس کا اتباع مہلک ہے اور مرشد رہنما کا اتباع منجی ہے اب فرماتے ہیں کہ اگر (چندے اتفاقاً رہنما نہ ملنے سے) تم راہ معلوم نہ کر سکو تو (اس وقت یہ تدبیر ہے کہ) جو کچھ یہ خرفنس خواہش کرے اس کے خلاف کرو کہ وہی راہ راست ہوگی (جیسا وارد ہے کہ) عورتوں سے مشورہ لو پھر ان کے خلاف کرو اور جو شخص عورتوں کے خلاف نہ کرے گا تلف ہوگا (یعنی یہی حالت نفس کی ہے اور امر مشترک دونوں میں نقصان عقل ہے یہ مضمون حدیث کر کے مشہور ہے مجھ کو اس کی تحقیق نہیں اگر ثابت ہو جائے تو باعتبار اکثر کے ہوگا ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ حدیبیہ میں حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ قبول فرمایا اور اس میں پوری کامیابی ہوئی اور جاننا چاہیے کہ یہ قاعدہ کہ نفس کے خلاف میں خیر ہے یہ مواقع مشتبه میں ہے ورنہ محل غیر مشتبه میں کسی معیار کی حاجت نہیں حکم شرعی کافی ہے) غرض آرزو ہوئے نفسانی کا دوست (یعنی پیرو) مت بنا چونکہ اس کی یہ حالت ہے کہ تم کو اللہ کے راستے سے بہکا دیتی ہے (جیسا قرآن میں ہے لا تتبع الھو فیضلک عن سبیل اللہ) اور اس ہوئے نفسانی کو دنیا میں کوئی چیز بجز طل (عنایت) رفقاء طریق (یعنی مرشدان کامل) کے شکستہ کرنے والی نہیں۔

وصیت کردن رسول خدا مر علیؑ را کہ چوں ہر کسے بنوع طاعتے تقرب بحق جوید تو تقرب جو بصحبت عاقل و بندہ خاص تا از ایشاں ہمہ پیش قدم باشی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذ اتقرب الناس الی خالقہم بانواع البر فتقرب الی اللہ بالعقل والسر سببہم بالدرجات والرفی عند الناس فی الدنیا وعند اللہ فی الآخرة

رسول خدا کا (حضرت) علیؑ کو وصیت کرنا کہ جب ہر شخص اللہ کا تقرب کسی قسم کی اطاعت کے ذریعہ ڈھونڈتا ہے تو عقلمند اور خاص بندے کی صحبت کے ذریعہ تقرب چاہتا کہ ان سب سے آگے بڑھ جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب لوگ اپنے خالق کا تقرب مختلف نیکیوں کے ذریعہ چاہیں تو اللہ کا عقل اور اسرار الہی کے ذریعہ تقرب چاہے درجوں میں سب سے بڑھ جائے گا دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ کے نزدیک

اس سے تائید ہے شعر بالا این ہوارا نشکند الخ کی اور اس حدیث کی مجھ کو تحقیق نہیں مگر مضمون بہت احادیث سے موافق ہے جن میں صحبت نیک کی برکات وارد ہیں۔

گفت پیغمبر علیؑ را کائے علیؑ	شیر حقی پہلوانی پر دلی
(حضرت) علیؑ سے پیغمبر (ﷺ) نے فرمایا اے علیؑ!	تو اللہ کا شیر ہے بہادر ہے دلیر ہے
لیک بر شیری مکن ہم اعتمید	اندر آدر سایہ نخل امید
لیکن تو شیری پر بھروسہ نہ کر	نخل امید کے سایہ میں آ جا
ہر کسے گر طاعتے پیش آورند	بہر قرب حضرت بیچون و چند
ہر شخص اگر عبادت پیش کرے	بے مثال اور بے نظیر کے دربار کی قربت کے لئے
تو تقرب جو بعقل و سرخویش	نے چو ایشاں بر کمال و بر خویش
تو اپنی عقل اور محبت کے ذریعہ سے نزدیکی حاصل کر	نہ کہ ان کی طرح اپنے کمال اور نیکی (کی بنیاد) پر
تو در آدر سایہ آل عاقلے	کش نتاند برد از راہ ناقلے
تو اس عقلمند کے سایہ میں آ جا	جس کو راستہ سے کوئی ہٹانے والا نہ ہٹا سکے
پس تقرب جو بدو سوئے آلہ	سر میچ از طاعت او بیچ گاہ
اس کے ذریعہ اللہ کا قرب طلب کر	کسی وقت (بھی) اس کی فرمانبرداری سے منہ نہ موڑ
زانکہ او ہر خار را گلشن کند	دیدہ ہر کور را روشن کند
اس لئے کہ وہ ہر کانٹے کو پھول بنا دیتا ہے	ہر اندھی آنکھ کو روشنی عطا کر دیتا ہے
طل او اندرز میں چوں کوہ قاف	روح او یسرغ بس عالی طواف
اس کا سایہ زمین پر کوہ قاف کی طرح ہے	اس کی روح اونچا چکر لگانے والا یسرغ ہے

دست گیرد بندہ خاص الہ	طالبان را می برد تا پیشگاہ
اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ دیکھری کرتا ہے	(وہ) طالبوں کو (اللہ تعالیٰ کی) درگاہ تک لے جاتا ہے
گر بگویم تا قیامت نعت او	ہیچ آں را غایت و مقطع مجو
اگر میں قیامت تک اس کی تعریف کروں	اس کی انتہا اور خاتمہ کی امید نہ کر
آفتاب روح نے آن فلک	کہ ز نورش زندہ اندانس و ملک
(وہ) روح کا سورج ہے آسمان کی طرف منسوب نہیں ہے	اس کے نور سے انسان اور فرشتے زندہ ہیں
در بشر روپوش گشت ست آفتاب	فہم کن واللہ اعلم بالصواب
سورج انسان (کے جسم) میں روپوش ہے	سمجھ لے اور اللہ (تعالیٰ) بہتر جانتا ہے

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم اسد اللہ ہو پہلوان ہو قومی القلب ہو لیکن تاہم شیری پر اعتماد نہ کرنا بلکہ نخل امید (یعنی کامل) کی سایہ (صحبت) میں رہنا اور جب اور لوگ تحصیل قرب درگاہ حق کے لئے مختلف اقسام کی طاعت بجالائیں تو تم اپنی عقل (یعنی معرفت) اور کیفیت باطنی (یعنی محبت) سے قرب حاصل کرنا نہ کہ ان لوگوں کی طرح محض اپنے کمال اور اعمال (ظاہری) سے (اور معرفت اور محبت کا حصول و بقاء صحبت کامل پر موقوف ہے اس لئے) تم عارف کامل کے زیر سایہ رہنا جو (بوجہ تمکین و تحقیق کے) ایسا ہو جس کو کوئی شخص راہ سے نہ ہٹا سکے (جیسا اہل تلوین و اہل تقلید قائم نہیں رہتے) پس ایسے شخص کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور (طریق سلوک میں) اس کی اطاعت سے ہرگز سرتابی مت کرو کیونکہ وہ ناقص کو کامل کر دیتا ہے اور بے بصیرت کو صاحب بصیرت کر دیتا ہے اور اس کا سایہ (یعنی جسم کہ مثل ظل کے تابع روح ہے) زمین پر کوہ قاف کی طرح پڑتا ہے (یعنی جیسا اس کا سایہ زمین پر پڑتا ہے اور اس میں اشارہ لطیف ہے اس کے استقلال و تمکین کی طرف) لیکن اس کی روح مثل سمرغ کے نہایت عالی طواف ہوتی ہے (یعنی اس کو علو روحانی نصیب ہوتا ہے) وہ دستگیر (طالبوں کا) اور بندہ خاص اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے کہ طالبوں کو پیشگاہ قرب تک لے جاتا ہے اور اگر میں قیامت تک اس کی تعریف کروں تب بھی اس کی انتہا مت ڈھونڈو وہ آفتاب روح ہے نہ کہ آفتاب فلک اور اس کے انوار سے تمام انسان اور ملائکہ زندہ ہیں وہ آفتاب روح اور جشہ بشریہ میں پنہاں ہو رہا ہے اس کو خوب سمجھ لو اور صواب یقینی اللہ ہی کو معلوم ہے (اشارہ ہے اس طرف کہ روح انسانی مجرد ہے اور ملائکہ مادی اور مادی نور میں مجرد سے کم ہے پس گویا وہ اس کا محتاج فی النور ہے اس لئے مبالغہ زور زنده کہہ دیا اور انسانوں کا اس سے زندہ ہونا باعتبار حیات علمی کے ہے اور چونکہ انسان کامل کے معارف و حالات برابر متزائد رہتے ہیں اس لئے لمقطع مجو فرمایا یعنی لا تقف عند حد ہیں اور چونکہ تجرد روح کا کشفی ہے جو مظنون ہوتا ہے اس لئے اللہ اعلم بڑھا دیا اور ممکن ہے کہ شعر اخیر میں آفتاب سے مراد نور حق ہو اور روپوشی سے مراد مظہریت ہو بواسطہ روح کے بوجہ اس کے کہ روح بہ نسبت اور موجودات کے مظہر اتم ہے اور اس اشارہ کے دقیق ہونے کی وجہ سے فہم کن بڑھا دیا ہو۔

یا علیؑ از جملہ طاعات راہ	برگزیز تو سایہ خاص الہ
اے علیؑ! راہ (حق) کی تمام اطاعتوں میں سے	اللہ (تعالیٰ) کے مخصوص (بندہ) کے سایہ کو اختیار کر

ہر کسے در طاعتے بگریختند	خویشتن را مخلصے انگیند
ہر شخص ایک اطاعت کی پناہ لے رہا ہے	(اور) اپنے لئے نجات کی جگہ نکال رہا ہے
تو برو در سایہ عاقل گریز	تارہی زان دشمن پنہاں ستیز
تو ہا غلند کے سایہ کی پناہ لے	تاکہ چھپ کر لڑنے والے دشمن سے نجات پالے
از ہمہ طاعات اینت لائق ست	سبق یابی بر ہر آں کو سابق ست
تیرے لئے یہ تمام اطاعتوں سے زیادہ مناسب ہے	ہر آگے بڑھنے والے سے تو سبقت لے جائے گا
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو	ہمچو موسیٰ زیر حکم حضرت رو
جب ہم بنا لے خبردارا سر اطاعت رکھ دے	موسیٰ (علیہ السلام) کی طرح (حضرت) حضرت کے حکم کے ماتحت چل
صبر کن بر کار حضرت اے بے نفاق	تانہ گوید حضرت رو ہذا فراق
اے نفس! حضرت کے کام پر صبر کر	تاکہ حضرت یہ نہ کہہ دے کہ جا یہ ہدائی ہے
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزین	گرچہ طفلی را کشد تو مومنین
خواہ وہ (حضرت) کشتی توڑ دے تو اعتراض نہ کر	خواہ وہ بچے کو مار ڈالے تو رنج نہ کر
دست اور احق چو دست خویش خواند	تا ید اللہ فوق اید بہم براند
جب خدا نے اس کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے	یہاں تک کہ "اللہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ پر ہے" فرمایا ہے
دست حق میر اندش زندش کند	زندہ چہ بود جان پائندش کند
اللہ (تعالیٰ) کا ہاتھ اس کو مارتا ہے تو اس کو زندہ کرتا ہے	زندہ کیا ہوتا ہے اس کو ابدی زندگی عطا کرتا ہے

(یہ رجوع ہے اس شعر کی طرف تو در آدر سایہ آن عاقلی الخ۔ یعنی) اے علیٰ راہ حق کی تمام طاعات میں سے تم خاصان خداوندی کے سایہ (صحبت) کو (اہتمام میں) ترجیح دینا ہر شخص ایک ایک طاعت کی پناہ لے رہے ہیں اور اپنے لئے خلاصی کی صورت نکال رہے ہیں تم ایسے وقت میں کسی عاقل (عارف) کے سایہ (صحبت کی پناہ لینا تاکہ) اسکی برکت صحبت سے (اس دشمن پنہاں جنگ) یعنی نفس (سے چھوٹ جاؤ تمام طاعات میں یہی تمہارے لئے (زیادہ) لائق ہے اور جتنے لوگ مراتب میں بڑھ گئے ہیں تم اس کے سبب ان سب سے بڑھ جاؤ گے (وجہ یہ ہے کہ عارف کامل کی صحبت و تعلیم سے خلوص عبادات میں بڑھ جاتا ہے جس کے بدون عادتیں صورتیں بے معنی ہوتی ہیں اب بعد ترغیب صحبت کامل کے بعض آداب صحبت کامل کے بتلاتے ہیں کہ) جب تم پیر بنالو تو یاد رکھو کہ ہم تن تسلیم بن جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح زیر حکم حضرت علیہ السلام چلنا (کہ انہوں نے فرمایا تھا لا اعمیٰ لک امر) اور حضرت یعنی مرشد کامل کے افعال پر صبر (وسکوت) کرنا تاکہ حضرت یوں نہ کہہ دیں کہ جاؤ ہماری تمہاری جدائی ہے (جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے جب صبر نہ ہوا تو حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہذا فراق بینی و بینک پس تشبیہ صرف بے صبری پر فراق کے مرتب ہونے میں ہے نہ کہ دونوں بے صبریوں کے مساوات میں بھی کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو بوجہ خود کامل

ہونے کے یہ بے صبری اور یہ مفارقت مضر نہ تھی اور تم کو بوجہ ناقص ہونے کے مضر ہوگی) حتیٰ کہ اگر وہ کشتی کو توڑنے لگیں تم دم مت مارنا اگر وہ طفل کو قتل کرنے لگیں تم اپنے بال مت نوچنے لگنا (یعنی شور و شغب مت کرنا) اللہ تعالیٰ نے جب اس کے ہاتھ کو (بواسطہ ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) اپنا ہاتھ فرمایا ہے یہاں تک کہ ید اللہ فوق اید یہم اس پر مرتب فرمایا ہے پس (یوں سمجھو کہ) اس طفل کو اللہ کا ہاتھ مار رہا ہے اور زندہ کر رہا ہے اور زندہ کیا بلکہ اس کو حیات ابدیہ بخش رہا ہے (کیونکہ اس طفل کا قبل بلوغ مارا جانا اس کے لئے کفر سے بچنے کا سبب ہو گیا جس سے حیات ابدیہ ضائع ہو جاتی اور مقصود مولانا کا خصوصیت ان افعال کی نہیں کیونکہ الہام سے قتل ہماری شریعت میں جائز نہیں بلکہ غرض تشبیہ ہے یعنی اگر کوئی امر ظاہر خلاف شرع اس سے سرزد ہو تو اس پر اعتراض میں جلدی اور بے صبری مت کر اور یہ مطلب نہیں کہ تو بھی تقلید کرنے لگے اور نہ یہ مطلب ہے کہ جب حد صبر سے خارج ہو جائے تب بھی اس کا معتقد بنا رہ حد صبر کی یہی ہے کہ غلبہ اس میں حالات محمودہ و علامات بزرگی کا ہو اور احیاناً کوئی امر ایسا صادر ہو جائے تو اعتراض نہ کرے اور خود بھی تقلید نہ کرے اسی لئے صبر کن برکار فرمایا ہے اور کن عمل برکار نہیں فرمایا اور تسلیم اور زیر حکم ہونے کو جو فرمایا ہے یہ خاص ہے طرق مختلفہ سلوک میں کہ وہ سب دائرہ شرع شریف کے اندر داخل ہیں۔

یار باید را تنہا مرو	از سر خود اندریں صحرا مشو
کوئی راستہ کا یار چاہئے تنہا نہ جا	اس جنگل میں تنہا نہ جا
ہر کہ تنہا نادر این رہ را برید	ہم بعون ہمت مرداں رسید
(ایسا) کم ہے کہ تنہا کسی نے یہ راستہ طے کیا ہو	وہ بھی بزرگوں کی باطنی توجہ کی وجہ سے پہنچا ہو گا
دست پیر از غائبان کوتاہ نیست	دست او جز قبضہ اللہ نیست
بیر کا ہاتھ غیر حاضر لوگوں سے (بھی) کوتاہ نہیں ہے	اس کا ہاتھ اللہ (تعالیٰ) ہی کا ہاتھ ہے
غائبان را چوں چنین خلعت دهند	حاضراں از غائبان لاشک بہند
جب وہ غیر حاضر لوگوں کو ایسا انعام دیتے ہیں	تو لامحالہ حاضر لوگ غیر حاضروں سے بہتر ہیں
غائبان را چوں نوالہ می دهند	پیش مہماں تاچہ نعمتہا نہند
جب وہ غیر حاضر لوگوں کو لقمہ دیتے ہیں	تو مہمان کے سامنے کیا کیا نعمتیں رکھتے ہوں گے؟
کو کسے کو پیش شہ بندو کمر	با کسے کو ہست از بیرون در
کجا وہ شخص جو بادشاہ کے سامنے کمر کے ہوئے ہو	اس شخص کے مقابلہ میں جو دروازہ سے باہر ہو
فرق بسیارست ناید در حساب	آں ز اہل کشف و ایں ز اہل حجاب
بہت فرق ہے جو حساب میں نہیں آتا ہے	وہ اہل کشف میں سے ہے اور یہ اہل حجاب میں سے ہے
جہد آں کن تار ہے یابی دروں	ورنہ مانی حلقہ وار از در بروں
وہ کوشش کرتا کہ اندر کا راستہ پالے	ورنہ زنجیر کی طرح دروازہ سے باہر رہ جائے گا

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش	ست وریزندہ چو آب و گل مباش
جب تو نے بھ بنا لیا تو نازک دل نہ بن	گارے کی طرح ست اور بکھرنے والا نہ بن
نرم گوید سخت گوید خوش بگیر	تا کند بر جملہ میرانت امیر
(بہ) نرم بات کہے (یا) سخت کہے خوشی سے قبول کر	تاکہ تجھے تمام سرداروں کا سردار بنا دے
ور بہر زخمی تو پر کینہ شوی	پس کجا بے صیقل آئینہ شوی
اگر ہر تکلف پر تو غصہ سے بھرے گا	تو بغیر مانجھے کس طرح صاف ہوگا؟

اس میں بھی ترغیب اور ضرورت پیر کی اور آداب صحبت کا بیان ہے (یعنی) راہ (حق) قطع کرنے کے لئے یار (یعنی مرشد) ضروری ہے تنہا (یعنی اپنی رائے یا کتابوں سے) سلوک طے نہ کرنا چاہیے اور خود سر ہو کر اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے اگر کسی نے شاز و نادر اس راہ (سلوک) کو تنہا (بے صحبت پیر) قطع کر بھی لیا ہے وہ بھی پیروں ہی کے امداد ہمت (و توجہ) سے پہنچا ہے (یعنی اگر قرب جسمانی نہیں ہو تو توجہ روحانی ضرور ہوتی ہے کیونکہ پیر کا ہاتھ (یعنی تصرف باطنی) دور والوں سے بھی کوتاہ نہیں ہے اور اس کا ہاتھ تو اللہ ہی کا ہاتھ ہے جیسا اوپر اللہ فوق اید بہم کا حاصل گزر چکا ہے اور ید اللہ مقید قرب و بعد کا نہیں ہے یعنی اسکی برکات توجہ و دعا و ہمت دور سے بھی نافع ہیں بس بے پیر وصول جب بھی نہ ہو لیکن یہ سن کر صحبت جسمانی کو بیکار نہ سمجھنا کیونکہ دور والوں کو جب ایسی خلعت دیتے ہیں تو پاس والے تو دور والوں سے بلاشبہ بہتر ہیں اور جب غائبوں کو بھی نوالہ دے دیتے ہیں تو مہمان (جو کہ پاس ہوتا ہے اسکے) رو برو تو کیسی کچھ نعمتیں رکھتے ہونگے اس کی مثال یہ ہے کہ کہاں تو وہ شخص جو بادشاہ کے سامنے کمر بستہ تیار کھڑا رہتا ہو اور کہاں وہ شخص جو بیروں در پڑا ہو پس یہی کوشش کرنا چاہیے کہ اندر راہ مل جائے ورنہ زنجیر بیرونی کی طرح اندر سے دور ہو گے (یعنی صحبت جسمانی کا اہتمام ضروری ہے اس میں چند فوائد ہیں اول خدمت سے پیر کا دل خوش کرنا دوم اس کے تعلیم پر عمل کر کے اس کی توجہ کو اپنی طرف منصرف کرنا سوم خود اس کے افعال و اشتغال و اخلاق دیکھ کر درستی ہونا چہارم مفصل تعلیم ہونا پنجم وقتاً فوقتاً شبہات و اغلاط کا رفع ہونا و غیر ذلک آگے آداب بتلاتے ہیں کہ) جب پیر بنا لیا تو نازک دل اور آب و گل کی طرح ست اور ہر بات پر بکھر جانے والے مت ہو آسان کام بتلاوے یا مشکل مجاہدہ تعلیم کرے خوشی سے قبول کرو تا کہ سب بڑوں کا تم کو بڑا بنادے (یعنی درجہ کمال تک پہنچادے) اور اگر ہر بات کی تکلیف پر تنگدل و مکر ہونے لگو تو (سمجھ لو کہ بے صیقل کئے (صفائی میں) آئینہ کی طرح) کب بن سکتے ہو

قصہ کبودی زدن قزوینی بر شانہ گاہ و پشیمان شدن او بزخم سوزن

ایک قزوینی کا کندھے پر گدوانا اور زخم سوزن کی وجہ سے شرمندہ ہونے کا قصہ

ایں حکایت بشنوا از صاحب بیاں	در طریق و عادت قزوینیاں
بیان کرنے والے سے یہ قصہ سن	جو قزوینیوں کی عادت اور رسم کے بارے میں ہے

میزنند از صورت شیر و پلنگ	برتن و دست و کتفہا بے درنگ
شیر اور تیندوے کی تصویر گدواتے ہیں	جسم ہاتھ اور کندھے پر بلا تردد
از سر سوزن کبودیہا زنند	بر چنناں صورت پیالے بے گزند
سوئی کی نوک سے کودتے ہیں	اس طرح کی تصویر پر پے در پے بلا تکلف
کہ کبودم زن ستاں شیرینے	سوئے دلا کے بشد قزوینے
کہ میرے کود دے (اور) شیرینی لے لے	ایک قزوینی نالی کے پاس گیا
گفت بر زن صورت شیر تریاں	گفت چہ صورت زخم اے پہلواں
کہا غضبناک شیر کی تصویر بنا دے	اس نے کہا اے پہلوان! کیا تصویر بناؤں؟
جہد کن رنگ کبودی سیر زن	طالع شیر ست و نقش شیر زن
کوشش کر دل بھر کے کود دے	میرا طالع اسد ہے شیر کی تصویر بنا دے
گفت بر شانہ کہم زن آں رقم	گفت بر چہ موضعت صورت زخم
کہا میرے کندھے پر نقش کر دے	اس نے کہا تیرے کس جگہ تصویر بناؤں؟
با چنین شیر تریاں در عزم و حزم	تا شود پشتم قوی در رزم و بزم
ایسے خوفناک شیر کی وجہ سے پختہ کاری اور پختہ ارادہ میں	تا کہ رزم اور بزم میں میری کمر مضبوط ہو جائے

(یہ داستان اس شعر سے مربوط ہے در بہر زخمی تو پر کینہ شوی الخ۔ یعنی جس طرح وہ قزوینی شکایت زخم و کم ہمتی سے اپنے مقصد تک نہیں پہنچ سکا اسی طرح کم ہمتی سالک کی (رہزن ہے) یعنی بیان کرنے والے سے یہ قصہ سنو کہ اہل قزوین (نام شہر) کا طریقہ اور عادت ہے کہ بدن پر خصوصاً ہاتھ اور شانہ پر بے دھڑک شیر و پلنگ کی تصویریں گدوا لیتے ہیں اور اس تصویر کی جگہ میں بے درد ہو کر لگا تار سوئی سے کوچکر نیل بھر دیتے ہیں ایک قزوینی کسی دلاک کے پاس اس غرض سے آیا کہ میرے نیل بھر دے اور اپنی شیرینی شکر لے لے اس نے پوچھا کیا تصویر بناؤں کہنے لگا کہ شیر کی تصویر بنا دے میرا طالع اسد ہے اس لئے شیر کا نقش بنا دے اور خوب محنت سے نیل اچھی طرح بھر دے اس نے پوچھا کہ کون سی جگہ بناؤں کہنے لگا کہ شانہ پر بنا دے تا کہ رزم و بزم میں ہمت و ارادہ کرنے کے وقت شیر سے میری پشت قوی رہے۔

چونکہ او سوزن فرو بردن گرفت	در دآں در شانہ گہ مسکن گرفت
اس نے جب سویاں چھانی شروع کیں	اس کی تکلیف کندھے میں ہونے لگی
پہلواں در نالہ آمد کائے سنی	مر مرا کشتی چہ صورت می زنی
پہلوان نے رونا شروع کر دیا کہ اے بھلے مانس!	تو نے تو مجھے مار ڈالا کیا تصویر بنا رہا ہے؟

گفت از چه عضو کردی ابتدا	گفت آخر شیر فرمودی مرا
کہا کس عضو سے تو نے شروع کیا ہے؟	اس نے کہا تو نے شیر بنانے کے لئے کہا ہے
گفت دم بگزاراے دودیدہ ام	گفت از دمگاہ آغازیدہ ام
کہا اے لور چشمہ دم بنانی چھوڑ دے	اس نے کہا میں نے دم کی طرف سے شروع کیا ہے
دم گہ او دم کہم محکم گرفت	از دم و دمگاہ شیرم دم گرفت
اس کی دم کی جگہ نے میرے سانس لینے کی جگہ کو دہا دیا	دم اور دم کی جگہ سے شیر نے میرا سانس گھونٹ دیا
کہ دلم سستی گرفت از زخم گاز	شیر بے دم باش گواے شیر ساز
اوزار کے زخم نے میرا دل ٹھحال کر دیا ہے	بے دم کا شیر سکھا اے شیر بنانے والے
بے محابا و موا ساتھ و رحم	جانب دیگر گرفت آں شخص زخم
بے دھڑک اور بغیر ہمدردی اور رحم کے	وہ شخص دوسری جانب زخم کرنے لگا
گفت او گوش ست اے مردنگو	بانگ زد او کایں چہ انداز ست ازو
اس نے کہا اے نیک مردا یہ کان ہے	وہ چیخا یہ اس کا کونسا عضو ہے؟
گوش را بگذار و کوتہ کن کلام	گفت تا گوشش نباشداے ہمام
کان کو چھوڑ دے اور قصہ مختصر کر	اس نے کہا اے سردارا اس کا کان نہ ہو
باز قزوینی فغاں را ساز کرد	جانب دیگر خلش آغاز کرد
پھر قزوینی نے شور کرنا شروع کر دیا	اس نے دوسری جانب چھانا شروع کیا
گفت اینست اشکم شیراے عزیز	کایں سوم جانب چہ انداز ست نیز
اس نے کہا اے پیارے! یہ شیر کا پیٹ ہے	کہ یہ تیسری جانب کونسا عضو ہے؟
خود چہ اشکم می بپاید شیر را	گفت تا اشکم نباشد شیر را
شیر کو پیٹ کی کیا ضرورت ہے؟	اس نے کہا شیر کا پیٹ بھی نہ ہو
اشکمے چہ شیر را بہر خدا	گشت افزوں درد کم زن زخمہا
شیر کے لئے پیٹ کی کیا ضرورت ہے؟ خدا کے لئے	درد بہت بڑھ گیا زخم کم کر
تا بدیر انگشت درونداں بماند	خیرہ شد و لاک بس حیران بماند
دیر تک انگلی دانتوں میں دہائے رہا	تاکہ حجب ہوا اور حیران رہ گیا

گفت در عالم کسے را این فتاد	برز میں زد سوزن آندم اوستاد
بولاً دنیا میں کسی کو ایسا بھی پیش آیا ہو گا؟	اس وقت استاد نے سوئی زمین پر پھینک دی
ایں چنینش شیرے خدا خودنا فرید	شیر بے دم و سر و اشکم کہ دید
ایسا شیر تو خدا نے کوئی پیدا ہی نہیں کیا ہے	بے دم سر اور پیٹ کا شیر کس نے دیکھا ہے؟

جب دلاک نے سوئی کو چنا شروع کیا تو اس کی تکلیف شانہ میں محسوس ہوئی قزوینی نے ایک چیخ ماری کہ ارے مارڈالا کیا تصویر بناتا ہے اس نے کہا کہ آخر شیر بنانے کو کہا بھی تھا کہنے لگا کون سے عضو سے شروع کیا ہے اس نے کہا کہ دم سے شروع کیا ہے کہنے لگا کہ دم کو جانے دو اس دم سے تو میرا دم ہی بند ہو گیا اس کی دم گاہ نے میرا دم بند کر دیا خیر بے دم کا شیر سہی کیونکہ اس اوزار کی تکلیف سے بالکل طبیعت ٹڈھال ہو گئی اس نے دوسری جگہ بے دردی بے رحمی سے بے محابا کو چنا شروع کیا وہ پھر چلایا کہ یہ کون عضو ہے اس کے کہا کہ یہ کان ہے کہنے لگا کہ خیر کان بھی نہ سہی اس کان کو جانے دو اور قصہ مختصر کرو اس نے اور جگہ سوئی چھوئی پھر اس نے غل مچایا کہ میاں یہ کیا عضو ہے اس نے کہا کہ یہ پیٹ ہے کہنے لگا کہ چلو پیٹ بھی نہ سہی اس کبخت (تصویر) کو پیٹ کی کون ضرورت ہے کیونکہ تکلیف بہت ہوتی ہے زخم و خم مت کرو اللہ واسطے پیٹ کیا ہو گا وہ دلاک عاجز ہو گیا اور حیران رہ گیا اور دیر تک دانتوں میں انگلی دیئے سوچتا رہا اور سوئی زمین پر دے ماری اور کہنے لگا کہ بھلا دنیا جہان میں کسی کو ایسا بھی معاملہ پڑا ہو گا جس شیر کے نہ دم ہونہ سر ہونہ شکم ہو کسی نے ایسا بھی شیر دیکھا ہے بلکہ ایسا شیر تو اللہ میاں نے بھی پیدا نہیں کیا ہے۔

از چنینش شیرتیاں بس دم مزن	چوں ننداری طاقت سوزن زدن
ایسے خوفناک شیر کے بارے میں بات نہ کر	جب تو سوئی چپنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے
تارہی از نیش نفس گبر خویش	اے برادر صبر کن برد نیش
تاکہ تو اپنے بے دین نفس کے ڈنک سے نجات پائے	اے بھائی! سوئی کے درد پر مبر کر
چرخ و مہر و ماہ شاں آرد سجود	کاں گروہیکہ رہیدند از وجود
آسمان اور سورج اور چاند ان کو سجدہ کرتا ہے	اس لئے کہ جو لوگ اپنے وجود سے آزاد ہو گئے ہیں
مرورا فرماں برد خورشید و ابر	ہر کہ مرد اندرتن او نفس گبر
سورج اور ابر ان کا حکم مانتا ہے	جس کے بدن میں بے دین نفس مر گیا ہے
آفتاب او را نیارد سوختن	چوں دلش آموخت صبر فروختن
سورج اس کو نہیں جلا سکتا	جب اس کا دل صبر کو روشن کرنا سیکھ جاتا ہے
ذکر تز اور کذا عن	گفت حق در آفتاب
ان کے غار سے بیج کر نکل جاتا ہے	روشن سورج کے بارے میں اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا ہے

حق گانے کز خدا ہد کار شاں	میل کردے آفتاب از غار شاں
وہ سونے والے جن کا معاملہ خدا سے تھا	سورج ان کے غار سے کترا جاتا تھا
خار جملہ لطف چوں گل می شود	پیش جزوے کو سوئے گل می شود
کانا پھول کی طرح پر لطف ہو جاتا ہے	اس جزو کے سامنے جو گل سے وابستہ ہوتا ہے
چہست تعظیم خدا افراشتن	خویشتن را خوار و خاکی داشتن
خدا کی عظمت کو ظاہر کرنا کیا ہے؟	اپنے آپ کو ذلیل اور مٹی بنا لینا ہے
چہست توحید خدا آموختن	خویشتن را پیش واحد سوختن
اللہ (تعالیٰ) کی واحدانیت سیکھنا کیا ہے؟	اپنے آپ کو "واحد" کے سامنے فنا کر دینا ہے
گرہمی خواہی کہ بفروزی چوروز	ہستی ہچموں شب خود را بسوز
اگر تو چاہتا ہے کہ دن کی طرح منور ہو جائے	(تو) اپنی رات جیسی ہستی کو جلا ڈال
ہستیت در ہست آں ہستی نواز	ہچموں مس در کیمیا اندر گداز
وجود عطا کرنے والے کے وجود میں اپنے وجود کو	تانبے کی طرح کیمیا میں پھلا دے
در من و ماسخت کردستی تو دست	ہستت ایں جملہ خرابی از دو ہست
"من و ما" کو تو نے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے	دو وجودوں کی وجہ سے یہ ساری خرابی ہے

(یہ انتقال ہے قصہ سے طرف ارشاد کے یعنی) جب تم کو سوئی چبھنے کی برداشت نہیں تو پھر ایسے شیر کا نام مت لینا (یعنی اگر مشقت ریاضت کا تحمل نہیں تو طلب حق کا دعویٰ مت کرو) بھائی درد نیش (یعنی مجاہدات تشریحہ و تکوینیہ) پر صبر (واستقلال) کرو تا کہ اپنے نفس خبیث کے ضرر و اہلاک سے محفوظ رہو کیونکہ جو لوگ اپنی ہستی کو فنا کر چکے ہیں (جو شمرہ و مقصود ہے ریاضات و مجاہدات کا) تمام اجسام علویہ ان کے رو برو مسخر و منقاد ہیں اور جس کے تن میں یہ نفس خبیث فنا ہو گیا ہے ابرو خورشید اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں جب کہ اس کے قلب نے (نور الہی کی) شمع روشن کرنا سیکھ لیا تو آفتاب اس کو سوختہ نہیں کر سکتا (مراد تسخیر و انقیاد و فرمانبرداری و سوختہ نہ کرنے سے وہی ہے جس کو قرآن مجید میں مسخر لکم ما فی السموات و ما فی الارض سے تعبیر فرمایا ہے یعنی بحکم خداوندی ہمارے کام میں لگے ہیں اور ہر چند کہ یہ تسخیر عام ہے خلاق کو مگر مقبولین اس میں مقصود اور دوسرے) تابع ہیں جیسا حدیث میں ہے انما ترزقون و تنصرون بضعفائکم اس لئے ان میں خصوصیت ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے آفتاب تابان کے شان میں (اصحاب کہف کے قصہ میں) فرمایا ہے تنزاور عن کھفہم (پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جب آفتاب نکلتا ہے تو داہنی جانب سے بچ کر نکل جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو بائیں جانب سے کترا جاتا ہے یعنی ان حضرات پر دھوپ نہیں پڑتی یا تو بطور خرق عادت کے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ آفتاب کی محاذات ہو مگر دھوپ نہ لگے آس پاس کی دیواروں کا سایہ اتنا ہی اور ویسا ہی رہے جیسا قبل محاذات شمس کے تھا پس شمس سے مراد دھوپ ہوگی اور یا وہ غار اس ہیئت اور وضع سے واقع ہو کہ اس میں دھوپ نہ جاتی ہو جیسا بعض

نے کہا ہے کہ وہ غار قطب شمالی کے مقابلہ میں واقع ہے ہم بعض فصول میں اپنے بلاد میں بھی دیکھتے ہیں کہ شمال رویہ مکانوں میں دھوپ نہیں آتی بہر حال جو صورت بھی ہو (وہ ایسے خفتہ ہیں کہ ان کو خدا ہی سے کام تھا) کہ انہوں نے نہایت استقلال سے سب سے مخالف ہو کر کہہ دیا یاربنا رب السموات والارض لن ندعو من دونہ الہا اس لئے ایسے مقبول ہوئے کہ) آفتاب باذن حق ان کے غار سے کئی بچا کر نکلنے لگا (اگر خرق عادت ہو تب تو ترتب مقبولیت پر ظاہر ہے اور اگر وضع غار ہی کی ایسی ہو تب مقبولیت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے قلب میں الہام فرمایا کہ ایسے آرام کے غار میں جا کر رہیں) غرض جو جزء اپنے کل کی طرف جاتا ہے (یعنی جو بندہ اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے) اس کے واسطے تمام تر خار مثل گل کے لطف محض ہو جاتا ہے (یعنی وہ محنت راحت ہو جاتی ہے) جانتے بھی ہو کہ خدا تعالیٰ کا بڑا سمجھنا کسے کہتے ہیں (اگے خود بتلاتے ہیں کہ وہ) اپنی آپ کو خوار اور خاک سمجھنا ہے (مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کی تعظیم و توحید جو کہ جزو اعتقاد ہے وہ بھی کامل طور پر جب ہی نصیب ہوتی ہے کہ اپنے کو اسکے روبرو فانی و مضحک کر دیا جاوے) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ روز روشن کی طرح تم بھی نورانی ہو جاؤ تو اس اپنی ہستی کو جو شب تاریک کی طرح سیاہ رو ہے خاکستر کر دو اور اس اپنی ہستی کو اس ہستی نواز کی ہستی میں اس طرح گداختہ و فانی کر دو جس طرح کیمیا میں تانبا پگھل جاتا ہے (پس جس طرح وہ سونا ہو جاتا ہے اسی طرح تم بھی کامل بن جاؤ گے) تم نے جو اس ماومن کو مضبوط ہاتھ سے پکڑ رکھا ہے یہ ساری خرابی دو ہستیوں (پر نظر کرنے) سے ہے (یعنی تم جو ماومن و دعویٰ کمال میں گرفتار ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ تم ہستی حق کے روبرو اپنی ہستی پر بھی نظر رکھتے ہو ورنہ اگر ہستی و عظمت حق نظر میں غالب ہو جاتی تو یہ خود بینی ہرگز نہیں رہتی۔

رفتن گرگ و روباہ در خدمت شیر بشکار

بھیڑے اور لومڑی کا شیر کے ساتھ شکار کو جانا

یہ داستان اوپر کے اس مضمون سے مربوط ہے ہست این جملہ خرابی از دو ہست یعنی کہ اس گرگ کی کیا خرابی ہوئی اور اپنے کو نابود کرنے سے روباہ کا کیسا بھلا ہو گیا۔

شیر و گرگ و روہے بہر شکار	رفتہ بودند از طلب در کوہسار
شیر اور بھیڑیا اور لومڑی شکار کے لئے	جتو کرتے ہوئے پہاڑ میں پہنچ گئے تھے
ہر سہ باہم اندراں صحرائے ژرف	صید ہا گیرند بسیار و شگرف
(تاکہ) تینوں مل کر گئے جنگل میں	بہت اور عمدہ (قسم کا) شکار کریں
تابہ پشت ہمدگر بر صید ہا	سخت بر بندند بارو قید ہا
تاکہ ایک دوسرے کی مدد سے شکاروں پر	سخت دہاؤ ڈالیں اور گرفت میں لائیں
گرچہ زایشاں شیر نر را ننگ بود	لیک کرد اکرام و ہمراہی نمود
اگرچہ وہ بہادر شیر کے لئے موجب عار تھے	لیکن اس نے عزت افزائی کی اور ساتھ ہو گیا

ایں چنین شہ راز لشکر زحمت ست	لیک ہمراہ شد جماعت رحمت ست
اس جیسے بادشاہ کو لشکر سے تکلیف ہوتی ہے	لیکن ساتھ ہو گیا (اس لئے کہ) جماعت رحمت ہے
ایں چنین مہ راز اختر تنگہاست	او میان اختران بہر سخاست
اسی طرح پاند کو ستاروں سے شرم آتی ہے	(لیکن) وہ از راہ کرم ستاروں کے درمیان ہے
امر شاورہم پیمبر را رسید	گرچہ رائے نیست رایش رامزید
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان سے مشورہ کرنا حکم ملا ہے	اگرچہ کوئی رائے اس کی رائے سے بڑھ کر نہیں ہے
در ترازو جو رفیق زر شدست	نے از انکہ جو چوزر جو ہر شدست
ترازو میں جو سونے کا ساتھی بن گیا ہے	اس لئے نہیں کہ جو سونے کی طرح جوہر بن گیا ہے
روح قالب را کنوں ہمراہ شدست	مدتے سگ حارس درگہ شدست
اب روح جسم کے ساتھ ہو گئی ہے	مدت تک کتا دربار کا محافظ رہا ہے

یعنی ایک شیر اور ایک گرگ اور ایک روبہا شکار ڈھونڈتے ہوئے ایک کوہسار میں چلے تاکہ ایک دوسرے کی اعانت سے شکار کے جانوروں پر بار اور قیود کو مضبوط باندھ لیں (یعنی ان کو پکڑ لیں) یعنی اس میدان وسیع میں تینوں مل کر بہت سے اور بڑے شکار پکڑیں اگرچہ گرگ و روبہا کی ہمراہی سے شیر زکو سخت عارتھی لیکن اس نے ان کی قدر دانی کی اور ہمراہ لے لیا ایسے بادشاہ کو (جیسا شیر تھا) بھیڑ بھڑ کے سے سخت زحمت ہوتی ہے لیکن چونکہ جماعت موجب رحمت ہے اس لئے ان کا ہم سفر ہو گیا ایسے ہی ماہ کو ستاروں سے عار آتی ہے مگر پھر بھی نور بخشی کے لئے ستاروں کے درمیان آجاتا ہے گو اس کے نور سے وہ خوب دب جائیں (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو شاورہم کا حکم ہوا ہے اگرچہ کوئی رائے بھی آپ کی رائے سے بڑھی ہوئی نہ تھی جو بھی ترازو میں رفیق زر ہو جاتا ہے (کہ ایک پلہ میں سونا رکھتے ہیں دوسرے میں جو) لیکن نہ اس وجہ سے کہ جو بھی سونے کی طرح قیمتی ہو گیا۔ روح فی الحال قالب کے ہمراہ ہو رہی ہے ایک مدت تک سگ درگاہ کا پہرہ دار ہو جاتا ہے (مگر ان صورتوں میں مساواة لازم نہیں آتی مقصود ان سب تمثیلات سے اشارہ فرمانا ہے اس طرف کہ اگر کالمین اپنی عنایت سے ناقصین کو مکالمت و مخالطت سے مشرف فرمائیں تو مغرور نہ ہو جائے کہ ان کو مجھ سے حاجت ہوگی یہ محض ان کی مہربانی ہے کہ باوجود اپنی خلل اوقات کے دل داری فرماتے ہیں اور مصرعہ لیگ ہمراہ شد جماعت رحمت است میں اس طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ کالمین بھی اپنے دل میں ناقصین پر منت نہ رکھیں کیونکہ رحمت و برکات اجتماع کے حصول میں جاہلین سے احتیاج ہے۔

چونکہ رفتند اس جماعت سوئے کوہ	در رکاب شیر بافر و شکو
جب یہ جماعت پہاڑ پر گئی	شان و شوکت سے شیر کے ساتھ
گاؤ کوہی و بز و خرگوش زفت	یافتند و کار ایشان پیش رفت
پہاڑی گائے اور بکرا اور موٹا خرگوش	انہوں نے پکڑ لیا اور ان کا کام چل گیا

ہر کہ باشد در پئے شیر حراب	کم نیاید روز و شب اورا کباب
جو کوئی جنگجو شر کے ساتھ ہو	اس کے لئے دن و رات میں کباب کی کمی نہیں

یعنی جب یہ مجمع کوہ کی طرف شیر کے ہمرکابی میں پہنچا تو ایک نیل گائے اور ایک بز کو ہی اور ایک موٹا سا خرگوش ان کو ملا اور مطلب پورا ہو گیا (اب بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) میاں جو شخص شیر جنگلی کی متابعت میں رہے گا اس کو شب و روز کباب کی کیا کمی ہے (اشارہ اس طرف ہے کہ جو شخص عارفین کا ملین کی صحبت میں رہے اس کو علوم و معارف کی کیا کمی ہے جو کہ غذائے روحانی ہے)

چوں ز کہ در بیشہ آور دند شاں	کشتہ و مجروح اندر خون کشاں
جب پہاڑ سے انہیں جنگل میں لائے	مردہ اور زخمی خون میں لتھڑے ہوئے
گرگ و روبہ را طمع بود اندراں	کہ رو و قسمت بعدل خسرواں
ان میں بھیڑے اور لومڑی کی خواہش تھی	کہ شاہی انصاف سے تقسیم ہو
عکس طمع ہر دو شاں بر شیر زد	شیر دانست آں طمع ہا را سند
شیر پر ان دونوں کے لالچ کا عکس پڑا	شیر ان لالچوں کے ثبوت کو جان گیا
ہر کہ باشد شیر اسرار و امیر	او بدانند ہر چہ اندیشد ضمیر
جو شخص اسرار (کے میدان) کا شیر اور سردار ہو	وہ جان جاتا ہے جو کچھ دل سوچتا ہے
ہیں نگہدار اے دل اندیشہ خو	دل ز اندیشہ بدی در پیش او
خبردار! اے دوسوں کے عادی دل! محفوظ رکھ	دل کو اس کے لئے سامنے برے خیال سے
داند او خر را ہمی راند خموش	در رخت خند و برائے روئے پوش
وہ جانتا ہے (پھر بھی) کام چلاتا ہے	پردہ پوشی کے لئے تیرے سامنے مسکراتا ہے

یعنی جب پہاڑ سے جنگل کی طرف ان شکاروں کو کشتہ و مجروح کر کے خون میں گھسیٹتے لائے تو گرگ اور روبہ کو لالچ ہوا کہ شاہانہ انصاف کے ساتھ تقسیم ہوگی (اور کچھ کچھ سب کے حصہ میں آئے گا) ان دونوں کی اس طمع کا عکس شیر پر پڑا اور شیر سند و دلیل سے (یعنی قرآن و بشرہ سے) اس طمع کو جان گیا (آگے بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ) جو شخص اسرار کا شیر اور امیر ہوتا ہے وہ جو کچھ دل میں سوچو اس کو جان لیتا ہے (یعنی کا ملین کے قلب صافی پر اس کا اثر پڑتا ہے جس سے ان کو انکشاف ہو جاتا ہے) پس جس شخص کا قلب ایسے خیالات کا عادی ہے اس کو خبردار ہو جانا چاہیے اور قصد ابرے خیالات (لانے) سے اس کے سامنے اپنے قلب کو محفوظ رکھنا چاہیے (مثلاً خود اس پر بدگمانی و بد اعتقادی کرنے لگے یا مال و جاہ کی طلب و خواہش دل میں رکھے وہ ایسی باتوں کو (اکثر) جان لیتا ہے مگر (اپنے اخلاق سے) خاموش یوں ہی ہانکتا رہتا ہے اور روپوشی کے جہت سے تم سے خندہ روئی سے پیش آتا ہے (یعنی اس کے بررونہ کہہ ڈالنے سے اور اس کے نرم برتاؤ سے دھونہ نہ کھائے کہ اس کو خبر نہیں ممکن ہے کہ قصد اعیب پوشی کرتا ہو)

شیر چوں دانست آں وسواسِ شاں	وانگفت و داشت آندم پاسِ شاں
شیر کو جب ان کے دوسے معلوم ہو گئے	کھل کر نہ بتایا اور ان سے رعایت برتی
لیک باخود گفت بنمایم سزا	مر شمارا اے نحسیان گدا
لیکن اس نے دل میں کہا (ابھی) سزا دیتا ہوں	تمہیں اے کینے فقیرا
مر شمارا بس نیامد رائے من	ظن تاں اینست در اعطائے من
تمہارے لئے میری رائے کافی نہ ہوئی	میری بخشش میں تمہارا یہ خیال ہے
اے وجود رائے تاں از رائے من	از عطا ہائے جہاں آرائے من
خبردار تمہاری رائے کا وجود میری رائے سے ہے	میری دنیا کو سجانے والی عطاؤں کی وجہ سے ہے
نقش بانقاش چہ اسگالدگر	چوں سگالش اوش بخشید و نظر
نقش نقاش کو کیا سوجھائے	جبکہ اس کی سوچ و نگاہ اسی کی بخشش ہوئی ہے
ایں چنین ظن نحسیانہ بمن	مر شما را بود ننگانِ زمن
مجھ پر ایسے کینہ پن کا گمان	تمہارا تھا تم زمانے کے لئے (باعث) عار ہو
ظانین باللہ ظن السوء را	گر نہ برم سر بود عینِ خطا
خدا کے ساتھ بدگمانی کرنے والوں کا	اگر میں سر نہ قلم کروں تو گلطی ہے
وارہانم چرخ را از ننگ تاں	تا بماند در جہاں ایں داستاں
تمہارے (وجود کی) لذت سے آسمان کو نجات دلاؤں گا	تاکہ یہ قصہ دنیا میں (مثال بنا) رہے

یعنی شیر کو (قرآن و بشرہ سے) ان کے خطرے پر اطلاع ہو گئی اور اس وقت ان کا پاس کیا اور کچھ نہ کہا لیکن اپنے دل میں کہا کہ اے نحسیو دیکھو تم کو کیسی سزا دیتا ہوں تم کو میری رائے (و تجویز) پر کفایت نہ ہوئی (کہ خود تقسیم کا) طریقہ سوچنا شروع کر دیا) میری عطا میں تمہارا ایسا گمان ہے (کہ شاید نامناسب تقسیم ہو آگے بطور انتقال کے حق تعالیٰ کا خطاب اہل الرائے سے بدالالت حال فرمانے لگے) کہ اے بھلے مانسو تمہاری رائے (جس سے ہماری قضا و قدر میں تجویزیں لگا رہے ہو یہ آئی کہاں سے) میرے ہی علم کا تو ظل ہے اور میری ہی عطا ہے جہاں آرا کا تو فیض ہے پھر بیچارہ نقش کا کیا منہ ہے کہ نقاش کے روبرو تجویزیں لگائے جب کہ قوت تجویز اور قوت نظر یہ اسی کا عطا فرمایا ہوا ہے (یعنی جب یہ رائے ان کے علم نامتناہی کا ایک پر تو ہے تو اس کے روبرو اس کی وقعت اور حقیقت ہی کیا ہے کہ اس کی تجویز کو معتمد علیہ سمجھا جائے بالخصوص جبکہ ان کی ہی عطا بھی ہو تو بہت ہی نازیبا ہے کہ انہیں کی عطا کو انہی کی مخالفت کا آلہ بنایا جائے آگے پھر مقولہ (شیر کا ہے کہ) اے ننگِ زمن تم کو مجھ پر ایسا نحسیانہ گمان ہو پس ایسے شخصوں کا جن کو خدا تعالیٰ سے بدگمانی ہو (اس طور پر کہ شیر خدا سے بدگمانی خدا سے بدگمانی ہے) اگر سر قطع نہ کروں تو بڑی غلطی ہے دیکھو ابھی اس عالم کو تمہارے ننگ وجود سے پاک کئے دیتا ہوں تاکہ (عبرت کے طور پر) یہ قصہ دنیا میں (مذکور) رہے (ظانین باللہ میں یہ تفسیر مذکور اشارہ ہے اس طرف کہ

خاصان خدا کی شان میں ظن بد ایسا ہی موجب خسرانی ہے جیسا حق تعالیٰ کے جناب میں کیونکہ ان کے افعال بھی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں گودیتق ہونے کے سبب سے نظر عوام سے مخفی ہوں یا عناد کی وجہ سے کوئی تامل ہی نہ کرے)

شیر با ایں فکر میزد خندہ فاش	بر تبسم ہائے شیر ایمن مباش
شیر اس خیال میں بظاہر ہنستا تھا	شیر کی مسکراہٹوں پر مطمئن نہ ہو جانا
مال دنیا شد تبسم ہائے حق	کرد مارا مست و مغرور و خلق
دنیا کی دولت اللہ (تعالیٰ) کی مسکراہٹیں ہیں	جنہوں نے ہمیں مست اور مغرور اور بوسیدہ بنا دیا ہے
فقر ورنجوری بہشت ست اے سند	کاں تبسم دام خود را بر کند
اے سردار! فقیری اور بیماری بہشت ہے	کیونکہ اس کی وجہ سے مسکراہٹ اپنا جال اکھاڑ لیتی ہے

یعنی سیر با وجود اس فکر کے (کہ ان کو بھی سزا دیتا ہوں) خندہ لگا رہا تھا (مولانا فرماتے ہیں کہ) شیر کے تبسم پر بے خوف نہ ہونا چاہیے (آگے اس کی تفسیر ہے کہ) دنیا کا مال بھی (گویا) اللہ تعالیٰ کا تبسم ہے جس نے تم کو مست اور مغرور اور بوسیدہ بنا رکھا ہے (یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہم سے مواخذہ کرنا مقصود نہیں ورنہ نعمت کیوں دیتے حالانکہ یہ تبسم مغضب ہے جیسا ارشاد ہے سنستدر جہم من حیث لا یعلمون و نحوہ من الآیات پس اس حساب سے) فقر و مرض ہمارے لئے جو بڑی مصلحت ہے کہ اس سے وہ تبسم اپنا جال اکھاڑ لیتا ہے (یعنی تبسم مذکور یعنی مال و جاہ نے جو اپنے دام غفلت میں پھنسا رکھا تھا فقر و مرض سے وہ دام غفلت اکھڑ جاتا ہے اور انسان کو تنبیہ اور توجہ الی اللہ اور دنیا سے بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے یہ قرین مصلحت ہے خلاصہ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ مال دنیا پر مغرور اور فقر و مرض سے تنگدل نہ ہو اور اس میں اندیشہ ناک اور شاکر اور اس میں راضی و صابر رہو)

امتحان کردن شیر گرگ را و گفتن کہ ایں صید ہا را قسمت کن

شیر کا بھیڑیے کو آزمانا اور کہنا کہ ان شکاروں کو تقسیم کر دے

گفت شیر اے گرگ ایں را بخش کن	معدلت را نو کن اے گرگ کہن
شیر نے کہا 'اے بھیڑیے! اس کو تقسیم کر دے	اے پرانے بھیڑیے! انصاف (کی رسم) تازہ کر
نائب من باش در قسمت گری	تا پدید آید کہ تو چہ گوہری
تقسیم کرنے میں میرا قائم مقام بن جا	تاکہ معلوم ہو جائے کہ تجھ میں کیا جوہر ہے؟
گفت اے شہ گاو وحشی بخش تست	آں بزرگ و تو بزرگ و زفت و چشت
(بھیڑیا) بولا اے شاہ! نیل گائے تیرا حصہ ہے	یہ بھی بڑی ہے اور تو بھی بڑا اور عظیم اور شہ زور ہے
بز مرا کہ بز میانہ است و وسط	رو بہا! خرگوش بستاں بے غلط
بکری میری ہے کیونکہ بکری درمیانی اور متوسط (چیز) ہے	او لومڑی! تو خرگوش لے لے بلا غلطی کے

شیر گفت اے گرگ چوں گفتی بگو	چونکہ من باشم تو گوئی ما و تو
شیر نے کہا او بھیڑیے! تو کیا بکتا ہے؟	جبکہ میں موجود ہوں تو میرے تیرے کی کیا بات کرتا ہے؟
گرگ خود چہ سگ بود کہ خویش دید	پیش چوں من شیر بے مثل و ندید
بھیڑا کیا کتا ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو دیکتا ہے	مجھ جیسے بے مثل اور الوکے شیر کے ہوتے ہوئے
گفت پیش آ اے خرے کو خود خرید	پیشش آمد پنجه زد او را درید
اس نے کہا! او خود پسند گدھے! آگے آ	وہ آگے آیا! اس نے پنچہ مارا! اس کو پھاڑ ڈالا
چوں ندیدش مغز و تدبیرش رشید	در سیاست پوشش از سر کشید
جب (شیر نے) اس میں مغز اور بھلی تدبیر نہ دیکھی	سزا میں اس کی کھال کھینچ لی
گفت چوں دید منت از خود نبرد	ایں چنین جا را ببايد زار مرد
(شیر نے) کہا! جب میرا دیدار تیری خودی نہ مٹا سکا	ایسی جان کو ذلیل ہو کر مر جانا چاہیے
چوں نلشتی فانی اندر پیش من	فرض آمد مر ترا گردن زدن
تو جب میرے سامنے فانی نہ ہوا	تجھے لٹل کر دینا ضروری ہوا
گرچہ غالب دارم اندر بذل فضل	گاہ گاہے ہم کنم از عدل فضل
اگرچہ عنایت فرمائی کو غالب رکھتا ہوں	(لیکن) کبھی کبھی انصاف کو ترجیح دے دیتا ہوں

یعنی شیر نے گرگ سے کہا کہ اس کو عدل و انصاف سے تقسیم کر اور تقسیم میں میرا نائب ہو جاتا کہ تیری طینت کا حال معلوم ہو گرگ نے کہا کہ گاؤ وحشی تو آپ کا حصہ کیونکہ وہ بھی سب شکار میں بڑی ہے اور آپ بھی ہم سب سے بڑے ہیں اور بکری میرا حصہ کیونکہ وہ متوسط جسامت کی ہے (جیسا میں ہوں) اور خرگوش کو رو بہ لے جائے (کہ دونوں چھوٹے ہیں) یہ تقسیم صحیح ہوگی شیر (کو غصہ آیا اور) بولا کہ تو نے یہ کیا بکا۔ میری موجودگی میں تو نے یہ ما تو کیسی لگائی ہے گرگ بیچارہ کون کتا ہوتا ہے کہ مجھ بے ہمتا شیر کے رو برو خود بینی کرتا ہے گدھے تو جو خود بینی کرتا ہے ذرا ادھر آ وہ آگے بڑھا پس ایک پنچہ مارا اور پھاڑ چیر برابر گیا۔ چونکہ اس میں مغز اور تدبیر صالح نہیں پائی اس لئے سیاست اس کی کھال کھینچ ڈالی اور کہنے لگا کہ جب مجھ کو دیکھ کر بھی تیری خودی نہ گئی (کہ میرے سامنے اپنا حصہ لگاتا ہے) تو ایسی جان کا ذلیل ہو کر مر جانا ضروری ہے اور جب تو میرے سامنے مخونہ ہو تو تیری گردن مارنا فرض تھا میں اگرچہ بذل کرنے میں فضل کو غالب رکھتا ہوں (یعنی مرحمت کو مبذول کرتا ہوں) لیکن گاہ گاہ عدل کو بھی افزودنی یعنی ترجیح دیتا ہوں (اشارہ اس طرف ہے کہ اسی طرح حق جل شانہ کو بندہ کا دعویٰ ہستی و کمال پسند نہیں آتا)

کل شیٰ ہالک جزو وجہ او	چوں نہ در وجہ او ہستی مجو
سوائے اس کی ذات کے ہر چیز فنا ہو جانے والی ہے	جب تو اس کی ذات میں نہیں (سایا) ہے ہستی کی امید نہ کہ

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا	کل شی ہالک نبود جزا
جو ہماری ذات میں فنا ہو جائے	اس کی سزا کل شیئی ہالک نہیں ہوتی ہے
زانکہ درالاست او از لاگذشت	ہر کہ درالاست او فانی نگشت
اس لئے کہ وہ الا میں ہے "لا" سے گزر گیا	جو شخص "الا" میں داخل ہے فانی نہ ہوا
ہر کہ بر در او من و مامی زند	ردباب ست او و برلامی تند
جو دروازے پر "میں" اور تو کا اعلان کرے	وہ دروازے سے مردود ہے اور لا (کے درجہ) میں مقیم ہے

(انتقال ہر طرف اشارہ مذکورہ کے یعنی) قرآن مجید میں ہے کہ کل شی ہالک الا وجہہ یعنی ہر شے ہالک سے بجز حق کے (جس کی ایک تفسیر یہ بھی ہے جس کو مولانا نے اس مقام میں اختیار فرمایا ہے کہ وجہ سے مراد و ماینبغی بہ وجہ اللہ ہے وہ امور جن سے رضائے حق مطلوب ہو وہ فنائے انسان کے ساتھ فنا نہیں ہوتے بلکہ ان کا ذخیرہ عند اللہ باقی رہتا ہے جو اس شخص کو جان جائے گا جیسا ارشاد ہے ما عند کم ینفدو ما عند اللہ باقی) پس جب تم وجہ حق سے تعلق نہیں رکھتے (اور رضائے حق کے طالب نہیں ہو) تو تم ہستی (و بقاء) کی کیا ہوس رکھتے ہو۔ آگے بدالمت حال حضرات حق کی طرف سے کہتے ہیں کہ جو شخص ہماری وجہ (رضاء) میں فنا ہو گیا۔ اس کے لئے کل شی ہالک نہیں ہے کیونکہ اس کے احوال تفسیر مذکور وجہ حق میں داخل ہیں جن کو فنا میں اسی کو دوسرے لفظوں میں اس طرح فرماتے ہیں) کیونکہ وہ شخص الا (یعنی الا وجہہ) میں آ گیا ہے اور الا (یعنی ہالک و منفی) سے بزرگ ہے اور جب الا میں آ گیا تو فانی اور ہالک نہ ہوگا (کیونکہ حکم مستثنیٰ کا مغاڑ حکم مستثنیٰ منہ کے ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ لا اور الا سے اولاً آ لہ الا اللہ کالا اور الا ہو اور لا سے گزرتا اس لا کے مدخول سے قطع کرنا اور الا میں آنا اس کے مدخول سے تعلق پیدا کرنا جس کا اصل رضائے حق کو غیر حق پر ترجیح دینا ہے اور یہی وجہ حق ہے (اور جو شخص باب حق پر من و ما کا دعویٰ کر رہا ہے وہ مردود باب ہے اور ہی لا (یعنی ہالک پر جما ہوا ہے) خلاصہ اشعار یہ ہوا کہ گرگ کی طرح دعویٰ ہستی زیا نہیں بلکہ ان کی رضا و اطاعت میں اپنے کو فنا کرنا اس وقت وہ خود تم کو ہستی و بقاء جاودانی عطا فرمادیں گے پس ہستی حاصل کرنے کا یہ طریق ہے نہ کہ دعویٰ اور انانیت)

قصہ آں کس کہ دریائے بکوفت او از دروں گفت تو کیستی گفت منم گفت

چوں توئی در نمی کشایم کہ ہیچ کس را از یاراں نمی شناسم کہ او "من" گوید برو

اس شخص کا قصہ کہ جس نے دوست کے دروازے پر دستک دی اس نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں ہوں اس نے جواب دیا کہ تو ہے تو میں دروازہ نہیں کھولوں گا کیونکہ میں اس کو دوست نہیں سمجھتا جو اپنے آپ کو "میں" کہے واپس ہو جا

آں یکے آمد در یارے بزد	گفت یارش کیستی کیس در مزد
ایک شخص آیا دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا	اس کے دوست نے کہا تو کون ہے؟ اس دروازہ کو نہ کھٹکھٹا
گفت من گفتش برو ہنگام نیست	بر چنین خوانے مقام خام نیست
اس نے کہا "میں" اس نے اس سے کہا جاؤ (ملاقات کا وقت نہیں ہے)	ایسے خوان پر کچے کی جگہ نہیں ہے

خام را جز آتش ہجر و فراق	کہ پزد کہ دارہاند از نفاق
کے کو سوائے ہجر اور جدائی کی آگ کے	کون پختہ بنا سکتا ہے تاکہ اس کو نفاق سے نجات دے
چوں توئی تو ہنوز از تو نرفت	سوختن باید ترا در نار تفت
جبکہ تیری خودی ابھی تک تجھ میں سے نہیں گئی ہے	تجھے دہکتی آگ میں جلا دینا چاہیے

(یہ قصہ اسی شعر سے مربوط ہے کہ بردراخ اور اس کی مثال ہے یعنی) ایک شخص نے اپنے دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا اس نے کہا کون دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس نے کہا میں کہنے لگا جاؤ (کھولنے کا) موقع نہیں اور (ہمارے) خوان (وصل و قرب) پر ایسے خام (نا تجربہ کار آداب محبت) کا کام نہیں اور ایسے خام کو بجز آتش ہجر و فراق کے کون پختہ کر سکتا ہے جو اس کو نفاق (و کمی خلوص) سے چھڑائے پس جس حالت میں کہ اب تک تیری ہستی تجھ سے نہیں گئی (کہ محبوب کے سامنے دعوے وجود کرتا ہے کہ میں ہوں اور یہی خامی ہے تو تجھ کو) پختگی حاصل کرنے کے واسطے فراق کی) آتش سوزان میں جلا نا ضرور ہے۔

پشیمان شدن آں گویندہ کہ منم و غربت و ریاضت و غرامت یک سال کشیدن و باز گشتن مستغفر بردر خانہ و پرسیدن صاحب خانہ کہ کیست بردر و جواب گفتن آں کہ توئی بردر و منی منی خود اس "میں" کہنے والے کا شرمندہ ہونا اور ایک سال تک بے وطنی اور محنت اور مشقت برداشت کرنا اور معافی کے لئے دروازے پر واپس آنا اور صاحب خانہ کا دریافت کرنا دروازے پر کون ہے؟ اور اس کا جواب میں کہنا کہ دروازے پر تو ہی ہے اور اپنے وجود کا انکار کرنا

رفت آں مسکین و سالی در سفر	در فراق دوست سوزید از شرر
وہ بیچارہ چلا گیا اور ایک سال تک سفر میں	دوست کے فراق میں چنگاریوں سے جلتا رہا
پختہ گشت آں سوختہ پس باز گشت	باز گرد خانہ انباز گشت
وہ (آتش فراق سے) جلا ہوا پختہ ہو گیا پھر لوٹا	دوبارہ دوست کے گھر کی طرف روانہ ہوا
حلقہ زد بردر بصد ترس و ادب	تانه بچہد بے ادب لفظے زلب
نہایت خوف اور ادب سے دروازہ کھٹکھٹایا	تاکہ منہ سے کوئی بے ادبی کا لفظ نہ نکلے
بانگ زد یارش کہ بردر کیست آں	گفت بردر ہم توئی اے دلستاں
اس کے دوست نے آواز دی دروازہ پر کون ہے؟	اس نے کہا اے دوست! دروازہ پر بھی تو ہی ہے
گفت اکنوں چوں منی اے من در آ	غیبت گنجائے دامن در یک سرا
اس نے کہا اب "تو" "میں" ہے تو اے "میں" اندر آ جا	ایک گھر میں دو "میں" کی مباحث نہیں ہے
چوں یکے باشد ہمہ نبود دوئی	ہم منی بر خیزد آنجا ہم توئی
جب سب ایک ہو جائیں دوئی نہیں رہتی ہے	وہاں "میں" اور "تو" ختم ہو جاتا ہے

نیست سوزن را سر رشتہ دوتا	چونکہ یکتائی دریں سوزن درآ
سوئی میں دو دھاگے نہیں ہوتے	جب تو ایک بن گیا ہے سوئی میں آ جا

یعنی وہ غریب ایک سال تک سفر میں رہا۔ اور فراق دوست کے ششر سے جلتا رہا اور خوب پختہ و تجربہ کار ہو کر واپس آیا اور پھر اس دوست کے گھر پر پہنچا اور ڈرتے ڈرتے ادب سے زنجیر کھڑکھڑائی کہ کہیں پھر کوئی کلمہ خلاف ادب منہ سے نہ نکل جائے دوست نے پکار کر پوچھا کہ دروازے پر کون ہے کہنے لگا کہ دروازے پر بھی تو ہی ہے (یعنی میں تجھ میں ایسا فانی ہو گیا کہ گویا عدم محض ہو گیا اس لئے میں بھی تو ہی ہے) اس نے کہا کہ جب تو بھی میں ہی ہوں تو اندر چلا آ کیونکہ اس گھر میں ایسے دو شخصوں کی گنجائش نہیں ہے کہ دونوں میں کہنے والے ہوں (پس میں تو اپنے کو میں کہتا ہی ہوں پہلے تو بھی اپنے کو میں کہتا تھا اس لئے گنجائش نہ تھی اب جبکہ تو اپنے کو میں نہیں کہتا تو گنجائش ہو گئی اس کی ایسی مثال ہے کہ) سوزن میں دوتا گے نہیں جاتے (بلکہ دونوں کو آگے سے ایک کر لیا جاتا ہے تب جا سکتا ہے) پس جبکہ تو (میرے ساتھ) متحد ہو گیا ہے تو اس سوزن (خانہ) میں چلا آ (اسی طرح بدون فنائے ذمائم و اضمحلال وجود درگاہ حق میں باریابی نہیں ہوتی)

رشتہ را باشد بسوزن ارتباط	نیست درخور باجمل سم الخیاط
دھاگے اور سوئی میں مناسبت ہے	سوئی کا کٹوا اونٹ کے مناسب نہیں ہے
کے شود باریک ہستی جمل	جز بمقراض ریاضات و عمل
اونٹ کا وجود باریک نہیں ہو سکتا ہے	عمل اور ریاضتوں کی فینچی کے بغیر
دست حق باید مرآں را اے فلاں	کاں بود بر ہر محالے کن فکاں
اے فلاں! اس کام کے لئے خدا کا ہاتھ چاہیے	کیونکہ وہ ہر ناممکن پر "کن فکان" ہوتا ہے

(یہ انتقال ہے کہ) سوزن سے رشتہ کو مناسبت ہتی ہے اور سوزن کا نا کہ اونٹ کے (گھسنے کے) لائق نہیں ہوتا (اسی بنا پر حق تعالیٰ نے کفار کے امتناع و دخول جنت کو اس کے ساتھ معلق فرمایا ہے یہاں قرآن کی تفسیر مقصود نہیں بلکہ صرف اپنے مضمون کے مثال کے طور پر لائے ہیں یعنی مقامات باطن و عبققات طریق تنگی و دشوار گزاری میں مثل سوزن کے ہیں اور تمہارا اپنے دعویٰ ہستی و انانیت میں پھولنا مثل شیر کے ہے پس ان دعوؤں کے ساتھ ان کا دخول کب ممکن ہے اس جمل کو رشتہ بناؤ تا کہ مناسبت ہو آگے اس کا طریقہ ہے کہ) یہ ہستی مشابہ جمل کے بدون مقراض ریاضت و عمل کے کب باریک ہو سکتی ہے (پھر ریاضت کے لئے شیخ کی ضرورت ہے کیونکہ) اس امر شدید و تبدیل بعید کے لئے حق تعالیٰ کا ہاتھ چاہیے جو ہر محال (عادی) پر ایسے قادر ہیں کہ کن کہتے ہی ہو جائے (اور دست شیخ فحوائے ید اللہ فوق ایدہم ایک معنی کر دست حق ہے پس اس کی توجہ و تدبیر سے یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے کہ ایسے طمطراق و کروفر کے دعویٰ ہباء منشور ہو جائیں چنانچہ روزمرہ مشاہدہ ہے آگے حق تعالیٰ کے آثار قدرت کا بیان ہے جن کی قدرت کا شیخ بھی ایک مظہر ہے۔

ہر محال از دست او ممکن شود	ہر حروں از بیم او ساکن شود
ہر ناممکن اس کے ہاتھ سے ممکن ہو جاتا ہے	اس کے خوف سے ہر سرکش ساکن ہو جاتا ہے

اکمہ و ابرص چه باشد مرده نیز	زندہ گردد از فسون آں عزیز
ناشنا اور کوزھی کیا ہوتا ہے مرده بھی	اس غالب کے متر سے زندہ ہو جاتا ہے
واں عدم کمز مرده مرده تر بود	در کف ایجاد او مضطر بود
وہ عدم جو مردے سے بھی زیادہ مرده ہوتا ہے	اس کے ایجاد کے ہاتھ میں بے اختیار ہوتا ہے
کل یوم ہونی شان بخواں	مرورا بے کار و بے فعلے مداں
"کل یوم صونی شان" کو پڑھ	اس کو بیکار اور بغیر کام کے نہ سمجھ
کمتریں کاریش ہر روزست آں	کوسہ لشکر را کند ایں سوراں
اس کا معمولی کام ہر روز یہ ہوتا ہے	کہ وہ تین لشکر اس طرف روانہ کرتا ہے
لشکرے ز اصلاب سوئے امہات	بہر آں تادر رحم روید نبات
ایک لشکر (باپوں کی) پشت سے ماؤں کی جانب	تاکہ وہ رحم میں آگے
لشکر ز ارحام سوئے خاکداں	تاز نر و مادہ پر گردد جہاں
ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے دنیا کی طرف	تاکہ دنیا نر اور مادہ سے بھری رہے
لشکرے از خاکداں سوئے اجل	تابہ بیند ہر کسے حسن عمل
ایک لشکر دنیا سے موت کی جانب	تاکہ ہر شخص اچھے عمل کو دیکھے
باز بیشک پیش از انہامی رسد	انچہ از حق سوئے جانہامی رسد
پھر بیشک ان (تینوں لشکروں سے) پہلے پہنچتی ہے	دو چیز (شہوت جماع) جو اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے دلوں میں آتی ہے
وانچہ از جانہا بد لہامی رسد	وانچہ از دلہا بگہامی رسد
دو چیز (شہوت جماع) جو دلوں سے دلوں میں پہنچتی ہے	اور وہ جو دلوں سے جسموں میں پہنچتی ہے
اینست لشکر ہائے حق بیحد و مر	از پئے ایں گفت ذکرئی للبشر
دیکھو اللہ (تعالیٰ) کے لشکر بیحد و حساب ہیں	اسی لئے فرمایا ہے "ذکرئی للبشر"
ایں سخن پایاں ندارد ہیں بتاز	سوئے آں دو یار پاک و پاکباز
ہاں اس بات کا خاتمہ نہیں ہے چل	اُن دو پاکباز اور پاک دوستوں کے قصہ کی جانب

(مرسخ اول و سکون دوم عدد پنجاہ را گویند وقت شمار چون پنجاہ رسد گویند یک مرشد اگر بصد رسد گویند دو مرشد مراد بے عدد و بے حساب) دست حق سے ہر مجال (عادی) ممکن ہوتا ہے اور کوئی کتنا ہی سرکش ہو ان کے خوف سے دم بخوردہ جاتا ہے اور مادر زاد نابینا اور جذامی کا اچھا ہو جانا تو کیا چیز ہے اس عزیز (غالب قادر) کے افسون (کلمہ کن) سے تو مرده زندہ ہو جاتا ہے بلکہ عدم جو مرده سے بھی بدتر (یعنی قبول ہستی میں کمتر و بعید تر) ہے ان کے دست ایجاد میں بے اختیار ہے (کہ جب ایجاد کرنا چاہتا ہے وجود میں آتا پڑتا ہے)

ت کل یوم ہونی شان پڑھ کر دیکھو (یعنی اللہ تعالیٰ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہیں) اور ان کے بے کارمت سمجھوان کا ایک چھوٹا سا کام روزیہ ہے کہ وہ تین لشکروں کو روزانہ روانہ کرتے ہیں ایک لشکر کو تو اصلاب (آباء) سے (ارحام) امہات کی طرف (کہ نطفے قرار تے ہیں) اس لئے کہ رحم میں پیداوار ہو اور ایک لشکر ارحام سے دنیا کی (طرف) (کہ بچے پیدا ہوتے ہیں) تا کہ یہ دنیا زو مادہ سے پر ہے اور ایک لشکر دنیا سے موت کی طرف تا کہ ہر شخص جس عمل کو دیکھ لے پھر بالیقین ان تینوں لشکروں (کے مجموعہ) سے پہلے ایسی چیز اہوتی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف سے روح حیوانی میں آتی ہے (یعنی ریح کہ مادہ شہوت ہے اول غذا سے روح میں پیدا ہوتی ہے پھر روح سے بذریعہ تخیر قلب میں آتی ہے اور پھر قلب سے یعنی کام بدن میں (بذریعہ عروق) پھیل جاتی ہے اور اس ریح سے ہش جماع کی پیداوار آگے سلسلہ چلتا ہے اور اس کی تقدیم تینوں لشکروں پر ظاہر ہے یہ عجائب لشکر حق تعالیٰ کے بے حد و حساب ہیں لئے ارشاد فرمایا ہے (و ما یعلم جنود ربک الا هو و ماہی الا ذکری المبشر) یعنی (تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا اور یہ محض) عبرت ہے واسطے بشر کے اور اس مضمون کا تو کہیں خاتمہ نہیں ان دونوں پاکباز دوستوں کا قصہ بیان کرو۔

خواندن آل یار یار خود را پس از تربیت یافتن

اس دوست کا دوست کو تربیت پانے کے بعد بلانا

گفت یارش کا ندر آ اے جملہ من	نے مخالف چوں گل و خار چمن
دوست نے اس سے کہا اے میرے سب کچھ اندر آ جا	اب ہم (چمن کے پھول اور کانٹے کی طرح مخالف نہیں ہیں

یعنی اس کے یار نے کہا کہ جب تو سراپ من ہے (یعنی میری ہستی میں فانی ہو گیا) تو اندر چلا آ اب تو گل اور خار کی طرح کہ چمن میں ہوتے ہیں مخالف نہیں (یہ پہلے بھی آچکا ہے گفت اکنون الخ)

رشتہ یکتا شد غلط کم شد کنوں	گر دو تا بنی حروف کاف ونوں
دھاگا اکہرا ہو گیا اب (دوئی کی) غلطی ختم ہو گئی ہے	اگرچہ تو حرف کاف اور نون کو دو عدد دیکھتا ہے
کاف ونوں ہچوں کمند آمد جذوب	تا کشاند مر عدم را در خطوب
کاف اور نون (ملکر) کند کی طرح کھینچنے والے بن گئے ہیں	تا کہ عدم کو بڑے کاموں کی طرف کھینچ کر لائیں
پس دو تا باید کمند اندر صور	گر چہ یکتا باشد آل دو در اثر
بظاہر کند دوہری ہونی چاہیے	اگرچہ نتیجہ میں دونوں مل کر اکہرے ہو جائیں

یہ مقولہ ہے مولانا کا بطور انتقال کے اور اس کی ضمن میں اس صاحب خانہ کی تمثیل مذکور۔ نیست سوزن را سر رشتہ دو تا الخ کے طرف بھی اشارہ ہے (یعنی) اب تاگا (دونوں سرے جڑ کر) اکہرا ہو گیا اور غلطی (دوئی کی جو مانع وصول سوزن تھی مرتفع ہو گئی گو مشاہدہ میں اب بھی دو ہی معلوم ہوتی ہیں جیسے کاف اور نون (کلمہ کن میں) الگ الگ ہیں (مگر اثر کے اعتبار سے متحد ہیں کہ مجموعہ کا اثر واحد ہے یعنی ایجاد) پس کاف ونون کند کی طرح جاذب ہے یعنی عدم کو ایک امر عظیم (یعنی وجود) کی طرف کھینچ لاتی ہے سو کند ظاہر میں دو لڑی ہونا چاہیے۔ (ورنہ اس میں کوئی چیز پھنس نہیں سکتی) اگرچہ وہ دونوں لڑیں مل کر اثر میں متحد ہوتی ہیں

(کہ دونوں نے مل کر کشش کیا ہے مقصود اس تمثیل کاف و نون اور خود اس کی تمثیل کند سے اشارہ ہے اس طرف کہ جس فناء ہستی کا ذکر ہو رہا ہے اس میں دونوں ہستی حقیقتہً متحد نہیں ہو جاتیں کہ اس کا قائل ہونا الحاذ ہے بلکہ باعتبار اثر کے مشابہ اتحاد کے ہے یعنی اس شخص سے جو افعال و آثار صادر ہوتے ہیں وہ بعینہ وہی افعال و آثار ہیں جو مقتضائے رضا و امر حق ہیں۔

گر دو پاگر چارہ پارہ را برد	ہمچو مقراض دو پا یک تا برد
خواہ دو پایہ ہو یا چار پایہ جب راستہ چلتا ہے	دو پاؤں والی لپٹی کی طرح ایک راستہ قطع کرتا ہے
آں دو انبازان گازر را ببین	ہستدر ظاہر خلاف آن و این
ان دو شریک دھویوں کو دیکھ	بظاہر یہ اور یہ مخالف ہیں
آں یکے کر پاس در جومی زند	واں دگر انباز حسکش می کند
ایک کپڑے کو نہر میں ڈالا ہے	دوسرا شریک اس کو خشک کرتا ہے
باز او آں خشک را ترمی کند	گویا ز استیزہ ضد برمی تند
پھر وہ اس خشک کو تر کر دیتا ہے	گویا جھڑے کی وجہ سے مخالف کام کرتا ہے
لیک آں دو ضد استیزہ نما	یکدل و یک کار باشد اے فتا
لیکن دونوں مخالف بظاہر جھڑا کرنے والے	اے نوجوان! ایک دل اور ایک کام میں ہیں
ہر نہی و ہر ولی را مسلکے ست	لیک تاحق می برد جملہ یکے ست
ہر نبی اور ہر ولی کا ایک (الگ) راستہ ہے	لیکن اللہ (تعالیٰ) تک پہنچانے میں سب ایک ہیں

(اوپر کے تمثیلات سے تباہ حقیقی و اتحاد اثری مقصود تھا اسی کو توضیح کے لئے اور چند تمثیلات ہیں) یعنی اگر دو پایہ (یعنی انسان و مرغ وغیرہ) یا چار پایہ (جیسے اسپ و شتر وغیرہ) راہ قطع کرنے لگیں تو (گو سب پیروں میں حقیقتہً تباہ ہے مگر) دو پہلے مقراض کی طرح ایک ہی رشتہ قطع کریں گے (پس اثر میں اتحاد ہو گیا) اسی طرح اگر دو شخص شرکت میں دھوبی کا کام کرتے ہوں تو ظاہر میں ہر شخص کا فعل دوسرے کے خلاف ہے یعنی ایک مثلاً کپڑے کو ندی میں بھگو بھگو کر تختہ پر مار رہا ہے اور وہ دوسرا اس کو خشک کر رہا ہے پھر وہ پہلا اسی خشک کو (مکرر صاف کرنے کے لئے) تر کر رہا ہے گویا باہمی مخالفت سے ایک دوسرے کے ضد پر آمادہ ہو رہے ہیں پس افعال دونوں کے حقیقتہً تباہ ہیں) لیکن یہ دونوں ضد جو ظاہر میں گویا بالکل مخالف معلوم ہوتے ہیں (واقع) میں یکدل اور ایک غرض ہیں (کہ مقصود دونوں کا کپڑے کا صاف کرنا ہے پس اثر میں اتحاد ہو گیا) اسی طرح ہر نبی کا دوسرے نبی اور ہر ولی کا دوسرے ولی سے مسلک جدا ہے (تو مسلکوں میں حقیقتہً تباہ ہیں) لیکن سب کی غرض یہی ہے کہ حق تک وصول کرادیں اس میں سب ایک ہیں (پس اثر میں اتحاد ہے۔

فائدہ: انبیاء کے مسلکوں میں تو احکام کا اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں حسب اختلاف مصالِح و طبایع انبیاء علیہم السلام پر مختلف شرایع و احکام نازل فرمائے اور اولیاء امت نبی واحد میں احکام کا اختلاف نہیں بلکہ ان ہی احکام پر عمل کرانے اور ان میں خلوص پیدا کرنے کے طرق مختلف ہیں پس احکام مشترک طرق مختلف بلکہ جیسا مجتہدین میں اختلاف ہے ان اولیاء کا اختلاف

اس سے بھی اہون اور اخف ہے کیونکہ مجتہدین میں گاہے حلت و حرمت کا اختلاف ہو جاتا ہے گو وہ بھی اختلاف شرایع سے کم ہے اس لئے کہ مجتہدین سب کے سب متمسک شریعت واحدہ سے ہوتے ہیں مگر وجود استدلال و فہم اسالیب و تعیین قرآن سے یہ اختلاف ہو گیا اور مقصود سب کا عمل ہوتا ہے شریعت واحدہ پر اور اولیا اختلاف احکام سے بحث نہیں کرتے احکام میں کسی ایک مجتہد کا اتباع کر لیتے ہیں پھر ان ہی احکام متبوعہ میں اخلاص و تقرب کے تحصیل طرق میں حسب ذوق و استعداد طالب و تجربہ خود مختلف تعلیم فرماتے ہیں اور اس تقریر سے ان مدعیان تصوف کی غلطی ظاہر ہو گئی جو اہل باطن کے لئے احکام جدا گانہ سمجھے ہوئے ہیں)

روئے در ہم کشیدن از سخن بہ سبب ملالت مستمعان

سننے والوں کی بے توجہی کی وجہ سے بات کرنے سے روگردانی کرنا

چونکہ جمع مستمع را خواب برد	سنگہائے آسیا را آب برد
چونکہ سننے والوں کے مجمع کو نیند آ گئی ہے	(اللہ تعالیٰ نے) چکی کے پاٹوں کو چلانے والا پانی بند کر دیا
رفتن این آب فوق آسیاست	رفتنش در آسیا بہر شماست
اس پانی (یعنی اسرار) کی آمد چکی (ہونٹ) سے دور (دل میں) ہے	چکی (ہونٹوں) میں جاری ہونا تمہارے لئے ہے
چوں شمارا حاجت طاحوں نماند	آب را در جوئے اصلی باز راند
جب تمہیں چکی (ہونٹوں) کے کلام کی ضرورت نہ رہی	پانی کو اصل نہر (دل) کی جانب پھر جاری کر دیا
ناطقہ سوئے دہاں تعلیم راست	ورنہ خود آں آب را جوئے جداست
قوت گویائی) منہ میں (تمہاری) تعلیم کے لئے ہے	ورنہ اس پانی کی نہر علیحدہ (دل میں) ہے
می رود بے بانگ و بے تکرار ہا	تکتھا الانہار تا گلزار ہا
وہ (پانی) جاری ہے بغیر شور اور نزاع کے	ان چمنوں تک جن کے نیچے نہریں ہیں

(سنگہائے آسیا را آب یعنی آب سنگہائے آسیا را۔ فاعل برد حق تعالیٰ و مجتہدین فاعل راند و مراد از سنگہائے آسیا دولب۔ واز علوم و اسرار کہ در لب و دہان لباس الفاظ پوشیدہ و در قلب معانی محض اندر کما ساتی تحتھا الانہار حال مقدم از گلزار ہا۔ گاہ گاہ مصنف کو اثنائے تصنیف میں قبض مضامین ہوتا ہے سو اسباب اس کے مختلف ہیں کبھی مصنف کا لقب قوت فکریہ اس کا سبب ہوتا ہے اور گاہ ناظرین و سامعین کی بے توجہی و بے قدری کا خیال و احتمال پھر یہ خیال گاہے غلط اور وہم محض ہوتا ہے اور گاہے قرآن سے صحیح و منظون یا متیقن ہوتا ہے پھر یہ قرآن گاہے امور ظاہر حسیہ ہوتے ہیں جسکا ادراک اہل ظاہر کو ہوتا ہے اور گاہے اشراق و کشف باطنی ہوتا ہے جو اہل باطن کے لئے آگہ ادراک ہوتا ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کو اشراق سے مکشوف ہوا کہ اس وقت کے بعض ناظرین کو مثنوی دیکھتے دیکھتے اس جگہ پر پہنچ کر کم شوقی و کم رغبتی پیدا ہوگی اس انکشاف سے قبض پیدا ہوا اور اس حالت میں یہ اشعار ارشاد فرمائے (والغیب عند اللہ تعالیٰ) یعنی سننے والوں کے مجمع کو چونکہ غفلت (اور بے توجہی) غالب ہو گئی تو حق تعالیٰ نے اس پانی کو جو سنگ آسیا میں چل رہا تھا بند کر دیا (یعنی علوم و اسرار جو لبوں سے نکل رہے تھے بند ہو گئے) اور واقع میں تو اس پانی کا

جاری ہونا اس آسما سے بہت دور پر ہے (یعنی مجرئی اصلی ان علوم و اسرار کا قلب ہے جس کا لبوں سے بعید ہونا ظاہر ہے اور آسما میں اس کا چلنا محض تم لوگوں کے لئے ہے) (یعنی لب و زبان پر ان علوم کا آنا تمہاری تفہیم و تعلیم کے لئے ہے پھر جب تم ہی کو اس آسما (کے چلنے) کی حاجت نہ رہی (یعنی ان اسرار کے بیان و تقریر کی طرف رغبت نہ رہی) تو حق تعالیٰ نے اس پانی کو اصلی نہر کی طرف جاری کر دیا (یعنی وہ علوم قلب میں بدستور رہ گئے چنانچہ خود بطور تفسیر فرماتے ہیں کہ) نطق اسرار جو دہن پر آجاتا ہے وہ تمہاری تعلیم کے لئے ہے ورنہ اس آب اسرار کی نہر اصلی تو جدا ہی ہے یعنی قلب جس میں وہ آب اسرار بے آواز و بے تکرار گلزار (مواجید و حالات باطنیہ) تک چلا جا رہا ہے جس سے وہ گلزار ایسے ہیں کہ گویا ان کے اندر یہی انہار (اسرار جاری ہیں) گلزار کا نشوونما آب انہار سے ہے اسی طرح حالات باطنیہ کی تربیت اسرار و معارف سے ہوتی ہے ورنہ جہل میں وہ حالات زائل ہو جاتے ہیں گو خود حالات سے بھی گاہے معارف کا ورد ہوتا ہے مگر یہاں تشبیہ صرف اعتبار اول سے ہے اور قلب میں بانگ و تکرار نہ ہونا چاہیے۔

اے خدا جاں راتو بنما آل مقام	کاندر و بے حرف می روید کلام
اے خدا! روح کو وہ مقام دکھا دے	جس میں بغیر حرف کے کلام پیدا ہوتا ہے
تا کہ سازد جان پاک از سر قدم	سوئے عرصہ دور پہنائے عدم
تا کہ پاک روح سر کے بل جائے	اس میدان کی جانب جو وسیع اور معدوم ہے
عرصہ بس باکشاد و با فضا	وہ میدان (عالم غیب) جو وسیع اور پر فضا ہے
تنگ تر آمد خیالات از عدم	زاں سبب باشد خیال اسباب عم
(عالم) مثال عدم (عالم غیب) سے چھوٹا ہے	اسی وجہ سے (عالم) مثال عم کا سبب بنتا ہے
باز ہستی تنگ تر بود از خیال	زاں شود دروے قمر پیموں ہلال
پھر (عالم) شہود (عالم) مثال سے چھوٹا ہے	اسی وجہ سے اس میں قمر ہلال جیسا بن جاتا ہے
باز ہستی جہان حس و رنگ	تنگ تر آمد کہ زندانے ست تنگ
پھر حس و رنگ کے جہاں کا وجود	بہت تنگ ہے بلکہ وہ تو تنگ قیدخانہ ہے
علت تنگی ست ترکیب و عدد	جانب ترکیب حس ہامی کشد
مرکب اور معدود ہونا تنگی کا سبب ہے	حواس مرکب کی جانب کشش کرتے ہیں
زانسوئے حس عالم توحید داں	گریکے خواہی بد اں جانب براں
عالم توحید حس سے پرے سمجھ	اگر تو (عالم) توحید کی خواہش رکھتا ہے اس جانب قدم بڑھا
امر کن یک فعل بود و نون و کاف	در سخن افتاد و معنی بود و صاف
"کن" کا امر ایک فعل تھا اور نون اور کاف	لفظوں میں آیا ورنہ لول اور (لفظوں سے) پاک تھا

اس سخن پایاں ندارد باز گرد	تا چہ شد احوال گرگ اندر نبرد
----------------------------	------------------------------

اس بات کا آخر نہیں ہے واپس لوٹ	معرکے میں بھیڑیے کا کیا حال ہوا؟
--------------------------------	----------------------------------

(اوپر کے اشعار میں اسرار و معارف کا قلب میں جمع ہونا اور اس محل میں حروف و اصوات سے منزہ ہونا بیان کیا ہے اور چونکہ اسرار و معارف کا ورود بلا قید حروف و اصوات قلب میں بذریعہ الہام کے ہوتا ہے اس لئے الہام کی درخواست کرتے ہیں اور اس سے مولانا کو الہام کا حاصل نہ ہونا لازم نہیں آتا چنانچہ اسرار کا مجتمع ہونا خود دلیل حصول ہے بلکہ باوجود حصول کے اس کی ترقی و تزیید کی درخواست کی جاتی ہے جس طرح قرآن مجید میں اہدنا الصراط المستقیم اہل ہدایت کو بھی تعلیم کیا گیا ہے طلب زیادت ہدایت کے لئے پس ارشاد فرماتے ہیں کہ) اے خدا آپ ہماری روح کو وہ مقام مشاہدہ کرا دیجیے جس میں بلا واسطہ الفاظ و حروف کے کلام پیدا ہوتا ہے (یعنی سلوک میں اس مقام پر پہنچائیے جہاں مشرف بالہام اسرار ہوں اور اس کو کلام کہنا اس وجہ سے ہے کہ کلام کی ایک نوع کلام نفسی بھی ہے) تاکہ ہماری روح (جو ان قیود و اصوات و حروف سے) پاک (ہے) (اور باعتبار غیر متشکل و غیر محدود ہونے کے) وسیع (اور باعتبار انعدام قیود مذکور کے بمعنی عدم اضافی کے ملقب بہ) عدم (ہے اس) کی طرف متوجہ ہو (اور معارف کے الہام سے روح کی کشش عالم غیب کی طرف ظاہر ہے اور فائدہ اس توجہ کا انکشاف توحید ہے آگے آتا ہے اس شعر میں زانوی حس عالم توحید دان + اور یہاں سے اس شعر تک اس فائدے کی تمہید ہے یعنی وہ عالم کیسا ہے نہایت ہی وسیع اور بافضا ہے اور عالم خیال (یعنی عالم مثال) اور عالم ہست (یعنی عالم شہادت اسی عالم غیب سے سامان وجود پاتا ہے) کیونکہ مسلمان فن سے ہے کہ وجود ممکنات میں اول متعلق ہوا ہے ارواح مجردہ کے ساتھ جس کو عالم غیب کہتے ہیں پھر اس کے ظہور کے لئے اس کو عالم شہادت کے ساتھ متعلق کرنا منظور ہوا مگر بوجہ عدم مناسبت کے اس ارتباط و تعلق کے قبل ایک ایسا عالم بنایا جو من وجہ دونوں کے مشابہ ہو جس کو عالم مثال کہتے ہیں کہ غیر مادی ہونے میں مشابہ غیب کے ہے اور مقداری ہونے میں مشابہ شہادت کے پس عالم غیب کا تعلق اول اس عالم مثال کے ساتھ ہوا اور اس کے واسطے سے شہادت کے ساتھ ہوا اور اس طرح عالم غیب کا ظہور ہوا پس چونکہ عالم مثال و عالم شہادت دونوں کو موجود کرنے سے مقصود عالم غیب کا ظہور تھا اس لئے مولانا عالم خیال و عالم ہست کو عالم غیب سے سامان وجود پانے والا فرما رہے ہیں آگے اس کی وسعت کی تاکید و توضیح ہے کہ) عالم خیال (یعنی عالم مثال) عالم عدم (یعنی عالم غیب) کے اعتبار سے بہت ہی تنگ (اور محدود ہے) کیونکہ آخری مقداری ہے اور لانتہا ہی مقدار کی باطل ہے پس محدود ہوگا اور محدود کا غیر محدود سے تنگ ہونا ظاہر ہے) اور اسی تنگی کی وجہ سے خیال سبب غم ہو جاتا ہے (کیونکہ اصلی وجہ اس کی کسی واقعہ کی حکمت کا پورا منکشف نہ ہونا ہے اور پورے انکشاف کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص کو جس قدر انکشاف کی توقع اور انتظار ہے اس کی حد انتہائی تک پہنچ جائے پس چونکہ روح کو مرتبہ تجرد محض میں بہ نسبت مرتبہ تعلق بالمقداری و بالمادی کے زیادہ انکشاف ہوتا ہے اس لئے عالم مثال میں کہ خیال اس میں داخل ہے انکشاف ناقص ہوتا ہے اور زائد کی متوقع و منتظر رہتی ہے اور تجرد محض میں یہ انتظار رفع ہو جاتا ہے اس لئے انکشاف تام ہوتا ہے پس جب عالم مثال میں حکمت کا انکشاف تام نہ ہو تو لا بد خیال سبب غم کا ہوگا اور ہم نے جو تعلق بالمقداری و بالمادی کو مانع انکشاف تام کہا ہے اس سے مراد مطلق تعلق نہیں بلکہ تعلق تدبیر ہے جو مستلزم تشویش ہے جیسا قبل نجات تک روح کے لئے مستمر و دائم ہے حتیٰ کہ قبل تعلق بالشہادۃ کے خود اس تعلق کا

انتظار ہی عالم مثال میں مانعیت انکشاف کے لئے کافی ہے اب اہل جنت کے تعلق بین الروح والبدن پر مانعیت انکشاف تام کا شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تعلق تشویش نہیں اور اہل نار میں انکشاف تام کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تعلق تشویش ہے اس لئے اہل جنت مغموم نہ ہوں گے اور اہل نار کو غم سے نجات نہ ہوگی اور خیالات کا جمع لانا اشارہ ہے طرف تعدد انواع عالم مثال کے کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ خود بذاتہ قائم ہے یا قیام میں محتاج کسی محل کا ہے قسم اول کو خیال منفصل کہتے ہیں اور یہی واسطہ تعلق و ارتباط ہے عالم غیب و شہادت میں اور قسم ثانی کو خیال متصل کہتے ہیں اور وہ قائم ہے ذہن کیساتھ اگر ذہن نہ رہے وہ بھی معدوم ہو جائے اور اکثر لفظ خیال سے یہی معنی اور لفظ عالم مثال سے قسم اول بوجہ کثرت استعمال مجتاد رالی الفہم ہوتی ہے ورنہ مثال اور خیال دونوں اصطلاحاً عام ہیں لیکن قسم اول کا مادی نہ ہونا تو مطلقاً ہے اور قسم ثانی کا باعتبار نفی ترکیب من المادہ کے ہے ورنہ قیام بالمادی کے اعتبار سے وہ مادی ہے) پھر یہ ہستی (یعنی عالم شہادت) عالم خیال (یعنی عالم مثال) سے بھی تنگ ہے (کیونکہ عالم مثال کو مقداری تھا مگر مادی نہ تھا اور یہ مادی بھی ہے تو خواص مادہ کے قیود اس میں اور بڑھے یہ زیادہ مقید اور تنگ ہو گیا) اور اس تنگی ہی کی وجہ سے اس میں (اس غم خیالی مذکور کا یہ اثر ہوتا ہے کہ) قمر کا سا حسین آدمی ہلال جیسا بے رونق ہو جاتا ہے (یعنی اگر عالم شہادت نہ ہوتا تو وہ خیال غم خالی خیال ہی رہتا چونکہ اب اس کا تعلق مادہ سے ہو اس لئے اس مادہ پر اس کا اثر ظاہر ہوا پس اس کا سبب یہی قیود کا بڑھنا ہوا جس کو تنگی کہا گیا ہے) پھر اس ہستی (یعنی عالم شہادت) کی دو قسمیں ہیں ناسوت یعنی دنیا اور ملکوت یعنی آخرت مکانیہ و زمانیہ کیونکہ عالم شہادت عالم مادہ کو کہتے ہیں اور ملائکہ کا اور ان کے مسکن سموات کا اور جنت کا اور اس کے رکان اہل ایمان کا مادی ہونا منصوص ہے۔ پس ان دونوں قسموں) میں سے بھی جو ہستی عالم محسوس (بالفعل) رزگارنگ (یعنی متغیر) لی ہے (یعنی دنیا) یہ اور بھی تنگ ہے کیونکہ (بمنص حدیث الدنیا سبحن المؤمن) ایک زندان تنگ ہے (بایں معنی کہ جس طرح زندان میں دلچسپی نہیں ہوتی مومن کامل کو دنیا سے کبھی دلچسپی نہیں ہوتی متمنی و مشتاق نعماء باقیہ کا رہتا ہے پس تنگی بمعنی مقید بالمقدار و المادہ ہونا تو مطلق عالم شہادت کو شامل ہے اور بمعنی توحش و تنضر مومن خاص ہے اس کی ایک قسم یعنی دنیا کے ساتھ اور آخرت اس سے بری ہے اور راز اس میں وہی ہے جو احقر نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہاں تعلق روح کا تعلق تشویش ہے اور وہاں ناسوت کو تعلق تلذذ و تنعم ہوگا کیونکہ بعض تلذذات تعلق جسدی پر موقوف ہیں جیسا کھانا پینا، مباشرت کرنا پس یہ تعلق انکشاف علوم و راحت میں بے تعلقی سے افضل و اکمل ہے آگے عالم تنگ کی تنگی کی لم بیان فرماتے ہیں کہ) علت تنگی کی مرکب واقعی اور معدود ہونا ہے (یعنی ان میں سے ہر ہر واحد پس عالم مثال میں چونکہ اشیاء معدود ہیں اور مرکب نہیں کیونکہ ترکیب خواص مادی سے ہے اور وہ مادی نہیں اس لئے اس میں تنگی کم ہے اور عالم شہادت میں اشیاء معدوم بھی ہیں اور مرکب بھی اس لئے تنگی زیادہ ہو گئی) اور اسی وجہ سے حواس مرکبات کی طرف کشش کرتے ہیں (اور یہ حکم صرف حواس ظاہرہ کے ساتھ خاص ہے جن کے ادراک میں مدرکات کا اقران بالمادہ شرط ہے جو خواص ترکیب سے ہے اور مقام مقتضی ہے بیان خاصہ عدد کو بھی جو عالم مثال میں متحقق ہے غالباً مصرعہ اول میں عدد کا مذکور ہونا اور مصرعہ ثانی میں حسبا کا جمع لانا مقالہ کے لئے قرینہ کافی سمجھا ہو سوا حقر کہتا ہے کہ اسی اقران بالعدد کی وجہ سے حواس باطنہ عالم مثال کے ادراک کی طرف کشش کرتے ہیں کیونکہ ان کے ادراک کے لئے ترکیب شرط نہیں مگر عدم تجر و ضروری ہے اسی لئے وہ مجردات سے متعلق نہیں ہوتے البتہ عالم مثال خواب میں یا دوسرے طور پر

ان پر منکشف ہوتا ہے اور چونکہ حسہا حواس ظاہرہ و باطنہ دونوں کو شامل ہے اس لئے شعر آئندہ میں مطلق حس کے اعتبار سے ایک حکم عام فرماتے ہیں کہ (حس کے اس پار) یعنی ما وراء الحواس الظاہرہ و الباطنہ عالم (انکشاف) توحید کا ہے اگر تم کو واحد حق (کی توحید) مطلوب ہے تو حواس سے آگے بڑھو (اس عالم سے مراد عالم غیب ہے اور اس میں بیان ہے فائدہ توجہ بعالم غیب کا کہ انکشاف توحید ہے تقریر اس کی یہ ہے کہ تحصیل توحید تحقیقی غیر تقلیدی کے دو طریقے ہیں ایک استدلالی عقلی دوسرے ذوقی و کشفی۔ عقلی یہ کہ مصنوعات سے صانع پر بانصنما بعض مقدمات عقلیہ استدلال کیا جائے اور اس طریق میں مادیات و محسوسات بھی مثل مجردات و غیر محسوسات کے ہیں بلکہ محسوسات سے استدلال زیادہ سہل ہے اور حکما و متکلمین کا مبلغ طیران یہی توحید ہے اور کشفی یہ کہ بلا واسطہ تقلید و استدلال ایک علم ضروری و انکشاف تام بحسب الاستعداد پیدا ہو جائے اور اس علم ذوقی کا مورد روح مجرد ہے جو کائنات عالم غیب سے ہے اور اس موردیت کے لئے صفا و جلا شرط ہے اور وہ موقوف ہے محسوسات سے ذہول و بے تعلقی پر اور برخلاف طریق عقلی کے توجہ الی المحسوسات اس کے لئے منافی ہے اور حضرات صوفیہ کا مطلوب یہ توحید ہے پس حاصل شعر کا یہ ہے کہ جب تم کو اشعار بالا سے عالم شہادت و عالم مثال کا کہ عالم محسوسات بحواس ظاہرہ و باطنہ ہے بہ نسبت عالم غیب کے تنگ اور مقید ہونا ثابت ہو گیا اور مقید و محسوس کا منافی انکشاف تام ہونا بھی معلوم ہے جیسا ظاہر بھی ہے اور احقر نے زان سبب باشد الخ کی شرح میں اس اشارہ کی تقریر بھی کر دی ہے پس اگر تم کو توحید کا انکشاف تام جو درجہ اکمل اور حضرات صوفیہ کا مذاق ہے مطلوب ہے تو عالم محسوسات سے تعلقاً و التفاتیاً قطع کرو کہ منافی انکشاف تام ہے اور عالم غیب کی طرف توجہ کرو تا کہ اس کے موجودات میں سے روح کو اس انکشاف توحید کا آلہ بناؤ تو یہ توجہ روح کی طرف خود اس کو مقصود سمجھ کر نہیں کیونکہ التفات بما سوی اللہ خود حجاب ہے خواہ وہ نورانی عالم غیب سے ہو خواہ ظلمانی ہو بلکہ اس لئے ہے کہ وہ متوجہ الی الحق ہو اور اس واحد حقیقی کی معرفت کاملہ ہو اب آگے اس مضمون مذکور کی کہ مشغولی روح بما سوا حجاب انکشاف توحید ہے ایک مثال لاتے ہیں کہ) دیکھو امر کن جس کے تعلق سے ایجاد خلق ہوتا ہے مرتبہ کلام نفسی میں محض ایک فعل (بسیط) تھا اور اس میں نون اور کاف مرتبہ کلام لفظی میں واقع ہو گیا ورنہ اس کا مدلول (کہ کلام نفسی ہے بالکل ان حروف سے) صاف و پاک تھا (چنانچہ اب توجہ الی الحروف ذہن کو اس مرتبہ کلام نفسی تک پہنچنے بھی نہیں دیتا بلکہ کلمہ کن سن کر فوراً ہی مرتبہ کلام لفظی کی طرف ذہن جاتا ہے پس جس طرح کلام لفظی حجاب کلام نفسی کا ہے اسی طرح مشغولی روح بما سوا حجاب انکشاف توحید ہے اب قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ) اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں قصہ کی طرف پھر رجوع کرو کہ اس گرگ کا عتاب شیر میں کیا حال ہوا۔

ادب کردن شیر گرگ را بجہت بے ادبی او

شیر کا بھیڑیے کو اس کی بے ادبی پر سزا دینا

گرگ را بر کند سر آں سرفراز	تا نماند دو سری و امتیازی
اس معزز (شیر) نے بھیڑیے کا سر توڑ ڈالا	تاکہ دوہری سرداری اور امتیاز نہ رہے

چوں نبودی مردہ در پیش امیر	فائقمنا منہم ست اے گرگ پیر
جبکہ تو حاکم کے سامنے مردہ نہ بنا	اے بوڑھے بھیڑیے! ہم نے ان سے بدلہ لے لیا ہے
گفت ایں را بخش کن از بہر خورد	بعد ازاں رو شیر با رو باہ کرد
بولاً اس کو کھانے کے لئے تقسیم کر دے	اس کے بعد شیر نے لومڑی کا رخ کیا
چاشت خوردت باشد اے شاہ مہین	سجدہ کرد و گفت کایں گا و سمین
اے بڑے بادشاہ! تیرا ناشتہ ہے	(لومڑی نے) سجدہ کیا اور کہا یہ موٹی نیل گائے
تینینے باشد شہ فیروز را	واں بز از بہر میانہ روز را
فیروز مند بادشاہ کے لئے تیننی ہوگی	اور وہ بکری دوپہر کے لئے
شجرہ اے شاہ با لطف و کرم	واں دگر خرگوش بہر شام ہم
قل ہے اے مہربان خوش مزاج بادشاہ!	اور وہ دوسرا خرگوش شام کے لئے

(مہین بزرگ تیننی ایجا چیز یکہ از مال و اسباب و غلہ و حیوانات نگاہ دارند) یعنی اس شیرسرفراز نے گرگ کا سر جدا کر دیا تاکہ خود سری اور امتیاز باقی نہ رہے (اور بزبان حال اس کو خطاب کیا کہ) اے گرگ فائقمنا منہم اس کو کہتے ہیں چونکہ تو حاکم کے روبرو فانی و لاشے نہ بنا بعد اسکے شیر رو باہ کی طرف متوجہ ہو اور کہا کہ تو اس کے حصے لگا اس نے سر نیاز زمین پر رکھا اور کہا کہ یہ گاؤ فریبہ تو آپ کی نہاری ہے اور یہ بڑو دوپہر کے واسطے ذخیرہ رکھ لی جائے رہا خرگوش وہ شام کے لئے رہے کہ شب کو کھائیے۔

گفت اے روبہ تو عدل افروختی	ایں چنین قسمت ز کہ آموختی
(شیر نے) کہا اے لومڑی! تو نے انصاف کو روشن کر دیا	اس طرح کی تقسیم تو نے کس سے سیکھی ہے؟
از کجا آموختی ایں اے بزرگ	گفت اے شاہ جہاں از حال گرگ
اے بزرگ! تو نے یہ (انصاف) کہاں سے سیکھا ہے؟	اس نے کہا اے دنیا کے بادشاہ! بھیڑیے کے حال سے
گفت چوں در عشق ما کشتی گرو	ہر سہ را بر گیر و بستان و برو
(شیر نے) کہا جب تو ہماری محبت میں رہن ہے	تینوں کو لے لے اور قبضہ کر اور چل دے
ماترا و جملہ اشکاراں ترا	پائے بر گردون ہفتقم نہ برآ
ہم تیرے ہیں اور سب شکار تیرے ہیں	ساتویں آسمان پر ہم رکھ جلوہ گر ہو
چوں گرفتی عبرت از گرگ دنی	پس تو روبہ نیستی شیر منی
جبکہ تو نے کینہ بھیڑیے سے عبرت حاصل کر لی ہے	تو لومڑی نہیں ہے بلکہ میرا شیر ہے

عاقل آں باشد کہ عبرت گیرد از	مرگ یاراں وز بلائے محترز
عقلند وہ ہے جو عبرت حاصل کر لے	دوستوں کی موت اور قابل احتراز مصیبت سے

شیر نے کہا کہ تو نے خوب عدل کیا۔ تو نے یہ تقسیم کس سے سیکھی اس نے عرض کیا کہ حال گرگ سے شیر نے کہا جب تو ہمارے عشق میں گرو ہوگئی (اور اپنے کو لاشے سمجھا) تو تینوں کو اٹھا اور لے جا اے روبہ جب تو ہماری ہوگئی تو تجھ کو کیونکر آزار دیں تو تو گویا ہم ہوگئی ہم بھی تیرے اور شکار بھی سب تیرے گردون ہنتم پر قدم رکھ اور عروج حاصل کر (یعنی تیرا رتبہ بڑھا دیا) اور جب تو نے گرگ کمینہ کے حال سے عبرت حاصل کی پس تو رو بارہ نہیں بلکہ میری شیر ہے کیونکہ عاقل کا کام ہے کہ اپنے اقران کی ہلاکت اور بلا سے واجب الاحتراز (کو دیکھ کر اس) سے عبرت پکڑے۔

رو بہ آندم بر زباں صد شکر راند	کہ مرا شیر از پس آں گرگ خواند
اس وقت لومڑی نے زباں سے سینکڑوں شکر ادا کئے	کہ شیر نے مجھے بھیڑیے کے بعد بلایا
گر مرا اول بفرمودے کہ تو	بخش کن ایں را کہ جاں بردے ازو
اگر مجھے شروع میں کہہ دیتا کہ تو	اس کو تقسیم کر دے تو اس سے کون جان بچاتا؟

یعنی اس وقت روبہ نے سینکڑوں شکر ادا کئے کہ مجھ کو شیر نے گرگ سے پیچھے بلایا ورنہ اگر مجھ کو پہلے حکم ہوتا کہ تو تقسیم کر تو بھلا اس سے کون جان بچا سکتا (یعنی مجھ سے بھی ایسی ہی حماقت موجب ہلاکت ہو جاتی)

مقصود حکایت در فضیلت آخر زمانیاں

آخری زمانہ میں پیدا ہونے والوں کی فضیلت کا بیان اس حکایت کا مقصد ہے

پس سپاس اورا کہ مارا در جہاں	کرد پیدا از پس پیشدیاں
اس (خدا) کا شکر ہے کہ اس نے دنیا میں ہمیں	انگلوں کے بعد پیدا فرمایا ہے
تاشنیدیم آں سیاستہائے حق	بر قرون ماضیہ اندر سبق
یہاں تک کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی ان سزاؤں کو سن لیا	جو گذشتہ زمانوں میں اگلے لوگوں کو دی گئیں
تا کہ ما از حال آں گرگان پیش	ہمچو روبہ پاس خود داریم پیش
تا کہ اگلے زمانہ کے بھیڑیوں کے حال سے	لومڑی کی طرح ہم خوب اپنی حفاظت کر لیں
امت مرحومہ زیں روخواند ماں	آں رسول حق و صادق در بیاں
اسی وجہ سے ہمیں امت مرحومہ فرمایا ہے	احادیث میں سچے برحق رسول نے
استخوان و پشم آں گرگان عیاں	بنگرید و پند گیرید اے مہاں
ان بھیڑیوں کی ہڈیاں اور بال خوب	دیکھو اور اے بزرگو! نصیحت حاصل کرد

عقل از سر بنهد مستی و باد	چوں شنید انجام فرعونان و عاد
عقلند انسان تکبر اور مستی کو دماغ سے نکال دیتا ہے	جب وہ فرعونوں اور قوم عاد کا قصہ سنتا ہے
ورنہ بنهد دیگران از حال او	عبرتے گیرند و از اضلال او
اور اگر تائیت فرور کمر سے نکلے گا تو دوسرے لوگ اسکے مثل سے	اور اس کی گمراہی سے عبرت حاصل کریں گے

حکایت مذکورہ سے علاوہ مقصود اصلی یعنی ترغیب فنا کے ضمناً ایک اور قائد مستبیط کر کے بطور انتقال کے فرماتے ہیں کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو دنیا میں گزشتہ لوگوں کے بعد پیدا کیا کہ ہم نے عقوبات خداوندی کو جو کہ قرون گزشتہ پر گزری ہیں اپنے سبق یعنی قرآن میں سن لیا (اور ممکن ہے کہ اندر متعلق ماضیہ کے ہو) یعنی جو قرون سابق میں گزرے ہیں تاکہ ان گرگان قدیم کا حل سن کر رو بہا کی طرح (ایسے امور مہلکہ سے) اپنی خوب حفاظت رکھیں اسی وجہ سے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ صادق البیان ہیں (حدیث میں) امت مرحومہ فرمایا ہے (رواہ ابن ماجہ) ان گرگوں کے استخوان اور بال (یعنی آثار ہلاک) صاف دیکھ لو اور اے بزرگو عبرت پکڑو (بعض امم ہالکہ کے آثار سفر شام میں اہل مکہ کو نظر پڑتے تھے) جس کو عقل ہے وہ تو جب فرعون و اہل فرعون و عاد کا انجام سنتا ہے تو اس دعویٰ و نخوت کو دماغ سے نکال باہر کرتا ہے اور وہ باہر نہ نکالے گا تو اس کے حال سے اور اس کے اضلال خلق (کے وہال سے اور لوگ عبرت حاصل کریں گے) (یعنی وہ بھی ہلاک ہوگا)

تہدید کردن نوح علیہ السلام مرقوم را کہ با من پیچید

کہ من روئے پوشم خدا را پس با خدا می پیچید نہ با من

حضرت نوح کا قوم کو ڈرانا کہ مجھ سے نہ الجھو میں تو خدا کا نقاب ہوں تو تم خدا سے الجھ رہے ہونہ کہ مجھ سے

ف: اس میں پھر رجوع ہے فضیلت فنا کی طرف کہ انبیاء علیہم السلام کا اس سے وہ رتبہ ہوتا ہے کہ ان کا مخالف حق تعالیٰ کا

مخالف شمار کیا جاتا ہے جیسا حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ در حقیقت الخ جیسا قرآن مجید میں ہے ولکنی رسول من

رب العلمین الآیة و اتقوه و اطیعون الآیة.

گفت نوح اندر نصیحت قوم را	در پذیرید از خدا آخر عطا
(حضرت) نوح نے نصیحت میں قوم سے کہا	خدا کی عطا کو قبول کر لو
بنگرید اے سرکشاں من من نیم	من زجاں مردم بجاناں می زیم
اے سرکشا غور کرو میں میں نہیں ہوں	میں (اپنی) جان (کے اعتبار) سے مردم ہوں محبوب گذریں زندہ ہوں
چوں زجاں مردم بجاناں زندہ ام	نیست مرگم تا ابد پائندہ ام
جکلا اپنی جان (کے اعتبار) سے مردم ہوں محبوب گذریں زندہ ہوں	میرے لئے موت نہیں ہے میں ابد تک زندہ ہوں

چوں بمردم از حواسات بشر	حق مرا شد سمع و ادراک و بصر
چونکہ میں بشری حواس (کے اعتبار) سے مردہ ہوں	اللہ (تعالیٰ) میرا کان اور احساس اور بینائی بن گیا ہے
چونکہ من من نیستم این دم ز ہوست	پیش این دم ہر کہ دم زد کا فراوست
چونکہ میں میں نہیں ہوں یہ کلام اس کی جانب سے ہے	اس گفتگو کے مقابلہ میں جو بات کرے گا وہ کافر ہے

یعنی حضرت نوح علیہ السلام نے فصیحیت میں اپنی قوم کو ارشاد فرمایا کہ آخر یہ عطا حق تعالیٰ کی ہے اس کو قبول کر لو اور اے سرکش لوگو یہ سمجھ رکھو کہ میں میں نہیں ہوں (یعنی اپنی رائے سے کچھ نہیں کر رہا) بلکہ میں اپنی ہستی سے فنا ہو کر محبوب کی معیت میں زندہ ہوں جب میں حواس بشریہ سے فنا ہو گیا (اور ان کو اپنی رائے سے صرف کرنا منفی کر دیا) تو حق تعالیٰ میری سمع و بصر ہو گئے (جیسا حدیث میں وارد ہے یعنی ان کے خلاف مجھ سے کچھ صادر نہیں ہوتا) تو جب میں میں نہ رہا (جیسا ابھی گزرا) تو یہ میری بات چیت گویا ان کی ہے (کما قال تعالیٰ وما ينطق عن الهوى) تو جو شخص اس بات چیت کے سامنے دم مارے وہ کافر ہے (کیونکہ رسول کا انکار حق کا انکار اور کفر ہے)۔

ہست اندر نقش این رو باہ شیر	سوئے این رو بہ نشاید شد دلیر
لومڑی کی اس صورت (نوح) میں شیر (ذات احد) ہے	اس لومڑی (نوح) کے مقابلہ میں دلیر نہ ہونا چاہیے
گرز روئے صورتش می نگروی	غرش شیراں از و می نشوی
اگر تو اس کی صورت کے اعتبار گرویدہ نہیں ہوتا ہے	تو کیا شیروں جیسی گرج بھی اس سے نہیں سن رہا ہے؟
گر نبودے نوح را از حق یدے	پس جہانے را چساں برہم زدے
اگر (حضرت) نوح کی مدد اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے نہ ہوتی	تو وہ (طوفان کے ذریعہ) دنیا کو کیسے درہم برہم کر دیتے؟
صد ہزاراں شیر بود اندر تنے	ہر دو عالم را ہمی دیدار زنی
(حضرت نوح کے) ایک جسم میں لاکھوں شیر تھے	دونوں عالم کو وہ چینا کے ایک دانہ سمجھتے تھے
او بروں رفتہ بد از ماومنے	او چو آتش بود عالم خرمنے
وہ ما اور من سے کنارہ کش ہو گئے تھے	وہ آگ کی طرح اور دنیا کھلیان کی طرح تھی
چونکہ خرمن پاس عشر او نداشت	او چناں شعلہ براں خرمن گماشت
چونکہ کھلیان نے ان کے دوائس کی رعایت نہ کی	انہوں نے اس کھلیان پر آگ کا شعلہ مسلط کر دیا
ہر کہ او در پیش این شیر نہاں	بے ادب چوں گرگ بکشاید وہاں
جو شخص اس چھپے ہوئے شیر کے سامنے	بھیڑیے کی طرح بے ادبی سے زبان کھولے گا
ہمچو گرگ آں شیر برد راندش	فانقمنا ^{منہم} برخواندش
وہ شیر بھیڑیے کی طرح اس کو پھاڑ ڈالے گا	"ہم نے ان سے بدلہ لے لیا" اس پر پڑھ دے گا

زخم یا بد ہمو گرگ از دست شیر	پیش شیر ابلہ بود کوشد دلیر
وہ بھڑے کی طرح شیر کے ہاتھ سے زخم کھائے گا	امق ہے جو شیر کے سامنے دلیر بنے
کاشکے آں زخم بر جسم آمدے	تادل و ایماں سلامت ماندے
کاش وہ زخم جسم پر لگتا	تاکہ دل اور ایماں سالم رہے

(یہ مقولہ مولانا کا ہے مضمون بالا کی تائید میں اور فرض تمثیلات میں قصہ مذکورہ شیر و گرگ و روباہ کی مناسبت کا لحاظ کیا ہے) یعنی اس روباہ کی شکل میں شیر ہے (جیسے قصہ مذکورہ میں شیر نے کہا تھا پس تو روبہ نیستی شیر منی + مراد یہ ہے کہ رُسل و اولیاء گو ظاہر میں بشر ضعیف ہیں مگر ان کے ساتھ حق تعالیٰ ہوتے ہیں) پس اس روباہ کی طرف دلیر ہو کر نہ آنا چاہیے (یعنی گستاخی و انکار سے پیش نہ آئے) اگر تم اس کی ظاہری صورت (ضعیف) دیکھ کر گرویدہ نہیں ہوتے (اور اس کی عظمت اپنے قلب میں نہیں پاتے) تو کیا شیروں کا سا اس کا غرانا بھی نہیں سنتے (جس سے استدلال کر سکو کہ اس کو کسی شیر کا زور ہے مطلب یہ ہے کہ مقبولان الہی کا مخلوق سے مستغنی ہونا اور اظہار حق میں پاک نہ ہونا اور کسی سے خوف و خطر نہ کرنا اور کسی شے سے فکر و اندیشہ نہ کرنا ان کی معیت بحق پر دلالت نہیں کرتا) چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے اگر تائید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایک عالم کو (ان کے انکار و مخالفت کی سزا میں) کیوں ہلاک فرمادیتے (اس سے معلوم ہوا کہ) اس ایک تن میں ہزاروں شیر (مضمر) تھے (یعنی انواع و اقسام قرب و خصوصیات مع الحق ان کو حاصل تھیں) جس سے وہ دونوں عالم کو ایک ارزن کے برابر سمجھتے تھے (کیونکہ دل میں عظمت الہی کے غلبہ کے بعد کسی کی عظمت نہیں رہتی) اور وہ ماؤمن (یعنی دعویٰ کمال سے) پاک ہو چکے تھے (اس لئے حق تعالیٰ ان کے وکیل و کفیل تھے) اور ان کی مثال آتش کی سی اور دنیا (والوں) کی (جنہوں نے انکا انکار کیا تھا) مثال خرمن کی سی تھی (کہ مقدار میں تو آگ بہت قلیل ہوتی ہے مگر برے خرمن کے سوختہ کرنے کو کافی ہے اسی طرح آپ تنہا کے ساتھ انکار کرنے سے ہزاروں ہلاک ہو گئے چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ) جب اس خرمن نے حق تعالیٰ کے عشر کا (جو اس کے متعلق ایک حق واجب ہے) لحاظ نہ کیا انہوں نے ایک شعلہ اس خرمن پر مسلط فرمادیا (اسی طرح اس قوم نے اطاعت نوح سے جو کہ حقوق الہیہ سے ہے انکار کیا اللہ تعالیٰ نے ان ہی حضرت کی زبان سے بددعا کرا کر سب کو ہلاک کر دیا) پس جو شخص اس شیر مضمر کے سامنے اس گرگ کی طرح منہ کھولے گا تو اس کو شیر اسی گرگ کی طرح پھاڑ چیر ڈالے گا اور فاتمنا منہم اس پر پڑھ دے گا اور اس گرگ کی طرح شیر کے ہاتھ سے زخمی ہوگا تو شیر کے سامنے دلیری سے جانے والا بڑا احمق ہے (مطلب ظاہر ہے کہ مقبولان الہی کی مخالفت گویا مخالفت حق تعالیٰ ہے جس کا انجام ہلاکت و خسارت ابدی ہے) اور کاش اگر وہ زخم جسم ہی تک رہتا (تو غنیمت تھا) تاکہ قلب (جو محل ایمان ہے) اور ایمان تو سالم رہتا (مگر مخالفت مقبولان الہی سے جو قہر خداوندی متوجہ ہوتا ہے اس سے تو ایمان سلب ہو جاتا ہے جیسا حدیث میں ہے من عادئ لی ولیا فقد آذنتہ بالحرہ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محارب مؤمن نہیں ہو سکتا)

قوتم بکست چوں اینجار سید چوں تو انم کردن این سر را پدید

یہاں پہنچ کر میری طاقت نے جواب دیدیا میں اس راز کو کس طرح ظاہر کروں؟

لیک ہم رمزے بگویم باشما	بو کہ دریا بید و گردید آشنا
لیکن تمہیں ایک اشارہ کرتا ہوں	شاید تم سمجھ جاؤ اور واقف ہو جاؤ
ہچوں آں روباہ کم اشکم کنید	پیش او روباہ بازی کم کنید
اس لومزی کی طرح کم کھاؤ	اس کے سامنے حیلہ بازی نہ کرو
جملہ ما و من بہ پیش او نہید	مالک ملک اوست ملک اور ادہید
”ما“ اور ”من“ کو تمام تر اس کے سامنے چھوڑ دو	ملک کا مالک وہ ہے سلطنت اس کے سپرد کر دو
چوں فقیر آسید اندر راہ راست	شیر و صید شیر خود آن شماست
سیدھے راستہ میں فقیر بن کر آ جاؤ	شیر اور شیر کا شکار تمہارا مال ہے
زانکہ او پاک ست و سبحاں وصف اوست	بے نیاز ست اوز مغز نغز و پوست
اس لئے کہ وہ بیکتا ہے اور پاک ہونا کس کی صفت ہے	وہ اچھے مغز اور چھلکے سے بے نیاز ہے
ہر شکار و ہر کراماتے کہ ہست	از برائے بندگان آں شہ است
ہر شکار اور ہر نعمت جو بھی ہے	اس شاہ کے غلاموں کے لئے ہے
گفت ایس اللہ بکاف عبده	تانہ گردد بندہ ہر سو حیلہ جو
اس نے فرمایا ہے کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے؟	تاکہ بندہ ہر جانب بھٹکتا نہ پھرے
ہر کہ او برحق توکل می کند	او بجائے خود تفضل می کند
جو اللہ (تعالیٰ) پر بھروسہ کرتا ہے	وہ خود اپنے ساتھ بھلائی کرتا ہے
نیست شہ را طمع بہر خلق ساخت	اینہمہ دولت خنک آں کوشناخت
اللہ (تعالیٰ) کو کوئی لالچ نہیں ہے مخلوق کیلئے بنا کی ہے	یہ سب دولت خوش قسمت ہے وہ جو یہ سمجھا
آنکہ دولت آفرید و دوسرا	ملک و دولتها چہ کار آید و را
جس نے دولت اور دونوں جہاں پیدا کئے ہیں	ملک اور دولتیں اس کے کس کام آئیں گی؟

(او پر ذکر تھا کہ اہل اللہ کی مخالفت سے سلب ایمان کا اندیشہ ہے اس پر یہ استبعاد ہوتا ہے کہ مخلوق کی مخالفت پر قہر الہی کے متوجہ ہونے کا کیا سبب ہے سو اس استبعاد کا جواب دینا اور سبب قہر کا بیان کرنا مقصود ہے لیکن چونکہ حاصل اس سبب کا ان حضرات کا مظہر صفات حق یعنی متصف بصفات الہیہ ہونا تھا جس سے ان کی مخالفت من وجہ مخالفت حق اور سبب توجہ غضب الہی ہو گئی اور مسئلہ مظہریت کا نازک تھا گواحقہ کے چند جاتقریر کرنے سے بفضلہ تعالیٰ واضح ہو چکا ہے اس لئے جواب کے قبل اس کی نزاکت کا اظہار اور جواب میں صرف اشارہ کو اختیار فرمایا پس فرماتے ہیں کہ) جب کلام یہاں تک پہنچا (کہ ان کی مخالفت موجب سلب ایمان ہو

جاتی ہے) تو میری قوت بیانیہ شکستہ ہوگئی کیونکہ ایسے راز دقیق کو (جو سبب ہے اس قہر کا مسئلہ مظہریت ہے) کس طرح ظاہر کر سکتا ہوں (کہ بد فہموں کے انکار یا غلط فہمی کا اندیشہ ہے) لیکن تاہم کچھ اشارہ کے طور پر تم لوگوں سے کہہ دیتا ہوں شاید کہ تم (اگر عقل سلیم رکھتے ہو تو) اس کو ادراک کر لو اور اس سے واقف ہو جاؤ (اور کم فہم سالم رہیں اب پہلے اس راز کی تمہید یعنی مقام مظہریت کے تحصیل کا طریقہ بیان فرماتے ہیں کہ) تم اس رو باہ کی طرح شکم کو کم کرو (یعنی حرص و خود بینی کہ اخلاق ذمیرہ میں سے ہیں چھوڑو) اور حق تعالیٰ کے روبرو حیلہ بازی مت کرو (یعنی تدبیر اور رائے کو فنا کرو) اور سب ماؤ من ان ہی کے سامنے رکھ دو (یعنی دعویٰ ہستی و کمال مت کرو) کیونکہ وہ مالک الملک ہیں سو ملک و سلطنت ان ہی کے حوالے کرو (خلاصہ سب کا یہ ہوا کہ تسلیم و انقیاد و محض و فناء تام اختیار کرو اور اپنی صفات و کمالات حضرت حق کے روبرو مضحک کر دو یہ طریق تحصیل مقام مذکور ہوا آگے اس مقام کا جو کہ راز ہے بیان ہے یعنی) جب تم صراط مستقیم پر آ کر (اپنی صفات و شہوات سے فقیر محض (اور خالی) ہو جاؤ گے (اور ان کو فنا کر دو گے اس وقت تم کو مقام اتصاف بصفات حق و معیت خاصہ ایسا حاصل ہو جائے گا کہ) شیر اور صید شیر سب تمہارا ہی ہو جائے گا (اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کو تمہارے ساتھ معیت ہو جائے گی اور سب نعمت ظاہرہ و باطنہ تم کو عطا ہوں گی) کیونکہ وہ تو (حاجت سے) پاک ہیں اور سبحان ان کی صفت ہے اور وہ نعمت باطنہ و نعمت ظاہرہ سب ہی سے بے نیاز ہیں پس جو کچھ جسمانی نعمتیں ہیں اور جو روحانی نعمتیں ہیں وہ سب اس شہنشاہ کے غلاموں ہی کے لئے ہیں چنانچہ خود ارشاد فرما دیا۔ ایس اللہ بکاف عبدہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو کافی ہیں تاکہ بندہ (ان کو کافی سمجھ کر) چاروں طرف (طلب نعم میں) بھٹکتا نہ پھرے اور جو شخص حق تعالیٰ پر توکل و اعتماد (امور ظاہرہ و باطنہ میں) کر لیتا ہے حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اس پر فضل فرماتے ہیں اور حق تعالیٰ کو کسی شے کی طرح نہیں ہے انہوں نے مخلوق ہی کے لئے یہ سب دولت (ظاہری و باطنی) بنائی ہے جو اس کا عارف ہو جائے بڑا خوش قسمت ہے بھلا جس نے دولت (دو عالم) اور خود دونوں عالم پیدا کئے ہوں ملک و دولت ان کے کس کام آئے گی (پس ثابت ہوا کہ یہ سب بندوں کے لئے ہے اس مضمون میں اس راز کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ صرف اجمالاً اتنا فرمایا کہ انقیاد و فناء پر نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور ان نعمتوں کی تعیین نہیں فرمائی سو اس میں کسی کو لغزش نہیں ہو سکتی اور صراحت اس راز کی یہ ہے کہ وہ نعمت جو فناء پر عطا ہوتی ہے وہ بقاء بقاء حق ہے جس کا دوسرا عنوان اتصاف بصفات حق و مظہریت بصفات الحق ہے اس بناء پر تقریر مضمون یہ ہوگی کہ حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں غنی ہیں ان کو اس کی حاجت نہ تھی کہ اپنی صفات کے آثار مبارکہ کا فیضان فرمادیں اس فیضان سے گوجہاً تمام خلایق مقصود ہیں مگر مقصود بالاصالتہ بندگان خاص ہیں کہ ان کے حال پر انعام و اکرام کرنے کے لئے وہ آثار ان پر فائز فرمائے کہ ان آثار کے فیضان سے ان میں وہ صفات حمیدہ پیدا ہو گئیں کہ مشابہ و مناسب صفات حق کے ہیں اسی تشبہ کو اتصاف بصفات حق کہتے ہیں جیسا اوپر ایک حدیث قدسی گزری ہے لا عظیم من عقلی و حلیمی چونکہ یہ مضمون عوام کے اعتبار سے کسی قدر دقیق تھا اس لئے اس کو اسی جگہ صاف نہیں فرمایا بہر حال جس شخص کو یہ رتبہ حاصل ہوگا چونکہ وہ صفات و کمالات میں خلیفہ خداوندی ہوگا لا بد خلیفہ کی مخالفت بعینہ مستحلف کی مخالفت ہوگی اس لئے موجب قہر مستحلف ہوگی۔

پیش سبحان پس نگہدارید دل

نانگر دید از گمان بد نخل

(اللہ) پاک ذات کے سامنے دل کی حماقت رکھو

تاکہ بدگمانی کر کے شرمندہ نہ ہونا پڑے

کوہ بیند سر و فکر و جستجو	ہمچو اندر شیر خالص تار مو
وہ راز اور فکر اور طلب کو اس طرح دیکھ لیتا ہے	جس طرح خالص دودھ میں بال
آنکہ او بے نقش و سادہ سینہ شد	نقشہائے غیب را آئینہ شد
جو شخص بے نقش اور صاف سینہ والا ہو جاتا ہے	وہ غیب کے نقش کا آئینہ ہو جاتا ہے
سرما را بیگماں مومن شود	زانکہ مومن آئینہ مومن شود
بلاشبہ وہ ہمارے راز کا یقین کرنے والا ہو جائے گا	اس لئے کہ مومن مومن کا آئینہ بن جاتا ہے
مومنے او مومنی تو بیگماں	درمیان ہر دو فرقے بیکراں
بلاشبہ وہ بھی مومن ہے تو بھی مومن ہے	(لیکن) دونوں میں بے انتہا فرق ہے
چوں زند او نقد ما را بر محک	پس یقین را باز داند اوز شک
جب وہ ہمارے نقد کو کسوٹی پر رکھتا ہے	تو وہ یقین کو شک سے جدا کر لیتا ہے
چوں شود جالش محک نقد ہا	پس بہ بیند نقد را و قلب را
جب اس کی جان نقدوں کی کسوٹی بن جاتی ہے	تو وہ کھرے اور کھوٹے کو سمجھ جاتا ہے

(اوپر کے اشعار میں جب دلیل سے ثابت ہو گیا کہ مخالفت اہل حق میں مخالفت حق ہے اب اس پر بطور تفریح کے فرماتے ہیں کہ جب انسان کا یہ رتبہ ہے تو) اس سلطان (ملک باطن) کے روبرو دل (کے خطرات بدتک) کی نگہداشت رکھو (اور ظاہری مخالفت تو امر شدید ہے تا کہ گمان بد سے (جو دل میں لاؤ) نخل نہ ہونا پڑے کیونکہ وہ شخص (راز پنہاں اور فکر و تجسس قلبی کو اس طرح دیکھ لیتا ہے جیسے شیر خالص میں بال صاف نظر آ جاتا ہے) یعنی اس کے پاس خلوص و خوش اعتقادی سے حاضر ہو ورنہ اس کے قلب پر فساد طوہیت کا انعکاس ہو جاتا ہے اور اس کا قلب شہادت دے دیتا ہے کہ یہ شخص مخلص نہیں ہے آگے اس اطلاع خطرات کے استبعاد کو دفع فرماتے ہیں کہ اس کا تعجب ہی کیا ہے کیونکہ) جو شخص (فکر ماسوی اللہ سے) بے نقش اور سادہ سینہ ہو جاتا ہے وہ تو نقش عالم غیب (یعنی معارف و واردات) کا آئینہ ہو جاتا ہے تو ہمارے خطرات (جو علوم عینہ کے روبرو محض ہیچ ہیں ان کا) تو بلاشبہ اس کو یقین ہو جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے المؤمن مرآة المؤمن یعنی مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہے (اس حدیث کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں مولانا نے ایک کو اختیار فرمایا ہے کہ پہلے مومن سے مراد مومن کامل لیا ہے اور دوسرے سے مراد مطلق مومن مطلب ظاہر ہے کہ مومن کامل کے قلب پر انعکاس دوسرے مومنین کے مخفی حالات کا ہو جاتا ہے) اور یوں تو وہ بھی مومن ہے اور تم بھی مومن ہو مگر دونوں کے درمیان بے انتہا فرق ہے (پس اگر تم کو اس کا باطنی حال معلوم نہ ہو تو) (اس سے شبہ نہ کرنا کہ اس طرح اس کو بھی معلوم نہ ہوگا کیونکہ مرآتیت جائنہن سے برابر ہے کیونکہ تم اور وہ برابر نہیں تم مومن ناقص ہونے سے آئینہ زنگ آلود ہو اور وہ کامل ہونے سے آئینہ صافی ہے) بس جب وہ ہمارے نقد (حال) کو محک پر لگاتا ہے تو یقین اور شک میں تمیز کر لیتا ہے (کہ تمہارے قلب میں کون چیز ہے آگے اس محک کو بتلاتے ہیں کہ) چونکہ اس کا باطن نقد کا محک ہو گیا ہے (پس محک شہادت قلب ہے جس حدیث میں ہے اس لئے وہ کھوٹے کھرے کو پہچان لیتا ہے اتقوا فراستہ المؤمن فانه ينظر بنور اللہ)

نشانندن پادشاہاں صوفیاں را پیش روئے خود تا چشم شاں روشن شود

بادشاہوں کا صوفیوں کو اپنے سامنے بٹھانا تا کہ ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں

یہ مربوط ہے اس مضمون سے نقشہائے غیب را آئینہ شد + یعنی چونکہ وہ آئینہ ہیں اور آئینہ رو برو رکھا جاتا ہے اس لئے سامنے بٹھلائے جاتے تھے اور یہ مضمون محض لطافتِ شاعرانہ ہے ورنہ جس معنی کروہ آئینہ ہیں وہ مستلزم رو برو بٹھلانے کو نہیں ہے جیسا ظاہر ہے۔

بادشاہاں را چینس عادت بود	ایں شنیدہ باشی اریادت بود
بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے	تو نے یہ سنا ہوگا اگر تجھے یاد ہو
دست چپ شاں پہلواناں لستند	زانکہ دل پہلوائے چپ باشد بہ بند
ان کے ہاتھ ہاتھ پہلوان کھڑے ہوتے ہیں	کیونکہ دل ہاتھوں کی جانب رکھا ہوتا ہے
مشرف و اہل قلم بردست راست	زانکہ علم مثبت و خط آں دست راست
مساب اور اہل قلم دائیں ہاتھ پر (ہوتے ہیں)	کیونکہ درج کرنے اور لکھنے کا علم دائیں ہاتھ کا ہے
صوفیاں را پیش رو موضع دہند	کآئینہ جانند و ز آئینہ بہند
صوفیوں کو سامنے جگہ دیتے ہیں	کیونکہ وہ روح کا آئینہ ہیں اور (ظاہری) آئینہ سے بہتر ہیں
حاجباں ایں صوفیا ننداے پسر	سادہ و آزادہ و افگندہ سر
اے بیٹا! یہ صوفی دربان ہیں	سادہ ہیں آزاد ہیں اور سر جھکائے ہوئے ہیں
سینہ ہا صیقل زدہ از ذکر و فکر	تا پذیرد آئینہ دل نقش بکر
(ان کے) سینے ذکر و فکر سے منجھے ہوئے ہیں	تا کہ دل کا آئینہ نئے نقش قبول کر لے

یعنی بادشاہوں کی ایسی عادت ہوتی ہے شاید تم نے سنا ہو اور یاد ہو کہ دست چپ کی طرف تو پہلوان کھڑے ہوتے ہیں اس مناسبت سے کہ قلب (جو پہلوان بدن ہے) جانب چپ میں مودع ہوتا ہے (تو پہلوان کی طرف پہلوان رہنے چاہئیں) اور مشرف اور اہل قلم داہنے ہاتھ رہتے ہیں کیونکہ فن کتابت و خط اس ہاتھ کا حصہ ہے (تو اہل خط کا اہل خط کی طرف ہونا مناسب ہے) اور صوفیوں کو اپنے رو برو جگہ دیتے ہیں کیونکہ ان کا باطن مثل آئینہ کے ہے اور اس آئینہ (ظاہری) سے بہتر ہیں (کیونکہ اس آئینہ میں انعکاس صور جسمانیہ کا ہوتا ہے اور ان کے باطن میں علوم الہیہ و کمالات روحانیہ کا اور اس ارتباط انعکاسی سے ان کو حضرت حق کے ساتھ ایسا قرب ہوتا ہے گویا اس بارگاہ کے حاجب (عہدہ دار جو بادشاہ سے ملاتا ہے) یہی صوفی ہیں کہ (نقش غیر سے) خالی اور (تعلق غیر سے) آزاد اور (مشغولی حق میں) سراقندہ ہیں سینوں کو ذکر و فکر سے صیقل کر رکھا ہے تا کہ آئینہ قلب (معارف و کمالات کے) نقش کو خوب قبول کر لے۔

ہر کہ او از اصل فطرت خوب زاد	آئینہ در پیش او باید نہاد
جو شخص اصل پیدائش سے حسین پیدا ہوتا ہے	آئینہ اس کے سامنے رکھنا چاہیے
عاشق آئینہ باشد روئے خوب	صیقل جاں آمد از تقویٰ القلوب
خوبصورت ہی آئینہ کا عاشق ہوتا ہے	روح کی صیقل دلوں کی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے
ہر کہ دارد روئے خوب بانظام	طالب آئینہ باشد والسلام
جو شخص خوبصورت اور موزوں چہرہ رکھتا ہے	وہ آئینہ کا طالب ہوتا ہے والسلام
بشنو اکنون یک مثال معنوی	تا تو دیگر قول صورت نشنوی
اب ایک ہا معنی مثال سن لے	تا کہ تو پھر ظاہری بات نہ سنے

(اوپر اولیاء اللہ کا آئینہ ہونا ثابت ہو چکا اب اس سے استدلال کرتے ہیں طالبان صحبت و مستقیہان خدمت اولیاء کی بی پر یعنی) قاعدہ ہے کہ جو شخص قدرتی طور پر حسین ہوتا ہے اس کے روبرو آئینہ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور آئینہ کا عاشق شہ چہرہ حسین ہوتا ہے (پس اولیاء اللہ کا محب و طالب صحبت وہی شخص ہوگا جو اصل فطرت میں صالح الاستعداد ہو اور شوائب و مدورات عارضہ کا ازالہ کرنا اور حسن باطنی کا کامل ہو جانا چاہتا ہو کیونکہ اولیاء کی صحبت و خدمت سے اپنے حسن و قبح کی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ انکا آئینہ ہونا بیان ہو چکا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ) قلوب میں تقویٰ کامل ہونے سے باطن کا خوب صقل ہو جاتا ہے (چونکہ ان حضرات نے تقویٰ کامل اختیار کیا اس لئے آئینہ ہو گئے) غرض جو شخص چہرہ حسین اور آراستہ رکھتا ہوگا وہ آئینہ کا طالب ضرور ہوگا (شرح اس کی ابھی گزری ہے) اب تم (اس قاعدہ مذکورہ کی کہ حسین کے لئے آئینہ مناسب ہوتا ہے) ایک پر معنی مثال سن لو تا کہ اس کے بعد صورت پرستوں کی بات نہ سنو (چنانچہ آگے یوسف علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ ان کے دوست نے ان کے حسن کے لئے آئینہ مناسب جان کر پیش کیا جس سے تائید مضمون مذکور کی ظاہر ہے اور اس کو پر معنی اس لئے کہا کہ اس قصہ سے شعر آئینہ ہستی چہ باشد نیستی الخ میں اسی معنی مقصود بالا کی طرف انتقال فرمائیں گے جس کے اعتبار سے شعرا بالا میں اولیاء کو آئینہ کہا ہے کیونکہ نیستی آئینہ سے مراد وہی بے نقشی و سادگی مذکور سابق ہے اور چونکہ طالبان معانی کو اس انتقال کے بعد قصہ مقصود بالذات نہیں رہتا اس لئے فرمایا تا تو دیگر الخ

آمدن آشنائے از سفر بدیدن حضرت یوسف علیہ السلام

ایک دوست کا حضرت یوسف علیہ السلام کے دیدار کے لئے سفر سے آنا

آمد از آفاق یارے مہرباں	یوسف صدیق راشد میہماں
ایک مہربان دوست دور سے آیا	(حضرت) یوسف صدیق کا مہمان بنا
کاشنا بودند وقت کود کی	برو سادہ آشنائی متکی
کیونکہ بچپن سے آپس میں آشنا تھے	(اور) دوستی کے تکیہ پر تکیہ لگائے ہوئے تھے

یاد دادش جور اخوان و حسد	گفت آں زنجیر بود و ما اسد
اس نے (حضرت) یوسف کو بھائیوں کا ظلم اور حسد یاد دلایا	فرمایا وہ زنجیر تھے اور ہم شیر ہیں
عار نبود شیر را از سلسلہ	نیست مارا از قضائے حق گلہ
شیر کو زنجیر سے کوئی عار نہیں ہوتی ہے	ہمیں اللہ (تعالیٰ) کے فیصلہ کا کوئی گلہ نہیں ہے
شیر را بر گردن ار زنجیر بود	برہمہ زنجیر ساراں میر بود
اگرچہ شیر کی گردن میں زنجیر تھی	(لیکن) وہ تمام قیدیوں کا سردار تھا
گفت چوں بودی تو در زندان و چاہ	گفت ہچوں در محاق و کاست ماہ
اس نے کہا قید خانہ اور کنویں میں آپ کا کیا حال تھا؟	انہوں نے کہا جیسا کہ چاند (کا حال) زوال اور گمناؤ میں
در محاق ار ماہ نو گردد دو تا	نے در آخر بدر گردد برسا
اگرچہ نیا چاند (ہلال) گمناؤ میں دوہرا ہو جاتا ہے	کیا آخر میں وہ آسمان پر بدر (کامل) نہیں بن جاتا ہے؟

(زنجیر سار بمعنی صاحب زنجیر چنانکہ شرمسار بمعنی صاحب شرم) یعنی سفر سے کوئی دوست حضرت یوسف علیہ السلام کا مہمان ہوا کہ دونوں لڑکپن کے دوست اور بالمش دوستی پر تکیہ لگانے والے تھے اس دوست نے آپ کے بھائیوں کے جور و حسد کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا کہ اس تکلیف کی مثال زنجیر کی سی تھی اور ہماری مثال شیر کی سی۔ شیر کو زنجیر سے عار نہیں ہوتی اسی طرح ہم کو بھی قضائے الہی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ شیر کی گردن میں اگر زنجیر بھی ہو تب بھی دوسرے زنجیر والے جانوروں کا وہ بادشاہ ہی ہوتا ہے (یعنی بلیات خواص عباد پر آتی ہیں جس سے ان کی ذلت نہیں بلکہ اور درجات بڑھتے ہیں جیسا حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء تم الامثل فالامثل) پھر اس دوست نے پوچھا کہ زندان اور چاہ میں آپ کا کیا حال تھا فرمایا جیسا کہنے میں چاند کا حال ہوتا ہے کہ اس وقت اگرچہ کوزہ پشت ہو جاتا ہے مگر آخر میں آسمان پر وہی بدر ہو جاتا ہے (یعنی جس طرح اس کا انحطاط مقدمہ اس کے کمال کا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ ظاہری مشقت موجب تزیید کمالات و زیارت قرب الہی کی ہو گئی)

گرچہ در دانہ بہاوں کو فتنند	نور چشم و دل از و افروختند
سوتی کو اگرچہ ہاون میں کوا	(لیکن) اس سے آنکھوں اور دل کے لئے نور کا سامان کیا
گندے رازیر خاک انداختند	پس ز خاکش خوشہا بر ساختند
گیہوں کو مٹی کے نیچے ڈالا	پھر اس زمین سے گیہوں کے خوشے چنے
بار دیگر گو فتنش ز آسیا	سیمتیش افزود و ناں شد جانفزا
پھر اس کو بچی میں پیسا	تو اس کی قیمت بڑھ گئی اور وہ جان کو بڑھانے والی روٹی بن گئی
باز ناں را زیر دندان کو فتنند	گشت عقل و فہم جان ہوشمند
پھر روٹی کو دانتوں میں دبایا	تو وہ عقل کی عقل و فہم اور جان بن گئی

باز آں جاں چونکہ محو عشق گشت	یعجب الزراع آمد بعد کشت
پھر وہ جان جب عشق میں فنا ہوئی	تو وہ کاشت کے بعد کسانوں کو حیرت میں ڈالنے والی بنی
باز آں جاں چوں بحق او محو شد	باز ماند از شکر و سوئے صحو شد
پھر وہ جان جب اللہ (تعالیٰ) میں فنا ہوئی	تو مستی سے ہٹ کر ہوش کی جانب آ گئی
عالیٰ را زان صلاح آمد ثمر	قوم دیگر را فلاح منتظر
ایک عالم کو اس سے نیکی کا پھل ملا	دوسری قوم کو متوقع فلاح حاصل ہوئی
اس سخن پایاں نہ دارد بازگرد	تا کہ با یوسف چہ کرد آں نیک مرد
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے واپس لوٹ	کہ اس نیک انسان نے (حضرت) یوسف کے ساتھ کیا کیا

(اوپر کے مضمون کی تائید ہے اور مقصود ترغیب ہے ریاضات و مجاہدات کی کہ ان کا ثمرہ ترقی کمالات ہے جیسے) موتی کو ہاروں دستہ میں کوٹ کر چورا کر دیئے جاتے ہیں مگر (کحل الجواہر و خمیرہ لولو میں) آنکھ اور قلب کا نور اور سرور اس سے حاصل کیا جاتا ہے (اسی طرح) گیہوں کو (سردست) خاک میں ڈال دیا جاتا ہے پھر خاک سے اس کے سنابل لیتے ہیں پھر دوبارہ اس کو چکی میں پیستے ہیں جس سے قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور وہ روٹی مقوی روح ہو جاتی ہے پھر روٹی کو دانٹوں میں پیستے ہیں جس سے وہ (ہضم ہو کر بخار لطیف یعنی روح حیوانی بن کر) جان انسانی قوت عقلیہ و فہمیہ (یعنی روح انسانی اور اس کے قوی کی قوت بخش) ہو گئی (کیونکہ دنیا میں روح حیوانی و روح انسانی میں باہم جوار تباط ہے اس سے قوت حیوانیہ کو قوت انسانیہ میں بالمشاہدہ دخل ہے) پھر وہ روح (انسانی جس کو روح حیوانی سے قوت پہنچی ہے) جب محو عشق حق ہو گئی تو وہ گندم مذکور اب مصداق معنوی و حکمی یعجب الزراع کا بنا (یعنی مقام فنا میں پہنچ کر اس شخص کی روح کو درجہ کمال و وصول بحق حاصل ہوا گویا وہ گندم بولمطہ روح حیوانی اور انسانی کے درجہ یعجب الزراع کو کہ عبارت ہے کمال حال سے اب پہنچا اور معنوی کی قید اس لئے لگائی کہ ظاہر اوقیقتہ مدلول یعجب کا کمال بناتی ہے نہ کمال انسانی) پھر اس کے بعد یعنی جبکہ وہ روح انسانی محو بحق ہو چکی (جیسا اوپر گزرا) تو سن کر سے ہٹ کر صحو کی طرف آئی (یعنی گندم محو و فنائے مذکور کے کہ درجہ کمال کا ہے صحو و بقاء میں آئی کہ درجہ ارشاد و تکمیل و مشیخت کا ہے پس لفظ باز مبدل منہ ہے اور جملہ آن جان چون الخ بدل ہے غرض درجہ تکمیل کے بعد یہ حال ہوا کہ) ایک عالم کو اس شخص سے صلاح کا ثمرہ ملا اور بہتوں کو فلاح نصیب ہوئی جس کا ان کو انتظار تھا (یعنی اس کے ارشاد و ہدایت و فیض سے طالبین کو اتصاف بکمالات کہ صلاح ہے اور نجات عن الرزائل کہ فلاح ہے میسر ہوتا ہے اور ہر چند کہ دونوں میں تلازم ہے مگر باعتبار غلبہ کے بعض کے لئے صلاح اور بعض کے لئے فلاح ثابت کیا) اور اس مضمون کا تو کہیں خاتمہ نہیں پھر قصہ کی طرف رجوع کرو کہ اس نیک مرد نے یوسف علیہ السلام سے کیا معاملہ کیا۔

طلب کردن یوسف علیہ السلام از ازل مرد بعد از مقالات

(حضرت) یوسف علیہ السلام کا اس مرد سے گفتگو کے بعد سوغات طلب کرنا

بعد قصہ گفتنش گفت اے فلاں	ہیں چہ آوردی تو مارا ار مغاں
اس کو قصہ سنانے کے بعد (حضرت یوسف نے) فرمایا اے فلاں!	ہاں تو ہمارے لئے کیا سوغات لایا ہے

دیدن یاراں تہی دست اے کیا	ہست بے گندم شدن در آسیا
اے عظمتا دوستوں کی زیارت خالی ہاتھ	بغیر گیہوں کے آنے کی چکی پر جانا ہے
بردر یاراں تہیدست آمدن	ہست لے گندم سوئے طاخوش رن
دوستوں کے دروازے پر خالی ہاتھ آنا	بغیر گیہوں کے چکی کی طرف جانا ہے

یعنی ادھر ادھر کی باتیں کر کے حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ کہو ہمارے لئے کچھ تحفہ بھی لائے۔ (آگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے مضمون ہے یا مولانا کا مقولہ ہے یعنی) دوستوں کی زیارت خالی ہاتھ کرنا ایسا ہے جیسے چکی کے کارخانہ میں بے گیہوں جانا (اگلا شعر بھی اسی کی تاکید ہے ظاہری مطلب تو ظاہر ہے اور میرے نزدیک اس میں مخفی اشارہ اس طرف ہے کہ ایسے حضرات کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے اگر بلا تکلف ممکن ہو تو ہدیہ ہمراہ لانا موجب برکات ہے کیونکہ وہ موجب تطیب قلب ان حضرات کا ہوگا اور عالم مسلمان کا جب دل خوش کرنا نافع ہے تو اہل اللہ کا تو بدرجہ اولیٰ ہوگا اور تمثیل مذکور گویا مرادف ہے قول مشہور کی کہ جو خالی جائے خالی آئے جیسا بے گندم جانے سے بے آرد آئے گا مگر یہ خالی ہونا اضافی ہے یعنی بمقابلہ مہدی کے اور نیز خود خلوص تام ہدیہ سے بڑھ کر ہدیہ ہے۔

حق تعالیٰ خلق را گوید بکسر	ارمغان کو از برائے روز نشر
اللہ تعالیٰ حشر میں مخلوق سے فرمائے گا	نشر کے دن کے لئے تحفہ کہاں ہے؟
جنتمو ناؤ فرادی بے نوا	ہم بد انساں کہ خلقنا کم کذا
تم ہمارے پاس تھا بے ساز و سامان کے آئے	دیے ہی جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا
ہیں چہ آور دید دستاویز را	ارمغان روز رستاخیز را
خبردار! کیا سند لائے ہو	قیامت کے دن کے لئے تحفہ
یا امید باز گشتن تاں نبود	وعدہ امروز تاں باطل نمود
یا تمہیں واپس لوٹنے کی امید نہ تھی	(اور) آج کا وعدہ تمہیں غلط نظر آیا تھا
وعدہ مہمانیش را منگری	پس ز مطبخ خاک و خاکستری خوری
اس کی مہمانی کے وعدہ کا تو منکر ہے	(اس لئے اس کے) ہاوردہی خانہ سے تو خاک اور راکھ کھائے گا
ورنہ منکر چنیں دست تہی	بردر آں دوست چوں پامی نہی
اور اگر تو منکر نہیں ہے تو اس طرح خالی ہاتھ	اس دوست کے دروازہ پر قدم کیوں رکھتا ہے؟

(وا یعنی واعباداہ۔ اس میں انتقال ہے درگاہ حق کے لئے ہدیہ تیار کرنے کی طرف یعنی) حق تعالیٰ خلق سے حشر کے روز فرمائیں گے کہ اس یوم المنشور کے لئے ہدیہ (ایمان و عمل صالح) کہاں ہے تمہارے پاس افسوس تم بندوں کے حال پر کہ تمہا یعنی (اعمال سے) بے نوا اسی طرح آگئے جس طرح ہم نے پیدا کیا تھا (یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف ولقد جنمتو نافرادی

کما خلقنا کم مگر مشہور تفسیر یہ ہے کہ فرادی مال و اہل و شفاء سے جیسا ان کا زعم تھا کہ ہم کو اہل و ولد ملیں گے اور شفاء ہم کو نفع دیں گے اور حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ) کہو سند عبدیت کے لئے کیا چیز لائے ہو جو اس روز رستاخیز کا ارمغان ہو یا یہ بات تھی کہ تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنے کا یقین نہ تھا اور آج کا وعدہ تم کو غلط نظر آتا تھا (اس لئے اعمال کا سامان نہیں جمع کیا یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف انما خلقنا کم عبداً وانکم الینا لاترجعون اب مولانا کہتے ہیں کہ) تو اس کی درگاہ میں مہمان ہو کر جانے کا منکر ہو رہا ہے (یعنی ولایت حال سے شبہ ہوتا ہے اس لئے ارغان عمل کی فکر نہیں جب تیرا یہ حال ہے) تو مطبخ (نعماء آخرت) سے خاک کھا لینا۔ راکھ پھانک لینا (یعنی مہمانوں کی طرح جاتا تو مطبخ میں حق ہوتا اب خالی ہاتھ چلا نعماء کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے) اور اگر تو بدعویٰ خود) مہمانی کا منکر نہیں ہے تو پھر کیا وجہ کہ اس طرح خالی ہاتھ اس دوست کے دروازے پر قدم رکھتا (اہل ایمان کو مہمان کہنا موافق ان آیات کے ہے نحر المتقین الی الرحمن و فدا) وقال نزلا من عند اللہ

اند کے صرفہ بکن از خواب و خور	ارمغان بہر ملاقاتش بر
سونے اور کھانے میں تھوڑی سی کمی کر	اس کی ملاقات کے لئے سوغات لے جا
شو قلیل النوم مما بہجعون	باش در اسحار از یستغفرون
سونے میں کم نیند والا بن جا	صبح کے وقت توبہ کرنے والوں میں سے ہو جا
اند کے جنبش بکن ہچو جنین	تابہ بخشدت حواس نور ہیں
ماں کے پیٹ کے بچہ کی طرح تھوڑی سی حرکت کر	تاکہ تجھے نور دیکھنے والے حواس عطا کر دیں
چوں بیابی آں حواس دور ہیں	پانہی بالائے چرخ ہفتہمیں
جب تو وہ دور دیکھنے والے حواس حاصل کر لے گا	ساتویں آسمان پر قدم رکھے گا
وز جہاں چوں رحم بیروں می روی	از زمیں در عرصہ واسع شوی
جب دنیا سے جو (ماں کے) رحم کی طرح ہے تو باہر جائیگا	(اور) زمین سے ایک وسیع میدان میں پہنچے گا
آنکہ ارض اللہ واسع گفتہ اند	عرصہ داں کانیا در رفتہ اند
وہ (میدان) جس کو اللہ کی وسیع زمین کہا گیا ہے	وہ وہ میدان ہے جہاں انبیاء گئے ہیں
دل نگرود تنگ ز اں عرصہ فراخ	نخل تر آنجانہ گرد خشک شاخ
اس وسیع میدان سے دل کبھی نہیں گھبراتا ہے	تر کھجور وہاں کبھی خشک شاخ نہیں بنی ہے
حاملی تو مرحواست را کنوں	کند و ماندہ می شوی و سرنگوں
اب کہ تو اپنے حواس کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے	ست اور تھکا ہوا اور اوندھا ہو جاتا ہے
چونکہ محمولی نہ حامل وقت خواب	ماندگی رفت و شدی بے پیچ و تاب
نیند کے وقت تو سوار ہوتا ہے نہ کہ سواری	تھکن جاتی رہتی ہے اور تو آرام سے ہو جاتا ہے

چاشنی داں تو حال خواب را پیش محمولی حال اولیاء

نیند کی حالت کو تو ایک نمونہ سمجھ اولیاء کے سوار ہونے کی حالت کا

(اور ملامت بھی درگاہ حق میں ہدیہ نہ لے جانے کی اب اس ہدیہ کا طریقہ فرماتے ہیں کہ) اپنے خواب و خوراک میں کسی قدر صرفہ (یعنی تنگی و کمی) کرو اور ان کی ملاقات کے لئے (ایمان و اعمال صالحہ کا) ہدیہ لے جاؤ شب کے وقت اس آیت کے مصداق رہو کا نو اقلیل من اللیل ملہ ہیون یعنی وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور آخر حصہ شب اس کے مصداق رہو وبالاسحار ہم یستغفرون یعنی آخر شب وہ لوگ استغفار کرتے ہیں اور (طلب حق میں) کچھ تو حرکت کرو جیسا وہ بچہ اس حرکت کے بعد دنیا میں آ کر باحواس ہوتا ہے اسی طرح طلب و مجاہدہ سے تم کو نور باطن نصیب ہوگا) اور جب وہ حواس دور بین تم کو عطا ہو جائیں گے تو آسمان ہفتم کے اوپر (باعتبار غلبہ روحانیت) قدم رکھو گے اور اس عالم سے جو کہ (بمقابلہ عالم روحانی کے مشابہ رحم کے ہے) (باعتبار بے تعلقی کے) باہر نکل جاؤ گے (جیسا وہ بچہ حرکت کرنے سے رحم تنگ سے چھوٹ جاتا ہے) اور اس زمین سے (روحانی) میدان وسیع میں پہنچو گے جس کو بزرگوں نے ارض اللہ واسعہ کہا ہے یہ وہی میدان (روحانی) ہے جس میں (بالذات) حضرات انبیاء علیہم السلام (اور بالعرض حضرات اولیائے کرام) چلے ہیں (مقصود مولانا کا قرآن کی تفسیر نہیں ہے کیونکہ وہاں یقیناً یہی زمین مراد ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اہل طریق جس کو تشبیہاً و اصطلاحاً ارض اللہ الواسعہ کہتے ہیں مراد اس سے عالم روحانی ہے) وہ میدان ایسا فراخ ہے جس میں دل کبھی نہیں گھبراتا (کیونکہ اس شخص کو ہمیشہ مشغولی بذات و صفات حق رہتی ہے جس کے باب میں ارشاد ہے لا یذکر اللہ تطمئن القلوب) اور درخت تر کبھی اس جگہ شاخ خشک نہیں بنتا (یعنی حلاوت باطنی کو گاہے فنا و زوال نہیں آگے اس کی دلیل ہے کہ) دیکھو اب چونکہ تم اپنے حواس کے حامل ہو یعنی باختیار خود حواس سے کام لیتے ہو) اس لئے سست اور خستہ اور معطل ہو جاتے ہو سونے کی حالت میں چونکہ حامل حواس نہیں ہوتے بلکہ محمول ہو جاتے ہو (جیسا ظاہر ہے کہ حواس سے خود کام نہیں لیتا بلکہ جتنا کچھ حواس کام دیتے ہیں مثلاً متخیلہ اپنا کام کرتا ہے وہ بطور خود کام دیتے ہیں بلکہ خود انسان ان کا تابع ہوتا ہے کہ حاستہ جس کام میں لگ رہا ہے یہ بھی اسی میں مشغول ہے یہی مراد ہے محمول ہونے سے) اس لئے ماندگی جاتی رہتی ہے اور بالکل رنج و تعب سے نجات ہو جاتی ہے (جب ادنیٰ محمولی سے دفع تعب ہو جاتا ہے تو اولیاء اللہ کی حالت محمولی کے روبرو تو اس ظاہری خواب کی حالت کو محض ایک نمونہ اور ادنیٰ شے سمجھو ان کی محمولی یہ کہ اپنا اختیار و قصہ با کلیہ ترک کر کے مرضی حق کے تابع محض و منقاد و خالص ہو جاتے ہیں اور یہ ان کا طبعی امر ہو جاتا ہے اور محمولی خواب سے اکمل اس لئے ہے کہ خواب محض ایک عارضی امر ہے اور یہ دائمی جب ادنیٰ محمولی میں بیدارحت ہے تو اعلیٰ میں کس درجہ حلاوت ہوگی اس لئے کہا گیا دل نکر دو تنگ الخ

اولیاء اصحاب کہف انداے عنود	در قیام و در تقلب ہم رقود
اے سرکش! اولیاء اصحاب کہف ہیں	جو قیام اور چلنے پھرنے کی حالت میں بھی سوتے ہوئے ہیں
می کشد شاں بے تکلف در فعال	بے خبر ذات الیمیں ذات الشمال
ان کو (اللہ تعالیٰ) افعال سے میں بلا تکلف کھینچتا ہے	دائیں بائیں جانب جبکہ وہ بے خبر ہیں
چیست آل ذات الیمیں فعل حسن	چیست آل ذات الشمال افعال تن
ذات الیمیں کیا ہے؟ ایچھے کام	ذات الشمال کیا ہے؟ جسمانی معرفت

گر تو بنی شاں بدشواری دروں	نیست شاں خوفی ولا هم یحزنون
اگر تو ان کو کسی دشواری میں دیکھے	تو ان کو کوئی خوف نہیں ہے نہ وہ عملیں ہوتے ہیں
می رود این ہر دو از مردم پدید	بے خبر زیں ہر دو ایشان درمزید
یہ دونوں کام انسانوں سے ظاہر ہوتے ہیں	جبکہ وہ ان سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں
میں رود این ہر دو کار از انبیاء	بے خبر زیں ہر دو ایشان چوں صدا
یہ دونوں کام (بیداری میں) انبیاء سے ظاہر ہوتے ہیں	وہ صدائے بازگشت کی طرح سے دونوں سے بے خبر ہوتے ہیں
گر صدایت بشنو اند خیر و شر	ذات کہ باشد زہر دو بے خبر
اگر پہاڑ کی آواز بازگشت تجھے بری بھلی آواز سنائے	پہاڑ دونوں سے بے خبر ہے

(اس میں معمولی اولیاء کی تقریر ہے یعنی) اولیاء اللہ کی حالت اصحاب کہف کی سی ہے کہ قیام میں اور چلنے پھرنے میں (گویا) سو رہے ہیں اور حق تعالیٰ ان کو بدون (ان کے قصد و) تکلف کے افعال میں جانب راست اور جانب چپ ان کو پھیر دیتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں (جس طرح اصحاب کہف کو داہنے بائیں کروٹ دے دیتے ہیں جیسا ارشاد ہے نکلیہم ذات الیمین و ذات الشمال اور یہاں بھی مقصود تفسیر نہیں ہے نہ ظہر نہ بطن بلکہ تشبیہ ہے آگے جانب راست و جانب چپ مذکور فی الشعر نہ مذکور فی القرآن کی مراد بتلاتے ہیں کہ) کچھ جانتے ہو ذات الیمین کیا ہے وہ افعال حسنہ اور طاعات مقصودہ ہیں اور ذات الشمال کیا ہے وہ اشغال تن ہیں (مثل اکل و شرب وغیرہ چونکہ یہ رتبہ میں طاعات سے کم ہیں اس لئے ذات اشمال کہنا مناسب ہو اغرض وہ ان سب امور میں منقاد محض ہیں احکام الہیہ کے اور اپنی خواہش اور رائے کی طرف اصلا التفات نہیں کرتے یہی معنی ہیں بے خبری کے جس کو معمولی کہا ہے) اور اگر تم ان کو (خلاف مقتضائے معمولی کہ راحت ہے کسی دشواری کے اندر دیکھو) خواہ وہ مجاہدہ تشریحیہ ہو مثل اعمال و ریاضات یا مجاہدہ تکوینیہ ہو مثل امراض و بلیات تو (اس کو محض ظاہری دشواری سمجھو اور) واقع میں ان کو نہ خوف ہے اور نہ حزن (پس خلاف اقتضاء معمولی کوئی امر لازم نہیں آیا جیسا اولیاء اللہ کے بارے میں ارشاد ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون اور آیت آئندہ لهم البشری فی الحیوة الدنیا و فی الآخرة تعیم کر رہی ہے عدم خوف و عدم حزن کی دنیا و آخرت میں اور دوسری آیات اثبات خوف سے تعارض نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک نفی خوف میں غیر اللہ کی قید دوسرے غلبہ محبت میں خوف کی طرف التفات نہ ہونا اور حصول و ثبوت مستلزم استحصار و التفات کو نہیں فافہم) غرض یہ دونوں کام (یعنی طاعات و اشغال تن عوام سے) (تو حالت خواب میں) اس طرح صادر ہوتے ہیں کہ ان دونوں سے وہ لوگ زائد یعنی بالکل بے خبر ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ سے (حالت بیداری میں) دونوں کام اس طرح جاری رہتے ہیں کہ ان کو خبر (یعنی التفات و توجہ) نہیں (جیسا احقر او پر کہہ آیا ہے اور اس بے خبری کی مثال صدائے کوہ کی سی ہے کہ اگر صداتم کو کوئی بھلی بری بات سنادے تو پہاڑ دونوں سے بے خبر ہوتا ہے) اور وہ فعل بولنے والے کا ہوتا ہے پس یہ حضرت مثل کوہ ہیں اور ان کے اقوال و افعال مثل صدا کے اور حق تعالیٰ مثل متکلم اور منادی کے۔ وجہ تشبیہ صرف ان کا مثل صدا کے تابع اور حق تعالیٰ کا مثل متکلم کے متبوع فی الاحکام ہونا ہے اور بقیہ صفات تشبیہ میں ملحوظ نہیں)

گفتن مہمان یوسف علیہ السلام را کہ ارمغان

بہر تو آئینہ آوردہ ام تا چوں در آں نگری مرایا داری

مہمان کا یوسف علیہ السلام سے کہنا کہ تمہارے لئے سوغات میں آئینہ لایا ہوں تاکہ جب آپ اس میں دیکھیں مجھے یاد کریں

گفت یوسف ہیں بیاور ارمغان	اوز شرم این تقاضا در فغان
(حضرت) یوسف نے فرمایا ہاں تحفہ لا	وہ اس تقاضہ کی شرم سے آہیں بھرنے لگا
گفت من چند ارمغان جستم ترا	ارمغانے در نظر نامہ مرا
یوں میں نے آپ کے لئے چند تحفے ڈھونڈے	کوئی تحفہ میری نگاہ میں نہ چچا
حبہ را جانب کاں چوں برم	قطرہ را سوائے عماں چوں برم
ایک حبہ کو کان کی طرف کیسے لے جاؤں؟	ایک قطرہ کو عمان (دریا) کی طرف کیسے لے جاؤں؟
زیرہ را من سوائے کرمان آورم	گر بہ پیش تو دلو جاں آورم
(گویا) میں زیرے کو کرمان لے جاؤں	اگر آپ کے سامنے دل و جان (بھی) رکھ دوں
نیست نخے کاندیس انبار نیست	غیر حسن تو کہ او را یار نیست
کوئی بچ نہیں ہے جو اس ڈبیر میں نہ ہو	آپ کے حسن کے سوا کہ اس کا ہانی نہیں ہے
لائق آں دیدم کہ من آئینہ	پیش تو آرم چو نور سینہ
میر نے یہ مناسب سمجھا کہ ایک آئینہ	آپ کو پیش کروں جو سینہ کے نور کی طرح ہو
تابہ بنی روئے خوب خود در اں	اے تو چوں خورشید و شمع آسماں
تاکہ آپ اپنا حسین چہرہ اس میں دیکھیں	آپ کہ آسماں کے سورج اور شمع (چاند) کی طرح ہیں
آئینہ آورد مت اے روشنی	تا چو بنی روئے خود یاد مکنی
اے نور! میں آپ کے لئے آئینہ لایا ہوں	تاکہ جب آپ اپنا چہرہ دیکھیں تو مجھے یاد کر لیا کریں
آئینہ پیروں کشید او از بغل	خوب را آئینہ باشد مشغول
اس نے بغل سے آئینہ نکالا	خوبصورت کے لئے آئینہ ایک مشغلہ ہوتا ہے

یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے فرمایا کہ ہاں جی وہ تحفہ دو (جولائے ہو) وہ بیچارہ اس فرمائش سے شرمندہ ہو کر فغان کرنے لگا اور عرض کیا کہ میں نے آپ کے لئے ہر چند تحفہ تلاش کیا مگر کوئی تحفہ (آپ کے لائق شان) میری نظر میں نہ آیا (اور ہر شے کی نسبت یہ خیال آیا کہ) بھلا جیشہ کو معدن کے پاس کیا لے جاؤں اور قطرہ کو دریائے عمان کے پاس کیا لے جاؤں بلکہ آپ

کے لئے تو اگر اپنا دل و جان بھی پیش کروں تو اس کی بھی ایسی مثال ہے جیسے زیرہ کو گویا کرمان میں لایا (جو کہ معدن زیرہ کا ہے) کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو آپ کے گھر انبار کی انبار نہ ہو۔ بجز آپ کے حسن کے کہ (یہ آپ کے یہاں بھی منفرد ہے) کوئی اس کا شریک (اور مجانس) نہیں اس لئے میں نے مناسب یہ سمجھا کہ میں آپ کے پیش کش کرنے کیلئے ایک آئینہ لاؤں جو مثل نور سینہ (اہل صفا) صاف ہوتا کہ آپ اپنا روئے زیبا اس میں دیکھا کریں اس لئے آئینہ لایا ہوں کہ جب اس میں اپنا چہرہ دیکھو مجھ کو یاد کرو اور یہ کہہ کر آئینہ بغل میں سے نکال سامنے رکھ دیا واقعی حسین آدمی کے لئے آئینہ بھی اچھا مشغلہ ہوتا ہے۔

آئینہ ہستی چہ باشد نیستی	نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی
ہستی کا آئینہ کیا ہوتا ہے؟ فنا	فنا اختیار کر اگر تو بے وقوف نہیں ہے
ہستی اندر نیستی بتواں نمود	مالداراں بر فقیر آرنند جود
ہستی کو فنا میں دیکھا جا سکتا ہے	مالدار فقیر پر سخاوت کرتے ہیں
آئینہ صافی ناں خود گرسنہ است	سوختہ ہم آئینہ آتش ز نہ است
بھوکا خود روئی کا صاف آئینہ ہے	سوختہ چھماق کا آئینہ ہے
نیستی و نقص ہر جائیکہ خاست	آئینہ خوبی جملہ پیشہاست
فنا اور نقص جس جگہ پیدا ہوا	تمام خوبیوں کے حسن کا مظہر ہے
بہر آنکہ نیستی پالودگی ست	وانچہ ایں ہستی ہمہ آلودگی ست
اس لئے کہ فنا صفائی ہے	اور یہ ہستی جو کچھ ہے سراسر آلودگی ہے
چونکہ جامہ چست دوزیدہ بود	مظہر فرہنگ درزی کے شود
جبکہ کپڑا (پہلے سے) صحیح سلا ہوا ہو	وہ درزی کی عقلمندی کا مظہر کب بنے گا؟
نا تراشیدہ ہمی باید جذوع	تا دروگر اصل سازد یا فروع
درختوں کے تنے بغیر کٹے ہوئے ہونے چاہئیں	تاکہ بڑھی چھوٹی بڑی چیزیں بنا سکے
خواجہ اشکتہ بند آنجا رود	کہ در آنجا پائے اشکتہ بود
بڑی جوڑنے کا ماہر اس جگہ جائے گا	جس جگہ کوئی ٹوٹے ہوئے پیر والا ہو گا
کے شود چوں نیست رنجور و نزار	آں جمال و صنعت طب آشکار
جب کوئی مریض اور بیمار نہ ہو کب ہو سکتا ہے	طب کی کارگیری اور حسن کا اظہار؟
خواری و دونی مسہا بر ملا	گر نباشد کے نماید کیمیا
تانے کی ذلت اور کم درجہ ہونا کھلا ہوا	اگر نہ ہو تو کیمیا کیا دکھائے گی؟

نقصہا آئینہ وصف کمال	واں حقارت آئینہ عز و جلال
ہر قسم کا نقص، وصف کمال کا آئینہ ہے	اور ذلت، عزت اور جلال کا آئینہ ہے
زانکہ ضد را ضد کند پیدا یقین	زانکہ باسر کہ پدیدست انگلیں
ضد، ضد کو خوب واضح کرتی ہے	سرکہ کے مقابلہ میں شہد بہت واضح ہو جاتا ہے

یہاں سے انتقال ہے صورت قصہ سے معنی مقصود کی طرف جو اشارہ شعر بالا قبل سرخی آمدن مہمان یعنی بشنوا کنون الخ میں موعود تھا جیسا اس شعر کی شرح میں احقر نے تقریر کر دی ہے اور اس انتقال میں عود ہے طرف مضمون شعر آ نکہ او بے نقش الخ کی طرف جو سرخی نشان دن بادشاہان کے تھوڑا اوپر ہے جیسا کہ شعر بشنوا کنون الخ کی شرح میں احقر نے بے نقشی و نیستی کا متحد المعنی ہونا بیان کیا ہے پس ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح آئینہ حس ظاہری کے لئے مظہر ہوتا ہے اسی طرح (ہستی حقیقی) کمالات و فیوض حق) کا آئینہ اور مظہر سالک کی ہستی (وفناء و اضمحلال) کا ہے (یعنی رذائل کے ازالہ اور غیر اللہ سے التفات قطع کرنے سے کہ عبارت ہے فناء سے انصباغ بانوار الہیہ و اتصاف بصفات حق کہ عبارت ہے بقاء سے نصیب ہوتا ہے) پس تم نیستی کو اختیار کرو اگر بے عقل نہیں ہو کیونکہ ہستی (اور کمال) کا ظہور نیستی (اور نقص) سے ہوتا ہے (پس جب غیر اللہ سے خالی ہو جاؤ گے اور ساکنانہ تہی دست ہو کر حضرت کبریا میں جاؤ گے اپنے انوار ہستی عطا فرمائیں گے آگے اسکی چند مثالیں ہیں کہ دیکھو مالدار فقیروں ہی پر سخاوت کرتے ہو اور روٹی (کی قوت و لذت) کا مظہرہ بھوکا ہی ہوتا ہے اور آتش زن یعنی چھماق کا مظہر سوختہ ہی ہوتا ہے (جس میں آگ جھاڑتے ہیں ان سب مثالوں میں احتیاج و طلب جس کا منشا نیستی یعنی خلو ہے سب حصول ہستی یعنی منافع کا ہو گیا اسی طرح) جہاں کہیں (تعلقات غیر اللہ) کی نیستی اور کمی ہوگی وہ تمام کمالات و (فیوض الہیہ) کی حسن و خوبی کا مظہر ہوگی وجہ یہ کہ یہ نیستی تو (ماسوی اللہ سے) صاف ہو جانے کا نام ہے اور یہ نیستی (بمعنی دعویٰ کمال و جمعی تعلقات مع غیر اللہ) آلودگی محض ہے (اور فیوض الہیہ کے نزول کے لئے پالودگی شرط اور آلودگی مانع ہے پس نیستی میں شرط کا تحقق اور مانع کا ارتقاع ہے لہذا فیوض الہیہ کہ مراد ہے ہستی حقیقی سے متوجہ ہوں گے آگے اس کی اور مثالیں ہیں کہ) دیکھو اگر کپڑا پہلے ہی سے تنگ و چست سلا ہوا ہو (اور اس میں تراش خراش کی گنجائش نہ ہی ہو) تو درزی کی ہوشیاری کا مظہر کب بن سکتا ہے۔ (بخلاف غیر دوختہ کہ اسکی تراش اور دوخت میں اس کا کمال ظاہر ہو سکتا ہے) اسی طرح لکڑیاں نا تراشیدہ ہونی چاہئیں تا کہ نجار اس میں سے جو چاہے بنا سکے اسی طرح جو شخص ٹوٹے ہاتھ پاؤں کے درست کرنے کا استاد ہو وہ اس جگہ جائے گا جہاں کوئی شکستہ پا ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی بیمار نہ ہو تو صنعت طب کی خوبی کب ظاہر ہوگی اسی طرح اگر تانبے میں بے قدری اور کم قیمتی کی صفت نہ ہو تو کیمیا کا اثر کیا ظاہر ہوگا غرض نقائص (و اعتبار کہ مراد ہے نیستی سے) اوصاف کمال کے لئے (کہ مراد ہے ہستی سے) مظاہر ہیں اور (بعبارت دیگر) ذلت (و عبدیت) عزت و جلال کے لئے مظہر ہے (جیسا مسئلہ مذکورہ میں احتیاج و طلب بزبان حال سب تکمیل کا ہو گیا) وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک ضد کو دوسری ضد ظاہر کر دیتی ہے جیسا سرکہ کے ساتھ انگلیں (کہ مزہ وغیرہ میں ضد سرکہ ہے اپنے اوصاف میں خوب) ظاہر ہوتا ہے (نیستی کا سبب ہو جانا اور ہستی کا سبب ہو جانا اس کی دو صورتیں ہیں اور اس شعر کا مفہوم دونوں کو عام ہے ایک صورت جس کا اوپر سے بیان چلا آتا ہے کہ فنا سے بظاہر میسر ہوتی ہے اس کے اعتباری نیستی و ہستی کو ضدین کہنا مجاز ہے اور ظہور سے مراد حصول ہے یعنی نیستی

سبب حصول ہستی کا ہو جاتا ہے دوسری صورت جس کا بیان ذیل کے اشعار میں ہے کہ اپنے اندر نقائص پانے سے کمال کی طرف التفات ہوتا ہے اور وہ التفات سبب سعی کا ہوتا ہے اس کمال کی تحصیل میں پس اس اعتبار سے نیستی و ہستی کو ضدین کہنا حقیقتہً ہے اور ظہور سے مراد یہی معنی متبادر ہیں یعنی انکشاف علمی اور سرکہ وانگبین کی مثال میں وجہ شبہ مطلق ظہور ہے دونوں صورتوں میں۔

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت	اندر اشکمال خود دو اسپہ تاخت
جس نے اپنے نقص کو دیکھ لیا اور پہچان لیا	وہ اپنی تکمیل میں تیز دوڑا ہے
زاں نمی پرد بسوئے ذوالجلال	کو گمانے می برد خود را کمال
اسی وجہ سے وہ شخص ذوالجلال کی طرف پرواز نہیں کرتا	جو اپنے کمال کا گمان رکھتا ہے
علتے بدتر ز پندار کمال	نیست اندر جانت اے مغرور ضال
کمال کے گھمنڈ سے زیادہ بدتر بیماری	تیری روح میں اور کوئی نہیں ہے اے گمراہ مغرور!
از دل و از دیدہ ات بس خون رود	تا ز تو این مجھی پیروں رود
تیرے دل اور آنکھ سے بہت خون بہے	تاکہ یہ تکبر تجھ سے نکلے
علت ابلیس انا خیر بدست	وین مرض در نفس ہر مخلوق ہست
شیطان کی بیماری "میں بہتر ہوں" تھی	یہ مرض ہر مخلوق کے نفس میں موجود ہے
گرچہ خود را بس شکستہ بیند او	آب صافی داں و سرگیں زیر جو
اگرچہ وہ اپنے آپ کو بہت متواضع خیال کرتا ہے	صاف پائین سمجھ اور نہر کی تہ میں گور ہے
چوں بشورانی و را در امتحاں	آب سرگیں رنگ گرد در زماں
جب تو اس کو بطور امتحان ہلائے گا	نوراً پانی گور کے رنگ کا ہو جائے گا
در تگ جو ہست سرگیں اے فتی	گرچہ جو صافی نماید مر ترا
اے نوجوان! نہر کی تہ میں گور ہے	اگرچہ تجھے نہر صاف نظر آ رہی ہے

(یہ تفریح ہے ماقبل پر باعتبار صورت ثانیہ کے یعنی جب ثابت ہو گیا کہ نیستی کی معرفت سے ہستی کی طلب ہوئی ہے تو) جو شخص اپنے نقص کو شناخت کر لے گا وہ اپنی تکمیل میں نہایت اہتمام سے سعی کرے گا اور جس کو حق تعالیٰ کی طرف عروج روحانی نہیں ہوتا وجہ اس کی یہ ہے کہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے (اس لئے تحصیل کمال میں سعی نہیں کرتا) اور سچ یہ ہے کہ پندار کمال سے بڑھ کر بھی کوئی علت انسان میں نہیں ہے (اور اس کبر و پندار کا نکالنا کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے) دل اور دیدہ سے بہت سا خون بہتا ہے اس وقت یہ خود بینی (دماغ سے) نکلتی ہے (یعنی سخت ریاضات خصوصاً تذلیل نفس کی ضرورت پڑتی ہے) ابلیس کی علت یہی انانیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر (کم بیش) موجود ہے اگرچہ (کسی وقت خود اس کو بھی اطلاع نہ ہو اور اس وجہ سے) اپنے آپ کو منکر اور متواضع سمجھنے لگے مگر واقع میں اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے اوپر سے صاف پانی ہو اور ندی کے اندر گور بیٹھا ہوا ہے

(اسی طرح نفس کی تہہ میں اصول اخلاق ذمیرہ کبر و عجب وغیرہ کے متمکن ہیں مگر محرک کے پیش نہ آنے سے وہ ساکن ہیں لیکن) جب اس کو امتحان کے لئے ذرا ہلا کر دیکھو تمام پانی فوراً سرگین کا سارنگ ہو جائے تو قعر نہر میں (پہلے سے ہی) سرگین موجود تھا گو اوپر سے صاف پانی معلوم ہوتا تھا (اسی طرح اگر ایسے شخص کو کوئی موقع امتحان کا پیش آئے اور ان اخلاق ذمیرہ کا کوئی محرک واقع ہو جائے اس وقت سب آثار ان کے ظاہر ہو جائیں مثلاً جو شخص اپنے کو کہہ رہا ہے کہ میں محض نالائق ہوں اور دل میں سمجھ رہا ہے کہ میں بڑی تواضع کر رہا ہوں یہی الفاظ بلکہ اس سے کم بھی کوئی کہہ دیکھ لے کیسے جامہ سے باہر ہو جائیں گے۔

ہست پیر راہ دان پر فطن	باغبائے نفس و تن را جوئے کن
بھدار راہ (طریقت) سے واقف ہے	جسم اور نفس کے باغوں کی نہر کو صاف کرنے والا ہے
جوئے خود را کے تو اند پاک کرد	نافع از علم خدا شد علم مرد
نہر اپنے آپ کو خود کب پاک کر سکتی ہے؟	ہر کا علم خداوندی علم کی وجہ سے مفید بن گیا ہے
آب جو سرگین متاند پاک کرد	جہل نفسش را زربد علم مرد
نہر کا پانی گورہ کو صاف نہیں کر سکتا ہے	انسان کا علم اس کے نفس کے جہل کو صاف نہیں کر سکتا ہے
کے تراشد تیغ دستہ خویش را	رو بجراحے سپار این ریش را
تکوار اپنے دستہ کو کب تراش سکتی ہے؟	جا اس زخم کو جراح کے سپرد کر
برسر ہر ریش جمع آمد مگس	تانه بیند تیغ ریش خویش کس
ہر زخم پر کھیاں جمع ہو گئی ہیں	تاکہ کوئی شخص اپنے زخم کی پیپ کو نہ دیکھ سکے
واں مگس اندیشہا و آمال تو	ریش تو آں ظلمت احوال تو
وہ کھیاں تیرے خیالات اور امیدیں ہیں	تیرے احوال کی تاریکی تیرا زخم ہے

(اوپر ثابت ہوا کہ اپنا مرض بعض اوقات خود معلوم نہیں ہوتا ہے اس لئے دوسرے ماہر کی ضرورت ہوگی اس ماہر کی تعیین فرماتے ہیں کہ) مرشد واقف طریق صاحب علوم کا کام ہے کہ نفس و تن کے باغوں میں جو نہر جاری ہے اس کو اندر سے صاف کرے (نفس و تن کو باغ اعمال حسنہ کے اعتبار سے اور صورت اخلاق کو نہر اس اعتبار سے کہ اخلاق سے اعمال کی تربیت و تکمیل ہوتی ہے کہہ دیا) اور نہر اپنے کو کب صاف کر سکتی ہے (اسی طرح آدمی اپنی اصلاح نہیں کر سکتا بلکہ) انسان کامل کا علم (اس مریض کے لئے) نفع بخش ہے کیونکہ اس کا علم فیض علم الہی سے ہوتا ہے اس لئے وہ امراض دقیقہ کو پہچان لیتا ہے پس جس طرح) آب نہر خود سرگین کو پاک نہیں کر سکتا (اسی طرح) اپنی جہالت نفس کو کوئی شخص علم فکری سے زائل نہیں کر سکتا) تم کو چاہیے کہ جاؤ اور کسی جراح کو یہ زخم (عیوب نفس) سپرد کرو (یعنی مرشد کامل کے ہاتھ میں اپنے کو تفویض کرو اور تم کو یہ زخم عیوب ہرگز نظر نہ آئے گا کیونکہ) ہر زخم کے اوپر کھیاں لپٹ رہی ہیں تاکہ کوئی شخص اپنے زخم کی مرہم دیکھنے نہ پائے (کیونکہ مکھیوں میں وہ چھپ رہا ہے) اور وہ کھیاں تمہارے خیالات (فاسدہ) اور درواز کی امیدیں اور ہوسیں ہیں اور وہ زخم تمہاری ظلمت احوال ہے (پس شیطان ان تسویلات و تزینات سے سعیات

کو حسنا دکھلا رہا ہے پھر ان ظلمات اور عیوب کی اطلاع کی خود کیونکر توقع ہے کما قال تعالیٰ افسن زین لہ سوء عملہ فرآہ حسنا۔ اس لئے
یہ شخص کی ضرورت ہوئی جو ان مکھیوں کو ہٹا کر زخم کی حالت دیکھ کر علاج کرے وہ شخص مرشد ہے)

برنہد مرہم بر آں ریش تو پیر	آں زماں ساکن شود در دو نفیر
اگر تیرے اس زخم پر پیر مرہم لگا دے	اس وقت تیرے درد اور آہوں کو سکون ہو جائے گا
تاناہ پنداری کہ صحت یافت ست	پر تو مرہم در انجا تافت ست
ہرگز نہ سمجھ لینا کہ صحت حاصل ہوگئی ہے	(ابھی) مرہم کا سایہ اس پر پڑا ہے
ہیں زمرہم سرکش اے پشت ریش	واں ز پر تو داں مداں از اصل خویش
اے زخمی کمر والے! خبردار مرہم سے منہ نہ موڑ	اس (آرام) کو (عارضی) اثر سمجھ اصل (صحت) نہ جان
ایں سخن پایاں ندارد اے جواں	بشنو اکنون قصہ در ضمن آں
اے جواں! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے	اس کے ضمن میں ایک قصہ سن لے

(اوپر صحبت پیر کی ضرورت ثابت کی ہے اب اس سے منع کرتے ہیں کہ بدون حصول المال اس کی صحبت سے جدا نہ ہو
یعنی) اور اگر پیر تمہارے زخم پر مرہم رکھ دے تو اس وقت درد و فغاں کو سکون ہو جائے جس پر گمان ہوتا ہے کہ مجھ کو صحت ہوگئی
حالانکہ وہ مرہم کا اثر ہے جو وہاں ظاہر ہو رہا ہے تو اس مرہم سے مستغنی نہ ہو جانا اس سکون کو محض پر تو مرہم سمجھو اصل عضو کی صحت
مت سمجھو (مطلب ظاہر ہے کہ اگر صحبت مرشد سے کچھ نفس کے اندر صلاحیت محسوس ہو تو وہ عکس شیخ کا ہے گمان کمال کر کے اس
سے مستغنی نہ ہو جائے بلکہ حصول ملکہ راسخہ و مقام تمکین تک اس کی خدمت میں رہے) (البتہ اگر شیخ کا اذن ہو تو یہ صورت مستغنی
ہے وہ اعرف بالمصالح ہے مگر استغناء اس وقت بھی موجب ہلاکت ہے) اس مضمون کا تو کہیں خاتمہ ہی نہیں اس کے ضمن میں
ایک قصہ سن لو (جس سے بدون کمال کے گمان کمال واستغناء عن الکامل کا ضرور ثابت ہوتا ہے)

مرتد شدن کاتب وحی بسبب آنکہ پر تو وحی بروے

زد آں آیہ را پیش پیغمبر خواند و گفت من محل وحیم

وحی کے کاتب کا مرتد ہو جانا اس لئے کہ وحی کا پر تو اس پر پڑا اس نے آیت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے پڑھی
اور بولا مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔

ف: یہ قصہ مدارک میں ہے اور ربط قصہ اس سرخی سے اوپر مذکور ہوا ہے

پیش از عثمان کیے نساخ بود	کوبہ نسخ وحی جدے می نمود
حضرت عثمان سے پہلے ایک کاتب وحی تھا	جو وحی کے لکھنے میں سرگرم رہتا تھا

چوں نبی از وحی فرمودے سبق	او ہماں را وا نوشتے در ورق
جب نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وحی کا سبق پڑھا	وہ اس کو ورق پر لکھ لیتا
پر تو آں وحی بروے تافتے	او درون خویش حکمت یافتے
وحی کا پہ تو اس پر پڑا	(اور) اس نے اپنے اندر دانائی محسوس کی
عین آں حکمت بفرمودے رسول	زیں قدر گمراہ شد آں بوالفضول
یعنی اس دانائی کا رسول (ﷺ) نے (لکھنے کا) حکم فرمایا	(لیکن) وہ نالائق اس کے باوجود گمراہ ہو گیا
کانچہ می گوید رسولپ مستنیر	مر مراہست آں حقیقت در ضمیر
کہوشن (ضمیر) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ فرماتے ہیں	وہ حقیقت تو میرے دل میں ہے
پر تو اندیشہ اش زد بر رسول	قہر حق آورد برجالش نزول
اس کے خیال کا عکس رسول پر پڑا	اللہ (تعالیٰ) کا قہر اس کی جان پر نازل ہوا
پر تو اونا کہش در دل بتافت	در درون خویشتن حرفے نیافت
اس کا عکس اس کے دل پر نمودار ہوا	اس نے اپنے دل میں (حکمت کا) ایک حرف بھی نہ پایا
ہم زناخی برآمد ہم زدیں	شد عدوے مصطفیٰ و دیں بکس
کتابت سے بھی برطرف ہوا اور دین سے بھی	کینہدی سے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دین کا دشمن بن گیا
مصطفیٰ فرمود کاے گبر عنود	چوں سیہ گشتی اگر نور از تو بود
مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے سرکش گمراہ!	تو کیسے سیاہ (دل) ہو گیا اگر نور تیرے (دل کا) تھا
گر تو یبوع الہی بودہ	ایں چنین آب سیہ نکلشودہ
اگر تو اللہ (کے) نور کا چشمہ ہوتا	تو ایسا سیاہ پانی نکلنے سے نہ بہتا
اندروں می سوختش ہم زیں سبب	او نیارد توبہ کردن اے عجب
اس وجہ سے اس کا دل جلتا تھا	(لیکن) تعجب ہے وہ توبہ نہ کر سکتا تھا
تا کہ ناموش بہ پیش این و آں	نشکند بر بست این اورا دہاں
تا کہ اس کے اور اس کے سامنے اس کی آمد	خراب نہ ہو اس نے اس کا منہ بند کر دیا
آہ می کرد و نبودش آہ سود	چوں در آمد تیغ سر را در ربود
آہ کرتا تھا اور آہ کرتا اس کو مفید نہ تھا	جب (تفصیح کی) تلوار آئی اس نے سر قلم کر دیا

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے ایک کاتب تھا جو وحی کا اہتمام سے لکھتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو آیتیں فرماتے جاتے وہ ان کو لکھتا جاتا اس وحی کے انوار اس پر تاباں ہوتے اور وہ اپنے باطن میں مضمون حکمت پاتا (بعض اوقات) وہی مضمون (یعنی آیات) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرمادیتے (چنانچہ آیت مذکورہ سرخی میں ایسا اتفاق ہوا) بس اتنی بات سے وہ گمراہ ہو گیا کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ بات تو میرے دل میں بھی ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا خیال منکشف ہو گیا اور قہر حق نے اس پر نزول فرمایا اور اس قہر کا اثر اس کے قلب پر پڑا تو اپنی باطن میں ایک حرف بھی نہ پایا عہدہ کتابت سے بھی خارج ہوا اور دین سے بھی پھر گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دین کا دشمن بن گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے کافر معاند اگر یہ نور خود تیرا تھا تو اب سیاہ و بے نور کیوں رہ گیا اگر تو چشمہ (علم) الہی ہوتا تو ایسا آب سیاہ تجھ سے نہ ظاہر ہوتا (غرض قصہ کی یہاں تک حاصل ہو گئی کہ گمان کمال و استغناء عن الکامل کا یہ ضرر ہے آگے قصے کا تمہ ہے یعنی) اس خیال سے کہ لوگوں کے روبرو میری ناموس کو بے لگے (اس وقت) توبہ سے بھی منہ بند کر لیا (کیونکہ معذرت و اعتراف بالخطا کرنے سے ذرا شان ہٹی ہوتی ہے) اور اس واقعہ کے سبب دل اس کا بھی (حسرت سے) سوختہ ہوتا تھا (مگر پھر بھی) وہ توبہ نہ کر سکتا تھا یہ عجیب بات تھی پس (دل میں) آہ (و افسوس) کرتا تھا مگر وہ آہ اس کو مفید نہ تھی کیونکہ بدون اعتذار و ترک عار صرف تحسیر ایک امر طبعی ہے جو قابل اعتبار نہیں اور احقر نے توبہ سے منہ بند کرنے میں اس وقت کی قید اس لئے لگائی کہ یوم فتح مکہ میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ اس کاتب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ و تجدید اسلام کی اور اصابہ سے بحر العلوم نے نقل کیا ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر جوں ہی داہنی بائیں سلام پھیرا کہ جان قبض ہو گئی غرض خاتمہ اچھا ہوا اور نام ان کا عبد اللہ بن سعد بن ابی شرح ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ و برعنا)

کردہ حق ناموس را صدمن حدید	اے بسا بستہ بہ بند نا پدید
اللہ (تعالیٰ) نے آبرو (کے خیال) کو سوسن کا لوہا بنا دیا ہے	لسا (مطلب) بہت سے انسان اس چھپی ہوئی بیڑی میں بندھے ہوئے ہیں
کبر و کفر آئساں بہ بست آں راہ را	کو نیارو کرد ظاہر آہ را
اس طرح تکبر اور کفر نے اس راستہ کو بند کر دیا ہے	کہ وہ افسوس (بھی) ظاہر نہیں کر سکتا ہے
گفت اغلالاً فہم بہ مقحون	نیست آں اغلال مارا از بروں
(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا طوق ہیں پس وہ انکی وجہ سے منہ کو لوٹا کئے ہوئے ہیں	ہمارے وہ طوق بیرونی نہیں ہیں
خلفہم سداً فاغشینا ہم	می نہ بیند بند را پیش و پس او
ان کے پیچھے ایک دیوار ہے پھر ہم نے ان کو ڈھانپ دیا ہے	وہ اس دیوار کو نہیں دیکھتا ہے جو اس کے آگے اور پیچھے ہے
رنگ صحرا دارو آں سد یکہ خاست	اونمید اند کہ آں سد قضاست
وہ دیوار جو پیدا ہوئی ہے صحرا جیسی ہے	وہ نہیں جانتا کہ وہ قضا (الہی) کی دیوار ہے
شاہد تو سد روئے شاہد ست	مرشد تو سد گفت مرشد ست
تیرا معشوق، معشوق کے چہرے کی دیوار ہے	تیرا مرشد مرشد کی گفتگو کے لئے دیوار ہے

اے بسا کفار را سودائے دیں بندشاں ناموس و کبر و آن وائیں

اے (مخاطب) بہت سے کافر ہیں جن کو دین کی لگن ہے ان کی بھڑی شرم اور تکبر اور یہ اور وہ ہے

بند پنہاں لیک از آہن بتر بند آہن را کند پارہ تبر

(یہ) بند پوشیدہ ہے لیکن لوہے سے بھی بدتر ہے لوہے کے بند کو کدال توڑ دیتی ہے

بند آہن را توواں کردن جدا بند غیبی راند اند کس دوا

لوہے کے بند کو جدا کیا جا سکتا ہے لہٰذا بند کی کوئی دوا نہیں جانتا ہے

مرد را زنبور گر نیشے زند طبع او آں لحظہ بر دفعہ تند

اگر انسان کے بڑے ڈنک مارتی ہے اس کی طبیعت اسی وقت اس کو دفع کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے

زخم نیش اما چو از ہستی تست عم قوی باشد نگرود در دست

لیکن اگر تیرے تکبر کے ڈنک کا زخم ہے (تو) عم زیادہ ہو گا درد کم نہ ہوگا

(اوپر خاص کاتب مذکور کے حق میں ناموس کا مانع تو بہ ہونا بیان کیا تھا اب علی العموم اس کی مانعیت عن الحق کا بیان کرتے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ نے ناموس کو صدمہ ہا من کا لوہا بنایا ہے اور بہت سے لوگ اس غیر محسوس قید میں مقید ہیں اور اس کبر (ناموس) اور کفر نے (جو اس ناموس سے پیدا ہوا ہے) راہ (حق) کو اس طرح بند کر رکھا ہے کہ (متکبر آدمی) آہ اور حسرت کو (جو حیوانا اپنی حالت شنیعہ پر پیدا ہوتی ہے ظاہر نہیں کر سکتا جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا ہے انا جعلنا فی اعناقہم اغلالاً فہی الی الاذقان فہم مقحون یعنی ہم نے کفار کے گردنوں میں بڑے بڑے طوق (موانع ایمان) ڈال رکھے ہیں پس وہ طوق ان کے زرخ تک (اڑے ہوئے) ہیں اس لئے وہ منہ اولالے ہوئے ہیں (یعنی اگر کوئی ایسا شخص فرض کیا جائے تو ظاہر ہے کہ وہ نہ گردن ہلا سکتا ہے کہ داہنے بائیں دیکھ سکے نہ گردن نیچی کر سکتا ہے کہ سامنے دیکھ سکے اسی طرح کفار کے موانع ایسے قوی ہیں کہ کسی جانب سے وضوح حق کی ان کے لئے امید نہیں) اور یہ اغلال و اطواق ہم پر خارج سے مسلط نہیں ہوئے (بلکہ ہماری ہی صفات ذمیرہ و ملکات خبیثہ ہیں جو ہمارے ساتھ لازم جان ہیں) اور نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے وجعلنا من بین ایدیہم سداً و من خلفہم سداً فاغشینا ہم فہم لایبصرون یعنی ہم نے ان کفار کے سامنے ایک دیوار کھڑی کر دی ہے اور ان کے پیچھے ایک دیوار کھڑی کر رکھی ہے پھر ہم نے ان کو اوپر سے بھی چھپا رکھا ہے اس لئے وہ دیکھے نہیں پاتے (یعنی ان کی حالت ایسے شخص کی سی ہے عدم البصار میں) مگر اس دیوار کو نہ وہ شخص آگے سے دیکھتا ہے نہ پیچھے سے (کیونکہ وہ دیوار محسوسات میں سے تو ہے نہیں بلکہ صفات ذمیرہ خفیہ ہیں جن کی طرف التفات بھی نہیں اس لئے) وہ دیوار جو کہ درمیان میں قائم ہے صحرائے کشادہ کے ہمرنگ ہے (جہاں ظاہر میں دیوار نہیں ایسے ہی یہ دیوار بھی معدوم معلوم ہوتی ہے لیکن معدوم سمجھنے والا یہ نہیں جانتا کہ وہ حجاب و دیوار قضا کی ہے (جس کے اسباب بظاہر وہ عیوب خفیہ ہو گئے ہیں اس لئے وہ محسوس نہیں ہے) پس تیرا محبوب مجازی محبوب حقیقی کے مشاہدہ کا حجاب ہو رہا ہے اور تیرا مرشد نفسانی مرشد روحانی کی تعلیم کا حجاب ہو رہا ہے چنانچہ بہت سے کفار کو دین کے خیالات آتے ہیں مگر یہ ناموس اور شان اور برادری کنبے کا پاس ان کے لئے قید ہو رہا ہے باوجودیکہ یہ قید نظر نہیں آتی مگر آہن سے زیادہ سخت ہے کیونکہ قید آہنی کو تو بسولہ قطع کر کے جدا کر سکتا ہے لیکن اس غیبی قید کا علاج

کوئی (مدبر) نہیں جانتا (مثلاً) کسی کو زنبور نیش مار دے تو اس کی طبیعت (جو مد بردا غلی ہے اس عارض خارجی کے) دفع کرنے پر مادہ ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی نیش داخل ہی سے ہو تو (وہ کیسے دفع ہو اس لئے) بہت سخت تکلیف ہوگی اور درد کم نہ ہوگا (اس سے اہت ہوا کہ خارجی عوارض کی تدبیر سہل ہے اور داخلی کی بہت دشوار ہے یہی حالت قید آہنی و قید کبر کی سمجھو)

شرح ایں از سینہ بروں می جہد	لیک می ترسم کہ نومیدی دہد
اس کی تفصیل سینہ سے باہر آ رہی ہے	لیکن میں ڈرتا ہوں کہ مایوسی پیدا نہ کر دے
نے مشو نومید خود را شاد کن	پیش آں فریاد رس فریاد کن
نہیں ناامید نہ ہو اپنے آپ کو خوش رکھ	اس فریاد سننے والے کے سامنے فریاد کر
کائے محب عفو از ما عفو کن	اے طیب رنج ناسور کہن
اے معافی کو پسند کرنے والے! ہمیں معاف فرما دے	اے پرانے ناسور کی تکلیف کے طیب

(اوپر کے اشعار میں کبر و ناموس کا بند غیبی ہونا بیان کیا ہے جس کے بند ہونے کی علت حقیقتہً قضا و قہر الہی ہے مگر اس حقیقت کا تحضار ضعیف القلب لوگوں کے لئے اس لئے مضر ہے کہ اپنی ہر اصلاح کے وقت ان کو یہی خیال گھیرے گا کہ اگر ہم مقہور قضا ہو چکے ہوں گے تو سعی لا حاصل ہوگی اس کے غلبہ سے ان کو یاس کی نوبت آئے گی جس سے کفر اور تعطل لازم ہے اس لئے مولانا اس علت کی طرف اجمالاً اشارہ اور اس کی تفصیل کے اظہار سے عذر اور یاس سے منع فرماتے ہیں یعنی) اس مضمون مذکور کی شرح (اور تفصیل حقیقت کہ سر قضا ہے) سینہ سے جوش زن ہوتی ہے (بوجہ غلبہ توحید افعالی کے) لیکن مجھ کو اندیشہ ہوتا ہے کہ (کسی ضعیف القلب کو) امید کا باعث نہ ہو جائے (جیسا احقر نے ابھی عرض کیا ہے اور ناامیدی بہت مضر ہے اس لئے) خبردار (مجاہدہ پر شمرہ اصلاح کے رتب ہونے سے) ناامید مت ہونا بلکہ (رحمت الہی پر نظر کر کے) خوش رہنا اور (سعی میں اثر و برکت پیدا ہونے کے لئے) اس فریاد و رس کے روبرو فریاد کرتے رہنا کہ اے معافی کے پسند کرنے والے ہماری خرابیوں کو (مثلاً کبر و ناموس وغیرہ) معاف (اور محو) فرما دیجئے آپ بڑے بڑے امراض قدیمہ سے صحت بخشنے والے ہیں (تو ہمارے ملکات خبیثہ سے شفا دینا کیا مشکل ہے خلاصہ یہ کہ مجاہدہ کے ساتھ التجار کھوانشاء اللہ تعالیٰ ضرور اصلاح ہو جائے گی)

عکس حکمت آں شتی رایا وہ کرد	خود مبیں تا بر نیارد از تو گرد
حکمت کے عکس نے اس بد بخت کو گمراہ کر دیا	خود پسند نہ بن تاکہ تو برباد نہ ہو
اے برادر بر تو حکمت جاریہ است	آں ز ابدال ست و بر تو عاریہ است
اے بھائی! تیرے (دل) پر جو حکمت جاری ہے	وہ ابدال کی ہے اور تیرے پاس عارضی ہے
گرچہ در خود خانہ نورے یافت ست	آں ز ہمسایہ منور تافت ست
گمراہ اپنے اندر اگرچہ روشنی محسوس کر رہا ہے	(لیکن) وہ روشن پڑوسی کی وجہ سے چمک رہا ہے

شکر کن غرہ مشو بنی مکن	گوش دار و ہیج خود بنی مکن
شکر کر گھمنڈ نہ کر اکار نہ کر	سن اور کبھی کبھار نہ کر
صد درلیغ و درد کایں عاریتے	معبجاں را دور کرد از امتے
افسوس صد افسوس کہ اس عارضی چیز نے	شکبروں کو امت سے دور کر دیا

(اس میں رجوع ہے مضمون ماقبل سرخی کی طرف و آن ز پر تو دان بدان از اصل خویش اور ان شقی سے مراد کوئی خاص شخص نہیں یعنی) شقی آدمی کو کبھی (اہل کمال کا) پر تو حکمت گمراہ کر دیتا ہے اس لئے خود بنی ہرگز مت کرو تا کہ تم کو وبال نہ آئے بھائی جان یہ علم و حکمت جو تمہارے (قلب کے) اندر نزول کرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ اولیاء اللہ (کی برکت) سے ہے (جن کی صحبت حاصل ہے) اور تمہارے پاس محض عاریت ہے (اس کی ایسی مثال ہے کہ گو کوئی گھراپنے اندر نور پاتا ہے مگر وہ پاس والے نوارنی گھر سے روشن ہو رہا ہے پس تم (اس علم کے حصول پر) شکر کرو اور اس کو اپنا کمال سمجھ کر) مغرور مت ہو اور (اہل کمال سے اس فیض کے پہنچنے کا) انکار مت کرو اور (ہماری نصیحت) کان لگا کر سنو اور ہرگز خود بنی مت کرو افسوس کا مقام ہے کہ اس علم (وکمال) عاریتی نے اہل عجب کو امت مرحومہ سے خارج کر رکھا ہے (خواہ بتلائے کفر کر کے خواہ بتلائے کبر بنا کر کہ کمال امتیت کے خلاف ہے)

من غلام آنکہ او در ہر رباط	خویش را واصل نداند بر ساط
میں اس شخص کا غلام ہوں جو ہر منزل میں	اپنے آپ کو دستر خوان پہ پہنچ جانے والا نہ سمجھے
بس رباطے کہ بپاید ترک کرد	تا بمسکن در رسد یک روز مرد
بہت سی منزلوں سے گزرتا ہوگا	پھر کسی دن انسان مسکن تک پہنچے گا

(اوپر اپنے کو کامل سمجھنے والے کی مذمت تھی یہاں کامل نہ سمجھنے والے کی مدح ہے یعنی) ہم تو اس شخص کے غلام (اور معتقد) ہیں جو (منازل سلوک کے) ہر منزل پر (پہنچ کر) اپنے کو یوں نہ سمجھے کہ میں خوان (مقصود) پر واصل ہو گیا کیونکہ بہت سے ترک اور قطع کرنے پڑتے ہیں تب منزل (مقصود) پر ایک روز وصول میسر ہوتا ہے (مطلب یہ کہ ہمیشہ اپنے کو محتاج ترقی و تکمیل سمجھتا رہے)

گر چہ آہن سرخ شد او سرخ نیست	پر تو عاریت آتش ز نے ست
اگرچہ لوہا سرخ ہو گیا (لیکن) وہ سرخ نہیں ہے	(وہ) آتش زن کا مانگا ہوا عکس ہے
گر شود پر نور روزن یا سرا	تو مداں روشن مگر خورشید را
اگر روشن دان یا گھر نور سے بھر جائے	تو صرف سورج کو روشن سمجھ
ور درو دیوار گوید روشنم	پر تو غیرے ندارم ایں منم
اگر درو دیوار کہے کہ میں روشن ہوں	مجھ پر غیر کا کوئی عکس نہیں ہے میں خود (روشن) ہوں
پس بگوید آفتاب اے نارشید	چونکہ من غائب شوم آید پدید
تو سورج کہے گا کہ اے گمراہ!	جب میں غائب ہو جاؤں گا تو پتہ چلے گا

سبز ہا گویند ما سبز از خودیم	شاد و خندانیم و بس زیبا خدیم
(اگر) سبزے کہیں ہم خود بخود سبز ہیں	شاد اور خنداں ہیں اور بہت خوبصورت ہیں
فصل تابستاں بگوید کاے امم	خویش را بید چوں من بگذرم
(تو) موسم بہار کہے گا اے مخلوق!	اپنے آپ کو (اس وقت) دیکھنا جب میں گزر جاؤں
تن ہمی نازد بخوبی و جمال	روح پنہاں کردہ فرو پر وبال
حسن اور جمال پر جسم ناز کرتا ہے	روح نے اپنی شان و شوکت اور بال و پر چھپا رکھے ہیں
گویش کاے مزبلہ تو کیستی	یک دوروز از پرتو من زیستی
وہ (روح) اس (بدن) کو کہتی ہے اے کوڑی تو کیا ہے؟	کچھ دن تو میرے عکس سے جی لیا ہے
غنج و نازت می نلنجد در جہاں	باش تا کہ من شوم از تو جہاں
عالم میں تیرا کرشمہ اور ناز نہیں ساتا ہے	نظر جا' یہاں تک کہ میں تجھ سے رخصت ہو جاؤں
گرم دارانت ترا گورے کنند	کش کشانت درتگ گور افکنند
تیرے دوست تیرے لئے قبر کھودیں گے	کشاں کشاں تجھے قبر کے گڑھے میں پھینکیں گے
تا کہ چوں در گور یارانت کنند	طعمہ موران و مارانت کنند
جب تیرے دوست تجھے قبر میں دفن کر دیں گے	تجھے چیونٹیوں اور سانپوں کی خوراک بنا دیں گے
بنی از گند تو گیرد آں کسے	کہ بہ بیش تو ہمی مردے بسے
تیری بدبو سے (وہ بھی) ناک بند کرے گا	جو اکثر تجھ پر جان قربان کرتا تھا
پرتو روح ست نطق و چشم و گوش	پر تو آتش بود در آب جوش
گویائی اور آنکھ، کان، روح کا اثر ہے	پانی میں جوش آنا آگ کا اثر ہوتا ہے
آں چنانکہ پرتو جاں برتن ست	پر تو ابدال بر جان من ست
جس طرح روح کا پرتو جسم پر ہے	ابدال کا پرتو میری روح پر ہے
جان جاں چوں واکشد پاراز جاں	جاں چناں گردد کہ بیجاں تن بداں
جان جاں جب جان سے اپنا قدم پیچھے ہٹا لے	تو سمجھ لے کہ جان بے جان جسم کی طرح ہو جائے گی

(اوپر اس مضمون کی کہ ہمارا کمال ظل کمال کا ملین ہے یہ مثال آئی تھی گرچہ در خود خانہ نورے یافت ست الخ ان اشعار میں بھی اس مضمون کی اور مثالیں ہیں یعنی ایک مثال تو گزر چکی دوسری مثال یہ ہے کہ اگرچہ (آگ میں) لوہا سرخ ہو جاتا ہے مگر (بالذات) وہ سرخ نہیں ہے (بلکہ) آتش زن کا پرتو عاریت ہے (تیسری مثال) اگر کوئی روزن یا مکان پر نور ہو جائے تو تم

خورشید ہی کو (بالذات) روشن سمجھو اور اگر (فرضاً) درود یوار کہنے لگیں کہ ہم (بالذات) منور ہیں اور کسی غیر کا ہم پر عکس نہیں ہے تو اس وقت آفتاب (بزبان حال) کہے گا کہ اے ناخلف جب میں غروب ہو جاؤں گا اس وقت حقیقت کھل جائے گی (چوتھی مثال) مثلاً سبزے کہنے لگیں کہ ہم از خود سبز ہیں اور شاد و خندان و زیبا رو ہم (بالذات) ہیں اس وقت فصل بہار کہے گی کہ جب میں ختم ہو جاؤں گی اس وقت اپنی حالت دیکھنا (پانچویں مثال) یہ جسم اپنے حسن و جمال پر خوب ناز کر رہا ہے اور روح اپنی شان اور پروہال مخفی کئے ہوئے ہے اور جسم سے کہہ رہی ہے کہ اے معدن کثافت تیری اصل کیا ہے خیر میرے پر تو فیض سے چند روز زندہ ہو گیا جس پر تیرا کرشمہ و ناز عالم میں نہیں سماتا اچھا ٹھہر میں ذرا تجھ سے علیحدہ ہو جاؤں (اس وقت دیکھنا) تیری بڑی گرم جوشی جتانے والے دوست تیرے لئے ایک قبر کھودیں گے اور تجھ کو کشاں کشاں اس کے اندر ڈال دیں گے اور اس فن پر نتیجہ مرتب ہوگا کہ تجھ کو طعمہ مور و مار بنائیں گے اور جو لوگ تجھ پر جان فدا کرتے تھے وہ لوگ تیری بدبو سے ناک بند کریں گے پس یہ سب نطق و چشم و گوش روح ہی کا پرتو ہے جیسا پانی میں جو جوش ہے وہ آگ کا پرتو ہے (آگ تمثیلات کا مقصود بیان کرتے ہیں کہ) جس طرح روح کا پرتو جسم پر ہے اسی طرح (علم و کمالات میں) اولیاء اللہ کا پرتو ہمارے ارواح پر ہے پس وہ روح الروح اپنا قدم ہماری روح سے ہٹا لے (یعنی نظرات ہٹالیں) تو ہماری روح ایسی (بے کمال) رہ جائے جیسے بدون روح کے جسم رہ جاتا ہے اس کو یقینی جانو۔

سر ازاں رومی نہم من برز میں	تا گواہ من بود در یوم دیں
میں اسی وجہ سے زمین پر چہرہ رکھتا ہوں	تاکہ وہ قیامت کے دن میری گواہ ہو
یوم دیں کہ زلزلت زلزالہا	ایں زماں باشد گواہ حالہا
قیامت کے دن جبکہ زمین کو زلزلہ آجائے گا	اس وقت وہ حالتوں کی گواہ ہو گی
کو تحدث جہرتا اخبارہا	در سخن آید زمین و خارہا
کیونکہ وہ علی الاعلان اپنی خبریں سنائے گی	زمین اور اس کا خار و خس بولنے لگے گا

(اور پر عجب و خود بینی کی مذمت اور کمال کمال کی غلطی مذکور تھی اب فرماتے ہیں کہ اسی عجب و پندار کے ازالہ کے لئے ہم پر عبادت میں تدبیر فرض ہوا ہے اس لئے) ہم لوگ زمین پر (کہ اسخس الاشیاء ہے) اپنا منہ (جو اشرف الاعضا ہے) رکھتے ہیں تاکہ وہ قیامت کے روز (اس انکسار و تدبیر میں) ہماری گواہ ہو (چونکہ جہاد کی گواہی دینا ظاہر ا مستجد تھا اس لئے اس کا اثبات قرآن مجید سے فرماتے ہیں کہ) قیامت کے روز جب زلزلت الارض زلزالہا کا وقوع ہوگا یعنی زمین کو زلزلہ آئے گا اس وقت وہ ہمارے احوال کی شہادت دے گی جیسا ارشاد ہے یومئذ تحدث اخبارہا یعنی اس روز اپنی تمام خبریں کہہ ڈالے گی اور زمین اور خار سب باتیں کرنے لگیں گے۔

فلسفی گوید ز معقولات دوں	عقل از دہلیز می ماند بروں
فلسفی کتر درجہ کی معقولات کی باتیں کرتا ہے	(اس کی) عقل چو کھٹ سے باہر رہتی ہے
فلسفی منکر شود در فکر و ظن	گوبر و سر را بدارا دیوار زن
فکر اور ظن میں (رہ کر) فلسفی منکر ہوتا ہے	کہہ دے کہ جا' اس دیوار سے سر پھوڑ

نطق آب و نطق خاک و نطق گل	ہست محسوس حواس اہل دل
پانی کا بولنا اور مٹی کا بولنا اور گارے کا بولنا	اہل دل کے حواس کا محسوس ہے
فلسفی کو منکر حنانہ است	از حواس انبیاء بیگانہ است
فلسفی جو (اسطوانہ) حنانہ (کے رونے کا منکر) ہے	وہ نبیوں کے حواس سے بے خبر ہے
گوید او کہ پرتو سودائے خلق	بس خیالات آورد در رائے خلق
وہ (فلسفی) کہتا ہے کہ انسانوں کے سودا دیت کا اثر	لوگوں کی رائے میں بہت سے خیالات (فاسد) پیدا کر دیتا ہے
بلکہ عکس آں فساد و کفر او	آں خیال منکرے را زد برو
یہ اس کے فساد اور کفر کا پرتو ہے	جس نے یہ برا خیال اس پر مسلط کر دیا ہے
فلسفی مر دیو را منکر شود	در هماندم سخرہ دیوے بود
فلسفی شیطان کا منکر بنتا ہے	(اور) اسی وقت شیطان کا محکوم ہو جاتا ہے
گر ندیدی دیو را خود را ببین	بے جنوں نبود کبودی بر جبیں
اگر تو نے شیطان کو نہیں دیکھا ہے اپنے آپ کو دیکھ لے	جنون کے بغیر پیشانی پر نیلاہٹ نہیں ہوتی ہے

(اوپر حشر و نشر و کلام جمادات کا بیان تھا چونکہ فلاسفہ ان کے منکر ہیں اس لئے انکار کرتے ہیں کہ) فلسفی عقلیات سافلہ کی گفتگو کر رہا ہے اور اس کی عقل ابھی دلیز سے بھی نہیں نکلی (اور علوم عالیہ تک تو کیا پہنچتی) صرف قوت فکریہ و مقدمات ظنیہ کی بناء پر (حقائق کا اظہار کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ (ساری عمر) اسی دیوار (فکر) سے سر پھوڑتا رہنا آب و خاک و گل کا نطق اہل کشف کے نزدیک تو حواس باطن سے محسوس ہو رہا ہے سو فلسفی جو ستون حنانہ کے قصہ کا انکار کرتا رہا ہے وہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے قوی مدد کے سے محض محروم ہے اور (کشف کی نسبت) یوں کہتا ہے کہ خلط سوداوی کا اثر (جس کا غلبہ تقلیل رطوبات سے ہو جاتا ہے) ایسے لوگوں کے ذہن میں کچھ خیالات (غلط) جمع کر دیتا ہے (اور واقع میں وہ محض لاشیٰ ہے مولانا جواب دیتے ہیں کہ ان حضرات کو سودا کا غلبہ نہیں ہوا) بلکہ اس کے برعکس فلسفی کا فساد اعتقاد و کفر خود اس خیال انکار کا اثر اس میں پیدا کر رہا ہے (یعنی اس کا یہ خیال اس کے کفر کا اثر ہے) اسی طرح فلسفی شیطان و جنات کے وجود کا منکر ہے اور عین انکار کے وقت میں شیطان کا محکوم بن رہا ہے فلسفی اگر تو نے شیطان کو نہیں دیکھا تو اپنے ہی کو دیکھ لے (کہ تیری حالت تباہ خود دلیل ہے وجود شیطان کی جو سبب ہوا ہے تیری گمراہی کا کیونکہ) بلا جنون کے پیشانی پر نیلاہٹ نہیں ہوا کرتی (پس جس طرح کبودی کہ اثر ہے جنون کا دلیل ہے جو موثر کی کہ جنون ہے اسی طرح تمہاری حالت کہ اثر ہے شیطان کا دلیل ہے جو شیطان کی کہ موثر ہے)

ہر کرا در دل شک و پیچانی ست	در جہاں او فلسفی پنهانی ست
جس کے دل میں شک اور کجی ہے	وہ دنیا میں چھپا فلسفی ہے
مینماید اعتقاد او گاہ گاہ	آں رگ فلسف کند رویش تباہ
وہ کبھی کبھی اعتقاد کو ظاہر کرتا ہے	فلسفہ کی وہ رگ اس کا رو سیاہ کرتی ہے

الخدر اے مومنوں کو در شاست	وہ کہ آں روزے بر آرد از تو دست
سب بہتر فرتے تجھ میں ہیں	انسوں! کہ کسی دن وہ ہاتھ سے نکالیں
ہر کہ اور ابرگ اس ایماں بود	ہمچو برگ از نیم اور لزاں بود
جس شخص کے پاس اس ایماں کا ساز و سامان ہوگا	وہ پتے کی طرح اس کے ڈر سے لرزاں ہوگا
بر بلیس و دیو زان خندیدہ	کہ تو خود را نیک مردم دیدہ
ابلیس اور شیطان پر تو اس لئے ہنستا ہے	کہ تو نے اپنے آپ کو نیک انسان سمجھا ہے
چوں کند جاں باز گونہ پوستیں	چند واویلا بر آید ز اہل دیں
جب چمپے ہوئے احوال ظاہر ہوں گے	دیندار لوگ کس قدر واویلا کریں گے

(اوپر فلسفہ منکرین کی مذمت تھی اب فرماتے ہیں کہ فلاسفہ سے کوئی خاص فرقہ مراد نہیں جو اسی لقب سے موسوم ہو بلکہ جس میں اس قسم کا مادہ ہو پھر سب کو متنبہ کرتے ہیں کہ اوروں کو بھی مغرور و مطمئن نہیں ہونا چاہیے کہ ہم بڑے مومن کامل ہیں شاید کوئی شعبہ فلسفیت کا دبا ہوا کسی وقت ظہور کرے یعنی جس کے دل میں کوئی شک اور اضطراب ہو (خواہ وہ فرقہ اہل ایماں میں گنا جاتا ہو مگر) وہ دنیا میں مخفی فلسفی ہے (گو فرقہ فلاسفہ میں شمار نہ ہونے سے علانیہ نہیں چنانچہ) گاہ گاہ اپنا اعتقاد (فلسفیانہ) ظاہر کر ڈالتا ہے (خواہ قصداً یا بلا قصد اس کے منہ سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے) اور رگ فلسفیت اس کو (اہل حق کے مجمع میں) رسوا کر دیتی ہے (کما هو مشاہد فی المدعین لاصلاح القوم فی زماننا آگے تنبیہ مذکور ہے کہ) اے اہل ایماں ڈرتے رہنا کہ وہ (مادہ فلسفیت و انکار) تم سب کے اندر موجود ہے (اور اس ایک مادہ کی کیا تخصیص ہے) تمہارے اندر تو غیر متناہی (یعنی کثیر) عالم بھرے پڑے ہیں چنانچہ یہ بہتر مذہب جو ضلالت کے ہیں یہ) بھی تمہارے اندر (مرتبہ استعداد و اجمال میں) موجود ہیں ذرا ہوشیار رہنا کبھی کسی روز وہ تم سے ظہور نہ کرے اور جس کے پاس اس کامل ایماں کا سامان ہوگا وہ پتے کی طرح اس خوف سے لرزان رہے گا (لان الایمان بین الخوف والرجاء) اور تم جو مطمئن ہو کر) ابلیس اور دیو پر ہنس رہے ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ تم اپنے کو بڑا صالح سمجھ رہے ہو (لیکن ابھی کیا خبر) جب یہ روح پوستیں الٹا کرے گی (کنایہ ہے ظہور حقیقت و حالات مخفیہ سے) اس وقت صد ہا اہل دین (جو ظاہر میں بڑے دیندار سمجھے جاتے تھے) واویلا کرتے پھریں گے) (کہ ہم اپنے کو کیا پاک سمجھتے تھے ناپاک نکلے)

بردکاں ہرز رنما خنداں شد دست	زانکہ سنگ امتحاں پنہاں شد دست
دکان پر ہر سونا دکھانے والا نہیں رہا ہے	اس لئے کہ کوئی غائب ہو گئی ہے
پردہ اے ستار از ما بر مگیر	باش اندر امتحاں مارا مجیر
اے پردہ پوش! ہمارا پردہ نہ اٹھا	امتحان میں ہمیں پناہ دینے والا بن جا
قلب پہلومی زند باز رہ شب	انتظار روز می دارد ذہب
رات میں کھوتا سونا (کمرے) سونے کی برابری کرتا ہے	(کھرا) سونا دن کا انتظار کرتا ہے

بازبان حال زر گوید کہ باش	اے مزور تا برآید روز فاش
زبان حال سے (کھرا) سونا کہتا ہے ٹھہر	اے دھوکہ باز! جب تک کہ دن چڑھے
صد ہزاراں سال ابلیس لعین	بود ز ابدال و امیر المومنین
ابلیس لعین لاکھوں سال	ابدال میں سے اور مومنین (فرشتوں) کا سردار رہا
پنچہ زد با آدم از نازیکہ داشت	گشت رسوا ہا پمچوں سرگیں وقت چاشت
نگہبر کی وجہ سے حضرت آدم کے مقابلہ میں آ گیا	اس طرح رسوا ہوا جیسے دن چڑھے گور
پنچہ بامرداں مزن اے بواہوس	برتر از سلطاں چہ می رانی فرس
اے بواہوس! مردان خدا کا مقابلہ نہ کر	بادشاہ سے آگے گھوڑا کیوں دوڑاتا ہے؟

(تخویف و تنبیہ بالا کی تقریر ہے یعنی یہاں حقیقت کے مخفی ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے) دکانوں پر زر نما لوگ اس لئے بیٹھے ہنس رہے ہوں کہ سنگ امتحان (یعنی کسوٹی) غائب ہو (قیامت میں وہ سنگ امتحان بہتوں کو رسوا کر دے گا اب گھبرا کر التجا کرتے ہیں کہ) اے ستارہ ہماری پردہ دری نہ کیجئے گا اور امتحان کے وقت ہم کو اپنی حفاظت میں رکھیے گا (آگے خفاء حقیقت کی دوسری مثال ہے کہ) زر قلب زر خالص کے ساتھ شب کے وقت دعویٰ مساوۃ کا کر رہا ہے اور زر خالص دن نکلنے کا منتظر ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ ذرا صبر کر اے مکار دن نکلنے دے (بعد مثالوں کے تخویف ہے یعنی) لاکھوں سال ابلیس لعین بزرگ اور افضل اہل ایمان رہا حتیٰ کہ ناز و عجب میں اگر حضرت آدم علیہ السلام کا مخالف و مقابل بن بیٹھا اور ایسا رسوا ہوا جیسا تیز دھوپ کے وقت گور (کہ بہت گندگی پھیلتی ہے آگے نصیحت ہے کہ) مردان خدا کا مقابلہ و دعویٰ مساوۃ کبھی مت کرنا بھلا بادشاہ سے آگے گھوڑا چلانا کیا زیبا ہے (اسی طرح یہ حضرات بوجہ قرب و قبول کے مثال بادشاہ کے ہیں ان سے سبقت کا دعویٰ خسران محض ہے)

دعا کردن بلعم با عور کہ موسیٰ علیہ السلام را و قومش را ازیں شہر

کہ حصار دادہ اند بے مراد بازگرداں و مستجاب شدن دعایش

بلعم با عور کا دعا کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس شہر سے جس کا انہوں نے محاصرہ کر رکھا ہے ناکام واپس کر دے اور اس کی دعا کا مقبول ہونا

بلعم با عور را خلق جہاں	سغبہ شد مانند عیسیٰ زماں
بلعم با عور پر دنیا کی مخلوق	فریفتہ ہو گئی جس طرح عیسیٰ (علیہ السلام) پر ان کے زمانہ میں
سجدہ ناور دند کس را دون او	صحت رنجور بود افسون او
وہ اس کے علاوہ کسی کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرتے	اس کا دم کرنا بیماری کی صحت تھی

پنچہ زد با موسیٰ از کبر و کمال	آنچناں شد کہ شنیدستی تو حال
کمال اور فرد کی وجہ سے اس نے (حضرت) موسیٰ کا مقابلہ کیا	اس کا وہ حال ہوا جو تونے سنا
صد ہزار ابلیس و بلعم در جہاں	پنچنیں بودست پید او نہاں
لاکھوں شیطان اور بلعم دنیا میں	ایسے ہی ہوئے ہیں جو مشہور اور غیر مشہور ہیں
ایں دو را مشہور گردانید الہ	تا کہ باشند ایں دو بر باقی گواہ
ان دو کو خدا نے مشہور کر دیا	تا کہ یہ دونوں باقی کے لئے گواہ بنیں
رہزناں را در بیاباں چوں کشند	یک دو تن را سوائے وہ زایشاں کشند
ڈاکوؤں کو جب جگہ میں لٹل کر دیتے ہیں	ان میں سے ایک وہ (کیٹش) کو گاؤں میں سمجھ کر لاتے ہیں
تا بہنید اہل وہ گیرند پند	رویت ایشاں بودشاں پچھو بند
تا کہ گاؤں والے دیکھیں نصحت پکڑیں	ان کا دیکھنا ان کے لئے بندش بنتا ہے
ایں دو دزد آویخت بردار بلند	ورنہ اندر دہر بس دزداں بند
ان دو چوروں کو (اللہ تعالیٰ نے) اونچی سولی پر لٹکا دیا	ورنہ دنیا میں بہت سے چور تھے
ایں دو را پرچم بسوئے شہر برد	کشتگان قہر را نتواں شمر د
ان دونوں کو پرچم شہر کی طرف لایا ہے	(ورنہ) قہر (خدا) کے مارے ہوئے شمار نہیں کئے جاسکتے
نازیننی تو ولے در حد خویش	اللہ اللہ پامنہ از حد تو بیش
تو نازنین ہے لیکن اپنی حد میں (وہ)	خدا کے لئے حد سے آگے قدم نہ رکھ
گرنی بر نازنیں ترا از خودت	در تگ ہفتم زمیں زیر آردت
اگر تو اپنے سے زیادہ نازنین پر حملہ کرے گا	وہ تجھے ساتویں زمین کے نیچے گہرائی میں اتار دے گا
قصہ عاد و ثمود از بہر چہست	تا بدانی انبیاء را ناز کیست
عاد اور ثمود کا قصہ (قرآن میں) کس لئے ہے؟	(اس لئے ہے) تا کہ تو جان لے انبیاء کا کس پر ناز ہے
ایں نشان حسف و قذف و صاعقہ	شد بیان عز نفس ناطقہ
یہ دھنسنے اور سنگ باری اور کڑک کی علامت	نفس ناطقہ کی عزت کے اظہار کے لئے ہے

(یہ مضمون مربوط ہے شعر بالا پنچہ با مردان مزین الخ کے ساتھ یعنی) دیکھو بلعم بن باعور کے تمام لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فریفتہ و معتقد تھے اور اس کی تعظیم کسی کی نہ کرتے تھے اور بیمار اس کی جھاڑ پھونک سے صحت پاتے تھے (لیکن) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو مخالفت کی تو وہ حال ہوا جو تم نے (کسی عالم سے) سنا ہوگا (کہ ایمان بھی سلب ہو گیا اور

ظاہر ابھی ذلیل و خوار ہو گیا پس مخالفت اہل اللہ کی ایسی وبال کی چیز ہے اب فرماتے ہیں کہ اس مخالفت پر کچھ ایک ہی دو کو سزا نہیں ہوئی بلکہ (لاکھوں ابلیس اور بلعم (کے مثل) دنیا میں ہو چکے ہیں کچھ مشہور کچھ غیر مشہور جن میں سے ان دو کو اللہ تعالیٰ نے (زیادہ) مشہور کر دیا تاکہ بقیہ امثال پر بطور نظیر کے ہو جائیں (جیسا ناظمین سلطنت کا قاعدہ ہوتا ہے کہ) جب رہنوں کو جنگل میں (جہاں وہ پناہ لیتے ہیں) قتل کرتے ہیں تو ایک دو کی لاش کو بستی میں لے آتے ہیں تاکہ بستی والے ان کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں اور ان کو دیکھنا ایسے افعال سے بندش کے طور پر ہو جائے (اسی طرح) ان دو کو (یعنی ابلیس اور بلعم کو گویا) سولی پر ٹانگ دیا ہے ورنہ عالم میں ایسے چور (باغی) بہت ہوئے ہیں صرف ان دو کا پرچم یعنی پھریرا (شہرت کے لئے) شہر میں لے آئے ہیں) ورنہ کشتگان قہر کا شمار نہیں ہو سکتا (پس تم کو متنبہ ہونا چاہیے اور مقبولان الہی کی ہرگز مخالفت نہ چاہیے) اور ہم نے مانا کہ تم بھی نازنین (اور بوجہ طاعت و تقویٰ کے محبوب) ہو لیکن اپنے اندازہ پر (یعنی ان کے درجہ پر نہیں ہو) خدارا اپنی حد سے آگے قدم مت رکھنا (اور ان کا مقابلہ مت کرنا) اگر تم ایسے شخص پر جو تم سے زیادہ مقبول و محبوب ہے حملہ کرو گے تو تم کو قعر زمین ہفتم کے نیچے پہنچائے گا تم کو خبر بھی ہے کہ قصہ عاد و ثمود کا (جو قرآن میں ہم کو سنایا گیا ہے) کس فائدے کے لئے ہے یہ صرف اس لئے ہے تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو کس پر ناز ہے (یعنی حق تعالیٰ کے محبوب ہیں جن کی مخالفت سے لاکھوں ہلاک کر دیئے گئے) اور یہ آثار جو واقع ہوئے ہیں (قارون کے لئے) حسف اور (قوم لوط کے لئے) سنگباری اور (ثمود کے لئے) کڑک یہ سب نفس ناطقہ (یعنی روح) کی عزت کا بیان اور اظہار ہے (کہ حضرات انبیاء علیہم السلام و مقبولین کی وجاہت و محبوبیت عند اللہ سب کو معلوم ہو جائے۔

جملہ حیواں را پئے انساں بکش	جملہ انساں را بکش از بہر ہش
تمام حیوانات انسان کے لئے مارے جاسکتے ہیں	ہوشمند (انسان کامل) کے لئے سب انسان مارے جاسکتے ہیں
ہش چہ باشد عقل کل اے ہوشمند	عقل جزوی ہش بود اما نرشد
اے عقلمند! ہوش کیا ہے؟ عقل کامل!	جزوی عقل رکھنے والا بھی (صاحب) (ہوش ہوتا ہے لیکن افسردہ
جملہ حیوانات وحشی ز آدمی	باشد از حیوان اسی در کمی
آدمی سے وحشت کرنے والے سب حیوان	مانوس جانوروں سے کم درجہ میں ہوتے ہیں
خون آہنا خلق را باشد سبیل	زانکہ وحشی اند از عقل جلیل
ان کا خون لوگوں کے لئے حلال ہے	کیونکہ وہ بڑی عقل (انسان) سے وحشی ہیں
خون ایشاں خلق را باشد روا	زانکہ انساں را نیند ایشاں سزا
ان کا خون لوگوں کیلئے روا ہے	کیونکہ انسان سے ان کو مناسبت نہیں ہے
عزت وحشی بداں ساقط شد دست	کہ مر انساں را مخالف آد دست
وحشی (جانور) کی عزت اسی وجہ سے جاتی رہی	کہ وہ انسان کا مخالف ہے

پس چه عزت باشدت اے نادرہ	چوں شدی تو حمر مستفرہ
اے احمق! تیری عزت کیا رہے گی؟	جب تو بھڑکنے والے گدھوں (میں سے) بن گیا
خر نشاید کشت از بہر صلاح	چوں شود وحشی شود خوش مباح
مصلحت کی وجہ سے گدھے کو ذبح نہیں کیا جاتا ہے	جب وحشی (گورخ) ہو جاتا ہے تو اس کا خون حلال ہو جاتا ہے
گرچہ خر را دلش زاجر نبود	ہیچ معذورش نمیدارد و دود
اگرچہ گدھے میں روکنے والی عقل نہیں ہے	پھر بھی خدا اس کو معذور نہیں رکھتا ہے
پس چو وحشی شد از ادم آدمی	کے بود معذور اے یار سہمی
پھر جب انسان اس (انبیاء کی) گنگو سے وحشی ہو جائے	اے عالی قدر دوست! وہ کب معذور ہو گا؟
لاجرم کفار راشد خون مباح	ہیچو وحشی پیش نشاب و رماح
لا محالہ کفار کا خون مباح ہو گیا	وحشی (جالور) کی طرح تیروں اور نیزوں کے سامنے
جفت و فرزند ان شاں جملہ سبیل	زانکہ بے عقل اند و مردود و ذلیل
ان کی بیویاں اور اولاد سب مباح ہو گئے	اس لئے کہ وہ (دین سے) بے عقل ہیں اور مردود اور ذلیل ہیں
باز عقلے کو رد از عقل عقل	گرد از عقلی حیوانات نقل
پھر وہ عقل جو (انبیاء کی) عقل کل سے وحشت کرتی ہے	عقلندی سے حیوانات کی طرف نقل ہو جاتی ہے
بشنو اکنون در بیان این سخن	قصہ از جان و نیکو گوش کن
اب اس سلسلہ میں ایک قصہ سن	دل و جان سے اور اچھی طرح سن

(نادرہ در محاورہ احمق را تحفہ و نادرہ می گویند اور پر مقبولان الہی کی عزت کا ہلاک کفار کا سبب ہونا مذکور تھا یہاں مثال کے ساتھ ان کفار مخالفین کا ذلیل اور کشتنی ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی) جس طرح جمیع حیوانات (خصوصاً وحشی کماسیاتی) انسان کے واسطے کشتہ ہوتے ہیں اسی طرح انسان کو (جو کہ انسان مقبول سے وحشت و مخالفت کرتے ہوں) انسان صاحب ہوش (کامل یعنی انبیاء و اولیاء) کے واسطے کشتہ ہو سکتی ہیں (کیونکہ حیوان کو جو نسبت انسان کے ساتھ ہے انسان غیر مقبول کو وہی نسبت انسان مقبول کے ساتھ ہے پھر مقبولین کے لئے غیر مقبولین کا ہلاک ہو جانا کچھ محل عجب نہیں تھا) اور انسان صاحب ہوش سے مراد (مطلق ذی عقل نہیں کہ سب انسانوں کو شامل ہو بلکہ) وہ شخص ہے جو عقل کامل (بصیرت دین و معرفت حق) رکھتا ہے اور عقل ناقص (بالمعنی الاعم) ہوش ہے مگر افسردہ محض (کہ کامل کے مقابلہ میں اس کو عقل و ہوش کہنا زیادہ نہیں آگے حیوانات میں سے بالخصوص وحشی کا بیان کرتے ہیں کہ) جتنے حیوانات آدمی سے وحشت کرتے ہیں وہ بہ نسبت مانوس حیوانات کے اور بھی پست حالت میں ہیں (یعنی زیادہ ذلیل ہیں جب غیر عقلاء میں بوجہ تفاوت مناسبت مع العقلاء کے باہم درجہ میں تفاوت ہے تو خود عقلاء کے ساتھ تو غیر عقلاء کو کس درجہ تفاوت ہوگا آگے پستی مذکور کا بیان ہے کہ) دیکھو ان کا خون خلق کے لئے (حیوانات الہی

سے زائد) بے دریغ مباح ہے کیونکہ وہ صاحب عقل عزیز (یعنی انسان) سے متوحش ہیں ان کا خون خلق کے لئے بے دریغ روا ہو گیا کیونکہ انسان کے ساتھ ان کو مناسبت نہیں (اور اہلی و وحشی میں اہلی کا بدون حاجت شدید ذبح نہ ہونا پھر غیر ماکول کا ذبح نہ ہونا اور وحشی کا محض لہو و تفریح کے لئے بلا لحاظ ضرورت و منفعت کے قتل کر ڈالنا و دریغ و بے دریغ کے فرق کو ظاہر کر رہا ہے) پس جس حالت میں کہ وحشی جانور کی عزت کے ساقط ہونے کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ انسان کا مخالف ہے تو اے احمق تیری ہی کیا عزت ہو سکتی ہے جب تو (مقبولان الہی سے) وحشی گدھوں کی طرح (جو کہ شیروں سے بھاگتے ہیں) دور رہتا ہے (اہلی) گدھے کو بمصلحت (بار برداری و سواری وغیرہ کے) جان سے نہیں مارتے (یہ تو اثر تھا اتباع و اطاعت انسان کا لیکن اگر وحشی گدھا (یعنی گورخر) تو اس کا خون (مثلاً دوسرے شکار کے) مباح ہو جاتا ہے باوجودیکہ اس گورخر میں عقل نہیں جو اس کو (آدمی سے وحشت کرنے سے) زجر اور منع کرے مگر پھر بھی اس کو اللہ تعالیٰ معذور نہیں رکھتے (ورنہ انسان کو تشریحاً اس کی اصطیاد سے منع فرما دیتے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وحشت عن ذوی العقول کا اثر تکوینی اللہ تعالیٰ نے بے قدری بنائی ہے جب وہ غیر عاقل ہو کر معذور نہ ہو تو انسان جو مقبولین سے مخالفت کرتا ہے وہ تو عاقل ہے پھر اگر انسان (عاقل ہو کر) اس سے (اس گفتار سے) یعنی تعلیم کامل سے) وحشی و مخالف بن جائے تو کب معذور ہو سکتا ہے اس وجہ سے لامحالہ کفار کا خون مباح ہو گیا جس طرح وحشی جانور کہ تیر اور نیزہ کے روبرو مباح ہو جاتا ہے اور کفار کے اہل و عیال سب (غنیمت میں) مباح ہو گئے کیونکہ دین سے بالکل بے عقل ہیں اور مردود و ذلیل ہیں (پس یہ وبال تو مطلق عقل دین سے وحشت و نفرت کرنے پر مرتب ہوا) پھر جو عقل (ناقص بالکل دین سے تو نا آشنا ہو مگر) عقل العقل (یعنی انبیاء و اولیاء) سے (من وجہ) بھاگتی ہو) اس طرح سے کہ نصوص و احکام میں اپنی رائے وہو اسے تاویلین کرتی ہو اور بے چون و چرا انقیاد محض و تسلیم خالص نہ کرے جیسا اہل بدعت کا شیوہ ہے) وہ بھی مرتبہ عقلیت سے حیوانات کی طرف منتقل ہو جاتی ہے (جیسا خوارج کی نسبت کلاب النار وارد ہے خلاصہ یہ کہ کفار تو مطلق عقل دین سے متوحش ہیں زیادہ گمراہ و ذلیل ہیں اور اہل ہوا عقل کامل سے متوحش ہیں اس لئے دوسرے درجہ میں گمراہ و خوار ہیں غرض جس قدر عقل و اہل عقل سے بعد ہوتا جاتا ہے مطرودیت و مردودیت بڑھتی جاتی ہے) اب اس مضمون کی توضیح میں (جو اوپر آچکا ہے شکر کن غرہ مشوا لئح جس کا سلسلہ یہاں تک پہنچا ہے) ایک قصہ جان و دل سے اور اچھی طرح سن لو (کہ بناء علی المشہور ہاروت و ماروت کو اپنی تقدس پر اعتماد ہونے سے کیا ضرر ہوا اور تنبیہاً یہ ارشاد ہوا جو آگے آتا ہے عصمت کہ مرثاد ارتن ست لئح اور گواہل تحقیق نے اس قصہ کی بہت کذا ایہ تغلیط کی ہے مگر مولانا کو اس لئے مضرت نہیں کہ ان کا اصلی مقصود مذمت عجب نص قطعی سے ثابت ہے)

اعتماد کردن ہاروت و ماروت بر عصمت خویش

وامیری دنیا خواستن و درفتنہ افتادن

ہاروت اور ماروت کا اپنی پاکدامنی پر گھمنڈ کرنا اور دنیا کی سرداری چاہنا اور فتنہ میں پھنس جانا

ہمچو ہاروت و چو ماروت شہیر	از بطر خور دند زہر آلود تیر
مشہور ہاروت اور ماروت جیسوں نے	تکبر کی وجہ سے زہر آلود تیر کھایا ہے

اعتمادے بودشاں بر قدس خویش	چست بر شیر اعتماد گاؤ میش
ان کو اپنے تقدس پر گمنڈ تھا	شیر (قضاے الہی) پر ہمیں (انسان) کو کیا اطمینان ہو سکتا ہے
گرچہ او با شیر صد چارہ کند	شاخ شاخش شیر نر پارہ کند
اگرچہ وہ شیر کے مقابلہ میں سوتدبیریں کرے	نر شیر اس کے جوز جوز کے ٹکڑے کر دے گا
گر شود پر شاخ ہچو خار پشت	شیر خواهد گاؤ را ناچار کشت
خواہ وہ سینگوں سے ساسی کی طرح بھری ہو	لاچار شیر گائے کو مار ڈالے گا
گرچہ صرصر بس درختاں می کند	با گیاه پست احساں می کند
اگرچہ آدمی بہت سے درختوں کو اکھاڑ دیتی ہے	(لیکن) چھوٹی گھاس پر احسان کرتی ہے
بر ضعیفی گیاه آں باد تند	رحم کر دے اے دل تو از قوت ملند
گھاس کی کمزوری پر تیز ہوا نے	رحم کیا اے دل تو قوت کے ہارے میں نہ غرا
تیشہ را ز انبوہی شاخ درخت	کے ہر اس آید ببرد لخت لخت
درخت کی شاخ کے گتھے پن سے کھاڑا	کب ڈرتا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے
لیک بر برگے نکو بد خویش را	جز کہ بر عیشے نکو بد نیش را
لیکن پتے پر اپنے آپ کو نہیں مارتا ہے	سوائے سخت کے اپنی دھار نہیں چلاتا ہے
شعلہ را ز انبوہی ہیزم چہ عم	کے رمد قصاب ز انبوہے عنم
سونخے کے ٹکڑے گتھے پن سے آگ کو کیا ڈر ہے	بکریوں کے ریوز سے قصاب کب بھارتا ہے؟

(رابطہ اس کا ابھی اوپر بیان ہو چکا ہے یعنی عجب و تکبر سے ایسا حال ہوتا ہے) جس طرح ہاروت و ماروت (کاہوا) کہ تکبر کے سبب (قہر کا) زہر آلودہ تیر لگا ان کو اپنے تقدس پر اعتماد ہوا تھا (بھلا) شیر پر گاؤ میش کا کیا اطمینان (اسی طرح بندہ قضا سے کیسے مامون ہو سکتا ہے) اگر گاؤ نیش شیر کیسا منے اپنی حفاظت کی (سوتدبیر کرے) (تو کیا ہوتا ہے) شیر نر اس کا ایک ایک جزو ٹکڑے کر ڈالے بلکہ اگر بالکل کچھوہ کی طرح سخت اس کے تمام بدن پر سینگ ہی سینگ نکل آئیں جب بھی شیر (اگر چاہے) گاؤ کو ضرور ہی مار ڈالے یہی مثال قضا کی ہے بندوں کے ساتھ کہ تدبیر سے بچاؤ ممکن نہیں ہے اس لئے بے خوف ہو کر عجب و تکبر کرنا محض نادانی ہے البتہ اگر عجز و استغفار اختیار کرے تو مورد رحم اور قہر قضا سے محفوظ رہ سکتا ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ (صرصر اگرچہ بہت سے درختوں کو اکھاڑ ڈالتی ہے لیکن گیاه عاجز کے ساتھ احسان کرتی ہے) (اور اس کو نہیں اکھاڑتی) اس گیاه کے عجز و ضعف پر وہ ہوا رحم کرتی ہے پس تم بھی (قضا کے روبرو) زور و قوت مت بگھارو (آگے قضا اور تکبر کی دوسری مثال ہے کہ) تیشہ کو درخت کے شاخوں کے کثیر ہونے سے کب خوف ہوتا ہے وہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے لیکن برگ کو تیشہ صدمہ نہیں پہنچاتا البتہ ریشہ یعنی موٹی جڑوں کو کاٹتا ہے (اس میں ضعیف کے مورد رحم ہونے کی بھی مثال ہو گئی آگے تیسری اور چوتھی مثال ہے کہ) شعلہ کو لکڑیوں کے زیادہ ہونے سے کیا فکر (اسی طرح) بکریوں

کے زیادہ ہونے سے قصاب کب بھاگتا ہے (یعنی قضا کو کسی کی کثرت و قوت مانع نہیں)

پیش معنی چست صورت بس زبوں	چرخ را مغیش می دارد نگوں
معنی (موت) کے سامنے صورت (حشر) کی کیا حقیقت ہے بہت عاجز	آسمان کو اس کا معنی (موت) اوندھا رکھتا ہے
تو قیاس از چرخ دو لابی بگیر	گردشش از چست از عقل منیر
تو (کنویں کی) گمری پر قیاس کر لے	اس کی گردش کس کی وجہ سے ہے؟ روشن عقل کی وجہ سے
گردش این قالب ہچوں سپر	ہستاز روح مستر اے پسر
ڈھال جیسے اس جسم کی گردش	اے صاحبزادے! چھپی ہوئی روح کی وجہ سے ہے
گردش این باد از معنی اوست	ہچوں چرخے کو اسیر آب جوست
اس ہوا کی گردش اس (اللہ تعالیٰ) کے اثر سے ہے	اس پن بجلی کی طرح جو نہر کے پانی کی پابند ہے
جزر و مد و دخل و خرج این نفس	از کہ باشد جزر جان پر ہوس
اس سانس کا اتار اور چڑھاؤ اندر جانا اور باہر نکلتا	سوائے پر ہوس روح کے کس کی وجہ سے ہے؟
گاہ جیمش می کند گہ حاو دال	گاہ صخش می کند گاہے جدال
دوہ (روح) اس (سانس) کو کبھی جیم بتاتی ہے کبھی حاو دال	کبھی اس کو (باعث) صلح بنا دیتی ہے کبھی لڑائی کا (سبب)
گہ یکمیش می برد گاہے یسار	گہ گلستاں می کند گاہیش خار
کبھی اس کو داہنی طرف لے جاتی ہے کبھی بائیں طرف	کبھی اس کو جہنم بنا دیتی ہے کبھی کاٹا
ہچیناں این آب ریزداں پاک	کرد بر فرعون خون سہمناک
اسی طرح اللہ پاک نے پانی کو	فرعون پر خوفناک خون بنا دیا
ہچینیں این باد ریزدان ما	کردہ بد بر عباد ہچوں اژدہا
اسی طرح ہمارے اللہ نے اس ہوا کو	قوم عاد پر اژدھے کی طرح بنا دیا تھا
باز ہم این باد را بر مومناں	کردہ بد بر عباد ہچوں اژدہا
پھر اسی ہوا کو مومنوں پر	صلح اور رعایت اور امن بنا دیا تھا
باز ہم این بازا بر مومناں	کردہ بد صلح و مراعات و اماں
پھر اسی ہوا کو مومنوں پر	صلح اور رعایت اور امن بنا دیا تھا

(اوپر فرمایا تھا کہ قضا کے روبرو بندہ کی کچھ نہیں چلتی یہاں اس کے ایک قاعدہ کلیہ کے ضمن میں مع تمثیلات عویدہ قاعدہ مذکورہ کے بیان فرماتے ہیں حاصل اس وجہ کا یہ ہے کہ قضا مؤثر ہے اور بندہ متاثر اور قاعدہ ہے کہ مؤثر کے روبرو متاثر کی کچھ نہیں چلتی ان اشعار میں

مؤثر کو معنی اور متاثر کو صورت کہا ہے وجہ تشبیہ دو ہیں اول مؤثر اکثر خفی ہوتا ہے مثل معنی کے اور متاثر محسوس ہوتا ہے مثل صورت کے دوسری مؤثر متبوع ہوتا ہے اور متاثر تابع جیسے معنی مقصود ہوتا ہے اور لفظ تابع پس فرماتے ہیں کہ (معنی (یعنی مؤثر) کے سامنے صورت (یعنی متاثر) کی کیا اصل ہے محض مغلوب ہے (مثال اول) دیکھو چرخ کو (ہاں جو ذاتی بڑی جسامت کے) اس کا مؤثر (کس طرح) سرنگوں کئے ہوئے ہے (یہ مؤثر امر الہی ہے کہ اس ہیئت پر پیدا کیا) پس تم (اور چیزوں کو بھی) چرخ دو لابی پر قیاس کر لو کہ اس کی گردش کس کے اثر سے ہے عقل منیر کی وجہ سے (یا تو روحانیت چرخ کی مراد ہے اگر ذی روح ہو یا ملائکہ مراد ہوں اور یہ حرکت ہونے کی تقدیر پر ہے گو اب تک کوئی دلیل اس پر قائم نہیں بلکہ ظاہراً سکون صحیح معلوم ہوتا ہے (مثال دوم) دیکھو اس جسم (انسانی) کی حرکت جو کہ (روح کے لئے) بمنزلہ سپر کے ہے روح مستور کی سبب سے ہے (جو مؤثر ہے مثال سوم) اس ہوا کی حرکت اس کی مؤثر کے سبب سے ہے (کہ امر الہی ہے) جیسے پن چکی کہ تابع (حرکت) آب کے ہوتی ہے (یہ مثال المثل مثال چہارم ہو گئی مثال پنجم) کمی بیشی اور آمد و رفت سانس کی یہ کہاں سے ہے بجز روح کے (کہ اس میں مؤثر ہے) جو اس سانس کو (یعنی صورت کو کہ ایک متموج ہوا اور سانس ہے) کبھی تو جیم بتا دیتی ہے (اگر مخرج جیم پر اس کا اعتماد ہو گیا اسی طرح) کبھی حا اور دال بتا دیتی ہے (اور اگر ان حروف سے مل کر مرکب مفید نکلے تو) کبھی اس (کلام کو صلح اور کبھی جدال (کی گفتگو) کر دیتی ہے کبھی اس (صورت) کو (زبان و دہان کے) داہنے جانب لے جاتی ہے کبھی بائیں جانب لے جاتی ہے (کیونکہ مخارج حروف مختلف ہیں) اور کبھی اس (مرکب مفید) کو گلستان (کی طرح کلام فرحت انگیز) کر دیتی ہے اور کبھی خار (کی طرح کلام دلخراش) کر دیتی ہے (مثال ششم) اس طرح اس پانی کو ہمارے خدائے پاک نے (گر کہ مؤثر حقیقی ہیں فرعون پر خون سہناک بنا رکھا تھا (مثال ہفتم) اسی طرح اس ہوا کو ہمارے خدائے پاک نے عاد کے حق میں تو مثل اژدہا کے (مہلک) کر دیا تھا اور اسی ہوا کو مومنین کے حق میں صلح و امن و رعایت (کا سبب) بنایا تھا)۔

گفت المعنی هو اللہ شیخ دیں	بحر معنیہاست رب العالمین
دین کے شیخ نے فرمایا ہے معنی وہ اللہ ہی ہے	معانی کا سمندر رب العالمین ہے
جملہ اطباق زمین و آسمان	ہمچو خاشاک کے دریاں بحر رواں
زمین اور آسمان کے سارے طبقے	اس جاری سمندر میں بھٹکے کی طرح ہیں
جملہا و رقص خاشاک اندراب	ہم ز آب آمد بوقت اضطراب
پانی کے اندر بھٹکے کے حملے اور رقص	پانی کے موجزن ہونے کی وقت پانی کی ہجرت ہوتے ہیں
چونکہ ساکن خواہدش کرد از مرا	سوئے ساحل افگند خاشاک را
چونکہ کھٹکے سے اس کو سکون دینا چاہتا ہے	(اس لئے) بھٹکے کو ساحل پر پھینک دیتا ہے
چوں کشد از ساحلش در موجگاہ	آں کند آں موج کالتش با گیاه
پھر جب اس کو ساحل سے موجوں کی جگہ لائے گا	وہ موج اس کے ساتھ کرے گی جو آگ گھاس سے (کرتی ہے)
ایں حدیث آخر ندارد باز راں	جانب ہاروت و ماروت اے جواں
اس بات کا آخر نہیں ہے پھر چل	اے جوان! ہاروت و ماروت (کے قصہ) کی جانب

(تمثیلات مؤیدہ قاعدہ مذکورہ میں مؤثرات مختلفہ کا ذکر تھا اب فرماتے ہیں کہ گو مؤثرات ظاہری معتدو ہیں مگر مؤثر حقیقی سب میں ذات حق ہے یعنی) شیخ دین کا قول ہے کہ المعنی ہوا اللہ (شیخ اکبر کا قول مشہور ہے فالکل عبارة وانت المعنی اور تفسیر معنی کی اوپر گزر چکی ہے) پس رب العالمین سب معانی (وعلل مؤثرہ) کے مرجع ہیں مثل بحر کے (کہ مرجع انہار ہوتا ہے وجہ تشبیہ صرف مرجعیت ہے نہ خصوصیات مرجعیت) پس تمام طبق زمین و آسمان کے (ان کے تصرف کے اس طرح تابع ہیں) گویا ایک خاشاک ہے بحر و ان میں کیونکہ خاشاک کو اچھلنا کو دنا پانی میں پانی کے اضطراب کے سبب ہوتا ہے (اور اضطراب آب مؤثر ہوتا ہے اسی طرح موجودات عالم کے حالات کی علت تصرفات امر حق ہیں اس تصریف کو اضطراب کے ساتھ صرف تاثیر فی الافعال الخلفہ میں تشبیہ دے دی) اور جب ان کائنات کو ان کی سعی و حرکات سے ساکن کرنا چاہیں گے تو اس خاشاک کو ساحل پر (بیرون دریا) ڈال دیں گے (یعنی تعلق تاثیر ایجاد و ابقا سے جدا کر دیں گے سب فنا ہو جائیں گی پھر جب ان کو ساحل (اعدام) سے موجگاہ (تاثیر ایجاد) کی طرف لے آئیں گے (مثلاً قیامت کے روز یا دنیا ہی میں تجد و امثال) تو اس خاشاک (کائنات) کے ساتھ ایسا تصرف (قوی) کریں گے جیسا آتش گیہا کے ساتھ کرتی ہے (وجہ تشبیہ میں احراق ملحوظ نہیں بلکہ مطلق قوتہ تاثیر جیسا ظاہر ہے کہ پانی کی نسبت آتش و خاشاک و گیہا میں زیادہ مؤثر ہے پانی کی تاثیر صرف صفت حرکت میں ہے اور آتش کی تاثیر قلب ماہیت میں سو حق تعالیٰ چونکہ کائنات کی صفات و ذات دونوں میں مؤثر ہیں اس لئے تشبیہ آب کی بعد تشبیہ آتش نہایت موقع کی ہے اور اس مضمون (تاثیر قدرت الہیہ) کا تو کہیں خاتمہ نہیں اب پھر ہاروت و ماروت کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔

بقیہ قصہ ہاروت و ماروت و نکال و عقوبت ایشان

ہاروت اور ماروت اور ان کی سزا اور عذاب کے قصہ کا بقیہ

چوں گناہ و فسق خلقان جہاں	می شدے روشن باایشاں آل زماں
جب دنیا کی مخلوق کی بدکاری اور گناہ	ان پر واضح ہوتا اس وقت
دستخائیدین گرفتندے زخشم	لیک عیب خود ندیدندے بچشم
وہ غصہ سے ہاتھ چبانا شروع کر دیتے	لیکن آنکھوں سے اپنا عیب نہ دیکھتے
خویش در آئینہ دید آں زشت مرد	رو بگر دانید ازان و خشم کرد
بد صورت نے اپنے آپ کو آئینہ میں دیکھا	اس سے منہ پھیر لیا اور اس پر غصہ کیا
خویش میں چوں از کسے جرے بدید	آتشے دروے زدوزخ شد پدید
خود میں جب کسی کا کوئی گناہ دیکھتا ہے	اس میں دوزخ کی آگ نمودار ہو جاتی ہے
حمیت دیں خواند او آل کبر را	ننگرد در خویش نفس گبر را
اس تکبر کو وہ دین کی حفاظت بتاتا ہے	اپنے اندر بے دین نفس کو نہیں دیکھتا ہے
حمیت دیں رانشانے دیگرست	کہ ازاں آتش جہانے اخضرست
دینی حمیت کی علامت تو دوسری ہے	کہ اس آگ سے تو دنیا سرسبز ہوتی ہے

یعنی جب خلاق کے گناہ اور فسق پر ان دونوں کو اطلاع ہوتی تو اس وقت غصہ سے ہاتھ چبانا شروع کرتے لیکن اپنا عیب آنکھ سے نظر نہ آتا تھا جیسے کسی بد صورت آدمی نے اپنا منہ آئینہ میں دیکھا تھا اور منہ پھیر لیا تھا اور بہت خفا ہوا اسی طرح خود بین آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کا جرم دیکھتا ہے تو اس کے باطن میں ایک آگ دوزخ کی مشتعل ہو جاتی ہے (مراد اس سے نفسانی غضب ہے جو اخلاق ذمہ موجبہ للنارسی ہے و نیز حدیث میں ہے کہ ایسا غضب شیطان سے ہے اور شیطان نار سے ہے پس غضب نار سے ہے غرض یہ غضب نار کا موجب بھی ہے اور موجب بھی) اور وہ اس غضب و کبر کو (تاویل کر کے) حمیت دینی کہتا ہے مگر اپنے اندر نفس ناپاک کو نہیں دیکھتا (تا کہ معلوم ہو کہ منشا اس کا نفس ہے نہ حمیت دینی کیونکہ) حمیت دینی کے تو آثار ہی اور ہوتے ہیں کہ اس کے آتش غضب سے ایک عالم سبز و شاداب ہوتا ہے (وجہ یہ کہ جو غضب فی اللہ اور للذین ہو گا اس میں اول تو رعونت نہیں ہوتی بلکہ عین غضب میں اپنے عیوب پر نظر رہتی ہے دوسرے اقوال و افعال میں اعتدال سے تجاوز نہیں ہوتا تیسرے بلا ضرورت مغضوب علیہ کو رسوا نہیں کرتا اور نہ دل سے اس کی بدخواہی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا غضب طاعت اور موجب اصلاح و انتظام عالم و اقامتہ عدل بین الخلق ہے جس پر عمارت عالم موقوف ہے بخلاف غضب نفسانی کے کہ وہ ان علامات سے خالی ہے اس لئے وہ موجب فتنہ و فساد و ظاہری و ظلمت باطنی ہے)

گفت حق شاں گر شمار و شکرید	درسیہ کاراں مغفل منگرید
اللہ تعالیٰ نے ان (ہلوت و دامت) سے فرمایا اگر تم نورانی ہو	سیاہ کاروں کو غفلت سے نہ دیکھو
شکر گوئید اے سپاہ و چاکراں	رستہ اید از شہوت و از مثل آں
اے سپاہوں اور خادموں شکر ادا کرو	کہ شہوت اور اس جیسی چیز سے بچے ہوئے ہو
گر ازاں معنی نہم من برشما	مرشما را پیش پذیرد سما
اگر وہ معنی (شہوت) میں تم میں رکھ دوں	تمہیں آسمان نہ قبول کرے
عصمتی کہ مرشما در تن ست	آں ز عکس عصمت و حفظ من ست
وہ پاکدہنی جو تمہارے جسم میں ہے	وہ میرے بچانے اور حفاظت کرنے کا اثر ہے
آں زمن بید نر خود ہیں وہیں	تا چرخ بد برشما دیو لعین
اس (عصمت) کو میری بات سے سمجھو نہ کلہا پناہ سے غمزدہ خبر د	تاکہ تم پر لعین شیطان غالب نہ آ جائے

(اس میں عود ہے قصہ کی طرف یعنی) حق تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگرچہ تم نورانی ہو لیکن سیاہ کاروں کو مغفل (اور قہر خدا سے بے خبر) ہو کر مت دیکھو بلکہ شکر کرو کہ شہوت اور فرج سے فارغ ہوا اگر وہ صفت (یعنی شہوت تمہارے اندر پیدا کر دوں تو آسمان تم کو قبول نہ کرے) یعنی ایسی معصیت میں مبتلا ہو جاؤ کہ آسمان میں رہنے کے قابل نہ رہو گے) پس یہ صفت معصومیت کی جو تمہاری ذات میں ہے یہ میری حفاظت کا فیض ہے تو اس کو میری عطا سمجھو اپنی صفت مت سمجھو تاکہ تم پر شیطان ملعون غالب نہ ہو جائے۔

آنچنانکہ کاتب وحی رسول	دید در خود حکمت و نور وصول
جیسا کہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وحی کے کاتب نے	اپنے اندر حکمت اور وصول (ال اللہ) کی روشنی دیکھی

خویش را ہم لحن مرغان خدا	می شمر دآں بد صفیرے چوں صدا
اپنے آپ کو طائرانِ قدس کا ہم لہوا	سجھا (حالانکہ) وہ صدائے ہازشت کی طرح کی آواز تھی
لحن مرغان را اگر واصف شوی	بر ضمیر مرغ کے واقف شوی
اگر تو پرندوں کی بولی بولے	پرندہ کے دل سے تو کب واقف ہو سکتا ہے؟
گر بیا موزی صفیرے بلبلی	توچہ دانی کوچہ گوید با گلے
اگر تو بلبلی کی چھپاٹ سیکھ لے	تو کیا جانے کہ وہ پھول سے کیا کہتی ہے؟
ور بدانی از قیاس و از گماں	باشد آں بر عکس آں اے ناتواں
اگر تو قیاس اور گمان سے سمجھ بھی لے	(تو) اے ناتواں! وہ اس کے برعکس ہو گا
باشد آں بے شک و بے شبہ گماں	چوں ز لب جنباں گمانہائے کراں
وہ یقیناً (محض) گمان ہو گا	جیسا کہ بہرے کا گمان ہونٹ ہلانے والوں کے ہارے میں

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اور اس میں تقریر ہے مضمون بالا کی کہ جو صفت مبعأ ہو اس کو اصالۃً جاننا مذموم ہے) جیسا اس کاتب وحی رسول نے (جس کا قصہ اوپر آیا ہے) اپنے اندر جو علم اور نور و صول (الی الحقیقہ) دیکھا تو اپنی کو طائرانِ قدس (حضرت انبیاء علیہم السلام) کا ہم لحن سمجھنے لگا (کہ مجھ پر بھی انکشاف وحی کا ہوتا ہے) حالانکہ وہ صدائے کوہ کی طرح ایک صغیر تھی (کہ نقل ہوتی ہے آواز مرغ کی اسی طرح وہ عکس تھا نور نبوت کا بوجہ مجاورت کے اس سے حصول حقیقت کا دعویٰ بڑی غلطی ہے) مثلاً تم لحن طیور کی نقل اتارنے لگو تو اس سے طور کی مانی الضمیر پر کب آگاہی ہو سکتی ہے (جو مدلول حقیقی ہی اصلی لحن طیور کا آگے تخصیص بعدا تممیم ہے یعنی) مثلاً کسی بلبلی کی نقل اتارنا سیکھ لو لیکن تم کو یہ کیا معلوم کہ وہ گل سے کیا کہہ رہی ہے اور اگر بالفرض کچھ جانا بھی تو وہ محض قیاس ہوگا (کہ اس کے نالہ کے وقت اس کی حرکات و سکنات سے استدلال کرو گے تو وہ ایسا ہوگا) جیسے لب جنباں کو دیکھ کر بہری آدمیوں کا قیاس ہوتا ہے۔

بعیادت رفتن کر بخانہ ہمسایہ بیمار ورنجیدن بیمار

ایک بہرے کا بیمار پڑوسی کے گھر مزاج پرسی کے لئے جانا اور بیمار کارنجیدہ ہونا

ربط اس کا بہت ماقبل سرخی سے ظاہر ہے

آں کرے را گفت ازوں مایہ	کہ ترا رنجور شد ہمسایہ
ایک ذی حیثیت آدمی نے بہرے سے کہا	کہ تیرا پڑوسی بیمار ہو گیا ہے
گفت با خود کر کہ با گوش گراں	من چہ دریا بم ز گفت آں جواں
بہرے نے اپنے دل میں کہا کہ بہرے کانوں سے	میں اس لوجوان کی گفتگو کیا سمجھوں گا
خاصہ رنجور و ضعیف آواز شد	لیک باید رفت آنجا نیست بد
خصوصاً (جبکہ وہ) بیمار اور کمزور آواز والا ہو گیا ہے	لیکن وہاں جانا ہی چاہئے کوئی چارہ نہیں ہے

چوں بہ بینم کاں لبش جنباں شود	من قیاسے گیرم آنرا ہم ز خود
جب میں دیکھوں گا کہ اس کے ہونٹ ہلتے ہیں	میں خود بخود اس سے قیاس کر لوں گا
چونکہ گویم چونی اے محنت کشم	او بخواہد گفت نیکم یا خوشم
جب میں کہوں گا اے میرے مصیبت زدہ دست تو کیسا ہے؟	وہ کہے گا اچھا ہوں یا خوش ہوں
من بگویم شکر چہ خوردی ابا	او بگوید شربتے یا ماش با
میں کہوں گا (اللہ کا) شکر ہے ہا ہا کیا کھایا ہے؟	وہ یا شربا کہے گا یا اژد کا شربا
من بگویم صح نوشت کیست آں	از طہیباں پیش تو گوید فلاں
میں کہوں گا تیرا پینا مناسب ہوا وہ کون ہے؟	طہیبوں میں سے تیرا معالج وہ کہے گا فلاں
من بگویم بس مبارک پاست او	چونکہ او آید شود کارت نکو
میں کہوں گا وہ بہت مبارک قدم ہے	چونکہ وہ آتا ہے تیرا کام اچھا ہو جائے گا
پائے اورا آزمود ستیم ما	ہر کجا شدمی شود حاجت روا
ہم نے اس کا قدم آزمایا ہے	جہاں پہنچتا ہے حاجت روا بن جاتا ہے
ایں جوابات قیاسی راست کرد	پیش آں رنجور شد آں نیک مرد
ان قیاسی جوابوں کو اس نے ٹھیک کر لیا	(پھر) وہ نیک انسان بیمار کے پاس گیا
گویا رنجور را خاطرز کر	اند کے رنجیدہ بود اے پر ہنر
گویا بیمار کا دل بہرے سے	کچھ رنجیدہ تھا اے ہنرمندا
کر درآمد پیش رنجور و نشست	برسر او خوش ہمی مالید دست
بہرا بیمار کے پاس پہنچا اور بیٹھ گیا	اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگا
گفت چونی؟ گفت مردم گفت شکر	شد ازو رنجور پر آزار و نکر
اس نے کہا تو کیسا ہے؟ (بہارنے) کہا میں تو مر گیا اس نے کہا شکر ہے	اس سے بیمار تکلیف اور ناکواری سے بھر گیا
کایں چہ شکرست او عدو ماشد دست	کر قیاسے کردو آں کثر آمد دست
کہ یہ کیا شکر ہے وہ ہمارا دشمن ہوا ہے	بہرے نے اٹکل لگائی اور وہ نیزمی مگی
بعد ازاں گفتش چہ خوردی گفت زہر	گفت نوشت باد افزوں گشت قہر
اس کے بعد اس سے کہا تو نے کیا کھایا ہے اس نے کہا زہرا	اس نے کہا مبارک ہو اس کا غصہ اور بڑھا

بعد ازاں گفت از طپیاں کیست او	کہ بیاید او بچارہ پیش تو
اس کے بعد اس نے کہا 'طپیوں میں سے کون ہے	جو تیرے پاس علاج کے لئے آتا ہے؟
گفت عزرائیل می آید برو	گفت پالیش بس مبارک شادشو
(بہار نے) کہا 'ملک الموت آتا ہے جا	اس نے کہا اس کے قدم بہت مبارک ہیں خوش ہو جا
ایں زماں از نزد او آیم برت	گفتم او را تا کہ گردد عمخورت
میں تیرے پاس ابھی اس کے پاس سے آیا ہوں	میں نے اس کو کہا ہے کہ تیری خبر گیری کرے
کر بروں آمد از انجا شادماں	شکر کش کردم مراعات ایں زماں
بہرا اس جگہ سے خوش خوش لوٹا	(اللہ کا) شکر ہے کہ میں نے اس وقت اس کا حق ادا کر دیا ہے
خود گمانش از کری معکوس بود	کہ زیان محض را پنداشت سود
بہرے پن کی وجہ سے اس کا گمان الٹا تھا	کہ خالص نقصان کو وہ نفع سمجھا
رو بہ می گفت با خود از عما	شکر کہ کردم عیادت جار را
وہ راستہ میں اندھے پن سے اپنے دل میں سوچ رہا تھا	(خدا) کا شکر ہے کہ میں نے پڑوسی کی عیادت کر لی

(لغات) بد چارہ ابا ناں خورش ماش باشور بائے ماش صح خوب شد نکرنا گواری روبرو یعنی روئے خود در راہ آوردہ۔ حل لغات کے بعد مطلب قصہ کا صاف ہے حاجت بیان نہیں۔

گفت رنجور ایں عدو جان ماست	ماند استیم کو کان جفاست
(لیکن) مریض نے کہا یہ تو ہماری جان کا دشمن ہے	ہم نہ سمجھے تھے کہ وہ تو ظلم کی کان ہے
خاطر رنجور جو یاں صد سقط	تا کہ پیغامش کند از ہر نمط
مریض کا دل سینکڑوں بری باتیں سوچ رہا تھا	تاکہ اس کو ہر طرح کا پیغام بھیجے
چوں کسے کو خوردہ باشد آتش بد	می بشور اندلش تاقے کند
اس شخص کی طرح جس نے خراب حریرہ پیا ہو	اس کا دل متلا رہا ہو تاکہ تے کر ڈالے
کنظم غیظ اینست آنرا قے مکن	تابیابی در جزا شیریں سخن
غصہ کو گھونٹنا یہی ہے کہ اس کو نہ اگل	تاکہ بدلے میں میٹھی بات حاصل ہو
چوں نبودش صبر می پیچیدہ او	کایں سگ ملعون کثر گفتار کو
چونکہ اس میں صبر (کا مادہ) نہ تھا وہ بل کھا رہا تھا	کہ یہ ملعون کتا' بکواس کرنے والا کہاں ہے؟

تا بریزم بروے آنچہ گفتہ بود	کاں زماں شیر ضمیرم خفتہ بود
تا کہ اس پر پلٹ دوں جو اس نے کہا ہے	کیونکہ اس وقت میرے اندر کا شیر سو رہا تھا
چوں عیادت بہر دل آرامی ست	ایں عیادت نیست دشمن کامی ست
جبکہ بیمار پر ہی دل کو آرام پہنچانے کے لئے ہے	یہ تو بیمار پر ہی نہیں ہے عیادت ہے
تا بہ بیند دشمن خود را نزار	تا بگیرد خاطر زشتش قرار
تا کہ اپنے دشمن کو بد حال دیکھے	تا کہ اس کی بری طبیعت کو سکون ہو

(اس میں ذکر ہے اس مریض کے غصہ کا اور دشمن میں بعض نصح کا یعنی) اس بیمار نے کہا کہ یہ بہر تو ہماری جان کا دشمن نکلا ہم کو خبر نہ تھی کہ یہ معدن بے وفائی ہے اور اسی طرح کی بری بھلی سینکڑوں باتیں وہ بیمار دل میں سوچ رہا تھا کہ ہر طرح کی (سخت ست) باتیں اس کو سناؤں اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کسی نے کوئی بدمزہ بدبو سالن کھا لیا ہو تو اس کو اچھا لگتا ہے تاکہ تے کر ڈالے (اسی طرح اس کے نفس میں شورش ہو رہی تھی کہ سب باتیں اگل ڈالوں درمیان میں مولانا فرماتے ہیں کہ) کظم غیظ کے یہی معنی ہیں (کہ گو غصہ میں کیسی ہی بری بری باتیں دل میں سے جوش زن ہوں مگر) ان کو اگل مت ڈالو تاکہ اس کی جزا میں تم کو سخن شیریں حاصل ہو (سخن شیریں سے مراد وعدہ و بشارت الہیہ جو عظیم غیظ پر فرمایا ہے و سار عواالی مغفرت الی قولہ الحسنین مگر) چونکہ اس مریض کو کسی طرح صبر نہ آتا تھا اس لئے وہ بیچ و تاب کھا رہا تھا کہ یہ سب ملعون کج سخن کہاں چلا گیا تاکہ جو کچھ یہ کہہ کر گیا ہے میں بھی تو کچھ اس کی خبر لوں کیونکہ اس وقت میرا شیر ضمیر خفتہ تھا (یعنی اس وقت کچھ جوش نہ آیا تھا) اور عیادت تو راحت دل کے لئے ہوا کرتی ہے اس نے جو عیادت کی ہے یہ عیادت نہیں بلکہ پوری دشمنی ہے کہ اپنے دشمن کو نزار دیکھ کر دل کو قرار ہوتا ہے (اسی طرح اس شخص نے میری تکلیف کو دیکھ کر اظہار مسرت لیا)

بس کساں کایشاں عبادتہا کنند	دل برضواں و ثواب آں نہند
بہت انسان ہیں جو عبادت کرتے ہیں	اور (اللہ تعالیٰ کی) خوشنودی اور اس کے ثواب کی امید کرتے ہیں
خود حقیقت معصیت باشد خفی	بس کدر کا نرا تو پنداری صفی
(لیکن) وہ چھپی ہوئی گنہگاری ہوتی ہے	بہت سے مکر پانی ہوتے ہیں جن کو صاف پانی سمجھتا ہے
بچوں آں کر کو بھی پنداشت ست	کو نکوئی کرد و آں خود بد بدست
اس بہرے کی طرح جس نے یقین کیا ہے	کہ اس نے بھلائی کی (حالانکہ) وہ برائی تھی
اونشہ خوش کہ خدمت کردہ ام	حق ہمسایہ بجا آوردہ ام
وہ خوش ہو بیٹھا کہ میں نے خدمت کی ہے	(اور) پڑوسی کا حق ادا کیا ہے
بہر خود او آتشے افروخت ست	در دل رنجور و خود را سوخت ست
اس نے (تو) اپنے لئے آگ بھڑکا دی ہے	بیمار کے دل میں اور اپنے آپ کو پھونک دیا ہے

فالتقوا النار التي او قدتمو	انکم فی المعصیہ ازودتمو
اس آگ سے بچو جو تم نے بھڑکائی	تم نے تو گنہگاری میں ترقی کی ہے
گفت پیغمبر بیک صاحب ریا	صل انک لم تصل یا فتی
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک ریاکار سے فرمایا	اے لوجوان! نماز پڑھ تو نے نماز نہیں پڑھی ہے

(اس میں انتقال ہے قصہ سے طرف ارشاد کے یعنی) بہت لوگ اپنی رائے سے (عبادت میں کرتے ہیں اور امید رضائے حق اور ثواب کی رکھتے ہیں مگر واقع میں وہ معصیت خفیہ ہوتی ہے اور بہت سے مکدر اعمال کو تم صاف سمجھتے ہو جس طرح وہ بہرا (اپنی رائے سے عمل کر کے) سمجھتا تھا کہ میں نے بڑا اچھا کام کیا حالانکہ وہ قبیح محض تھا اور وہ خوش تھا کہ میں خدمت عبادت بجالایا ہوں اور ہمسایہ کا حق ادا کیا ہے لیکن اس نے قلب مریض میں اپنے (ضرر کے لئے) ایک آگ (رنج کی) مشتعل کر دی اور اس میں اپنی کو سوختے کیا (یہ بیان ہے ضرر کا کیونکہ بلا وجہ کسی کو ایذا دینا معصیت ہے اسی طرح تم جو محض رائے و قیاس سے عمل کر رہے ہو) تم بھی اس نار جہنم سے ڈرو جس کو تم نے روشن کر رکھا ہے اس لئے کہ معاصی میں بڑھتے جاتے ہو (گو اپنی غلطی سے اس کو طاعت سمجھتے ہو) جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب ریا سے فرمادیا تھا کہ جاؤ پھر نماز پڑھو تمہاری نماز نہیں ہوئی (صحاح میں یہ قصہ ہے کہ اس نے نماز میں تعدیل ارکان نہ کیا تھا باقی اس کا ریاکار ہونا کہیں منقول نہیں بلکہ جاہل اور ناواقف تھا لیکن اصل مطلب اس زیادہ پر موقوف نہیں وہ یہ کہ بعض اوقات اپنے گمان میں ایک عمل کو کامل سمجھا جاتا ہے اور اس میں نفسانی یا شیطانی ظاہری یا باطنی جو عوامل ہوتے ہیں اس سے وہ عمل ناقص ہو جاتا ہے سو یہ مطلب اس زیادہ پر موقوف نہیں بلکہ اگر یہ ثابت ہوتی تو محتاج توجیہ بعید ہوتی کیونکہ ریاکار گمان غلط میں نہیں ہوتا جس کا اوپر سے ذکر چلا آتا ہے۔

از برائے چارہ ایں خوفنا	آمد اندر ہر نمازے اهدنا
ان ہی اندیشوں کے علاج کے لئے	ہر نماز میں "اے اللہ ہماری رہنمائی فرما" آیا ہے
کیس نمازم رامیا میراے جدا	بانماز ضالین و اہل ریا
کہ اے اللہ! میری اس نماز کو نہ ملا	گمراہوں اور ریاکاروں کی نماز کے ساتھ
از قیاسے کہ بگرد آں گر چنین	صحت وہ سال باطل شد بدیں
اس اٹکل کی وجہ سے جو اس بہرے نے کی	دس سال کی دوستی ٹوٹ گئی
خواجہ پندارد کہ طاعت می کند	بے خبر کز معصیت جاں می کند
جناب سمجھ رہے ہیں کہ عبادت کرتے ہیں	اس سے بے خبر ہیں کہ گناہ کی وجہ سے جان کو ہلاک کر رہے ہیں
رو قیاس خویشستن را ترک کن	کز قیاست تو شود ریش کہن
جا اپنا قیاس چھوڑ	کیونکہ تیرے قیاس کی وجہ سے زخم پرانا بن جائے گا

خاصہ اے خواجہ قیاس حس دوں	اندر آں وحی کہ ہست از حد فزوں
اے صاحب خصوصاً وہ قیاس جو ناقص حس کے ذریعہ ہو	اس وحی میں جو (حیری) حد سے آگے ہے
گوش حس تو بحرف اردر خورست	داں کہ گوش غیب گیر تو کرست
حیرے حس کا کان اگر حرفوں کے لائق ہے (بھی)	(تو) سمجھ لے کہ حیرا غیب کو سننے والا کان بہرا ہے

(یہ ما قبل پر مرتب ہے یعنی چونکہ طاعات میں معصیت خفیہ کا احتمال ہوتا ہے) ان ہی احتمالات کے مدارک کے لئے ہر نماز میں دعائے اہدنا الصراط المستقیم کی داخل ہے (جس کے عموم میں یہ مضمون بھی داخل ہے) کہ اے اللہ میری نماز کو (کہ صراط مستقیم کا جزو ہے) ضالین (فاقدان قوت علمیہ) اور اہل ریا کے ساتھ (جو فروہی مغضوب علیہم یعنی فاقدان قوت عملیہ کی) شامل مت کی جو (کیونکہ معصیت کی یہی دو انواع ہیں اور دونوں کبھی خفی ہوتی ہیں اور قیاس محض بطلان عمل سے بچنے میں قابل اعتماد نہیں دیکھو) اس بہری کے قیاس کی بدولت دس سال کی ملاقات ضائع ہوگئی (اسی طرح) میاں تو سمجھ رہے ہیں کہ میں طاعت کرتا ہوں اور اس کی خبر نہیں کہ معصیت سے اپنا ضرر کر رہے ہیں (اہل اللہ کی خدمت میں) جاؤ اور اپنا قیاس ترک کرو کیونکہ تمہاری قیاس سے تمہارا زخم ناسور بن جائے گا (یعنی امراض نفسانیہ زیادہ جاگزیں ہو جائیں گے) خصوصاً وہ قیاس جو حواس کے واسطے سے ہو جو کہ (مرتبہ میں عقل سے بھی) کم مرتبہ ہے اور ایسی وحی کے مقابلہ میں قابل اعتبار نہیں اور احساس کا مرتبہ تو عقل سے بھی کم ہے تو جو قیاس اس کے واسطے سے ہوگا جس کو عرف معقول میں استقرار اور تمثیل کہتے ہیں اس کی تو وحی کے مقابلہ میں کیا وقعت ہے (اور اگرچہ تمہارا گوش حس حروف) کی ادراک کی لیاقت رکھتا ہے مگر (اس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ) وہ جو گوش (باطنی ہے جو کہ غیب) (یعنی وحی) کا ادراک کرنے والا ہے وہ تو بہرا ہے (اور اسرار وحی کے ادراک کے لئے اس کی ضرورت ہے پس جب وہ نہیں ہے تو اگر اسرار و حکم تک تمہارا قیاس نہ پہنچے تو ان کی نفی مت کرو اور بلاچوں و چرا اس پر عامل رہو اور اپنے قیاس ناقص کا اتباع مت کرو اور مقابلہ وحی کی قید مفید اس کو ہے کہ مطلق قیاس مذموم نہیں بلکہ صرف وہ جو بمقابلہ نص کے ہو بخلاف قیاس مجتہدین کے کہ تاب نص کے ہے کہ وہ محمود اور ممدوح ہے)

در بیاں آنکہ اول کسیکہ در مقابل نص صریح قیاس آورد ابلیس بود

اس بیان میں کہ جس نے سب سے پہلے صریح نص کے مقابلہ میں قیاس کیا وہ شیطان تھا (اس میں مضمون سابق کی تقریر ظاہر ہے اور یہ ترجمہ ہے قول مشہور اول میں قاس ابلیس کا جس کی شرح ابھی گزری ہے)

اول آن کس کیس قیاس کہا نمود	پیش انوار خدا ابلیس بود
سب سے پہلا شخص جس نے یہ بیہودہ قیاس کئے	خدا کی انوار کے مقابلہ میں وہ شیطان تھا
گفت نار از خاک بیشک بہترست	من ز نار داوز خاک اکدرست
اس نے کہا کہ یقیناً آگ مٹی سے بہتر ہے	میں آگ سے اور وہ (آدم) تاریک مٹی سے بنا ہے
پس قیاس فرع بر اصلش کنیم	اوز ظلمت ماز نور روشنیم
ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں گے	وہ تاریکی سے میں روشن نور سے (بنا) ہوں

زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

گفت حق نے بلکہ لا انساب شد

پرہیزگاری اور تقویٰ بزرگی کا مقام بن گیا ہے

اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا نہیں بلکہ "نسبت کچھ نہیں" طے ہو گیا ہے

(یعنی) اول جس شخص نے انور الہیہ (یعنی احکام منصوصہ) کے مقابلہ میں بے ہودہ قیاسات چلانا شروع کئے وہ ابلیس تھا چنانچہ اس نے کہا کہ خاک سے نار افضل ہے اور میں نار سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم علیہ السلام خاک تیرہ سے بنائے گئے ہیں پس مناسب ہے کہ فرع کو اصل پر قیاس کیا جائے سو وہ مادہ ظلمانی سے بنے ہیں (وہ انکی اصل ہوئی) اور میں مادہ نورانی سے بنا ہوں (وہ میری اصل ہوئی) اس لئے میں ان سے افضل ہوا اور اس قیاس میں غلطی یہ ہے کہ اس کی صحت موقوف ہے اس مقدمہ پر کہ علت مسجودیت کی فضیلت باعتبار مادہ کی ہے حالانکہ یہ مقدمہ محض بلا دلیل ہے بلکہ جب نص اس کے خلاف ہے تو خلاف دلیل ہونے سے مقدمہ مذکورہ باطل بالدلیل ہے) حق تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ یہ بات نہیں بلکہ (ہمارے نزدیک) نسب کا (بالاستقلال) اعتبار نہیں صرف زہد و تقویٰ افضلیت کا مدار ہے (جیسا ارشاد ہے فلا انساب بینہم اور ارشاد ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم پس گو نسب یعنی نسبت الی الجسم النورانی میں تو بڑھا ہوا ہے مگر زہد و تقویٰ ان میں زیادہ ہے اس لئے یہ افضل میں حاصل جواب اس مقدمہ مطویہ متضمنہ قول ابلیس پر منع مع السند ہے اور سند میں علت مسجودیت بتلادی گئی اور حضرت آدم علیہ السلام کا تقویٰ و خشیت تو ان کے عذر سے ظاہر ہے بخلاف ابلیس کے کہ کیسی بیباکی و شوخی سی گفتگو کا اسی طرح زہد یعنی حب دنیا نہ ہونا کہ توبہ دلیل ہے ترک جاہ کی جو دنیا کی شعب میں بڑا شعبہ ہے بخلاف ابلیس کے کہ جاہ مانع ہوا سجود اور پھر معذرت سے اور جواب مذکور اس عنوان سے گو کلام الہی میں مفصلاً مذکور نہیں مگر فمایکون لک ان تتکبر فیہا) کی شرح ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ تجھ کو اپنے کو بڑا سمجھنا نہ چاہیے کیونکہ جس بڑائی پر مدار حکم رکھا گیا ہے یعنی فضیلت زہد و تقویٰ وہ تجھ میں نہیں اور جو تیرے اندر ہے اس پر مدار نہیں رکھا گیا)

ایں نہ میراث جہان فانی ست	کہ بہ انسابش بیابی جانی ست
یہ فانی دنیا کی وراثت نہیں ہے	جسکو تو نسب کی بنیاد پر حاصل کر لے (بلکہ) روحانی (وراثت) ہے
بلکہ ایں میراثہائے انبیاء ست	وارث ایں جانہائے اتقیاء ست
بلکہ یہ انبیاء کا ورثہ ہے	اس کی وارث متقیوں کی جائیں ہیں
پور آں بو جہل شد مومن عیاں	پور آں نوح نبی از گمراہاں
ابو جہل کا بیٹا علی الاعلان مومن بنا	نوح نوحی کا بیٹا گمراہوں میں سے (بنا)
زادہ خاکی منور شد چو ماہ	زادہ آتش توئی اے روسیاء
خاک سے پیدا شدہ چاند کی طرح منور ہوا	اے روسیاء! تو آگ سے پیدا شدہ ہے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اور اس میں تائید ہے مضمون سابق لا انساب کی یعنی) یہ فضیلت کوئی میراث دنیوی نہیں ہے کہ نسب کے علاقہ سے حاصل ہو جائے بلکہ یہ روحانی میراث ہے (آگے اس کا بدل ہے یعنی بلکہ) یہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے اور اس کے وارث متقی لوگ ہیں دیکھو ابو جہل کے فرزند (حضرت عکرمہ مومن (اور صحابی) ہوں تو حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند

(کنعان) گمراہ ہو (بس اسی طرح) خاک زادہ یعنی حضرت آدم علیہ السلام) چاند کی طرح منور ہو گئے اور اے سیاہ رو (ابلیس) تو آتش زادہ ہے (مگر تیرا ہوتا ہے یہ خطاب ابلیس کو بطور صنعت التفات کے ہے چونکہ ذکر احوال سے ذہن میں استحضار ہو گیا)

ایں قیاسات و تحری روز ابر	یا بشب مر قبلہ را کردست جبر
یہ اٹکل اور قیاس ابر کے دن	یا رات میں قبلہ کا بدل ہیں
لیک با خورشید و کعبہ پیش رو	ایں قیاس و ایں تحری راجو
لیکن سورج اور کعبہ کے سامنے ہوتے ہوئے	یہ قیاس اور یہ اٹکل کام میں نہ لا
کعبہ نادیدہ مکن روز و متاب	از قیاس اللہ اعلم بالصواب
کعبہ کو ان دیکھا نہ بنا اس سے منہ نہ موڑ	قیاس کر کے (اور) اللہ بہتر جانتا ہے

(بعد اتمام قصہ رجوع ہے طرف مضمون بالامد مت قیاس معارض نص کے یعنی) یہ قیاسات اور تحری (یعنی اٹکل) ابر کے روزیارات کے وقت (جب قبلہ دلیل یقینی سے سے معلوم نہ ہو) قبلہ کا جابرہ اور بدل بن سکتا ہے لیکن آفتاب کے نکلے ہوئے اور کعبہ کے سامنے ہوتے ہوئے تو قیاس اور تحری کی طلب جائز نہیں (اسی حالت میں تو) کعبہ کو ان دیکھا مت سمجھو اور اس سے محض قیاس کی بناء پر منہ مت پھیرو (پس اسی طرح دلیل وحی مثل طلوع آفتاب اور مشاہدہ کعبہ کے ہے پس قیاس کی گنجائش کہاں ہے اور اس مثال میں اشارہ صریح ہے کہ جب نص ثبوتی یا دلالتی موجود نہ ہو قیاس مذموم نہیں)

چوں صفیرے بشنوی از مرغ حق	ظاہرش را یاد گیری چوں سبق
جب تو طائرِ قدس کی آواز سن لیتا ہے	اس کے ظاہر کو سبق کی طرح رٹ لیتا ہے
وانگہے از خود قیاساتے کنی	مرخیال محض را ذاتے کنی
پھر اپنی جانب سے قیاسات کرتا ہے	محض خیال کو تو ذات بنا لیتا ہے
اصطلاحاتے ست مر ابدال را	کہ نباشد زان خبر اقوال را
ابدال کی خاص اصطلاحیں ہیں	(صاحب) اقوال کو ان کا علم نہیں ہوتا ہے
منطق الطیری بصوت آموختی	صد قیاس و صد ہوس افروختی
تو نے پرندوں کی بولی آواز سے سیکھ لی	(اور) سینکڑوں قیاس اور سینکڑوں ہوسیں روشن کر دیں
ہمچو آں رنجور دلہا از تو خست	کر بہ پندار اصابت گشت مست
اس بیمار کی طرح تجھ سے بہت سے دل شکست ہو گئے	بہرا درنگی کے محمدؐ سے مست ہو گیا
کاتب آں وحی زان آواز مرغ	برده ظننے کو بود انباز مرغ
اس وحی کا کاتب طائرِ قدس کی آواز سے	گمان کرنے لگا کہ وہ طائرِ قدس کا شریک ہے

مرغ پرے زد مر اورا کور کرد	نک فرو بردش بقعر مرگ و درد
طار قدس نے ایک پر مارا (اور) اس کو اندھا کر دیا	اس کو موت اور عذاب کے گڑھے میں اتار دیا

(اوپر مذمت تھی قیاس سے نصوص کے مقابلہ کرنے کی اس میں مذمت ہے قیاس سے اولیاء اللہ کی ہمسری کرنے کی یعنی) تمہاری یہ حالت ہے کہ کسی طائرِ حظیرہ قدس (یعنی ولی کامل) سے کوئی صغیر (یعنی کوئی تحقیق حکمت) سن لی اور اس کے الفاظ کو سبق کی طرح یاد کر لیا اور پھر اپنی طرف سے اس میں بہت سے قیاسات ملا لئے اور ان قیاسات سے ان الفاظ کے خیالی اور غلط مدلولات معین کئے اور ان مدلولات و آثار کو اپنے اندر موجود پایا بس اپنے کو ان مقامات و کمالات سے جو کہ خیال محض ہے موصوف سمجھنے لگے پس خیالات کو حقائق (کمالات) سمجھ گئے (حالانکہ) اولیاء اللہ کے خاص اصطلاحات ہوتے ہیں جن کی اہل عقل کو خبر بھی نہیں ہوتی (مراد اصطلاح سے اصطلاح مصطلح نہیں ہے کیونکہ اس کا جان لینا نہ کچھ مشکل ہے نہ کوئی کمال ہے مثل لغات کے کتب فن میں وہ بھی مدون ہیں بلکہ وہ حقائق کمالات مراد ہیں جن پر وہ الفاظ لغویہ یا اصطلاحیہ دلالت کر رہی ہیں چونکہ وہ امور ذوقیہ ہیں اس لئے ان کے ادراک حقیقت کے لئے عقل کافی نہیں پس خفاء عن العقل میں اصطلاح سے تشبیہ دے دی مثلاً کسی عارف سے محبت الہیہ کو سنا اس کا مدلول ایسا میلان قلب قرار دیا جو خود کے اندر بھی ہے بس اپنے کو مجہول میں داخل کر لیا حالانکہ اس کا مدلول ایک خاص کیفیت ہے جو بدون حصول کے مدرک نہیں ہوتی جیسے نابالغ لفظ لذت جماع سے شیرینی کی سی لذت مراد لے کر اپنے کو اس لذت سے متلذذ سمجھنے لگے اسی طرح) تم نے نطق طور کا لہجہ سیکھ لیا ہے اور اس میں صد ہا قیاس اور صد ہا خیالات و گمان پیدا کر رکھے ہیں جیسا احقر نے ابھی بیان کیا) اس لئے رنجور کی طرح بہت سے اولیاء اللہ کے (قلوب تم سے کبیدہ ہو رہے ہیں) کہ تم حقائق کمالات کو نہیں جانتے اور گمان ہے کہ جانتا ہوں جیسا) وہ بہر اپنی صحیح اہمی کے خیال میں مست تھا (اور جس طرح) وہ کاتب وحی آواز طائر قدس سے (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے) گمان کر بیٹھا کہ میں بھی آپ کا شریک (وحی) ہوں طائر قدس نے جو ایک پر مارا تو اس کو نابینا کر دیا اور ہلاکت اور عقوبت کے قعر میں پہنچا دیا (یعنی آپ کے قلب مبارک کی متاثری و مکر ہونے سے اس کا علم و ایمان اس وقت سلب ہو گیا پس دعویٰ کمال و اشتہارِ مٹخت سے کہ مستلزم دعویٰ مساوات کا ملین و موجب اضلال خلق ہے اولیاء اللہ کو ناگواری ہوئی ہے اس کے وبال و ضرر سے بچنے کے لئے ترک دعویٰ و اتباع کا ملین واجب ہے)

ہیں بعکسے یا بنظنے ہم شما	در میفتید از مقامات سما
خبردار! تم بھی پر تو یا گمان کی وجہ سے	آسانی مراتب سے نہ گر پڑنا
گرچہ ہاروتید و ماروت و فزوں	از ہمہ بر بام نحن الصافوں
اگرچہ تم ہاروت اور ماروت ہو اور بڑھ کر	سب سے "ہم صف بندی کرنے والے ہیں" کے ایوان پر
بر بدیہائے بداں رحمت کنید	بر منی و خویش بینی کم تنید
بدوں کی برائی پر رحم کرو	خودی اور خود پسندی پر نہ کڑو
ہیں مبادا غیرت آید از کمیں	سرنگوں افتید در قعر زمیں
خبردار! غیرت (خداوندی) گھات سے نہ نکل آئے	(اور) زمین کے گڑھے میں اوندھے گردو

(اس میں عود ہے طرف قصہ ہاروت و ماروت کے اور تمہ ہے مقولہ سابقہ حق تعالیٰ کا عصمتی کہ مرثا اور تن ست الی آخر البتین اور اس تمہ میں لفظ ہم باعتبار اپنے مقولہ یعنی قصص معترضہ کاتب وحی و عیادت اصم کے لئے آئے یعنی تم لوگ محض (میری عصمت کے) عکس یا گنہگاروں پر) ظن بد کی سبب مقامات سماویہ سے نہ گرجانا تم ہاروت و ماروت ہو اور (اپنی) سب (پچھموں) سے بامنحن الصافون پر افضل ہو (قرآن مجید میں یہ ملائکہ کا قول مذکور ہے یعنی ہم حق تعالیٰ کو روبرو صف باندھ کھڑے ہوتے ہیں غرض تا ہم) بدون کی بدی پر رحم کھانا چاہیے اور کبر و خود بینی میں نہ اینٹھنا چاہیے دیکھو ایسا نہ ہو کہ غیرت (الہیہ) کمین سے نکل پڑے اور تم قعر زمین میں سرنگوں جا پڑو (جیسا حدیث میں ہے لا تظہر الشمامتہ لاجیک فیرحمہ اللہ ویتلیک یعنی اپنے کسی بھائی مسلمان کی بد حالی پر چنگو مشکومت ورنہ اس پر رحمت ہو جائے گی اور تم اسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ گے)

ہر دو گفتند اے خدا فرماں تراست	بے امان تو امانے خود کجاست
(ہاروت و ماروت) دونوں نے کہا اے خدا! حکم تیرا ہی ہے	تیری امان کے بغیر امان کہاں ہے؟
ایں ہمی گفتند دل شاں می طپید	بد کجا آید ز ما نعم العبید
یہ وہ کہہ رہے تھے (اور) ان کا دل بے چین تھا	ہم بہترین غلاموں سے برائی کیسے سرزد ہو سکتی ہے؟
خار خار دو فرشتہ ہم نہشت	تا کہ تخم خویش بینی رانگشت
ان دونوں فرشتوں کے دوسوں نے نہ چھوڑا	جب تک کہ خود بینی کا بیج نہ بو دیا
بس ہمی گفتند کاے ارکانیاں	بے خبر از پاکی روحانیاں
وہ کہتے تھے اے عناصر سے بنے ہوؤ!	روحانی مخلوق کی پاکیزگی سے بے خبر
ماکہ بر گردوں تنقہامی تنیم	برز میں آسیم و شاد درواں ز نیم
ہم جو کہ آسمان پر (عبادت کے) خیمے تانتے ہیں	ہم زمین پر آئیں گے اور (کاناموں کے) شایانے لگائیں گے
ہر دو شاں گفتند مارا باک نیست	کہ سرشت ما ز آب و خاک نیست
ان دونوں نے کہا ہمیں کوئی پروا نہیں ہے	اس لئے کہ ہمارا خمیر پانی اور مٹی کا نہیں ہے
عدل و رزیم و عبادت آدریم	باز ہر شب سوئے گردوں بر پریم
ہم انصاف کریں گے اور عبادت بجا لائیں گے	پھر ہر رات کو آسمان پر از جائیں گے
تا شویم اعجوبہ دور زماں	تا نہیم اندر زمیں امن و اماں
یہاں تک کہ ہم دور زمانہ کے انوکھے بن جائیں گے	(کیونکہ) ہم زمین پر امن و امان قائم کریں گے
آں قیاس حال گردوں بر زمیں	راست ناید فرق دارو در کمیں
آسمان کے حال کو زمین پر قیاس کرنا	درست نہ ہو گا گہرا فرق ہے

(خار خار دوسو می نہشت نمیکد اشت تنق و شاد درواں بمعنی سراپردہ اس میں جواب ہے دونوں فرشتوں کا یعنی) دونوں نے عرض

کیا کہ اے اللہ حاکم حقیقی آپ ہی ہیں اور اگر آپ امن نہ دیں تو امن کہاں مل سکتا ہے (یعنی ہم مدعی عصمت ذاتیہ نہیں ہیں) یہ بات گوزبان سے کہتے ہیں مگر ان کے دل میں (اس مضمون پر سکون و قرار نہ تھا بلکہ) یہ بے چینی تھی کہ ہم تو بہت اچھے بندے ہیں ہم سے بدی کہاں ہو سکتی ہے غرض ان دونوں فرشتوں کے اس وسوسہ نے ان کو چھوڑا نہیں (یعنی برابر یہی خیال ان کو گھیرے رہا) جب تک کہ خود بنی کا تخم انہوں نے بو نہیں لیا (اور چونکہ اس وسوسہ کو انہوں نے مستحسن سمجھا اس لئے وہ فعل اختیاری بن گیا) پس (خود بنی سے) یوں کہتے تھے کہ اے کائنات عنصریہ (یعنی آدمی) جنکو ملائکہ روحانیہ کی تقدس کی کچھ خبر نہیں ہم آسمان پر (عبادت کے) شامیانے کھڑے کرتے ہیں اب زمین پر آ کر شامیانے کھڑے کریں گے یعنی عدل (بین الخلق) اختیار کریں گے اور خوب عبادت کریں گے اور ہر شب کو آسمان کی طرف چلے جایا کریں گے جس سے ہم عجوبہ زمان ہو جائیں گے (کہ ہمارے اس جامعیت پر تعجب ہوا کرے گا) اور زمین میں امن و امان قائم کریں گے (مولانا اس خیال کی غلطی فرماتے ہیں کہ) آسمان و زمین کے حالات کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا (کہ جو حالت عبادت و عصمت ہمارے آسمان پر ہے وہی زمین پر رہے گی) صحیح نہیں ہے باہم بڑا مخفی فرق ہے۔

در بیان آنکہ حال خود و مستی خود پنہاں باید داشت

اس کا بیان کہ اپنی حالت اور اپنی مستی کو چھپانا چاہئے

(یہاں سے ایک تفریح ہے مضمون سابق پر یعنی جب ایک مقام کے دوسرے مقام پر قیاس کرنے کا فاسد ہونا معلوم ہو گیا تو اس سے سمجھنا چاہیے کہ اگر خواص اپنے اسرار و حالات باطنیہ کو عوام کے روبرو ظاہر کریں گے تو ضرور وہ اپنے حالات پر قیاس کریں گے اور چونکہ وہ قیاس فاسد ہوگا اس لئے تمسخر و تکذیب سے پیش آئیں گے پس ان کے روبرو اظہار عبث ہوا بلکہ ان کو مضرت معصیت تمسخر کی پہنچی اور اہل حال کو تکدر باطن کی مضرت ہوئی اس لئے قصد اخفاء واجب ہے)

بشنو الفاظ حکیم پردہ	سرہم آنجانہ کہ بادہ خوردہ
راز داں حکیم کے الفاظ سن	جس جگہ تو نے شراب پی ہے وہیں سر رکھ دے
مستے از میخانہ چوں ضال شد	تسخر و بازیچہ اطفال شد
کوئی مست جب کسی میخانہ سے بھگ گیا	وہ بچوں کیلئے مسخرہ اور کھلونا بن گیا
می فتد او سو بسو بر ہر رہے	در گل و می خندش ہر اہلے
وہ ادھر ادھر ہر راستہ پر گرتا ہے	کچھڑ میں اور اس پر ہر احمق ہنتا ہے
او چینین و کود کاں اندر پیش	بے خبر از مستی و ذوق میش
وہ اس حال میں اور بچے اس کے پیچھے	بے خبر اس کی شراب اور مستی کے ذوق سے
خلق اطفال اندر جز مست خدا	نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا
مخلوق بچے ہیں خدا کے مست کے علاوہ	بالغ کوئی نہیں ہے اس کے علاوہ جو نفسانی خواہش سے نجات پا گیا

یعنی دانائے پردہ دار (اسرار الہیہ کا قہل سنا چاہیے) وہ کہتے ہیں کہ (جہاں شراب پی ہے وہاں ہی سر رکھ کر پڑ رہے) اور وہاں سے باہر جا کر اپنی ہنسی نہ کرے مراد حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ان کا شعر ہے (برمدار از مقام مستی پے + سر ہما نجانہ کہ خوردی مئی + کیونکہ جب شراب خانہ سے کوئی مست حواس باختہ نکلے گا ضرور باز یگاہ اطفال کا بنے گا کہ سڑک پر ہر طرف کچڑ میں گر گر پڑتا ہے اور ناواقف اس کو ہنس رہا ہے اس کی یہ حالت ہے اور لڑکے اس کے پیچھے پیچھے ہیں اور اس کی مستی و ذوق شراب سے محض بے خبر ہیں (اسی طرح حالات باطنی کے ظاہر کرنیوالے کی عوام اور بدذوقوں میں مٹی پلید ہوتی ہے جو اہل باطن کے سامنے مثل اطفال کے ہیں کیونکہ) بجز مست (عشق) الہی کے تمام مخلوق (گویا) اطفال ہیں پس بالغ وہی ہے جو ہوائے نفسانی سے چھوٹ گیا ہے (کیونکہ بالغ اور نابالغ میں کمال و نقصان عقل کا تفاوت ہوتا ہے سو وہی تفاوت یہاں ہے)

گفت دنیا لعب و لہو ست و شما	کود کید و راست فرما ید خدا
(اللہ نے) فرمایا ہے دنیا کھیل کود ہے اور تم	بچے ہو اور خدا درست فرماتا ہے
از لعب بیروں ز رفتی کودکی	بے زکات روح کے باشد زکی
تو کھیل کود سے باہر نہیں نکلا تو بچہ ہے	روح کی پاکیزگی کے بغیر تو پاک کب ہو سکتا ہے؟
چوں جماع طفل داں این شہوتے	کہ ہمی رانند این جا اے فتنے
تو اس شہوت کو بچہ کے جماع کی طرح سمجھ	جس کو یہاں پورا کر رہے ہیں اے لوجوان!
این جماع طفل چہ بود بازے	با جماع رستم و عازے
بچہ کا جماع کیا ہوتا ہے؟ محض کھیل	رستم اور عازی کے جماع کے سامنے
جنگ خلقاں ہچو جنگ کودکاں	جملہ بے معنی و بے مغز و مہاں
لوگوں کی لڑائی بچوں کی لڑائی جیسی ہے	سب بے معنی اور بے مغز اور حقیر
جملہ با شمشیر چو میں جنگ شاں	جملہ در لا ینبغی آہنگ شاں
ان کی لڑائی کلڑی کی تلواروں سے ہے	ان کا قصد و ارادہ سب "غیر مناسب" میں داخل ہے

(تشبیہ بالا اطفال مذکور بالا کی تائید ہے یعنی) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دنیا لہو و لعب ہے اور (اس سے لازم آیا کہ) تم اطفال ہو (چنانچہ ارشاد ہے علموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لہو) اور حق تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے ابھی تم لہو و لعب سے (کہ دنیا کے مشاغل لایعنی ہیں) نہیں نکلے ہو اس لئے طفل محض ہو اور جب تک (ان مشاغل فضولی و معصیت کو ترک کر کے) روح کا تزکیہ نہ کرو گے کب پاک ہو سکتے ہو (آگے طالبان دنیا کے جمیع امور کا جو منحصر ہیں تین امر میں شہوت و غضب و علم مثل اطفال کی عبث ہونا بیان فرماتے ہیں سوا اول شہوت کا بیان ہے کہ) اہل دنیا جو یہاں شہوت کو مرغوبات سے کامرانی کر رہے ہیں اس کی ایسی مثال سمجھو جیسے نابالغ کا جماع سونا بالغ کا جماع رستم و عازی کے جماع کے مقابلہ میں بجز ایک کھیل کے اور کیا ہے یعنی بے سود محض چنانچہ شہوت دنیا کا بے ثمر ہونا ظاہر ہے یہ تو ان کی شہوت ہوئی رہا غضب سو) خلاق کی جنگ بھی مثل جنگ اطفال محض بے معنی اور بے مغز اور بے قدر ہے (گویا) شمشیر

چو بین سے جنگ ہو رہی ہے اور محض ناسزا اغراض میں سب کا قصد متوجہ ہو رہا ہے (چنانچہ یہاں کی جنگ وجدال کا بے نتیجہ ہونا بھی ظاہر ہے آگے بیان ہے ان کی قوت علمیہ و فکریہ کا بدلیل تفسیر لفظ نے واقع در شعر جملہ الخ بوہم وحس در شعر وہم وحس الخ)

جملہ شاں گشتہ سوارہ بر نئے	کایں براق ماست یا دلدل پئے
سب لکڑی کے سوار بنے ہوئے ہیں	کہ یہ ہمارا براق ہے یا دلدل قدم ہے
حامل اندو خود ز جہل افراشتہ	راکب و محمول رہ پنداشتہ
دہلدے ہوئے ہیں اور نادانی سے اپنے آپ کو بلند کئے ہوئے	راستہ کا سوار اور چڑھا ہوا سمجھتے ہیں
باش تا روزے کہ محمولان حق	اسپ تازاں بگوزرند از نہ طبق
ٹھہر جب تک حق کے سوار کسی دن	گھوڑے دوڑاتے ہوئے نو آسمانوں سے گزر جائیں
یخرج الروح الیہ والمملک	من عروج الروح یخز الفلک
فرشتے اور روح اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف چڑھیں گے	روح کے چڑھنے سے آسمان جھوٹے گا
ہمچو طفلان جملہ تاں دامن سوار	گوشہ دامن گرفتہ اسپ وار
بچوں کی طرح تم سب دامن پر سوار ہو	گھوڑے کی طرح دامن کو پکڑے ہوئے ہو
از حق ان الظن لا یعنی رسید	مرکب ظن بر فلکھا کے دوید
اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے گمان فائدہ نہیں دیتا ہے "وارد ہوا ہے	گمان کا گھوڑا آسمانوں پر کب دوڑا ہے؟
اغلب الظنن فی ترجیح ذا	لا تمار الشمس فی توضیحا
دو گمانوں میں سے زیادہ غالب اس کی ترجیح کے لئے ہے	سورج کی وضاحت میں نہ جھگڑو
آفتاب حق چو گردد مستوی	در قیامت بر رشید و برغوی
حق کا سورج جب سر پر آ جائے گا	قیامت میں راہ یاب اور گمراہ پر
آنکھے بیند مرکبہائے خویش	مرکبے سازیدہ انداز پائے خویش
اس وقت اپنی سواریوں کو دیکھیں گے	کہ انہوں نے اپنے پیروں کو سواری بنایا ہے
وہم وحس و فکر و ادراک شما	ہمچو نے داں مرکب کودک ہلا
تمہارا وہم اور حس اور فکر اور معلومات	آگاہ! ان کو بچہ کی بانس کی سواری کی طرح سمجھو

(حق امر واقعی اس میں تشبیہ ہے علوم طالبان دنیا کی خواہ وہ امور معاشیہ کے متعلق ہو جیسے زراعت و تجارت و صنعت خواہ محض امور نظریہ ہوں جیسے منطق فلسفہ خواہ وہ بلا اخلاص نیت کے فنون دیدیہ کے متعلق ہو سب کو تشبیہ دی ہے بانس کے ساتھ جس کو لڑکے مرکب بناتے ہیں اور واقع میں خود اس کے مرکب ہوتے ہیں اسی طرح مقصود علم سے یہ ہے کہ صاحب علم کو کشش کر کے اللہ تعالیٰ تک

پہنچادے مگر ان لوگوں کے علوم مذکورہ ان کو کوشش نہیں کر سکتے بلکہ یہ لوگ خود اس کو گھسیٹتے ہوئے اور اپنے اوپر اس کا بار لادے ہوئے پھر رہے ہیں۔ اس کا ظاہر ہے کہ اس میں قوت فکر یہ بے انتہا صرف کرتے ہیں اور حاصل کچھ نہیں بخلاف علوم وہیبیہ کے یا ان علوم مکتبہ دینیہ کے جن میں خلوص ہو کہ ان میں نہ اتنا تعب اور پھران کا ثمرہ قرب اور نجات اور ایصال الی اللہ اس لئے وہ مشابہ ہے مرکب حقیقی کے کہ راکب کو مقصود تک بلا تعب پہنچا دیتا ہے یہ حاصل ہے ان اشعار کا مع اشعار مابعد کے اب ترجمہ کو منطبق کرتے جاؤ یعنی یہ طالبان دنیا (اپنے علوم غیر موصلہ الی اللہ میں ایسے ہیں گویا) سب کے سب ایک بانس پر سوار ہو رہے ہیں کہ یہ ہمارا ابراق یا دلدل قدم ہے ان (علوم) کے خود حامل ہو رہے ہیں اور اپنے کو جہل سے بلند راکب اور محمول سمجھے ہوئے ہیں ذرا وہ دن آنے دو کہ (جو سچ مچ) محمولان حق ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم موصلہ عطا فرمائے ہیں) وہ اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے نوطبق (یعنی مفت آسمان اور کرسی و عرش) سے آگے بڑھ جائیں گی (یعنی علوم مذکورہ کے برکات و انوار سے ان کے درجات بلند ہونگے اور ظاہر ہے کہ رفعت قبول عند اللہ رفعت جسمانی سے جو نہ طبق کو حاصل ہے افضل و اکمل ہے) اس دن میں ارواح اور ملائکہ حق تعالیٰ کی طرف عروج کریں گے جیسا قرآن مجید میں ہے تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقداره خمسمین الفسۃ اور ارواح (طیبہ) کے عروج سے عرش (خوشی کے مارے) جنبش کرنے لگے گا (جیسا حدیث میں ہے کہ جب حضرت سعد بن معاذ کا انتقال ہوا تو عرش ہلنے لگا مراد اس دن سے یوم قیمت ہے یعنی اس روز تمہارے گمان کی غلطی کے حامل ہو کر اپنے کو محمول سمجھے ہو معلوم ہو جائے گی) غرض تم لوگ لڑکوں کی طرح اپنے دامن پر سوار ہوئے ہو اور گھوڑے کی طرح دامن کا گوشہ پکڑ رکھا ہے (اس تشبیہ کا بھی حاصل مثل تشبیہ اول کے ہے اب آگے علوم غیر موصلہ کا ناکافی ہونا ثابت کرتے ہیں کہ) حق تعالیٰ کی طرف سے آیۃ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً ہے (جس سے ثابت ہوا کہ) مرکب (ان) علوم ظنیہ کا (جن پر کوئی دلیل صحیح قائم نہ ہو) فلک پر نہیں دوڑتا (یعنی مقامات عالیہ قرب و قبول تک نہیں پہنچا سکتا اور عدم قیام دلیل صحیح کی قید اس لئے لگائی گئی کہ مراد ظن سے آیۃ مذکورہ میں ایسا ہی ظن ہے بدلیل سابق کے ان یتبعون الا الظن اور ظاہر ہے کہ کفار ایسے ہی ظنون کا اتباع کیا کرتے تھے اور ہر چند علوم شرعیہ جو بلا اخلاص نیت ہوں بالمعنی امد کور علوم ظنیہ میں داخل نہیں مگر چونکہ بوجہ فقدان خلوص کے یہ علوم اس شخص کے حق میں موجب شفاۃ قلب و شرح صدور مورث طمانینت نہیں ہوئے اس لئے حکما وہ بھی اس میں داخل اور عدم ایصال الی اللہ میں اس کے مشابہ ہو گئی اب ان ظنات سے علوم مورث طمانینت موصلہ الی اللہ کے ساتھ معارضہ کرنے کو روکتے ہیں کہ) اغلب ظنن کا اثر صرف ایک شق کی ترجیح میں ہوتا ہے (نہ کہ افادہ طمانینت میں پس اس سے) آفتاب (یعنی علم طمانینت بخش) کا مقابلہ مت کرو کیونکہ وہ (حقائق کی) کامل توضیح کر رہا ہے (جیسا آفتاب اشیاء مبصرہ کو خوب واضح کر دیتا ہے آگے بتلائے ہیں کہ گو شیفتگان علوم ظلمانیہ کو یہاں اپنے علوم کا ضعیف و بے قدر ہونا معلوم نہیں ہوتا مگر) جب قیامت کے روز تمام رشید و غوی پر امور واقعہ آفتاب کی طرح جبکہ وہ سمت الہیہ پر ہونے تکشف ہو جائیں گے اس وقت یہ لوگ اپنے مرکب (علوم) کو دیکھیں گے کہ یہ تو ہم نے اپنے پاؤں کو مرکب بنا رکھا تھا (یعنی خود اس ک حامل تھے محمول نہ تھے جس کی شرح گزر چکی ہے) غرض تمہارے علوم وہمیہ و حسیہ و فکریہ اور خود تمہارا ادراک ایسے ہیں جیسے بانس اطفال کا مرکب ہوتا ہے

علمہائے اہل دل جمال شاں	علمہائے اہل تن اجمال شاں
-------------------------	--------------------------

اہل دل کے علوم ان کی سواری ہیں	تن پروروں کے علم ان کا بوجھ
--------------------------------	-----------------------------

علم چوں بر دل زند یارے شود	علم چوں بر تن زند بارے ود
علم جب دل پر اثر کرنے مدگار ہو گا	علم جب بدن پر اثر کرنے بوجھ ہو گا
گفت ایزد تحمل اسفاره	بار باشد علم کاں نبود زھو
اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اپنی کتابیں لادے ہوئے ہے	وہ علم بوجھ ہوتا ہے جو اللہ کی جانب سے نہ ہو
علم کاں نبود زھو بے واسطہ	آں نپاید ہچو رنگ ماشطہ
جو علم اللہ تعالیٰ کی جانب سے بلا واسطہ نہ ہو	وہ پائیدار نہیں ہوتا ہے مشاطہ کے (لگائے ہوئے) رنگ کی طرح
لیک چوں ایں بار را نیکو کشتی	بار بر گیرند و بخشندت خوشی
لیکن جب تو اس بوجھ کو اچھی طرح کھینچے گا	بوجھ اتار لیں گے اور تجھے خوشی بخشیں گے
ہیں بکش بہر خدا ایں بار علم	تابہ بینی در دروں انبار علم
خبردار! علم کے اس بوجھ کو اللہ کے لئے اٹھا	یہاں تک کہ تو (اپنے) اندر علم کے انبار دیکھے
ہیں مکش بہر ہوا ایں بار علم	تا شوی را کب تو بر رہوار علم
خبردار! علم کے اس بوجھ کو (خواہش نفسانی نہ اٹھا)	تاکہ تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو جائے
چونکہ بر رہوار علم آئی سوار	بعد ازاں افتد ترا از دوش بار
جب تو علم کے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے گا	اس کے بعد تیرے کندھے سے بوجھ ہلکا ہو گا

(اوپر جو مضمون ضمن تشبیہ میں مذکور ہوا ہے یعنی علم رسمی کا محمول اور علم قلبی کا حامل ہونا یہاں اس کی تصریح ہے یعنی) اہل دل کے علوم تو ان کے جمال ہیں اور تن پر دروں کے علوم ان کے اجمال (یعنی بار) ہیں پس قلب پر اثر ہوگا (کہ خشیت و خلوص پیدا ہو جائے) تو وہ (وصول الی اللہ میں) معین ہوگا اور اگر تن پر اثر ہوا (یعنی صرف زبان پر تقریر رہی یا یہ کہ اس کو تن پر دروی کا ذریعہ بنایا تو نہرا بوجھ (اور وبال) ہوگا) اور یہی معنی ہیں حامل و محمول ہونے کے جیسا اوپر شرح گذرا) چنانچہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے مکمل الحمار تحمل اسفارا (یعنی یہود جو عالم بے عمل تھے ایسے ہیں جیسا گدھا کہ کتابوں کا بوجھ لادتا ہے اور کچھ اس سے منتفع نہیں ہو سکتا) اور جو علم حق تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو وہ بار ہی ہے یعنی وہ علم ادھر سے بلا واسطہ نہ ہو اس کو ثبات نہیں ہوتا جیسا مشاطہ کا لگایا ہوا درغن (کہ اس وقت تو چمک دمک نظر آتی ہے بعد چندے زائل ہو جاتا ہے اسی طرح ایسے علم کا اثر قلب میں نہیں رہتا اور اسی عدم انتفاع کی وجہ سے بار کہا گیا اور اس شعر میں مراد علم سے معلومات نہیں کیونکہ ان میں تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو واسطہ سے حصول ہوتا ہے چنانچہ وحی میں ملائکہ واسطہ ہوتے ہیں بلکہ مراد ایک نور ہے جو معلومات پر خلوص عمل کرنے سے قلب میں آتا ہے وہ موہوب محض ہوتا ہے اگرچہ اس موہوب کے لئے علم مکسوب شرط عادی ہے جیسے مقامات سلوک مکاسب ہیں پھر ان پر احوال جو مواہب ہیں مرتب ہو جاتے ہیں پس مقصود و تنفیر مکسوب سے نہیں ہے بلکہ موہوب کی ترغیب اور مکسوب پر قناعت نہ کرنے کی تخریص ہے کیونکہ جب تک یہ نور نہیں آتا اگر علم مکسوب سے کچھ قلب پر اثر خوف یا محبت کا آیا بھی بہت جلد زائل ہو جاتا ہے آگے اس علم مکسوب کے نافع ہونے کی شرط بتلاتے

ہیں یعنی ہر چند کہ علم مکسوب پر اکتفا نہ چاہئیں لیکن (اس کو عبث نہ سمجھ جانا کیونکہ) اگر اس بار کو اچھی طرح برداشت کرو (یعنی تحصیل علم میں نیت خالص رکھو اور اس پر عمل کرتے رہو) تو تمہارا بوجھ اتار دیا جائے گا (یعنی وہ علم تمہارا محمول نہ رہے گا) اور تم کو خوشی دی جائے گی (یعنی اس کو تمہارا حاصل بنا دیا جائے گا آگے نیکو کش کی تفسیر ہے یعنی) خبردار رہو ہوائے نفسانی کی (تحصیل کی غرض سے اس بار علم کو مت اٹھانا تا کہ تم رہو علم پر سوار ہو جاؤ بلکہ اس کو خدا کی (رضا کے) لئے برداشت کرنا تا کہ اپنے قلب میں ڈھیروں علم دیکھو جب تم رہو علم پر سوار ہو جاؤ گے تو سارے بار سے سبکدوش ہو جاؤ گے (یعنی حامل نہ ہو گئے محمول بن جاؤ گے)

از ہواہا کے رہی بے جام ہو	اے زھو قانع شدہ بانام ہو
عبت الہی کے جام کے بغیر تو خواہشات سے کب چھوٹ سکتا ہے	اے وہ کہ جو اللہ کی ذات کی بجائے نام پر قانع ہو گیا ہے
از صفت و زنام چہ زاید خیال	واں خیالش ہست دلال وصال
(اللہ کی صفت اور نام سے کیا پیدا ہوتا ہے؟ خیال پیدا ہوتا ہے)	اور وہ اس کا خیال وصال کا راہنما ہے
دیدہ دلال بے مدلول ہیچ	تانباشد جادہ نبود غول ہیچ
کبھی تو نے کوئی رہنما بغیر مقصود کے دیکھا ہے	جب تک راستہ نہ ہو کبھی چھلدا نہیں ہوتا ہے
ہیچ نامے بے حقیقت دیدہ	یازگاف و لام گل گل چیدہ
تو نے کبھی کوئی نام بغیر مسمی کے دیکھا ہے؟	یا (لفظ) گل کے گاف اور لام سے تو نے پھول پنپے ہیں
اسم خواندی روسمی را بجو	مہ ببالا داں نہ اندر آب جو
تو نے نام پڑھ لیا جا نام والے کو ڈھونڈ	چاند کو اوپر سمجھ نہ کہ نہر کے پانی میں

(اوپر کے اشعار میں علم مکسوب کے وسیلہ وصول الی اللہ ہو جانے کا طریقہ ترک ہو اور ابتغاء رضا بتلایا ہے اب اس کی شرح فرماتے ہیں) کہ ہوائے نفسانی سے بدون جام (محبت) حق نجات نہیں ہوتی اور تم صرف نام حق پر قناعت کئے ہوئے ہو (یعنی صرف ذکر و طاعت ظاہری تصفیہ و وصول کے لئے کافی نہیں جب تک محبت نہ ہو لیکن اس سے ذکر زبانی و طاعت ظاہری کو عبث مت سمجھ لینا کیونکہ قناعت کی شکایت کی گئی ہے نہ ذکر کی ورنہ خود طریقہ محبت یہی ذکر ہے (اس طرح سے کہ) صفت اور اسم (کے ذکر) سے (جب بقصد اثر باطنی کیا جائے) تصور اور خیال (مذکورہ مسمی و موصوف کا) پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ تصور رہبر وصال بن جاتا ہے (اس طرح کہ شدہ شدہ وہ تصور غالب ہوتا جاتا ہے اور دوسرے تصورات کم ہوتے جاتے ہیں اور تصورات کی کمی سے تعلقات گھٹتے جاتے ہیں اور سب سے فصل ہو جاتا یہی وصل ہے آگے خیال کے دلائل وصال ہونے کے توضیح ہے یعنی) تم نے کوئی دال دیکھا ہے جس کا مدلول نہ ہو جس طرح بدون جادہ کے غول نہیں ہوتا (تشبیہ محض استلزام میں ہے یعنی جس طرح وجود غول مستلزم وجود جادہ کو ہے کہ غول کو دیکھ کر معلوم ہو جاتا ہے کہ ضرور یہاں راستہ ہے ورنہ یہ بہکانے نہ آتا اسی طرح وجود دال مستلزم مدلول کو ہے آگے بھی اسی کی توضیح ہے کہ) کبھی کوئی اسم بلا مسمی کے دیکھا ہے (خواہ وہ مسمی موجود خارجی ہو یا ذہنی ہو اسی طرح نام و خیال حق کا کوئی مدلول ضرور ہوگا اور دلائل سے اس کا موجود واقعی ہونا ثابت ہے پس دال سے مدلول کی طرف ضرور انتقال ہوگا پھر اس سے تعلق ہو جائے گا اور یہی وصول ہے پس ذکر زبانی میں یہ نفع ہوا لیکن اس پر قناعت نہ کرنا چاہیے اس لئے دوسرے مصرعہ میں ماقبل پر عطف تردیدی کے طور پر سوال

ہے کہ) یا کبھی لفظ گل کے حروف سے واقعی گل حاصل کر سکے ہو (اسی طرح صرف الفاظ و اسماء پر قناعت کرنے سے وصول الی قیقت نہیں ہو سکتا پس حاصل شعر کا یہ ہوا کہ نہ ذکر عبث ہے للشق الاول من السؤال اور نہ کافی ہے للشق الثانی منہ اس لئے آگے مرے جا فرماتے ہیں کہ) نام تولے چکے اب مسمیٰ کو ڈھونڈو کیونکہ چاند اور پرتو ہوتا ہے ندی کے اندر نہیں ہوتا (گوگل اور اثر ہو)

گرز نام و حرف خواہی بگذری	پاک کن خود را از خود ہیں یکسری
تو اگر نام اور حرفوں سے آگے بڑھنا چاہتا ہے	تو خبردار! اپنے آپ کو خودی سے بالکل پاک کر لے
ہمچو آہن زہنی بیرنگ شو	در ریاضت آئینہ بے زنگ شو
لوہے کی طرح لوہے پن سے بے تعلق ہو جا	ریاضت کر کے بغیر زنگ کا آئینہ بن جا
خویش را صافی کن از اوصاف خود	تا بہ بنی ذات پاک صاف خود
اپنے آپ کو اپنے اوصاف سے صاف کر لے	تاکہ تو اپنی پاک صاف ذات کو (اس حالت میں) دیکھے
بنی اندر دل علوم انبیاء	بے کتاب و بے معید و اوستا
(کہ) تو دل میں انبیاء کے علوم دیکھے	بغیر کتاب اور بغیر دہرانے والے کے اور بغیر استاد کے
گفت پیغمبر کہ ہست از اتم	کو بود ہم گوہر و ہم ہمتم
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے امت میں ایک وہ ہے	جو میرے جوہر اور میری ہمت میں میرا شریک ہوگا
مر مرازاں نور بیند جان شاں	کہ من ایشاں را ہمی بینم بداں
ان کی جان مجھے اس نور سے دیکھے گی	جس سے میں ان کو دیکھتا ہوں
بے صحیحین و احادیث و روایات	بلکہ اندر مشرب آب حیات
(مجھے میرے نور سے دیکھے گا) بغیر صحیحین اور احادیث اور روایوں کے	بلکہ مشرب (عشق) میں (جو) آب حیات ہے (دیکھے گا)
سر امسینا لکرو یا بداں	راز اصجنا عربیاً بخواں
"ہم نے کر دی ہو کر شام گزارے" کے راز کو سمجھ	"ہم نے عربی ہو کر صبح کی" کے راز کو پڑھ
سر امسینا و اصجنا ترا	می رساند جانب راہ خدا
تجھے امسینا اور اصجنا کا راز	راہ خدا کی جانب پہنچا دے گا
ور مثالے خواہی از علم نہاں	قصہ گو از رومیان و چینیاں
اگر تو علم لدنی کی مثال چاہتا ہے	تو رومیوں اور چینوں کا قصہ دہرا

(اوپر فرمایا ہے اسم خواہی رسمی را بجو یہاں اس کا طریق بتلاتے ہیں یعنی) اگر نام اور حرف (یعنی ذکر لسانی) سے (مسمیٰ طرف) بڑھنا چاہتے ہو تو اپنے کو اپنی ہستی سے بالکل پاک کر لو (یعنی اوصاف ذمیمہ سے اور اپنی طرف التفات سے بھی جس کو فنا کہتے ہیں) اور لوہے کی طرح آہن ہونے کی صفت سے بے زنگ ہو جاؤ اور ریاضت کر کے آئینہ بے زنگ ہو جاؤ (پس

جس طرح آہن میں صیقل سے اس کی صفت ظلمت نہیں رہتی اور اس میں انعکاس صور ہونے لگتا ہے اسی طرح ریاضت و فنا سے تم میں تجلی حقیقت ہونے لگے گی یہی حصول ہے مسمیٰ کا (پس اپنے آپ کو اپنے اوصاف (خودی) سے صاف کر لو تا کہ تم اپنی ذات کو اس حالت پر پاؤ کہ باطن میں بلا واسطہ کتاب اور تکرار کرانیوالے ہم سبق اور استاد کے علوم نبوت موجود ہوں (پھر ان میں علوم حالیہ ہیں وہ تو بعد صفاء باطن سدیۃ نبوت سے اکثر بلا اکتساب فائض ہوتے ہیں اور احیاناً علوم مکتبہ منقولہ بھی بطور خرق عادت حاصل ہو جاتے ہیں) چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں بعض ایسے لوگ ہونگے جو میرے ساتھ جوہر علم اور ہمت عمل میں مناسبت رکھتے ہوں گے اور ان کی روح مجھ کو اس نور سے مشاہدہ کرے گی جس نور سے میں ان کو دیکھتا ہوں (یعنی جس طرح میں اوصاف ولایت کا اپنے نور باطن سے مشاہدہ کرتا ہوں وہ میرے اوصاف و کمالات نبوت کا اپنے نور باطن سے مشاہدہ کریں گے چنانچہ اہل باطن کو آپ کے نبوت و کمالات کا علم یقینی و تحقیقی بطور شرح صدر کے حاصل ہوتا ہے) اس مشاہدہ میں نہ صحیحین کا واسطہ ہوگا نہ احادیث کا نہ راویوں کا بلکہ محض مشرب عشق میں جو کہ (بقاء ابدی بخشنے میں) مشاہدہ آب حیات کے ہے یہ مشاہدہ ہوگا (یعنی میری معرفت (ذوقیہ میں محض محبت ان کے لئے کافی ہوگی اس میں دلائل نقلیہ کے محتاج نہ ہونگے کیونکہ نقلیات ذوق کے لئے کافی نہیں اور یہ لازم نہیں آتا کہ احکام میں بھی دلائل کے محتاج نہ ہونگے یہ مضمون روایت بالمعنی ہے اس حدیث کی سیکون فی امتی رجال محدثون اے ملہمون اور اگر بلا واسطہ اکتساب کے علوم حاصل ہونے کا واقعہ دریافت کرنا چاہو تو) امیت کردیا و اصحبت عربیاً کاراز جان لو اس راز کا جاننا تم کو خدا کی طرف لے جائے گا (کہ ان کو سکرتم کو بھی ترغیب ہوگی وہ قصہ یہ ہے کہ کوئی شخص ابوالوفاء نام قوم کرد سے چوپانی کرتے تھے کہیں بسم اللہ لکھی ہوئی پڑی تھی اس کو پاک صاف کر کے ادب سے اونچی جگہ رکھ دیا اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی شب کو بلا واسطہ کتاب اور تکرار کر نیوالے ہم سبق اور استاد کے تمام علوم کھل گئے اور زبان بھی عربی ہو گئی صبح کو منبر پر بیٹھ کر اول وعظ میں ارشاد فرمایا الحمد للہ الذی امیت کردیا و اصحبت بہ عربیاً یعنی شام کو میں کردی تھا اور صبح کو عربی بن گیا اور بعض نے کہا کہ کہیں طالب علموں کو گفتگو کرتے دیکھ کر تمنا کی کہ میں بھی ایسا ہی عالم ہوتا انہوں نے تمسخر سے دو مہمل لفظ زیرہ عصر ہتلا کر کہا کہ اگر کوئی تمام شب اولئالک کر صبح تک ان کو پڑھے وہ عالم ہو جائے ان بیچارہ نے سادگی سے صدق کے ساتھ ایسا ہی کیا صبح کو علوم ان پر فائض ہوئے تبحر عالم اور ولی کامل ہو گئے بہر حال یہ واقعہ خرق عادت ہے جو احیاناً واقع ہو جاتا ہے باقی فیضان عادی جن علوم کا ہوتا ہے وہ علوم حالیہ ہیں جیسا اوپر گزرا) اور اگر علم باطن کے حاصل ہونے کی کوئی مثال چاہتے ہو تو اہل روم اور اہل چین کا قصہ پڑھ لو (جس کو آگے بیان کریں گے کہ اہل روم نے نقوش نہیں بنائے محض صیقل کیا سب نقوش اس میں منعکس ہو گئے اسی طرح یہ حضرات قلب کو صیقل کرتے ہیں علوم و معارف جو قلب کے محاذاتہ میں ہیں منعکس ہو جاتے ہیں اور دوسرے قلوب کو بھی محاذاتہ ہوتی ہے مگر قابلیت و صفاء نہ ہونا حاجب و مانع ہو جاتا ہے)

قصہ مرے کردن رومیان و چینیوں در علم نقاشی و صورتگری

نقاشی اور مصوری کے علم میں رومیوں اور چینیوں کے مقابلہ کا قصہ

چینیوں نے کہا کہ ہم بڑے نقاش ہیں	رومیوں نے کہا ہم شان و شوکت والے ہیں
چینیوں نے کہا کہ ہم بڑے نقاش ہیں	رومیوں نے کہا ہم شان و شوکت والے ہیں

گفت سلطان امتحاں خواہم دریں	کز شما خود کیست در دعویٰ گزریں
بادشاہ نے کہا میں اس معاملہ میں امتحان لوں گا	کہ دعوے میں تم میں سے کون بہتر ہے؟
اہل چین و روم چوں حاضر شدند	رومیاں در علم واقف تر بدند
چینی اور رومی جب آئے	(تو) رومی باعتبار علم زیادہ ماہر تھے
چینیاں گفتند خدمتہا کلیم	رومیاں گفتند بر حکمت تنیم
چینیوں نے کہا ہم محنت کریں گے	رومیوں نے کہا ہم حکمت و دانائی دکھائیں گے
چینیاں گفتند یک خانہ بہما	خاص بسپارید و یک آن شما
چینیوں نے کہا ایک گھر	خاص طور پر ہمارے سپرد کرؤ اور ایک تم لے لو
بود دو خانہ مقابل در بدر	زاں یکے رومی ستد چینی دگر
آنے سامنے کے دو گھر بالقابل تھے	ان میں سے ایک رومیوں نے دوسرا چینیوں نے لے لیا
چینیاں صدرنگ از شہ خواستند	پس خزینہ باز کرد آں ارجمند
چینیوں نے بادشاہ سے سوتم کے رنگ مانگے	اس اقبال مند (بادشاہ) نے خزانہ کھول دیا
ہر صبح از خزینہ رنگہا	چینیاں را راتبہ بود و عطا
ہر صبح کو خزانے سے رنگوں کے لئے	چینیوں کو مقرر رقم بلکہ اور کچھ زیادہ مل جاتا
رومیاں گفتند نقش و نہ رنگ	در خور آید کار را جز دفع زنگ
رومیوں نے کہا نہ نقش اور نہ رنگ	کام میں آئے گا سوائے زنگ صاف کرنے کے
در فرو بستند و صیقل می زدند	ہمچوں گردوں سادہ و صافی شدند
ان (رومیوں) نے دروازہ بند کیا اور مانجھے لگے	(در دیوار) آسمان کی طرح سادہ اور صاف ہو گئے

رابطہ اس کا سرخی سے اوپر بیان ہو چکا ہے یعنی کسی بادشاہ کے روبرو (چینیوں نے کہا کہ ہم زیادہ نقاش ہیں رومیوں نے کہا ہمارا کمال بڑھا ہوا ہے بادشاہ نے کہا ہم امتحان لینا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کون اپنے دعوے میں ترجیح رکھتا ہے پس دونوں طرف کے آدمی حاضر ہوئے اور واقع میں اس علم میں رومی زیادہ واقف تھے چینی بولے ہم خوب محنت کریں گے رومی بولے ہم خوب کاریگری دکھلائیں گے چینیوں نے (رومیوں سے) کہا کہ اچھا ایک گھر خاص ہم کو دیدو اور ایک تمہارا رہا غرض دو گھر آمنے سامنے تھے ایک چینیوں نے لے لیا دوسرا رومیوں نے لے لیا چینیوں نے بادشاہ سے طرح طرح کے رنگوں کی درخواست کی اس نے خزانہ کھول دیا اور روزانہ صبح کے وقت خزانہ سے چینیوں کے پاس رنگوں کا بھیجا جان ایک دائمی معمول ہو گیا اور رومیوں نے (باہم) صلاح کی کہ بجز دفع زنگ کے کوئی نقش و رنگ کارآمد نہ ہوگا پس دروازہ بند کر کے انہوں نے صیقل کرنا شروع کیا جس سے (گھر کی) در دیوار و سقف آسمان کی طرح صاف شفاف ہو گئی۔

از دو صدرنگی بہ بیرنگی رہے ست	رنگ چوں ابرست و بیرنگی مہے ست
رنگی (عالم کثرت) سے (بیرنگی) عالم وحدت کی طرف اشارت ہے	رنگ ابر کی طرح اور بے رنگی چاند کی طرح ہے
ہرچہ اندر ابرضو بینی و تاب	آں ز اختر دان و ماہ و آفتاب
تو ابر میں جو کچھ روشنی اور چمک دیکھتا ہے	وہ ستاروں اور چاند اور سورج کی وجہ سے سمجھ

(چینیوں کے رنگ اور رومیوں کی بے رنگی لغوی سے بطور جملہ معترضہ انتقال ہے طرف بیان رنگ و بے رنگی اصطلاحی یعنی وحدت و کثرت کے مع تفصیل بے رنگی کے یعنی) بہت سے مختلف رنگ سے (یعنی کثرت سے) بے رنگی (یعنی وحدت) کی طرف راہ (استدلال و مغفرت) ہے (کیونکہ مصنوع سے صانع کی معرفت ہوتی ہے) رنگ کی مثال ابر کی سی اور بے رنگی کی مثال چاند کی سی (اور وجہ تشبیہ ہے کہ) ابر میں جو کچھ روشنی اور چمک دیکھتے ہو اس کو کب اور ماہ و آفتاب کی طرف سے سمجھو (اسی طرح عالم امکان و کثرت میں جو کچھ کمالات ہیں سب مستفاد ہیں فیض واحد حق سے تعالیٰ شانہ۔ عجب نہیں کہ مقصود اس مضمون سے ترغیب ہو ترک اشتغال بماسوی اللہ کی

چھیاں چوں از عمل فارغ شدند	از پئے شادی دہلہا می زدند
جب چینی کام سے فارغ ہوئے	انہوں نے خوشی میں ڈھول بجائے
شہ در آمد دید آنجا نقشہا	می ربود آں عقل را و فہم را
بادشاہ آیا اس نے اس جگہ نقش دیکھے	جو عقل اور سمجھ کو دنگ کر رہے تھے
بعد ازاں آمد بسوئے رومیاں	پردہ را بالا کشیدند از میاں
اس کے بعد (بادشاہ) رومیوں کی طرف آیا	انہوں نے درمیان سے پردے کو اوپر اٹھایا
عکس آں تصویر و آں کردار ہا	زد بریں صافی شدہ دیوار ہا
(تو) ان تصویروں اور دستکاریوں کا عکس	ان صاف دیواروں پر پڑا
ہرچہ آنجا دید ایں جاہ نمود	دیدہ را از دیدہ خانہ می ربود
(بادشاہ نے) جو وہاں دیکھا یہاں اس سے اچھا دیکھا	(اور یہ منظر) آنکھوں کو حلقہ چشم سے اچک رہا تھا

پھر نمود ہے قصہ کی طرف یعنی) جب چینی لوگ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو خوشی کے مارے شادیاں بجاتے تھے بادشاہ (حسب درخواست) آیا اور نقش و نگار کا ملاحظہ کیا جس سے عقل و فہم دنگ ہوئی جاتی تھی اس کے بعد رومیوں کی طرف آیا انہوں نے درمیان کا پردہ اٹھا دیا پس (چینیوں کے) ان تمام نقوش و صنایع کا عکس ان صیقل زدہ دیواروں پر منعکس ہو گیا اور جو کچھ وہاں دیکھا تھا وہ سب یہاں زیادہ مستحسن معلوم ہوا (کیونکہ یہاں شفافیت زیادہ تھی) کہ اس کے دیکھنے سے گویا آنکھیں اپنی جگہ سے (شدت اشتیاق سے) نکلی جاتی تھیں۔

رومیاں آں صوفیا ننداے پدر	بے ز تکرار و کتاب و بے ہنر
اے باہا! رومی وہ سونی ہیں	بغیر تکرار اور کتاب اور ہنر (آموزی) کے

لیک صیقل کردہ اند آں سینہا	پاک ز آ زو حرص و بخل و کینہا
لیکن انہوں نے سینوں کو مانجھ لیا ہے	لاج اور حرص اور بخل اور کینوں سے پاک (کر لیا ہے)
آں صفائے آئینہ و صف دل ست	صورت بے منتہا را قابل ست
آئینہ کی صفائی ان کے دل کی صفت ہے	(جو) لا انتہا صورتوں کو قبول کرنے والا ہے
صورت بے صورتے بے حد و عیب	ز آئینہ دل تافت بر موسیٰ ز جیب
صورت بغیر صورت کے جو بے حد اور بے عیب تھی	جو گریبان میں سے دل کے آئینہ سے حضرت موسیٰ پر چمکی تھی
گر چہ آں صورت نہ گنجد در فلک	نے بعرش و فرش و دریا و سمک
اگرچہ وہ صورت آسمان میں نہیں ساتی ہے	نہ عرش میں اور نہ زمین اور نہ دریا میں اور نہ پھلی میں
زانکہ محدود دست و معد و دست آں	آئینہ دل را نباشد حد بداں
اس لئے کہ یہ چیزیں محدود اور شمار میں آنے والی ہیں	سمجھ لے دل کی آئینہ کی کوئی حد نہیں ہے
عقل اینجا ساکت آید یا مضل	زانکہ دل با اوست یا خود اوست دل
عقل اس جگہ خاموش رہتی ہے یا گمراہ کرتی ہے	اس لئے کہ دل اس سے ملا ہوا ہے یا خود ہی دل ہے
عکس ہر نقشے نتابد تا ابد	جز ز دل ہم باعد و ہم بے عدد
قیامت تک ہر نقش کا عکس نہیں چمکتا ہے	دل کے علاوہ (کسی اور چیز پر) خلوہ و شکر میں آنے والے ہوں یا ان گنت ہوں
تا ابد ہر نقش نو کاید برو	می نماید بے حجابے اند رو
قیامت تک کا ہر نیا نقش جو اس دل پر پڑتا ہے	کسی حجاب کے بغیر اس میں نظر آتا ہے

(مقصود قصہ کا بیان ہے کہ) صوفیہ کرام کی مثال ان رومیوں کی سی ہے کہ تکرار اور کتاب (اور تحصیل سے عاری ہیں) جس میں نقوش و مضامین کا انتقال ذہن میں ہوتا ہے) لیکن سینہ کو (ریاضت سے) صیقل کر لیا ہے (وہ صیقل یہ ہی ہے کہ) آ زو حرص و بخل و کینہ سے پاک کر لیا ہے (اور یہی چیزیں موانع ہیں فیضان انوار و اسرار غیبیہ سے جب ان کا ازالہ ہو گیا تو) مثل آئینہ کے صفائی قلب کی صفت ہوگی (اور جب قلب موصوف بہ صفائی ہو گیا تو) علوم غیر متناہیہ کے حصول صورت کی اس میں قابلیت ہوگی (اسی کو شعر ماقبل سرخی میں علم نہان فرمایا ہے اور اس کا غیر متناہی ہونا باعتبار واقع کے بمعنی غیر متناہی بالفعل کے ہے اور باعتبار حصول ذہنی کے بمعنی لا تقف عند حد ہے اور چونکہ بجز ذات و صفات نفس کے سب اشیاء کا علم حصولی ہوتا ہے اور اس حاصل کو صورت کہتے ہیں اس لئے صورت بے منتہا سے تعبیر فرمادیا) اور اسی (علم) بے صورت و بے حد و بے عیب کی صورت (ذہبیہ) تھی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر (وقت کلام الہی کے) ان کے گریبان سے یعنی ان کے آئینہ قلب سے (جو ظاہراً گریبان سے مجاورت رکھتا ہے) طلوع کیا تھا (یعنی یہی علم لدونی وہی تھا جو پیرایہ کلام میں آپ کے قلب پر منکشف ہوا اور اس علم کو صورت و بے حد یعنی بے منتہا کہنے کی وجہ تو ابھی بیان ہو چکی اور بے صورت میں صورت کی نشی باعتبار معنی متعارف صورت کے

ہے سو اس کا منتہی ہونا علم سے ظاہر ہے اور بے عیب کہنے میں کوئی تردد ہی نہیں اگرچہ وہ صورت (علمیہ) افلاک میں بھی نہیں سما سکتی نہ عرش میں نہ زمین میں نہ دریا اور ماہیان یعنی مخلوقات دریا میں (لیکن قلب میں سما گئی) وجہ یہ کہ یہ سب اشیاء محدود اور محدود ہیں (یعنی اگرچہ اجسام متصل واحد ہیں جیسا حکماء کہتے ہیں تو کم متصل و مقدر میں متناہی ہیں اور اگر جزاء لا تجزی سے مرکب ہیں تو وہ اجزاء کم منفصل اور عدد میں متناہی ہیں) بخلاف آئینہ دل کے کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں (کیونکہ وہ جسم نہیں جو متصل یا مرکب ہو بلکہ عالم امر سے ہے جو حدود و ترکیب سے منزہ ہے حاصل دلیل یہ ہوا کہ ان علوم کے لئے تجرد عن المادہ شرط ہے اس لئے قلب قابل ہے نہ یہ اجسام عظام) اور اس مقام میں (کہ صفاء قلب کے بعد اس میں ارتسام علوم وہیہ کا ہونے لگتا ہے) عقل (متوسط) یا تو ساکت (وحیرت زدہ) رہ جاتی ہے اور یاد (اگر کچھ اس کے متعلق اثباتاً یا نفیاً بیان کرتی ہے تو بوجہ غلط فہمی و غلط بیان کے) دوسروں کو بھی غلطی میں مبتلا کر دیتی ہے اور سبب اس کا یہ (تردد) ہوتا ہے کہ قلب کو اس صورت (علمیہ) کے ساتھ اتران ہے (جیسا علم حصولی میں ہوتا ہے) یا قلب اس کا عین ہے (جیسا علم حضوری میں ہوتا ہے کہ عالم میں علم و مبداء انکشاف و عین معلوم ہوتا ہے اور ان میں تغائر اعتباری بھی نہیں ہوتا خلاصہ تقریر کا یہ ہے کہ عقل متوسط انکشاف معلومات کے دو طریقے جانتی ہے ایک حصولی مکتسب دوسرا حضوری اس لئے وہ علم وہی کے انکشاف کو اسی میں داخل کر کے تامل کرتی ہے کہ کونسی قسم ہے حالانکہ وہ نہ حضوری ہے کیونکہ وہ ذات و صفات نفس کے ساتھ خاص ہے نہ حصولی مکتسب ہے کیونکہ موہوب ہے اور اس کے حصول کی کیفیت محض ذوقی ہے جس کو عقل متوسط ادراک نہیں کر سکتی اور ظاہر ہے کہ ادراک نہ کرنے کے بعد تین حالتیں ہوتی ہیں یا حیرت یا انکار یا بلا دلیل کوئی کیفیت متعین کر کے اثبات اول کو سکوت کہا ثانی ثالث کو اضلال) اور بجز قلب (مذکور) کے کوئی قوت (مدرکہ) ایسی نہیں جس میں تمام نقوش (و صورت علمیہ) کا ابدال آباد تک انعکاس ہوتا رہے (گو حاصل بالفعل ہر حال میں متناہی ہوگا) خواہ وہ نقوش با عدد ہوں (جیسے ممکنات کہ متناہی العدد ہیں) اور خواہ بے عدد ہوں (جیسے کمالات حق تعالیٰ کہ خارج از حصر عدد ہیں جیسے اوپر تقریر کی ہے کہ معلومات غیر متناہیہ بمعنی لا تقف عند حد کی قابلیت کے لئے مدرک کا تجرد شرط ہے) بس یہی قلب ہے جس پر جو نقش (صورت علمیہ) جدید (جو اس کے قبل حاصل نہیں ہوا) وارد ہوتا ہے بلا حجاب اس میں حاصل ہو جاتا ہے (کیونکہ مواں و حجب کہ ظلمت و کدورت رذائل و التفات الی ماسوی اللہ ہے ریاضت سے مرتفع ہو چکے ہیں۔

اہل صیقل رستہ انداز بو و رنگ	ہر دمے بینند خوبی بے درنگ
صیقل کرنے والے بو اور رنگ سے نجات پا گئے ہیں	وہ اچھائی کو بلا توقف ہر دقت دیکھ لیتے ہیں
نقش و قشر علم را بگذاشتند	رایت عین الیقین افراشتند
انہوں صحتش اور علم کے چمکے کو چھوڑ دیا ہے	عین الیقین کا جھنڈا بلند کر دیا ہے
ذوق و فکر و روشنائی یافتند	بحر بہر آشنائی یافتند
ان کو ذوق اور فکر اور روشنی حاصل ہو گئی ہے	انہوں نے تیراکی کے لئے سمندر پا لیا ہے
مرگ کزوے جملہ اندر وحشت اند	می کنند ایں قوم بروے ریشخند
موت جس سے سب خوف زدہ ہیں	یہ قوم اس کی ہنسی اڑاتی ہے

کس نیابد بر دل ایساں ظفر	بر صدف آید ضرر نے بر گہر
(کیونکہ) ان کے دل پر کوئی قابو نہیں پاسکتا ہے	ضرر سیپ کو پہنچتا ہے نہ کہ موتی کو
گرچہ نحو و فقہ را بگذاشتند	لیک نحو و فقر را برداشتند
اگرچہ انہوں نے نحو اور فقہ کو ترک کر دیا ہے	لیکن وہ فنا اور فقر کے حامل ہو گئے ہیں
تا نقوش ہشت جنت تافت ست	لوح دل شانرا پذیرا یافت ست
جب سے آٹھوں ہشتوں کے نقوش ابھرے ہیں	ان کی لوح دل کو (عکس کی) قبول کرنے والی پایا ہے
برتر انداز عرش و کرسی و خلا	ساکنان مقعد صدق خدا
وہ عرش اور کرسی اور خلا سے بھی بہتر ہیں	(وہ) خدا کی سچائی کی نشست گاہ کے ساکن ہیں
صد نشان دارند و محو مطلق اند	چہ نشان بل عین دیدار حق اند
وہ سینکڑوں نشان رکھتے ہیں اور مطلق فنا ہیں	نشان کیا بلکہ وہ اللہ کا بعینہ دیدار ہیں

(یہ بھی تہہ ہے مضمون شعر بالا ایک صیقل کردہ انداز کا یعنی) اہل صیقل بوی و رنگ سے (یعنی استدلال بلا آثار سے) چھوٹ گئے اور ہر وقت علوم محمودہ کا بلا توقف مشاہدہ کر رہے ہیں (بلا توقف اس لئے فرمایا کہ توقف و تامل نظریات میں ہوتا ہے اور علوم و ہدیہ محتاج نظر نہیں) بس انہوں نے علم کے (مرتبہ) نقش و پوست کو چھوڑ دیا ہے اور عین الیقین کا پرچم بلند کیا ہے (نقش و پوست سے مراد مرتبہ الفاظ خاصہ والہ کا کہ تابع معانی ہیں اور عین الیقین سے مراد مرتبہ مدلول کا کہ مقصود ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ مقصود خاص مضامین ضروریہ ہیں خواہ وہ عربی الفاظ میں ہوں یا فارسی و اردو میں بس ترک الفاظ سے مراد ترک تقیید بالا لفاظ ہے) ان کی قوت فکر یہ (جو علوم استدلالیہ میں ہوتی ہے) رخصت ہوئی اور ان کو نور (قلب) حاصل ہو گیا (جس سے انکشاف علوم ہو گیا اور تیرا کی کے لئے ان کو ایک دریا (علوم و ہدیہ) کا مل گیا (جس کا کہیں کنارہ نہیں جیسا غیر محدود ہونا اور ثابت ہو چکا ہے اور اس انکشاف حقائق پر یہ امر بھی مرتب ہوا کہ) موت جس سے تمام عالم وحشت کرتا ہے یہ حضرات اس پر ہنستے ہیں (یعنی ڈرتے نہیں کیونکہ ان کو موت کی حقیقت منکشف ہے جس سے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ) ان کی قلب (وروح) پر کوئی شخص قابو نہیں پاسکتا (اسی طرح موت بھی روح کو منعدم نہیں کر سکتی) جو کچھ صدمہ (موت سے) پہنچے گا وہ صدف (یعنی بدن) پر ہو گا نہ کہ گوہر (یعنی روح پر) (اس لئے ان کو اندیشہ نہیں اور ہر چند دوسروں کا عقیدہ بھی یہی ہے مگر یہ حال غالب نہیں اس لئے معاملہ میں اس کا اثر نہیں) اور اگرچہ ان حضرات نے نحو کو (یعنی علوم الہیہ کو) اور فقہ (میں تبصر) کہ (جو کہ قدر فرض پر زائد ہے) ترک کر دیا ہے لیکن (بجائے اس کے) محویت اور فقر کو (جو کہ ہر شخص کے لئے محتاج الیہ ضروری ہے) لے لیا ہے (اور ان کا قلب ایسا نورانی ہے کہ) جب سے ہشت جنت پیدا ہوئی ہیں ان کے لوح دل کو (اپنے انعکاس کے لئے) قابل دیکھا ہے (خواہ کشف عیانی سے خواہ کشف وجدانی سے) ان حضرات کا مرتبہ عرش و کرسی اور خلا سے (جو کہ فوق العرش ہے) بڑھ کر ہے (کیونکہ) یہ حضرات مقعد صدق و مقام قرب الہی کے ساکن ہیں (اور ظاہر ہے کہ علو قرب علو جہت سے جو کہ عرش و کرسی وغیرہ کو حاصل ہے بدرجہا افضل ہے اور اس میں اشارہ ہے آیت فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر کی طرف) اور صد ہا نشان (بقاء باللہ کے) ان کے پاس ہیں اور (فناء فی اللہ سے) محو مطلق ہو گئے ہیں (نشان سے مراد صفات و کمالات کہ نشان یعنی ظلال و عکوس کمالات حق کے ہیں آگے ترقی عنوان کی ہے نہ

معنوں کی یعنی) نشان کیا (کہتے ہو) بلکہ (یوں کہو کہ) عین دیدار حق میں پہلے گزر چکا ہے کہ روشی میں کمال تناسب کو اصطلاح میں اتحاد و عینیت کہہ دیتے ہیں یہاں اسی بناء پر عین کہہ دیا اور تناسب ظاہر ہی ہے) تنبیہ احقر نے اثناء شرح ابیات ہذا میں علوم الہیہ و تبحر زائد علی الفرض کی تصریح و تقلید جو کر دی ہے اس سے علوم دیدیہ ضروریہ مقصودہ کے عبث یا مضر ہونے کا شبہ دفع ہو گیا فافہم۔

پرسیدن پیغمبر زید را علیہ السلام کہ امروز چونی و چوں بامداد کردی و بر خاستی و جواب گفتن او کہ اصحت مومنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید (رضی اللہ عنہ) سے دریافت فرمانا کہ آج تم کیسے ہو اور تم نے کس حالت میں صبح کی اور (بستر سے) کس حال میں اٹھے ہو اور ان کا جواب دینا کہ یا رسول اللہ میں نے مومن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے۔

یہ داستان مربوط ہے بیت بالا اہل صقل رستہ انداخ اور تا نقوش ہشت جنت تافت ستارخ سے جن کا حاصل تصفیہ المجاہدہ پر ترتب مشاہدہ کا ہے چنانچہ اس میں آئندہ اس قسم کے مضامین ہیں گفت تشنہ بودہ ام الخ اور ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من الخ جن کا حاصل وہی امر مذکور ہے اور مقصود ترغیب ہے تصفیہ باطن کی جس پر یہ واردات علمیہ و حالیہ مرتب ہوں ف اس روایت میں خلط ہو گیا ہے وہ یہ کہ زید خیر سے سوال کیف اصحت ثابت ہے مگر ان کے جواب میں یہ مضامین نہیں ہیں جو یہاں مذکور ہوئے ہیں گو علامت ایمان کامل ہونے میں دونوں مشترک ہیں اور جتنکے جواب میں اس قسم کے مضامین ہیں ان کا نام زید نہیں بلکہ عوف بن مالک ہے چنانچہ دونوں روایتیں الرحمة المہداة کی کتاب الایمان سے نقل کرتا ہوں عن محمد بن صالح الانصاری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقی عوف بن مالک فقال کیف اصحت یا عوف بن مالک قال اصحت مومنا حقا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لكل قول حقیقته فما حقیقته ذلك قال یا رسول اللہ اطلقت نفسی من الدنيا واسهرت لیلی و اظمئت ہوا جری کانی انظر الی عرش ربی و کانی انظر الی اهل الجنة تنیر اورون فیہا و کانی انظر الی اهل النار تیضاغون فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفت اولقنت فالزم رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ و عن زید الخیرانہ قال یا رسول اللہ لتخبرنی ما علامۃ اللہ فیمن یریدو وما علامۃ فیمن لا یرید قال لی کیف اصحت یا زید قلت اصحت احب الخیر و اہلہ ان قدرت علیہ بادرت الیہ وان فاتنی حزن و حنت الیہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتلک علامۃ اللہ فیمن یرید و لو ارادک لغير ہالیہاک لہا رواہ رزین اور ایک خلط محشیوں سے ہو گیا کہ ان کو زید بن حارثہ لکھ دیا ہے حالانکہ یہ دوسرے صحابی ہیں ان کا نام پہلے بوجہ شجاعت کے زید اخیل تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الخیر بدل دیا تھا لیکن نام کے بدل جانے سے اصل مقصود میں خلل نہیں آتا اور چونکہ یہ مقصود عوف بن مالک کی حدیث سے ملتا ہے اس لئے احقر نے اسی کو اصل قرار دیا ہے اور جاننا چاہیے کہ مولانا کے اکثر مضامین یہاں روایت بالمعنی ہیں۔

گفت پیغمبر صبح زید را کیف اصحت اے رفیق با صفا

ایک صبح کو پیغمبر (کی اللہ علیہ وسلم) نے زید سے فرمایا اے تخلص رفیق! تم نے صبح کس حالت میں کی ہے؟

گفت عبداً مومنأ باز اوش گفت	گونشاں از باغ ایماں گر شگفت
انہوں نے کہا مومن بندہ ہونے کی حالت میں پھر ان سے (حضور نے فرمایا)	اگر ایمان کا چمن کھلا ہے تو اس کی علامت بتاؤ
گفت تشنہ بودہ ام من روزہا	شب نختستم ز عشق و سوز ہا
انہوں نے کہا میں (روزہ کی وجہ سے) دنوں پیاسا رہا ہوں	عشق اور سوز کی وجہ سے راتوں نہیں سویا ہوں
تاز روز و شب گذر کردم چناں	کہ ز اسپر بگذرد نوک سناں
یہاں تک کہ روز و شب سے میں اس طرح گزر گیا	جس طرح نیزے کی نوک ڈھال سے گزر جاتی ہے
کہ ازاں سو جملہ ملت یکے ست	صد ہزاراں سال و یک ساعت یکے ست
کیونکہ وہاں تمام ملتیں ایک ہیں	لاکھوں سال اور ایک گھنٹہ یکساں ہے
ہست ازل را و ابد را اتحاد	عقل راہ رہ نیست ز اں سوز افتقاد
(وہاں) ازل اور ابد میں وحدت ہے	گم ہو جانے کی وجہ سے وہاں عقل کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ سے (اور بروایت صحیحہ عوفؓ سے) سوال کیا کہ تم کس حالت پر صبح کو اٹھے انہوں نے عرض کیا کہ عبد مومن (تحقیقی) اٹھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا باہاں ایمان شگفتہ ہے تو اس کی کیا علامت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں (نے ایسا مجاہدہ کیا کہ) دن کو (روزہ سے) پیاسا رہا اور شب کو عشق و سوز سے سویا نہیں جس پر یہ ثمرہ مرتب ہوا کہ میں لیل و نہار (یعنی زمانہ) سے اس طرح گزر گیا جس طرح سپر سے نوک سنان گزر جاتی ہے (چونکہ ممکنات سب زمانی ہیں اس لئے مراد اس سے یہ ہے کہ مجھ کو ذات و صفات حق تعالیٰ سے نسبت و معصیت ہو گئی اور وہاں ایسی تزییہ ہے) کہ اس طرف سب مذاہب یکساں ہیں اور لاکھوں سال اور ایک ساعت سب یکساں ہیں (اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہاں اشیاء مختلفہ ہیں اور پھر سب متحد ہیں بلکہ یہ ترکیب مستعمل ہوتی ہے اشیاء مختلفہ کے متشارك فی النفی ہونے میں حاصل یہ کہ مذاہب اور ازمنہ سب حادث ہیں اور ذات و صفات حق حوادث سے منزہ ہیں) اور وہاں ازل اور ابد سب کو اتحاد ہے (یعنی دونوں صفتوں کا منشا نفس ذات واحدہ ہے نہ اضافت الی الامور الخارجہ اور اس طرف عقل کو بوجہ گم ہو جانے کے راستہ نہیں ملتا) ذات و صفات حق کی کنہ کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے اور یہ ثمرہ مذکورہ روایت میں مذکور نہیں مگر ذکر ملزوم بعینہ ذکر لازم ہے)

گفت ازاں رہ کورہ آوردی بیار	در خور فہم و عقول ایں دیار
(آنحضور نے) فرمایا اس راستہ کا تحفہ کہاں ہے لا	جو ان ملکوں (دنیا کے رہنے والوں) کی فہم اور عقول کے مناسب ہو
گفت خلقاں چوں بہ بیند آسماں	من بیہنم عرش را با عرشیاں
(زید نے) کہا جب لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں	میں عرش کو مع عرش کے باشندوں کے دیکھتا ہوں
ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من	ہست پیدا ہمچو بت پیش تمن
آٹھوں جنتیں اور ساتوں دوزخیں میرے سامنے	اس طرح نمایاں ہیں جس طرح پجاری کے سامنے بت

یک بیک و امی شناسم خلق را	ہمچو گندم من ز جو در آسیا
میں لوگوں کو ایک ایک کر کے جدا جدا پہچانتا ہوں	جس طرح میں چکی میں جو اور گندم (کو پہچانتا ہوں)
کہ بہشتی کیست و بیگانہ کے ست	پیش من پیدا چو مار و ماہی ست
کہ بہشتی کون ہے اور (جنت سے) بیگانہ کون ہے؟	میرے سامنے اس طرح نمایاں ہے جس طرح سانپ اور مچھلی

کہ بمعنی کجارہ آوردہ بمعنی سوغات یعنی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس راہ (معرفت) سے جو ہدیہ لائے ہو کہاں ہے اس کو لاؤ (مگر) اس عالم والوں کے فہم و عقل کے مناسب (ہونا چاہیے یعنی ذات و صفات کے اسرار نہ ہوں یہ ارشاد روایت مذکورہ میں صریح نہیں مگر چونکہ قواعد شرعیہ سے اسرار خارج از فہم عوام کا اظہار ممنوع ہے اس قرینہ سے دال فمناہیۃ ذلک جو روایت میں منصوص ہے ایسے امور ممکنہ الادراک کے ساتھ خاص ہو گیا پس اس سوال اجمالی کی گویا یہ تفسیر ہے) انہوں نے عرض کیا کہ جب خلائق آسمان کو دیکھتے ہیں میں اس وقت عرش اور اہل عرش کو دیکھتا ہوں اور ہشت جنت اور ہفت دوزخ میرے روبرو اس طرح منکشف ہیں جیسا بت پرست کے روبرو بت ہوتا ہے او میں ایک ایک کر کے تمام مخلوق کو تمیز کر رہا ہوں جس طرح گیہوں کو جو سے آسیا میں (پینے کے وقت) امتیاز کر لیا جاتا ہے کہ کون تو جنتی ہے اور کون ملعون ہے میرے روبرو بالکل ظاہر ہیں جس طرح مار اور ماہی میں ظاہر امتیاز ہوتا ہے (اس روایت میں لفظ کافی وارد ہے جو موضوع ہے تشبیہ کے لئے جس سے ظاہر حدیث کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ کو ایمانی یقین و انشراح صدر ایسا حاصل ہے کہ جیسا خود عرش و جنت و نار کو دیکھ کر حاصل ہونا چاہیے تھا اس کو کشف وجدانی کہتے ہیں جیسے حدیث احسان میں لفظ کا تک تراہ وارد ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو فرضاً دیکھتے ہوتے تو عبادت کو کیسا سنوار کر کرتے اب بھی ایسی ہی سنوارو آگے اس کی دلیل ہے فان لم تکن الخ یعنی باوجود نہ دیکھنے کے اس طرح سنوارنا اس لئے ضرور ہے کہ گو تم نہیں دیکھتے مگر وہ تو دیکھتے ہیں جس کا مقتضا ایسا ہی سنوارنا ہے مگر ظاہر امولانا نے اس کو کشف عیانی پر محمول فرمایا ہے پس کان مجازاً تحقیق کے لئے ہوگا جیسا لعل کو قرآن میں کہتے ہیں)

ایں زماں پیدا شدہ بر ایں گروہ	یوم تبیض و تسود و جوہ
اس گروہ پر اسی وقت روشن ہے	وہ دن جبکہ چہرے منور اور کالے ہو جائیں گے
پیش ازیں ہر چند جان پر عیب بود	در رحم بود و ز خلقاں غیب بود
اس (روز قیامت) سے پہلے ہی دھینا روح میوں سے بھری تھی	رحم مادر میں (بچکے طرح) تھی اور مخلوق (کی نظروں) سے غائب تھی
الشتی من شتی فی بطن ام	من سمات الجسم یعرف حالہم
بدبخت وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے بدبخت بنا	جسم کی علامتوں سے ان کا حال جانا جاتا ہے
تن چوں مادر طفل جاں را حاملہ	مرگ درد زادن ست و زلزله
بدن ماں کی طرح روح سے حاملہ ہے	موت بننے کا درد اور اپہل ہے
جملہ جانہائے گذشتہ منتظر	تا چگونہ زاید آں طفل بطر
پہلی تمام روحمیں منتظر ہیں	کہ یہ خود پسند بچہ کس حالت میں پیدا ہوتا ہے؟

زنگیاں گویند خود از ماست او	رومیاں گویند بس زیباست او
کالے بچتے ہیں وہ ہم میں سے ہے	گورے کہتے ہیں کہ وہ بہت سرخو ہے
چوں بزاید در جہاں جان وجود	پس نماںد اختلاف بیض و سود
جب روح کا وجود دنیا میں پیدا ہو جاتا ہے	کالوں اور گوروں کا امتیاز نہیں رہتا ہے
گر بود زنگی برندش زنگیاں	روم را رومی بردہم از میاں
اگر وہ کالا ہوتا ہے تو اس کو کالے لے جاتے ہیں	گورے کو درمیان میں سے گورے لے جاتے ہیں
تازاد او مشکلات عالم ست	آنکہ او نازادہ بشناسد کم ست
جب تک وہ پیدا نہیں ہوتا عالم کیلئے مشکلات (کاسب) ہے	جو نہ جنے ہوئے کو پہچان لیں کم ہیں
او مگر بینظر بنور اللہ بود	کاندرون پوست او را رہ بود
اگر وہ اللہ کے نور سے دیکھنے والا ہو	کہ چھلکے کے اندر اس کے لئے راستہ ہوتا ہے

(اس میں کشف صحابی کی تائید ہے کہ) اس گروہ پر اس وقت وہ دن (احیاناً) مکشوف ہو جاتا ہے جس میں بہت سے چہرے روشن ہو جائیں گے اور بہت سے سیاہ ہو جائیں گے (مراد روز قیامت ہے جس میں سعادت و شقاوت عام مخلوق پر ظاہر ہو جائے گی لیکن اس وقت عام انکشاف نہیں) اور ہر چند کہ اس یوم سے پہلے بھی (یعنی تعلق بالا جسام کی حالت میں) ارواح و نفوس عیوب سے پر تھے مگر (عام مخلوق کو ان کی شقاوت کی اطلاع اس وجہ سے نہ تھی کہ) وہ اہل غیب (گویا) رحم بھی تھے (یعنی اجسام بمنزلہ رحم مادر کے تھے) اور اس لئے عام خلق سے مخفی تھے اور (ہر چند کہ تشبیہ اجسام کی رحم کے ساتھ اس کے موجب خفا ہونے میں ہے محلیۃ شقاوت میں اشتراک لوازم تشبیہ سے نہیں لیکن چونکہ اتفاق سے اس میں بھی تشارک ہے اس لئے مشبہ بہ میں اس کا حدیث سے اثبات فرماتے ہیں کہ) شقی وہ شخص ہے جو بطن مادر میں شقی ہو (جیسا حدیث میں مصرح ہے کہ رحم مادر میں شقاوت و سعادت لکھ دی جاتی ہے لیکن عام خلق کو اس مکتوب کی اطلاع نہیں ہوتی البتہ جو حضرات اہل کشف ہیں (ان کے نزدیک) علامات الہیہ سے ان کی حالت (شقاوت کی) معلوم ہو جاتی ہے (گو احياناً سہمی آگے تشبیہ مذکور کی توضیح و زیارت تطبیق ہے کہ) اس تن (فانی) کی مثال مادر کی سی ہے اور روح کو حمل کی طرح لئے پھرتی ہے اور موت کی مثال ایسی ہے جیسے جننے کے وقت تکلیف اور اہل چل ہوتی ہے) پس جس طرح درد دوزہ کے بعد بطن مادر سے لڑکا جدا ہوتا ہے اور دنیا میں آتا ہے اسی طرح درد مرگ کے بعد روح بدن سے مفارق ہوتی ہے اور مفارقت کے بعد عالم ارواح میں منتقل ہوتی ہے اور اصطلاح میں اس کو ولادت ثانیہ کہتے ہیں) اور جتنی ارواح سابقہ گزر چکی ہیں سب کو انتظار رہتا ہے کہ دیکھیے یہ طفل روح جو (دنیا میں) شاداں تھا کس حالت پر پیدا ہو کر (عالم ارواح میں) آتا ہے زنگی (یعنی اشقیاء) تو کہتے ہیں کہ وہ ہم میں سے ہوگا اور رومی (یعنی سعداء) کہتے ہیں کہ وہ حسین و جمیل ہے (لہذا ہم میں سے ہوگا) پس جب وہ طفل روح جو موجود ہے پیدا ہو کر عالم ارواح میں پہنچتا ہے اس وقت ابیض و اسود (یعنی رومی زنگی) کا اختلاف رفع ہو جاتا ہے اگر وہ شقی ہو گیا وہ اشقیاء میں جا ملا اور اگر سعید ہے سعداء میں شامل ہو گیا غرض جب تک (ولادت ثانیہ) پیدا نہیں ہوا تھا تمام اہل عالم ارواح پر مشتبہ تھا (کیونکہ) غیر مولود کو پہچاننے والے تو کم ہی ہیں (جیسے اس ولادت میں سب حاضرین منتظر رہتے

ہیں کہ لڑکا کے ساتھ ہوگا اور قرآن سے آراء میں مختلف ہوتے ہیں بعد ولادت حقیقت حال واضح ہو جاتی ہے پہلے سے یقیناً کوئی نہیں جانتا) البتہ اگر کوئی شخص بنظر بنور اللہ کا مصداق ہو کہ پوست کے اندر کا حال معلوم کر لے (تو خیر یعنی قبل مرگ اس کو کسی کی سعادت و شقاوت مکشوف ہو جائے گوا حیاناً سہی جیسے کامل طبیب بمصر کا حکم لون مولود کے باب میں گاہے صحیح ہو سکتا ہے اور جاننا چاہیے کہ مراد روح ہے۔ اس مقام پر نسمہ ہے جو روح مجرد کا متعلق مفتوح لام ہے اس تعلق کی وجہ سے اس کو بھی روح کہا جاتا ہے وجہ اس کے مراد ہونے کی یہ ہے کہ سعداء و اشقیاء کا اختلاف مقرر اسی نسمہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم)

اُس آب نطفہ اسپیدست و خوش	لیک عکس جان رومی و حبش
نطفہ کا پانی اصل میں سفید اور خوشنا ہے	لیکن گورے اور کالے کی روح کا اثر
میدہد رنگ احسن التقویم را	تابہ اسفل می برند این نیم را
بہترین ساخت والے کو رنگ بخشتا ہے	یہاں تک آدموں کو گہرائی میں لے جاتا ہے
یوم تبیض و تسود و جوہ	ترک و ہند و شہرہ گرد دزاں گروہ
جس روز چہرے سفید اور سیاہ ہوں گے	اس گروہ میں سے گورے اور کالے مشہور ہو جائیں گے
فاش گردد کہ تو کا ہی یا کہ کوہ	ہندوی یا ترک پیش ہر گروہ
واضح ہو جائے گا کہ تو سچا ہے یا پہاڑ	تو کالا ہے یا گورا ہر گروہ پر
در رحم پیدا نباشد ہند و ترک	چونکہ زاید بیندش خورد و بزرگ
رحم (مادر) میں کالا گورا واضح نہیں ہوتا ہے	جب پیدا ہوتا ہے اس کو ہر چھوٹا بڑا دیکھ لیتا ہے
ایں سخن پایاں نہ دارد باز راں	تا نما نیم از قطار کارواں
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے ' واپس لوٹ	تاکہ ہم قافلہ کی قطار سے (پہچے) نہ رہ جائیں

(اوپر قبل ولادت اختفاء احوال والوان کا حکم تھا یہاں اس کی وجہ مذکور ہے یعنی) اصل رنگ اب نطفہ کا سفید اور خوبصورت ہوتا ہے (خواہ وہ کسی کا نطفہ ہو) لیکن رومی اور حبشی کا اثر جزئیت (جو اس میں مضمر ہے مولود کی) حسین کو تو خوبصورت رنگ دے دیتا ہے (یہ حکم باعتبار رومی کے ہے) اور بعض مولود کو (مراتب رنگ میں سے) اسفل درجہ میں لے جاتا ہے (یعنی بدنما سیاہ کر دیتا ہے یہ حکم باعتبار حبشی کی ہے پس کلام میں لف و نشر مرتب ہے خلاصہ یہ کہ چونکہ ناظرین نے صرف نطفہ دیکھا ہے جس میں اختلاف الوان نہیں اور مؤثرنی اختلاف پر اس میں کوئی علامت دال نہیں لہذا الوان جنین مخفی رہتا ہے اسی طرح دنیا میں ناظرین صرف صور و اعمال دیکھتے ہیں جو سعداء و اشقیاء میں اکثر اوقات یا بعض اوقات متشابہ ہوتی ہیں اور مؤثرنی سعادت و شقاوت کہ اختلاف جبلت سے اس پر کوئی امر دال نہیں لہذا سعادت و شقاوت مخفی رہتی ہے البتہ) جب وہ دن آئے گا کہ بہت سے چہرے سفید ہو جائیں گے اور سب سے سیاہ ہو جائیں گے (مراد قیامت کا دن ہے) اس وقت ترک جمیل (یعنی سعید) اور ہندی زشت (یعنی شقی) اس مخلط گروہ میں سے ممتاز گروہ) شہرہ عالم ہو جائیں گے اور علانیہ ظاہر ہو جائے گا کہ تم کاہ ہو یا کوہ ہو (یعنی اعمال کا وزن خفیف ہے یا

ثقیل) اور تمام گروہوں کی نظر میں تمہارا زشت رواد اور خوبرو ہونا معلوم ہو جائے گا (جس طرح) رحم میں معلوم نہیں ہوتا کہ ہندی ہے یا ترکی ہے مگر جب پیدا ہوتا ہے تو سب چھوٹے بڑے دیکھ لیتے ہیں (یہاں تک تقریر ہوگئی سب اختفاء عن نظر العامہ کی اب قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں کہ) اس مضمون کا تو خاتمہ نہ ہوگا (کہ اسباب خفاء سعادت و شقاوت کی جس کا تعلق سر قدر سے ہے تحقیق کرتے رہیں) اب شیدریز قلم کو قصہ کی طرف چلانا چاہیے تاکہ قطار اور قافلہ (یعنی قصہ مقصودہ) سے نہ رہ جائیں۔

جواب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول را علیہ السلام

کہ احوال خلق بر من پوشیدہ پنہاں نیست

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب دینا کہ لوگوں کے احوال مجھ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں

جملہ را چوں روز رستا خیز من	فاش می بینم عیاں از مرد و زن
میں سب کو قیامت کے دن کی طرح	کھلا ہوا دیکھتا ہوں خواہ مرد ہو یا عورت
ہیں بگویم یا فرو بندم نفس	لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس
ہاں میں بتاؤں یا سانس گھونٹ لوں	مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے لئے ہونٹ دیا کہ بس

(ان صحابی کا جواب اوپر شعر میں شروع ہوا ہے گفت خلقان چون بہ بیند آنچون اور یہ اس کا تمہ ہے یعنی) میں سب کو خواہ وہ مرد ہوں یا زن ایسا صاف اور علانیہ دیکھ رہا ہوں جس طرح قیامت میں (اور لوگ دیکھیں گے) ہاں (فرمائیے) سب کہہ ڈالوں یا سانس بند کر لوں آپ نے اپنا لب مبارک دانت میں دبا کر (اشارہ) سے فرمایا کہ بس کرو (اس روایت میں یہ درخواست اور جواب صریحاً تو مذکور نہیں البتہ ان کی تعدد کافی النظر سے احتمال تطویل کلام کا جو شرط تھا اذن کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فالزم ہے امر بقطع الکلام کا استنباط ممکن غیر بعید ہے فافہم)

یا رسول اللہ بگویم سر حشر	در جہاں پیدا کنم امروز نشر
یا رسول اللہ میں قیامت کا راز کہہ ڈالوں	دنیا میں آج ہی قیامت برپا کر دوں
ہل مرا تا پردہ ہا را بر درم	تا چو خورشیدے بتا بد گوہرم
مجھے اجازت دیجئے کہ پردے چاک کر دوں	تاکہ میرا جوہر آفتاب کی طرح چمکے
تا کسوف آید زمن خورشید را	تا نمایم نخل را و بیدرا
تاکہ میری وجہ سے سورج گرہن میں آ جائے	تاکہ میں کجور اور بید کو (جدا کر کے) دکھا دوں
وانمایم روز رستا خیز را	نقد را و نقد قلب آمیز را
قیامت کے دن کو کھول کر دکھا دوں	کھرے اور کھوٹے کو (دکھا دوں)

دست ہا بربیدہ اصحاب شمال	وانمایم رنگ کفر و رنگ آل
ہاتھ کئے ہوئے ہائیں جانب والوں کو	تاریکی اور سرخ رنگ کو واضح کر دوں
واکشایم ہفت سوراخ نفاق	درضیائے ماہ بے حسف و محاق
نفاق کے سات سوراخ واضح کر دوں	اس چاند کی روشنی میں جس کے لئے گرہن اور گھاؤ نہیں ہے
وانمایم من پلاس اشقیا	بشنوائم طبل و کوس انبیا
میں بدبختوں کا ٹاٹ کا لباس کھول کر دکھا دوں	انبیاء کا نقارہ سنا دوں
دوزخ و جنات و برزخ درمیاں	پیش چشم کافراں آرم عیاں
دوزخ اور جہنم اور درمیان میں برزخ	کافروں کی نظروں میں لے آؤں
وانمایم حوض کوثر رابجوش	کاب برروشاں زند بانگش بگوش
حوض کوثر کو ٹھانیں مارتا ہوا دکھا دوں	کہ وہ ان کے چہروں پر پانی چھڑکے کالوں میں آواز پہنچائے
وانکہ تشنہ گرد کوثر می دوند	یک بیک را وانمایم تا کیند
وہ لوگ جو کوثر کے گرد پیاسے بھاگے پھر رہے ہیں	ایک ایک کو دکھا دوں کہ وہ کون ہیں؟
واں کساں کہ تشنہ برگردش دواں	گشتہ اند ایندم نمایم من عیاں
وہ لوگ جو اس کے چاروں طرف پیاسے بھاگے	پھر رہے ہیں ان کو ابھی کھلم کھلا دکھا دوں
می بساید دوش شاں بردوش من	نعرہا شاں می رسد در گوش من
ان کا کندھا میرے کندھے سے جھل رہا ہے	ان کے نعرے میرے کالوں میں پہنچ رہے ہیں
اہل جنت پیش چشم ز اختیار	در کشیدہ یک دگر را در کنار
میری آنکھوں کے سامنے جنتی خوشی سے	ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں
دست یکدیگر زیارت می کنند	وز لباب ہم بوسہ غارت می کنند
ایک دوسرے کی دست ہوی کرتے ہوئے ملاقات کر رہے ہیں	اور ہونٹوں سے بوسے (کے حرے) لوٹ رہے ہیں
گر شد ایں گوشم ز بانگ آہ آہ	از خسان و نعرہ و احسرتاہ
آہ آہ کی آواز سے میرے یہ کان بہرے ہو گئے	بدبختوں کی وجہ سے ' اور واحسرتاہ کے نغروں سے
ایں اشارتہاست گویم از نغول	لیک می ترسم ز آزار رسول
یہ تو اشارے ہیں کہری بات (بھی) کہتا ہوں	لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طلال سے ڈرتا ہوں

(کوئی یوں نہ سمجھے کہ لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس کے بعد ان صحابی نے یہ مضمون عرض کیا کہ صحابہ سے اس کا احتمال ہی نہیں بلکہ یہ سب اشعار ہیں بگویم واقع مصرعہ اولی شعر بالا کی شرح ہے اور آگے جو آتا ہے گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد یہ اس شعر کے مصرعہ ثانیہ لب گزیدش الخ کی شرح ہے یعنی ان صحابی نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) اگر اجازت ہو تو) حشر کے حالات مخفیہ سب کہہ ڈالوں اور دنیا میں بعث و نشر کو آج ظاہر کر دوں (بیان مفصل سے یا قلوب میں تصرف کر کے ان پر مکشوف کر دینے سے) مجھ کو ذرا اجازت دیجئے تاکہ سب حجابات اٹھا ڈالوں (بہر دو احتمال مذکور) تاکہ آفتاب کی طرح میرا جوہر (علمی یا تصرفی) روشن ہو جائے تاکہ مجھ سے خورشید کو بھی (کم نوری کا) کسوف لگ جائے (کیونکہ نور آفتاب میں صرف توضیح مادیات کا خاصہ ہے اور ظاہر ہے کہ توضیح اسرار اس توضیح سے افضل ہے لہذا اس اعتبار سے آفتاب کو کم نور کہیں گے اور تاکہ میں بخل (یعنی عالمین با ثمر) اور بید (یعنی عالمین بے ثمر کو ظاہر کر دوں اور قیامت کا دن اور نقد خالص کو اور جوان میں قلب آمیز ہیں (یعنی جو طاعات خلوص سے ہوئی ہیں اور جن میں ریال گئی ہے) ان سب کو ظاہر کر دوں اور اصحاب شمال (یعنی اہل دوزخ حسرت سے گویا) ہاتھ قطع کر رہے ہیں (یعنی یہ بھی دکھلا دوں) اور رنگ زرد اور رنگ سرخ کو دکھلا دوں (مراد غم اور خوشی کا رنگ ہے کمال قال تعالیٰ وجوه یومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة و وجوه یومئذ علیہا غبرة ترہقہا قترۃ اور نفاق کے ساتوں سوراخ (یعنی اس کے طرف متعددہ و اسباب کثیرہ) ایسے چاند کی روشنی میں جس کو نہ خسوف ہے نہ نقصان ظاہر کر دوں (مراد اس سے نور کشف صحیح ہے) اور میں اشقیاء کی پلاس کو (جو شعرا ذلت ہے) دکھلا دوں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے طبل و کوس کو (کہ عبارت ہے عزت و حشمت سے) سب کو سنو ادوں اور دوزخ اور بہشت اور برزخ (یعنی عالم قبر یا اعراف) جو درمیان میں (دنیا و آخرت یا دوزخ و جنت کے) ہے کفار کی آنکھوں کے سامنے (قوت تصرف سے) معائنہ کر ادوں اور حوض کوثر کو جوش مارتا ہو دکھلا دوں اس طور پر کہ ان کے منہ پر اس کا پانی چھڑکا جائے اور اس کی آواز ان کے کان میں آئے (تصرف قوی سے بعد مکانی یا زمانی میں قصر مسافت ممکن ہے) اور جو لوگ کوثر کے گرد پیاسے دوڑتے پھر رہے ہیں ایک ایک کو دکھلا دوں کہ کون کون ہیں یعنی جو لوگ اس کے آس پاس تشنہ پھر رہے ہیں اس وقت ان کو دکھلا دوں (تفسیر میں اس وقت کی قید مفسر سے زیادہ ہے) ان کا شانہ میرے شانہ سے چھل رہا ہے (واقعات مستقبلہ کے کشف میں اس طرح تمشل ممکن ہے) اور ان کے نعرے میرے کان میں پہنچ رہے ہیں اور اہل جنت خوشی خوشی ایک دوسرے سے معانقہ کر رہے ہیں اور مصافحہ کرتے ہوئے باہم زیارت کر رہے ہیں اور لبوں سے بوسہ بھی دے رہے ہیں (جیسا روایت مذکورہ میں ہے و کانی انظر الی اهل الجنة تیز اور دن فیہا اسی طرح میرا یہ کان (دوزخیوں کی) آہ آہ اور نلہ و نعرہ و احسرتاہ سے گویا بہرا ہو گیا ہے) جیسا حدیث مذکور میں ہے و کانی انظر الی اهل النار تیضا غون فیہا) اور میں جتنا عرض کر رہا ہوں (بمقابلہ وسعت مکشوفات کے) (بمنزلہ اشارات) (اجمالیہ) کے ہیں اور میں تہہ کی بات (یعنی پوری حقیقت و تفصیل) بھی عرض کر سکتا ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاج ہونے کا اندیشہ ہے (یا تو اس لئے کہ کشف اسرار آپ کے نزدیک پسندیدہ نہیں یا اس لئے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے زائد انکشاف ہے تو ضرورتاً تطویل کلام جس میں کوئی فائدہ نہ ہو موجب ملال و گرانی ہوگا)

ہمچنین می گفت سرمست و خراب

داد پیغمبر گریبانش بتاب

وہ (زیڈ) مستی اور مدہوشی میں یہ کہہ رہے تھے

پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کا گریبان اینٹھا

گفت دم درکش کہ اسپت گرم شد	عکس حق لایستی زد شرم شد
آنحضور نے فرمایا خاموش رہ کہ تیرا گھوڑا تیز ہو گیا ہے	تھو پر اللہ نہیں شرماتا ہے "کاکس پڑ گیا ہے مجھ جاتی رہی ہے
آئینہ تو جست بیروں از غلاف	آئینہ و میزوں کجا گوید خلاف
تیرا آئینہ غلاف سے باہر آ گیا ہے	آئینہ اور ترازو خلاف (واقعہ) کب بتاتے ہیں؟
آئینہ و میزوں کجا بند و نفس	بہر آزار و حیائے ہیچ کس
آئینہ اور ترازو کب چپ ہوئے ہیں	کسی کی شرم اور تکلیف کی وجہ سے
آئینہ و میزوں محکمائے سنی	گرد و صد سالتش تو خدمتہا کنی
آئینہ اور ترازو روشن کسوٹیاں ہیں	اگر تو دو سو سال خدمت کرے
کز برائے من پوشاں راستی	بل فزوں بنما و منما کاستی
کہ میری وجہ سے سچائی کو چھپا لے	بلکہ زیادہ دکھا دے کی نہ دکھا
اوت گوید ریش و سبلت بر مخند	آئینہ و میزوں وانگہ ریو و بند
وہ تجھ سے کہے گا کہ اپنا مذاق نہ اڑا	آئینہ اور ترازو اور پھر فریب اور حیلہ
چوں خدا مارا برائے آل فراخت	کہ بما بتوال حقیقت راشناخت
جبکہ خدا نے ہمیں اس لئے بلند کیا ہے	کہ ہمارے ذریعہ سے حقیقت پہچانی جائے
ایں نہ باشد ماچہ ارزیم اے جواں	کہ شویم آئین روئے نیکواں
اے جوان! اگر یہ نہ ہو تو ہم کس لائق ہیں	ہم نیکوں کے چہرے کا آئینہ کب ہو سکتے ہیں؟
لیک درکش در بغل آئینہ را	کز بجلی کرد سینا سینہ را
لیکن آئینے کو بغل میں دہا لے	اس لئے کہ اس نے سینہ کو بجلی سے (کوہ) سینا بنا دیا ہے

(اوپر کہہ چکا ہوں کہ یہ اشعار مصرعہ لب گزیدش کی شرح ہے جس کا روایت بالمعنی ہونا فالزم کا اس سے اوپر ذکر کر چکا ہوں یعنی) وہ صحابی (غلبہ حال سے) مست و بے سرو پا ہو کر ایسی باتیں کر رہے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گریبان کو تاب دے کر فرمایا کہ بس خاموشی کرو تمہارا سب (بیان) بہت گرم ہو گیا اور تم پر تو الحق لایستحی (یعنی آیہ واللہ لایستحی من الحق) کا پڑ گیا اس لئے (اظہار حقائق کے باب میں) باک جاتا رہا (گویا یہ قیض ہے حق تعالیٰ کی اس صفت کا کہ وہ اظہار حق سے باک نہیں فرماتے) اور تمہارا آئینہ (بیان کا) غلاف (اعتدال سے باہر نکل گیا) کیونکہ اسرار مخفیہ جن کا اختفاء قرین حکمت ہے زبان پر آنے لگے اور بیان کی وجہ تشبیہ آئینہ سے ظاہر ہے کہ دونوں مظہر ہیں پس اس حالت میں بشرط قدرت سکوت احوط ہے کیونکہ ایسی حالت میں یہ نہایت دشوار ہے کہ تکلم ہو اور اس پر نظر رہنے کہ اسرار مخفیہ زبان پر نہ آویں کیونکہ آئینہ اور میزان کبھی خلاف واقع نہ کہیں گے (یہاں خلاف واقع عام ہے اور اظہار بعض و اختفاء بعض کو شامل ہے پس مغلوب الحال کا بیان و نطق

بمزلہ آئینہ و میزان کے ہے کہ جو چیز اس کے سامنے اور اس کے اندر آ جائے گی ضرور اس کا اظہار کر دے گا ہاں اگر اخفاء چاہو تو آئینہ و میزان کام ہی مت لو یہ مشابہ سکوت کے ہے آگے مولانا اس تشبیہ کی توضیح فرماتے ہیں کہ آئینہ اور میزان کسی کی ناگواری یا شرم کے خیال سے (اظہار امر واقعی سے) کب خاموش ہوتے ہیں بلکہ یہ دونوں ایسی روشن معیار ہیں کہ اگر (بالفرض) دو سو سال تک ان کی خدمت (اس خوشامد میں) کی جائے کہ تم امر واقعی کو میری خاطر سے ظاہر مت کرنا بلکہ (اگر آدھ سیر چیز ہو مثلاً تو اس کو) زیادہ (مثلاً سیر بھر) کر کے دکھانا اور کمی مت کرنا (اور یہ امر وزن للبیع کے وقت مطلوب ہوتا ہے یا وزن للشراء کے وقت اس کے عکس کی درخواست کی جائے اور یہ قضیہ شرطیہ باعتبار میزان کے ہے اور آئینہ میں انعکاس کی کمی بیشی اس کی نظیر ہے بہر حال ایسی درخواستوں کے وقت) وہ تم کو یہ جواب دینگے کہ تم احمق مت بنو بھلا ایسا ممکن ہے کہ آئینہ اور میزان اور پھر فریب و حیلہ (یعنی ان کا اجتماع ممکن نہیں) جب ہم کو اللہ تعالیٰ نے خاص اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ ہمارے ذریعہ سے حقیقت واقعی دریافت ہو سکے پس (اگر) ہم میں یہ صفت ابھی نہ ہو تو پھر ہم کس مصرف کے ہیں اور (اس حالت میں) اچھے لوگوں کے سامنے منہ کرنے کے بھی لائق نہ رہیں۔ (آگے تمہ ہے ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یعنی یہ بے شک دشوار ہے کہ آئینہ بیان کہلاتا رہے اور پھر اسرار مخفی رہیں) لیکن تم ایسا کرو کہ (اس) آئینہ (بیان) کو بغل (سکوت) میں چھپا لو اگرچہ (ہم جانتے ہیں کہ) انکشاف (حقائق) نے تمہارے سینہ کو بمزلہ طور سینا کے (جس پر موسیٰ علیہ السلام مشرف بجلی کلامی ہوئے تھے) بنا رکھا ہے (جس سے جوش کشف اسرار کا ہوتا ہے لیکن چونکہ اظہار خلاف حکمت ہے لہذا ضبط کرنا چاہیے)

گفت آخر ہیچ گنج در بغل	آفتاب حق و خورشید ازل
(حضرت زید نے) کہا بغل میں کبھی سلیا ہے	حق کا سورج اور ازل کا آفتاب؟
ہم دغل را ہم بغل را بردرد	نے جنوں ماند بہ پیشیش نے خرد
وہ کھوٹ اور بغل کو بھی پھاڑ ڈالتا ہے	اس کے سامنے نہ جنون نکلتا ہے نہ عقل (کھتی ہے)
گفت یک اصبح چو بر چشمے نہی	بنی از خورشید عالم را تہی
(آنحضرت نے) فرمایا اگر تو آنکھوں پر ایک انگلی رکھ دے	دنیا کو سورج سے خالی پائے گا
یک سر انگشت پردہ ماہ شد	وین نشان ساتری شاہ شد
ایک سر انگشت چاند کا پردہ بن گیا	یہ شاہ (اللہ) کی پردہ پوشی کی مثال ہوئی
تا پوشاداند جہاں را نقطہ	مہر گردد مختسف از سقطہ
ایک نقطہ (آنکھ کا پھولا) دنیا کو چھپا دیتا ہے	بادل کے ایک ٹکڑے سے سورج چھپ جاتا ہے
لب بہ بند و غور دریائے نگر	بحر را حق کرد محکوم بشر
خاموش رہا اور دریا کی گہرائی پر نظر کر	سمندر کو اللہ (تعالیٰ) نے انسان کا محکوم بنا دیا ہے

(یہ سوال و جواب قالی نہیں بلکہ جالی ہیں پس حدیث مذکور میں منقول نہ ہونا مضر نہیں اور اس توجہ پر مولانا کے بہت مضامین سے شبہ عدم نقل کا مرتفع ہو جائے گا اور حال کو صورت قال میں لانا کذب نہیں خود حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت حسان نے کچھ

اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پڑھے اور اس میں یہ استعمال موجود ہے

وقال اللہ قد ارسلت جندا ہم الانصار عرضہا اللقاء

حالانکہ یہ مضمون نہ قرآن میں ہے نہ کسی حدیث قدسی میں صرف معاملہ الہیہ سے ماخوذ ہے (یعنی وہ صحابی بولے کہ بھلا آفتاب (اسرار) حق اور خورشید (علوم) ازلی (جو کہ قلب پر فائز ہوتے ہیں کہیں بغل میں سما سکتا ہے) (یعنی جب ان علوم کا غلبہ کے ساتھ قلب پر درود و ہجوم ہوگا تو قلب پر اختیار نہ رہے گا اور زبان تابع ہے قلب کی اس لئے اس پر بھی اختیار نہ رہے گا پس جوش قلب سے ضرور اظہار اسرار ہوگا اور کف اسان پر قدرت نہ ہوگی پھر کس طرح سکوت کروں اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ پھر فرو بندم نفس کیوں کہا تھا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات قبل آغاز کسی کام یا کلام کے جوش نہیں ہوتا پھر شروع کرنے سے جوش ہو جاتا ہے فرو بندم اس کے اعتبار سے تھا اور بیچ گنجد دوسرے اعتبار سے ہے بہر حال جب آفتاب علوم بغل میں نہیں سما سکتا تو بغل کو بھی اور بغل کو بھی سب کو پھاڑ ڈالے گا اور اس کے سامنے نہ جنون رہ سکتا ہے نہ عقل رہ سکتی ہے (بغل سے مراد سکوت جیسا اوپر تفسیر کی گئی اور بغل سے مراد لغو ہذیان مضامین خلاف واقع کیوں کہ بغل میں اظہار خلاف واقع کا ہوتا ہے اور جنون سے مراد اختلاط عقل جس سے حقیقت امر مخفی رہے اور اسلئے خلاف واقع ہذیان بکے اور عقل سے مراد انجام اندیشی جس سے اظہار اسرار سے زبان رو کے مطلب ظاہر ہے کہ غلبہ و درود اسرار میں چونکہ حقائق منکشف ہوتے ہیں اس لئے اس وقت نہ تو اختلاط عقل و اختفاء حقائق کا ہوگا اور اس لئے جو کہے گا ہذبان نہ ہوگا۔

ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید + اور چونکہ جوش ہوتا ہے اس لئے اس وقت مصلحت پر نظر نہ ہوگی اور ضبط دشوار ہوگا پس نہ بغل رہی نہ بغل نہ جنون رہا نہ عقل (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے) (ایک مثال میں جواب ارشاد فرمایا کہ اگر آنکھ پر ایک انگلی رکھ لو تو تمام عالم کو خورشید سے خالی پاؤ گے) (پس آفتاب حق کا پوشیدہ ہونا اس طرح ممکن ہے) اسی طرح ایک پورا انگلی کی ماہتاب کا حجاب ہو سکتی ہے (حاصل جواب یہ ہے کہ جس طرح آفتاب کے پوشیدہ کرنے کے لئے عقلا دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس میں تصرف کیا جائے کہ اس کو طلوع سے یا بزوغ سے یا ارتفاع سے روک دیا جائے اور یہ بے شک قدرت سے خارج ہے دوسرا طریقہ یہ کہ اپنے اندر تصرف کیا جائے کہ آنکھ پر انگلی رکھ لی جائے اور یہ قدرت میں داخل ہے اسی طرح اسرار کے پوشیدہ کرنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ قلب پر ان کو وارد نہ ہونے دیا جائے یا بعد و رود کے کیفیت اور آثار باطنیہ کا جوش و غلبہ نہ ہونے دیا جائے سو یہ تو بلاشبہ خارج از قدرت ہے اور بایں معنی قلب پر واقعی اختیار نہ ہونا مسلم ہے اور دوسرا طریقہ یہ کہ اپنے قلب میں عزم پیدا کیا جائے کہ زبان بند رکھیں سو اس اعتبار سے قلب پر قدرت حاصل ہے اور بایں معنی قلب پر اختیار نہ ہونا مسلم نہیں اور امر بالکف میں یہی قدرت عزم کی کافی ہے اور جمیع اعمال میں یہی قدرت مدار تکلیف ہے ورنہ مغموم کا نوحہ اور مصیبت زدہ کا مصیبت آمیز گلہ منہی عنہ نہ ہوتا البتہ بعض احوال میں کف لسان محتاج تعب و تکلف کا ضرور ہے لیکن تاہم خوش سے علم و قصد کا زوال ضروری نہیں) اور یہ مثال مذکور (مستوریت آفتاب و ماہتاب کی حق تعالیٰ کی ستاری کا) (کہ انہوں نے اسرار کو نظر خلق سے مستور فرما رکھا ہے) نمونہ اور نظیر ہے (یعنی بہت حقائق فی نفسہ ظاہر ہیں جیسے خود ذات و صفات الہیہ الظاہر کا مصداق ہیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو اسی طرح سے چھپایا ہے کہ مخلوق کی ابصار و بصائر پر حجاب ڈال دیا حتیٰ کہ وہی مصداق ظاہر مصداق الباطن کا ہو گیا پس جب مدرک بالفتح پر نہیں بلکہ مدرک بالکسر پر اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لن ترانی فرمایا لن اری نہیں فرمایا آیہ نحن اقرب الیہ منکم

ولکن لاتبصرون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آگے ساتری شاہ پر بعض حیات کی مستوریت اور مثال کے متفرع فرماتے ہیں (یعنی) حتیٰ کہ ایک نقطہ (جو آنکھ کے تل پر پیدا ہو جاتا ہے) تمام عالم کو چھپا دیتا ہے اور دیکھو ایک قطعہ ابر سے آفتاب کم نور ہو جاتا ہے (جب تقریر و تمثیل مذکور سے کف لسان پر قدرت ثابت ہوگئی تو) اسباب کو (اظہار اسرار سے) بند کرو اور (قلب پر من وجہ اختیار ثابت ہونے کے لئے) دریائے اعظم کا عمق دیکھو کہ (باوجود اتنے بڑے عمق کے) حق تعالیٰ نے اس کو ہر بشر کا محکوم کر رکھا ہے (کہ اس میں انواع انواع تصرفات آلات کے ذریعہ سے کرتا ہے) کما قال تعالیٰ اللہ الذی سخر لکم البر لتجری الفلک فیہ بامرہ ولتبتغوا امن فضلہ باوجود یہ کہ بعض آلات مثل کشتی وغیرہ بعض امور میں مثل حرکت وغیرہ خود اس کے تابع و محتاج ہیں مگر پھر بھی جب چاہتا ہے کشتی کو ساکن کر لیتا ہے پس اسی طرح گو قلب مثل دریا کے اپنی وسعت سے پورا محکوم نہ ہو مگر من وجہ ضرور محکوم ہے اور زبان مثل کشتی کے گو اس کے تابع ہو مگر بے شک اس کا ساکن و ساکت کر دینا اختیار میں ہے جیسا حدیث میں ہے القلب یحزن والعین تدمع ولانقول الامیر ضی ربنا)

ہست در حکم بہشتی جلیل	ہمچو چشمہ زنجیل و سلسبیل
بزرگ بہشتی کے حکم میں ہیں	جیسا کہ زنجیل و سلسبیل
ایں نہ زور ما بفرمان خداست	چار جوئے جنت اندر حکم ماست
یہ ہماری طاقت نہیں ہے خدا کے حکم کی وجہ سے ہے	جنت کی چار نہریں ہمارے حکم میں ہیں
ہمچو سحر اندر مراد ساحراں	ہر کجا خواہیم دریمش رواں
جیسا کہ جادو جادوگر کے قابو میں ہوتا ہے	ہم جس طرف چاہتے ہیں ان کو جاری کر دیتے ہیں
ہست در حکم دل و فرمان جاں	ہمچو ایں دو چشمہ چشم رواں
جان کے فرمان اور دل کے حکم کے تابع ہیں	جس طرح آنکھ کے دو رواں چشمے
ور بخواید رفت سوئے اعتبار	گر بخواید رفت سوئے زہر مار
اگر وہ چاہے چھپی ہوئی چیزوں کی طرف چلی جائے	اگر وہ چاہے تو نظر محسوسات کی طرف چلی جائے
ور بخواید جلس جزویات ماند	گر بخواید سوئے کلیات راند
اگر وہ چاہے جزئیات میں گمراہ رہے	اگر وہ چاہے (بصیرت) کلیات کی جانب چلی جائے
بر مراد امروں شد جائزہ	ہمچنین ہر پنج حس چوں نائزہ
دل کی مراد کے مطابق چلنے والے بن گئے ہیں	اسی طرح پانچوں حواس ٹوٹی کی طرح
میرود ہر پنج حس دامن کشاں	ہر طرف کہ دل اشارت کردشاں
پانچوں حواس نازد انداز سے روانہ ہو جاتے ہیں	جس طرف دل نے ان کو اشارہ کیا

دست و پا در امر دل اندر بلا	ہمچو اندر دست موسیٰ آں عصا
ہاتھ اور پاؤں دل کے حکم میں پھنسے ہوئے ہیں	جس طرح لٹھی (حضرت) موسیٰ کے ہاتھ میں
دل بخواہد پا در آیدز و برقص	یا گریز دسویے افزونی ز نقص
دل چاہے تو پاؤں اس کی وجہ سے رقص میں آجائیں	یا نقصان سے نفع کی طرف ہماگیں
دل بخواہد دست آید در حساب	با اصابع تا نویسد او کتاب
دل اگر چاہے ہاتھ کام میں لگ جائیں	مع انگلیوں کے تاکہ وہ کتاب لکھے
دست در دست نہانی ماندہ است	اوروں تن را بروں بنشانندہ است
ہاتھ پوشیدہ ہاتھ (دل) کے قبضہ میں ہے	وہ (دل) اندر ہے جسم کو باہر بٹھا رکھا ہے
گر بخواہد بر عدو مارے شود	ور بخواہد بروی یارے شود
اگر وہ چاہے (ہاتھ) دشمن کے لئے سانپ بن جائے	اگر وہ چاہے دوست کا یار بن جائے

(اوپر محکومیت قلب کو محکومیت بحر سے تشبیہ دی گئی ان اشعار میں بھی اسی کی تشبیہات متعدد ہیں کیونکہ محکومیت قلب بوجہ امر خفی ہونے کے قابل اہتمام اور اپنے اثبات میں محتاج زیادت توضیح کا ہے یعنی اس کی ایسی مثال ہے جیسے چشمہ زنجبیل اور سلسبیل جنتی کے حکم میں ہونگے اسی طرح جنت کی چاروں نہریں (آب و شیر و خمر و شہد کی) ہمارے حکم میں ہوں گی اور ہماری ذاتی قوت سے نہیں ہوگا بلکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے (کہ وہ مسخر کر دیں گے) کہ ہم جدھر چاہیں ان کو لے جائیں گے (کما قال تعالیٰ یفجر و نہا تفجیرا) جیسا سحر کہ ساحروں کے ارادہ میں ہوتا ہے (کہ جہاں چاہیں چلا دیں گو موقوف ہوتا ہے مشیت قدیمہ پر) اور محکومیت قلب کی ایسی مثال ہے جیسے آنکھوں کے دو چشمہ جاری (جن سے نور شامی نکلتا ہے) کہ قلب و روح کے حکم میں ہیں اگر قلب چاہتا ہے تو وہ آنکھ زہر مار (یعنی اسباب معصیت) کی طرف چلی جاتی ہے اور اگر قلب چاہتا ہے تو وہ آنکھ (سامان) عبرت کی طرف ہو لیتی ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو وہ محسوسات کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو وہ (انواع) ملبوسات (کے تماشے میں لگ جاتی ہے) (یہ تخصیص بعد تعمیم ہے و کذا ما بعدہ اور اگر دل چاہتا ہے تو اس کو کلیات کی طرف چلا دیتا ہے اور اگر دل چاہتا ہے تو جزئیات (کے مشاہدہ) میں مجبوس رہ جاتی ہے (یہاں کلیات و جزئیات سے معنی مصطلح اہل معقول مراد نہیں جس پر ادراک الکی بالبصر کا امتناع لازم آئے بلکہ کلیات سے اصول مواد ترکیب یعنی بساط عناصر اور جزئیات سے ان کی فروع یعنی مرکبات عنصریات مراد ہیں جیسا سرخی پاواپس کشیدن خرگوش میں اس شعر میں یہی مراد ہے این خود اجزا نید کلیات ار وانح چنانچہ اس کی شرح گزر چکی) اسی طرح پانچوں حواس تل کی طرح موافق خواہش دل کے جاری ہوتے ہیں کہ دل ان کو جس طرف اشارہ کر دیتا ہے حواس خمسہ اسی طرف دامن کشاں ہو لیتے ہیں اسی طرح ہاتھ پاؤں حکم دل میں پھنسے ہوئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک میں عصا تھا چنانچہ اگر دل چاہتا ہے تو پاؤں فوراً رقص کرنے لگتا ہے یا نقصان سے نفع کی طرف دوڑنے لگتا ہے اور اسی طرح اگر دل چاہتا ہے تو ہاتھ ب میں لگ جاتا ہے یا انگلیاں کتاب لکھنے میں چلنے لگتی ہیں غرض یہ (ظاہری) ہاتھ ایک باطنی ہاتھ یعنی قلب کے قبضہ میں ہے کہ وہ اندر موجود ہے اور بدن کو باہر بٹھا رکھا ہے (اور وہاں

سے کام لے رہا ہے) اگر وہ چاہتا ہے تو یہ (ظاہری ہاتھ) دشمن کے مقابلہ میں مار بن جاتا ہے اور اگر وہ چاہتا ہے تو یہ دوست کے حق میں یار ہو جاتا ہے اگر وہ چاہتا ہے تو یہ کھانے میں چچہ بن جاتا ہے اور اگر وہ چاہتا ہے تو یہ (غصہ میں) گرز دہ من ہو جاتا ہے (خلاصہ مقصود سب تشبیہات کا یہ ہے کہ (اسی طرح دل بھی محکوم حقیقت انسان یعنی روح ہے)

دل چہ می گوید بدیشاں اے عجب	طرفہ وصلت طرفہ پنہانی سبب
تعب ہے دل ان سے کیا کہہ دیتا ہے	عجب تعلق ہے عجب مخفی سبب ہے
دل مگر مہر سلیمان یافتہ است	کو مہار پنج حس بر تافتہ است
دل کو شاید مہر سلیمانی مل گئی ہے	جس نے پانچوں حواس کی مہار موڑ رکھی ہے
پنج حسے از بروں میسور او	پنج حسے از دروں مامور او
باہر کے پانچوں حواس اس کے تابع ہیں	اندر کے پانچوں حواس اس کے محکوم ہیں
دہ حس ست و ہفت اندام دگر	آنچہ اندر گفت ناید می شمر
دس حواس ہیں اور سات دوسرے اعضا ہیں	جو ذکر میں نہیں آئے تو ان کو گن لے

(اوپر ضمن تشبیہ میں قلب کا عالم اور حواس و اعضا کا محکوم ہونا مذکور تھا اب مولانا اس پر استبعاد و استعجاب ظاہر فرماتے ہیں جس سے غرض غالباً قدرت عجیبہ و صنعت غریبہ حق تعالیٰ کا استحضار و استد کار ہے پس فرماتے ہیں کہ) تعب ہے دل ان حواس و اعضا سے کیا کہہ دیتا ہے باہم عجیب اتصال اور عجیب تعلق معلوم ہوتا ہے شاید دل کو مہر سلیمانی مل گئی ہے جس نے حواس خمسہ کی عنان پھیر رکھی ہے (یہ احتمال محاورات میں شک کے لئے نہیں بلکہ زیادت تعب کے لئے ہے اور من وجہ اشارہ ہے تعین سبب تسخیر اور اس کی تشبیہ کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک قوت ملکوتی رکھی ہے کہ مشابہ ہے خاتم سلیمانی کے) پانچ حواس تو ظاہری اس کے مقید ہیں اور پانچ حواس باطنی اس کے محکوم ہیں غرض دس تو حواس ہیں اور سات اعضاء ہیں اور بعضی چیزیں کلام میں نہیں آئیں ان کو تم شمار کر لو (کہ وہ بھی محکوم ہیں جاننا چاہیے کہ حواس ظاہری یہ ہیں سامعہ باصرہ شامہ ذائقہ لامسہ اور باطنی یہ ہیں حس مشترک خیال و ہم حافظہ متصرفہ اور ہفت اندام ظاہری یہ ہیں سر سینہ پشت دونوں ہاتھ دونوں پاؤں اور باطنی یہ ہیں دل جگر دماغ گردہ زہرہ شش طحال)

چوں سلیمانی دلاور مہتری	بر پری و دیو زن انگشتری
جبکہ تو سلیمان (جیسا) ہے (اور) بہادر سردار ہے	پری اور دیو پر حکومت کر
گردریں ملکیت بری باشی زریو	خاتم از دست تو نستاند سد یو
اگر تو اپنی اس سلطنت میں فریب سے بچار ہے	تو سد یو تجھ سے انگٹھی نہیں چھین سکتا ہے
بعد ازاں عالم بگیرد اسم تو	دو جہاں محکوم تو چوں جسم تو
اس کے بعد دنیا تیرا نام (یاد) کرے گی	تیرے جسم کی طرح دونوں جہاں تیرے محکوم ہوں گے
ور ز دستت دیو خاتم را برد	بادشاہی فوت شد تخت بمر د
اگر تیرے ہاتھ سے جن انگٹھی لے اڑا	تو تیری بادشاہی ختم ہوگی اور تیرا نصیب مردہ ہو گیا

بعد ازاں یا حسرتاً شدد للعباد	برشما مختوم تا یوم التناؤ
اس کے بعد "بندوں پر افسوس ہے" ہو گیا	وہ تمہارے لئے قیامت تک مہر بن گیا
ورتو دیو خویشتن را منگری	چوں روی آنجا تو روشن بنگری
اگر تو اپنے شیطان (کے وجود) کا مکر ہے	جب وہاں (حشر میں) پہنچے گا تو خوب دیکھ لے گا
مکر خود را گر تو انکار آوری	از ترا زو و آئینہ کے جاں بری
اگر تو اپنے فریب (کھانے کا) مکر ہے	ترا زو اور آئینہ سے کیسے جان بچائے گا؟
ایں سخن پایاں ندارد چوں کنم	بعد ازیں بر قصہ لقمائے تنم
کیا کروں اس بات کا خاتمہ نہیں ہے	اس کے بعد میں (حضرت) لقمائے قصہ میں لگتا ہوں

(بمناسبت تشبیہ قوت قلب نجات سلیمانی کے یہاں سے انتقال ہے مضمون ارشادی کی طرف (یعنی) جب بمقتضائے تشبیہ مذکور) تم (باعتبار قلب کے) سلیمان (معنوی) ہو اور دلاور سردار ہو تو تم کو چاہیے کہ (مثل حضرت سلیمان علیہ السلام کے) تمام پریوں اور دیوؤں پر سکہ حکومت بٹھلا دو (مراد پری سے قوی روحانیہ اور دیو سے قوی نفسانیہ یعنی ان سب کو طاعات میں صرف کرو اور نفسانیہ کو معاصی سے روکو اور ان پر غالب رہو اگر تم اپنے اس ملک (ہستی) میں (کسی قوت نفسانیہ کے) فریب (میں آجانے) سے بچے رہو گے تو اس انگشتری (قوت ملکیہ کو تم سے سد یو) جس نے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری دھوکہ سے لے لی تھی) نہ لے سکے گا (یعنی شیطان تم پر غالب نہ آسکے گا کما قال تعالیٰ انہ لیس له سلطان علی الدین آمنوا و علی ربہم یتوکلون انما سلطانه علی الدین یتولو نہ والدین ہم بہ مشرکون کیونکہ غلبہ شیطان کا مشروط ہے فساد قوی نفسانیہ کے ساتھ) پھر اس کے بعد تو (تمہارا وہ رتبہ ہو جائے گا کہ) ایک عالم تمہارا نام لینے لگے گا (یعنی محبوب و مکرم خلق بن جاؤ گے) کما قال تعالیٰ در فئالک ذکرک و قال صلی اللہ علیہ وسلم فیوضع له القبول فی الارض) اور دونوں عالم (یعنی خلق کا ظاہر و باطن) تمہارے اس طرح محکوم ہو جائیں گے جس طرح اپنے جسم پر تم کو حکومت ہے (جیسا کالمیلین مکملین کی حالت کا مشاہدہ ہے کہ بواطن خلق میں تصرف تربیت فرماتے ہیں اور خلائق اپنے جسم سے بھی ان کی خدمت و اطاعت کرتی ہیں) اور اگر تمہارے ہاتھ سے شیطان اس انگشتری کو لے گیا (یعنی معصیت یا بدعت یا کفر و شرک میں مبتلا کر کے قوت ملکیہ ضائع کر دی تو بادشاہی گئی گزری اور قسمت پھوٹ گئی پھر تو یا حسرتاً علی العباد قیامت تک تم پر مہر کی طرح لگ گیا (یعنی تمہاری حالت قابل حسرت ہو گئی پھر خواہ وہ حسرت ابدی ہو یا محدود ہو۔ اور جاننا چاہیے کہ تشبیہ میں قصہ سد یو کا لانا بناء علی المشہور ہے ورنہ محققین کے نزدیک یہ قصہ بے اصل ہے مگر مقصود میں مضرت نہیں کما مراراً) اور اگر تم اپنے دیو کے وجود کا انکار کرتے ہو (یعنی کہتے ہو کہ میرے اندر قوی نفسانیہ نہیں ہے جیسا مدعین کہا کرتے ہیں) تو جب وہاں (یعنی عالم آخرت میں) جاؤ گے ان کو علانیہ دیکھ لینا اور اگر اس کے فریب میں آنے سے انکار ہے) باوجود عدم زوال قوی خبیثہ کے میں نے ان کے حقیقی پر عمل نہیں کیا تمہارا ان کو مغلوب و مقہور رکھا تھا) تو یہ بتلاؤ کہ ترا زو (میزان عمل) اور آئینہ (صحیحہ اعمال) سے کس طرح جان بچاؤ گے (اور ان دونوں چیزوں کا عموماً آلہ عدل ہونا ظاہر ہے اور اوپر بیان بھی آچکا ہے اور میزان عمل و نامہ عمل تو موازنہ

معائنہ اعمال کے لئے خصوصاً موضوع ہی ہیں) اور اس مضمون کا (کہ قیامت میں سب قلعی کھلے گی کہیں خاتمہ نہیں) کیونکہ وہاں کے واقعات لائحہ عمل ہیں) میں کیونکر (سب کی شرح کروں) اس لئے اتنے ہی مضمون کے بعد (امتحان یوم قیامت کے مثال کے لئے) حضرت لقمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (تاکہ اس امتحان کا نمونہ معلوم ہو جائے)

مستہم کردن غلامان و خواجہ تاشاں مرلقماں را کہ آں میوہائے پروریدہ و گزیدہ آوردیم او خوردہ است

غلاموں اور ساتھیوں کا (حضرت) لقمان کو مستہم کرنا کہ ہم عمدہ اور اچھے میوے لائے اور وہ اس نے کھائے ہیں

بود لقماں پیش خواجہ خویشستن	در میان بندگانش خوارتن
(حضرت) لقمان اپنے آقا کے سامنے	اس کے غلاموں میں حقیر تھے
می فرستاد او غلاماں را باغ	تاکہ میوہ آیدش بہر فراغ
وہ غلاموں کو میوہ لانے کے لئے باغ میں بھیجتا تھا	تاکہ اس کے لئے بفرغت میوہ آئے
بود لقماں در غلاماں چوں طفیل	پر معانی تیرہ صورت ہمجو لیل
غلاموں میں (حضرت) لقمان طفیل کی طرح تھے	حکمتوں سے پر تھے رات کی طرح کالی صورت تھے
آں غلاماں میوہ ہائے جمع را	خوش بخوردند از نہیب طمع را
ان غلاموں نے جمع شدہ میووں کو	لاج کی لوٹ مار سے خوب کھایا
خواجہ را گفتند لقماں خورد آں	خواجہ برلقماں ترش گشت و گراں
انہوں نے آقا سے کہا وہ لقمان نے کھائے ہیں	آقا (حضرت) لقمان پر بگڑا اور ناراض ہوا
چوں تفحص کرد از لقماں سبب	در عتاب خواجہ اش بکشاد لب
جب اس نے (حضرت) لقمان سے وجہ دریافت کی	اپنے آقا کی ناراضی کے سلسلہ میں انہوں نے لب کشائی کی
گفت لقماں سیدا پیش خدا	بندہ خائن نباشد مرتضیٰ
(حضرت) لقمان نے کہا اے آقا خدا کے سامنے	خیانت کرنے والا غلام پسندیدہ نہیں ہو سکتا
امتحاں را کار فرما اے کیا	شربت رانش بدہ بہر نما
اے سردار! امتحان لے لیجئے	(اصلیت) دکھانے کے لئے مسہل کا شربت پلا دیجئے
امتحاں کن جملہ مارا اے کریم	سیر ماں درودہ تو از آب حمیم
اے داتا! ہم سب کا امتحان لے لیجئے	ہمیں گرم پانی پیٹ بھر کر پلا دیجئے

تو سوار و ما پیادہ می دواں	بعد ازاں مارا بصرائے براں
آپ سوار اور ہم پیدل دوڑیں	اس کے بعد ہمیں جنگل میں نکال دیجئے
صنعبہائے کاشف الاسرار را	آنکھیاں بنگر تو بد کردار را
رازدوں کو کھولنے والے کی حکمتوں کی وجہ سے	جب تو بد کردار کو دیکھ لینا
مرغلاماں را و خوردند آں زبیم	گشت ساقی خواجہ از آب حمیم
غلاموں کے لئے اور انہوں نے خوف کی وجہ سے پی لیا	آہ گرم پانی کا ساقی بن گیا
می دویدند آں نفر تحت و علا	بعد ازاں میراندشاں در دشتہا
وہ لوگ اونچی نیچی جگہ دوڑے	اس کے بعد ان کو جنگوں میں نکال دیا
آب می آورد زیشاں میوہا	قے در افتادند ایشاں از عننا
پانی نے ان (کے پیٹ) سے میوے نکال ڈالے	مشقت کی وجہ سے وہ تے میں جلا ہو گئے
می برآمد از درویش آب صاف	چونکہ لقمائے رادر آمد قے زناف
ان (کے پیٹ) میں سے صاف پانی نکلتا تھا	جب (حضرت) لقمائے کی ناف سے تے آئی

خوارتن بے قدر قولہ پر معانی الخ اے چنانچہ شب ظاہر اسیاہ و در حقیقت پر از اسرار و اوصاف باشد کہ وقت قرب و خلوص محبوب مست نہیب۔ غارت مرتضیٰ برگزیدہ خبر فعل نباشد و آسمش بندہ خائن رانش بمعنی دانش دور کردن و راندن مراد دفع طعام بہ قے باشد نما ظہور حمیم گرم عننا مشقت بعد حل لغات مطلب واضح ہے ربط اس کا شعر مگر خود رانخ سے ہے یعنی امتحان کے سامنے انکار نہیں چلتا جیسا اس قصہ میں ہوا۔

حکمت لقمائے چوتاند این نمود	پس چہ باشد حکمت رب الوجود
جب (حضرت) لقمائے کی دانائی یہ (کرشمہ) دکھا سکتی ہے	تو رب الوجود کی حکمت کیا ہوگی؟
یوم تبلی السرائر کلھا	بان منکم کامن لا یشتہی
جس دن سب رازوں کی آزمائش کی جائے گی	تم میں سے وہ ہاتھیں ظاہر ہوں گی جو ناپسندیدہ ہیں
چوں سقواماء حمیماً قطعت	جملۃ الاستار مما افضحت
جب ان کو گرم پانی پلایا گیا پارہ پارہ کر دیئے گئے	تمام پردے ان کارناموں سے جنہوں نے رسوا کیا
نار زان آمد عذاب کافراں	کہ حجر رانار باشد امتحاں
کافروں کی سزا آگ اسی وجہ سے بنی ہے	کہ پتھر کی آزمائش آگ سے ہوتی ہے
ایں دل چوں سنگ راتا چند چند	پند لقتیم و نمی پذیرفت پند
اس پتھر جیسے دل کو کتنی ہی	ہم نے نصیحت کی اس نے نصیحت قبول نہ کی

ریش بدراداروئے بدیافت رگ	مر سر خر را سزد دندان سگ
خراب زخم کو خراب دوا ہی قابو میں لائی ہے	گدھے کے سر کے لئے کتے ہی کے دانت مناسب ہیں

(جملۃ الاستار نائب فاعل قطعت من درسا بیان استار ضمیر افضحت راجع بسوے مابتاویل استار و اسناد افضاح سوے استاد بنظر حالت تقطع و ہوا اقتباس لاقول اس میں مقصود و حکایت کا فرماتے ہیں کہ) جب لقمان کی حکمت ایسی مخفیات کو ظاہر کر سکتی ہے تو پروردگار عالم کی حکمت تو کیسی کچھ ہوگی (اس کے روبرو کس طرح خفا رہ سکتا ہے) جس روز تمام پوشیدہ امور کا امتحان ہوگا اس وقت تم سے ایسے ایسے امور ظاہر ہونگے کہ انکا ظاہر ہونا تم کو (مرغوب نہیں اور جس وقت اہل نار کو گرم پانی پلایا جائے گا اس وقت تمام پردے پارہ پارہ ہو جائیں گے جو کہ فضیحت کر دیں گے (کہ اس حالت کو دیکھنے والے جان لیں کہ یہ نافرمان تھے اور قصہ مذکورہ کی آب گرم کی مناسبت سے اس آب گرم کو ذکر کرنا محض صنعت لفظیہ بطور لطیفہ کے ہے ورنہ دونوں میں تفاوت غرض سستی کا کہ قصہ میں امتحان ہے اور یہاں عقوبت اسی طرح مستحق کا کہ قصہ میں اس کا عموم ہے اور یہاں خصوص صاف ظاہر ہے اور کفار کے واسطے عذاب آتش کا اس لئے تجویز کیا گیا کہ آتش سے سنگ کا ابتلاء ہوتا ہے (یہ بطور نکتہ کے ہے کہ کوہ کن لوگ جب آلات سے کام چلتا نہیں دیکھتے تو آگ سے توڑتے ہیں آگے گویا حق تعالیٰ کا مقولہ ہے کہ اسی طرح) کفار کے دل مثل سنگ کو ہم کتنا کتنا نرمی سے کہتے رہے مگر ایک نصیحت بھی پذیرانہ ہوئی (انجام کار آتش سے سابقہ پڑا آگے ان کے عمل اور عقوبت کے تناسب کی مثال ہے کہ) زخم بد کی رگ داروی بد سے ملتی ہے اور سر خر کے (کھانے کے) لئے دندان سگ زیبا ہے (یہ اشارہ ہے مثل مشہور گوشت خردندان سگ) کی طرف۔

زشت را ہم زشت جفت و بابت ست	للخبیثات الخبیثون حکمت ست
برے کا برا ہی جوڑا اور لائق ہے	خبیثات کے لئے خبیثوں کا ہونا ہی دانائی ہے
محو او باش و صفائش را پذیر	پس تو ہر جفتے کہ میخوای ہی بگیر
اس میں فنا ہو جا اور صفات کو قبول کر لے	پس تو جو جوڑا چاہے بنا لے
محو و ہم شکل صفات دوست شو	پس تو ہر را ہے کہ میخوای ہی برو
دوست کی صفات میں فنا اور ہم شکل بن جا	پس تو جس راستہ پر چلنا چاہے چل
دور خواہی خویش بین و دور شو	نور خواہی مستعد نور شو
دور ہونا چاہتا ہے تو متکبر اور دور ہو جا	نور چاہتا ہے تو نور کے لئے مستعد بن
سرکش از دوست و اسجد و اقرب	ور رہے خواہی ازیں سخن خرب
دوست (اللہ تعالیٰ) سے سرکشی نہ کر اور سجدہ کر اور قریب ہو جا	اگر اس برباد قید خانے سے رہائی چاہتا ہے
سربنہ واللہ اعلم بالصواب	سرکشانرا ہیں سراسر در عذاب
سر (حلیم) خم کر دے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے	سرکشوں کو سراسر عذاب میں سمجھ

اس سخن پایاں ندارد خیز زیدؑ	بر براق ناطقہ بر بند قید
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے اے زید! اٹھ	گویائی کے براق کو باندھ دے

(مضمون تناسب کمال و عقوبت کفار پر بطور تفریح کے ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ثابت ہو گیا کہ حیثیات کے لئے خبیثوں کی خصوصیت حکمت ہے اور زشت کے لئے زشت ہی قرین اور لائق ہے پس اب تم کو اختیار ہے کہ جس قرین کو چاہو اختیار کر لو (یعنی خواہ مرشد الی الحق کے ساتھ ہو جاؤ خواہ شیاطین الانس والجن کے تابع بن جاؤ) اور اسی قرین کی ذات میں محو (محبت) ہو جاؤ اور اسی کی صفات قبول کر لو (جیسا حدیث میں ہے المر اعلیٰ ادین خلیلہ فلینظر من یخاللہ) اگر تم نور چاہتے ہو تو (صحبت کا ملین سے) نور کی استعداد پیدا کر لو اور اگر (رحمت خداوندی سے) دور رہنا چاہتے ہو تو خود بینی کرنے لگے اور دور بن جاؤ اور اگر اس زندان ویران (دنیا) سے (نجات کا) راستہ چاہتے ہو تو اپنے محبوب حقیقی سے سرکشی مت کرو اور سجدہ و عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور مقرب بن جاؤ اور سرکشوں کو سر بسر عذاب میں مبتلا سمجھو اور سر انقیاد خم کر دو (مطلب یہ کہ جیسی صحبت ہوگی ویسے عمل ہونگے وینا ثمرہ ہوگا آگے رجوع ہے قصہ کی طرف یعنی) اس مضمون (مکافات) کا تو کہیں پایاں نہیں اے زید آمادہ ہو کر مرکب ناطقہ کو مقید کر دو (یعنی سکوت اختیار کرو)

بقہ قصہ زید در جواب حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں (حضرت) زید کا بقیہ قصہ

ناطقہ چوں فاضح آمد عیب را	مید راند پردہائے غیب را
جبکہ بولنا عیب کی پردہ دری کرنے والا ہے	وہ غیب کے پردوں کو چاک کر دیتا ہے
غیب مطلوب حق آمد چند گاہ	ایں دہل زن را براں بر بندہ راہ
ہر چند کہ اللہ (تعالیٰ) کو غیب مطلوب ہے	اس ڈھول پینے والے کو نکال دے راستہ بند کر دے
تگ مراں در کش عنان مستور بہ	ہر کس از پندار خود مسرور بہ
تیز نہ دوڑ ہاگ (راز کا) چھپا ہوا ہونا بہتر ہے	ہر انسان کا اپنے خیال کے مطابق خوش رہنا بہتر ہے
حق ہمی خواہد کو نو میدان او	زیں عبادت ہم نگر دانند رو
اللہ (تعالیٰ) چاہتا ہے کہ اس سے ناامید	بھی اس عبادت سے منہ نہ موڑیں
ہم مشرف در عبادتہائے او	مشغول گشتہ بطاعتہائے او
جو لوگ اس کی عبادتوں سے مشرف ہیں	اس کی فرمانبرداریوں میں مشغول ہیں
ہم بامیدے مشرف می شوند	چند روزے در رکابش می دوند
وہ بھی امید سے مشرف ہوں	(کیونکہ) چند روز وہ بھی ہرکاب رہے ہیں

خواہد آں رحمت بتابد برہمہ	بربد و نیک از عموم مرحمہ
رحمت چاہتی ہے کہ وہ سب پر نازل ہو	برے اور بھلے پر رحمت کے عام ہونے کی وجہ سے
حق ہمیں خواہد کہ ہر میر و اسیر	بارجا و خوف باشند و حذیر
اللہ (تعالیٰ) چاہتا ہے کہ ہر حاکم اور محکوم	امید و بیم میں رہیں اور ڈرتے رہیں
ایں رجا و خوف در پردہ بود	تا پس ایں پردہ پرورہ شود
یہ امید و بیم پردہ (پوشی کی صورت) میں ہو سکتی ہے	تاکہ پس پردہ وہ پرورش پاتے رہیں
چوں دریدی پردہ کو خوف و رجا	غیب راشد کرو فر اندر ملا
جب تو نے پردہ چاک کر دیا امید و بیم کہاں رہی؟	غیب کی شان و شوکت بر ملا ہو گئی

(ان اشعار میں بیان ہے اخفاء اسرار کی بعض حکمتوں کا یعنی) چونکہ قوت ناطقہ عیوب کی نصیحت کرنے والی ہے (کیونکہ جن کا عیب مکشوف ہوگا اس کا بھی بیان ہو جائے گا) اور وہ ناطقہ دوسرے پردہ ہائے غیب کو بھی دریدہ کرتی ہے حالانکہ غیب (کا غیب رہنا) چندے (یعنی دنیا میں) حق تعالیٰ کو مطلوب ہے اس لئے اس ڈھول بجانے والے کو (یعنی ناطقہ کو اظہار سے) دور کرو اور راہ (اظہار) بند کرو اور اس کو تیزی سے مت چلاؤ اور اس کی لگام کھینچو (اسرار غیبی کا) مستور رہنا بہتر ہے اور (دنیا میں) ہر شخص کا اپنے گمان (اصابت میں فرحان رہنا) باعتبار حکمت تکوینیہ کے) بہتر ہے (کما قال تعالیٰ کل حزب بما لہم فرحون پس ایک حکمت تو یہ ہوئی اور دوسری حکمت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ جو لوگ (بوجہ باطل پر ہونے کے) ان (کے ثواب) سے ناامید (و محروم) ہیں وہ بھی اس عبادت سے (کہ وہ کر رہے ہیں روگردانی نہ کریں) اور ظاہر ہے کہ اگر ان کو اپنا حرمان مکشوف ہو جائے تو فوراً عبادت چھوڑ دیں اب رہی یہ بات کہ اگر ایسی عبادت رہی بھی تو کیا نفع اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ) وہ لوگ حق تعالیٰ کی عبادت سے مشرف اور ان کی اطاعت میں مشغول رہ کر امید (واقعی) سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں چونکہ چندی خدمت میں مشغول رہے ہیں (یعنی یہ نفع ہوتا ہے کہ اس عبادت و خدمت کی برکت سے وہ مقبول ہو جاتے ہیں پس کشف راز سے عبادت متروک ہو جاتی ہے اور اس مقبولیت سے بے بہرہ رہتے رہا یہ شبہ کہ کشف میں یہ بھی تو معلوم ہوتا کہ ہم عبادت سے مقبول ہو سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق کا کشف تام تو ہو نہیں سکتا اس لئے غالب یہی ہوتا ہے کہ کچھ مکشوف ہوا کچھ مخفی رہ گیا اس لئے یہ مضرت لازم ہے) غرض حق تعالیٰ عموم رحمت سے چاہتے ہیں کہ وہ رحمت سب نیک و بد پر نازل ہو (رہا یہ کہ کفار میں اس اخفاء سے توبہ تو قیام بھی نہیں پھر اس میں کیا حکمت ہے) (اس کا تحقیقی جواب تو یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے دوسرا جواب مولانا کے اشعار آئندہ سے نکل سکتا ہے جو خود ایک تیسری حکمت مستقلہ ہے یعنی) حق تعالیٰ یوں بھی چاہتے ہیں کہ تمام حاکم اور محکوم خوف و رجا میں پر حذر رہیں اور (ظاہر ہے کہ) خوف و رجا اخفاء میں ہوتا ہے تاکہ اس پر پردہ اختفا کے اندر (اپنی حالت میں) نشوونما پاتا رہے اور اگر پردہ پھاڑ دو تو پھر خوف و رجا کہاں پھر تو بر ملا غیب کا کرو فر ظاہر ہو جائے (پس یہ حکمت عام ہے مرحومین و غیر مرحومین سب کے اختفاء احوال کی رہا یہ سوال کہ خود خوف و رجا میں کیا حکمت ہے اس کا وہی تحقیقی جواب کافی ہے۔

حکایت

بر لب جو برد ظے یک فتی	کہ سلیمان ست ماہی گیر ما
ایک نوجوان نے دریا کے کنارے پر خیال کیا	کہ ہمارا پھیرا سلیمان (علیہ السلام) ہے
گروہست ایں از چہ فردست و خفیت	ورنہ سیمائے سلیمانیش چہست
یہ اگر وہی ہے تو یہ تہاکی اور چہاؤ کیوں ہے؟	ورنہ اس کا سلیمان جیسا چہرہ مہرہ کیوں ہے؟
اندریں اندیشہ می بود او دودل	تا سلیمان گشت شاہ مستقل
اس خیال میں وہ دودل ہو رہا تھا	یہاں تک کہ (حضرت) سلیمان مستقل بادشاہ بن گئے
دیورفت از ملک و تخت او گریخت	تبع کتکش خون آں شیطان بریخت
دیو چلا گیا ان کے ملک اور تخت سے بھاگ گیا	ان کے نصیب کی تلواریں اس شیطان کا خون بہا دیا
کرد در انگشت خود انگشتری	جمع آمد لشکر دیو و پری
انہوں نے اپنی انگلی میں انگٹھی پہنی	دیو اور پریوں کا لشکر جمع ہو گیا
آمدند از بہر نظارہ رجال	در میان شاں آنکہ بد صاحب خیال
لوگ دیدار کیلئے آئے	ان میں وہ گمان کرنے والا (بھی) تھا
چوں در انگشتش بدید انگشتری	رفت اندیشہ و گماش یکسری
جب اس نے ان کی انگلی میں انگٹھی دیکھی	اس کا گمان اور خیال ختم ہو گیا

(یہ حکایت تمثیلی مضمون بالاک کی تائید میں ہے کہ انکشاف غیب کے ساتھ خوف ورجا جو ملزوم ہے احتمال کا جمع نہیں ہو سکتا یعنی)

کسی ندی کے کنارے پر ایک شخص کو (انوار بشرہ) سے زمانہ تسلط صخرہ جنی میں جیسا کہ خلاف تحقیق مشہور ہے) یہ شبہ ہوا کہ یہ ماہی گیر سلیمان علیہ السلام معلوم ہوتے ہیں پس اگر واقع میں یہ وہی ہیں تو اس طرح تہائی اور گتائی کی حالت میں کیوں ہیں اور اگر وہ نہیں ہیں تو (چہرہ پر) آثار سلیمان کیوں (نمایاں) ہیں غرض اسی فکر میں اس کا دل دو طرف تھا حتیٰ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام (دوبارہ) شاہ مستقل ہو گئے اور وہ شیطان (صخرہ جنی) آپ کے ملک و تخت سے بھاگ گیا اور آپ کے تبع اقبال نے اس کو ہلاک کیا اور آپ نے اپنی انگشت میں انگشتری پہن لی اور تمام دیو پری کا لشکر جمع ہو گیا اور زیارت کے لئے بہت سے لوگ حاضر ہوئے (اتفاق سے) ان لوگوں کے درمیان وہ شخص بتلائے خیال بھی حاضر تھا (جو تردد میں رہا کرتا تھا کہ یہ سلیمان ہیں یا نہیں) پس اس نے جب آپ کے ہاتھ میں انگشتری دیکھی (اور شاہانہ شان و شوکت و تسخیر جن و طیور کا مشاہدہ کیا) اس وقت اس کا تردد اور شبہ بالکل جاتا رہا (وجہ تائید ظاہر ہے کہ دیکھو اس شخص کو انکشاف تام کے وقت احتمال سلیمان ہونے نہ ہونے کا جاتا رہا اور ایک شق متعین ہو گئی اور تمثیل صرف اسی امر میں ہے یہ ضرور نہیں کہ حکمت اختفاء دونوں جگہ یکساں ہو اور اس قصہ کا خلاق تحقیق ہونا غرض تمثیل میں مضرب نہیں۔

وہم آنگاہ ہستکاں پوشیدہ است	ایں تخری از پئے نادیدہ است
وہم اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ پوشیدہ ہے	انکل بغیر دیکھی چیز کے لئے ہے
شد خیال غائب اندر سینہ زفت	چونکہ حاضر شد خیال او برفت
غائب (چیز) کا خیال سینہ میں استوار ہوا	جب وہ حاضر ہو گئی خیال ختم ہوا

(ان اشعار میں وجہ تائید کی تاکید ہے کہ) احتمال اسی وقت تک ہے جب تک کوئی چیز پوشیدہ ہے اور یہ تخری و قیاس نادیدہ چیز کے لئے ہے اور غائب ہی چیز کا خیال دل میں قوی رہتا ہے اور جب وہ سامنے آگئی تو خیال زائل ہو جاتا ہے (اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ قوت خیال بعد غیبت عن المدر کہ کے حافظہ صوری ہے)

گر سمائے نور بے باریدنی ست	ہم زمین تار بے بالیدنی ست
اگر منور آسمان نہ برسنے والا ہے	تاریک زمین بھی بغیر نشوونما کے ہے
یومنون بالغیب می باید مرا	زاں بہ بستم روزن فانی سرا
(اللہ نے فرمایا) ہمیں غیب پر ایمان لانے والے درکار ہیں	اس لئے میں نے دنیا کے سوراخ بند کر دیئے ہیں
گرچہ ہست اظہار کردن خود کمال	می رہاند جانہا را از خیال
اگرچہ ظاہر کرنا خود کمال ہے	(کیونکہ) جانوں کو وہم سے رہائی دے دیتا ہے
لیک یک در صد بود ایمان بغیب	نیک دان و بگذر از تزویر و ریب
لیکن سو میں سے ایک کو ایمان بالغیب ہوتا ہے	خوب سمجھ لے اور مکر اور شک سے درگزر کر
چوں شگام آسماں را در ظہور	چوں بگویم ہل تری فیہا فطور
اگر اظہار کے لئے میں آسمان میں شکاف لگا دوں	تو ”کیا تم اس میں شکاف دیکھتے ہو“ کیسے کہوں؟
تا دریں ظلمت تخری گسترند	ہر کسے رو جانے می آورند
تاکہ اس اندیرے میں انکل لگاتے رہیں	ہر آدمی الگ الگ جانب کو رخ کرے
مدتے معکوس باشد کارہا	شحنہ را دزد آورد بردارہا
(تاکہ) ایک عرصہ تک کام الٹے رہیں	چور کو توال کو سولی پر چڑھا دے
تا کہ بس سلطان عالی ہمتے	بندہ بندہ خود آید مدتے
تاکہ عالی ہمت بادشاہ	ایک عرصہ تک غلام کا غلام رہے

(یہ مرتب ہے مضمون اشعار ماقبل حکایت کے ساتھ غیب مطلوب حق آمد چند گاہ الخ اور مثل ان اشعار کے یہاں بھی بیان ہے اختفاء غیبات کی بعض حکمتوں کا پس ایک حکمت تو شعر اول میں مذکور ہے جو سلسلہ مجموعہ میں چوتھی حکمت ہے یعنی) اگر آسمان

منور بکواکب) بلا بارش رہتا تو زمین بے نور بلا نشوونما رہتی (تفسیر اس کی واللہ اعلم احقر کے خیال میں یہ ہے کہ جس طرح زمین پر آسمان کے دو قسم کے فیوض ہیں ایک بلا واسطہ حجاب یعنی نور پاشی دوسرا بواسطہ حجاب یعنی بارش کہ بواسطہ سحاب ہوتی ہے اسی طرح عالم غیب سے کہ مشابہ آسمان کے ہے عالم شہادت پر کہ مشابہ زمین کے ہے فیوض کی دو صورتیں محتمل ہو سکتی ہیں ایک بلا واسطہ حجاب جیسا کشف علوم کی صورت میں ہوتا ہے دوسرا بواسطہ حجاب جیسا اب ہے کہ بواسطہ حضرات ملائکہ و حضرات انبیاء علیہم السلام کے نازل فرمایا گیا پس جس طرح صرف نور پاشی آسمان سے کہ فیض بے حجاب ہے زمین کی آبادی عادیہ نہیں ہو سکتی بلکہ وہ آبادی وابستہ ہے بارش کے ساتھ کہ فیض من الحجاب ہے جیسا کہ ظاہر ہے اسی طرح عالم غیب کے فیوض اگر بلا حجاب نازل ہوتے یعنی کشف عالم ہو جاتا کہ حقائق سب کو مشہود ہو جاتے تو عالم شہادت کی آبادی ممکن نہ تھی کیونکہ معائنہ کی حالت میں زراعت و تجارت و حرفت و صنعت کی مہلت اور اقامت کس کو ہوتی اسی طرح صدور معصیت بھی نہ ہوتا تو اقامت عدل و اصلاح بین الناس کا تحقق بھی ظاہر ہے کہ نہ ہوتا بلکہ غلبہ مشاہدہ ہمیں چونکہ ایک گونہ حواس و عقل میں تعطل آ جاتا اس لئے طاعات و عبادات کا وجود بھی مستبعد تھا اور عمارت عالم شہادت کی ان ہی امور سے ہے اس لئے محققین کا قول ہے جس کو ایک جگہ مولانا نے ان الفاظ میں فرمایا ہے استن این عالم ای جان غفلت ست الخ پس معلوم ہوا کہ حجاب کا ہونا مقتضائے مصلحت عمارت عالم ہے اور جس طرح مشبہ بہ میں اس کے عکس میں کہ نری بارش ہوا کرتی اور نور پاشی نہ ہوتی نیز آبادی زمین محتمل ہوتی اسی طرح مشبہ میں بھی اگر حجاب محض ہوتا اور بالکلہ انکشاف نہ ہوتا تب بھی عالم شہادت کی عمارت منہدم ہو جاتی کیونکہ ایمان موقوف علیہ ہے عمارت عالم کا چنانچہ جب یہ بالکلہ عالم سے منعدم ہو جائے گا قیامت قائم ہو جائے گی اور ایمان ایک قسم کا کشف وجدائی و عالم ذوقی و نور وہی ہے جو بعد مباشرت اسباب بلا واسطہ قلب میں القا کیا جاتا ہے پس بقاء عالم وابستہ ہوا استتار من وجہ و انکشاف من وجہ کے ساتھ واللہ اعلم آگے بقیہ اشعار میں ایمان بالغیب کی مطلوبیت کو استتار مذکور کی ایک اجمالی حکمت قرار دے کر اس کو چند حکمتوں میں مفصل فرماتے ہیں اور چونکہ اشعار بالا میں حق ہی خواہد چند جا آیا ہے جو بمعنی اس عبارت کے ہے کہ حق می فرماید کہ چنان میخو اہم اس لئے اس مضمون کو مقولہ حق قرار دے کر فرماتے ہیں کہ) مجھ کو ایمان بالغیب مطلوب ہے اس لئے میں نے سرائے فانی کا روزن (جس سے عالم غیب کا مشاہدہ کر سکتے) بند کر دیا اور اظہار اسرار اگر چہ فی نفسہ (موجب) کمال (یقین) ہے (کیونکہ) قوی مدد کہ کو خیالات (متحملہ) سے چھڑا دیتا ہے (اور اس کا مقتضایہ تھا کہ کشف اسرار کر دیا جاتا اور ایمان بالمعانیہ ہوتا) لیکن (بعضی حکمتیں بضمن ایمان بالغیب کے مطلوب ہیں اور وہ حجاب رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے مثلاً ایک حکمت جو مجموعہ حکم کے اعتبار سے پانچویں ہے یہ ہے کہ) ایمان بالغیب جس کا تحقق بقاء حجاب میں ہوتا ہے (فیصدی ایک جگہ ہوتا ہے) جیسا کہ اہل ایمان کا قلیل العدد ہونا مشاہدہ ہے قرآن مجید میں بھی ہے قلیل من عبادی الشکور اور حدیث میں بھی مومنین کا بہ نسبت کفار کے قلیل ہونا مذکور ہے اس مصرعہ میں اس حکمت کا ایک مقدمہ محبوب ہوتی ہے جس سے یہ نتیجہ پیدا ہوا کہ اس صورت میں جو مومن ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بہت محبوب ہوں گے پس یہ کتنی بڑی حکمت ہے پس اس کو) خوب سمجھ رکھو اور تزویر و شک سے بچے رہو (اور چھٹی حکمت یہ ہے کہ) اگر عالم غیب کو (کہ وراء السماء ہے) ظاہر کرنے کے لئے آسمان کو شق کر دوں تو پھر (قرآن مجید میں) آیہ هل تری من فطور کیونکر کہی جائے (اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ناظر کیا آسمان میں تم کوئی رخند دیکھتے ہو مقصود اس خطاب سے متوجہ کرنا ہے استدلال علی القدرت والحکمۃ پر اور ظاہر ہے کہ معاینہ کے وقت استدلال کی گنجائش نہیں ہوتی اور قطع نظر اس سے یہ خاص استدلال تو باقی نہ رہتا پس حاصل یہ ہوا کہ اس استدلال

خاص میں جو حکمت مودع ہے اظہار اسرار میں وہ ضائع ہو جاتی اور ساتویں حکمت یہ ہے) تاکہ اس ظلمت (دنیا) میں لوگ قیاسات کو مہمہد کریں اور (اختلافات قیاسات کے سبب) ہر شخص ایک ایک (طریق کی) جانب متوجہ ہو جائے (کما قال تعالیٰ ولو شاء ربک لجعل الناس امة واحدة ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربک ولذلك خلقهم اور تاکہ ایک مدت خاص تک (یعنی بقاء دنیا تک) بہت سے کام معکوس رہیں یعنی مثلاً شحہ کو چوردار پر چڑھائے اور تاکہ مثلاً بہت سے عالی ہمت سلاطین ایک مدت تک اپنے سے کمتر لوگوں کے محکوم رہیں (مراد شحہ و سلاطین سے مقبولان الہی ہیں کہ عالم غیب میں باوجاہت ہیں اور دوز و اور بندہ مضاف الیہ سے کفار و ظالم مراد ہیں جو اس عالم میں محض مجرم و خار ہیں حاصل تقریر یہ ہوا کہ اجتناب غیب سے آرا و قیاسات میں اختلاف ہوا اور کفر و ایمان کی راہیں پیدا ہوئیں اور احیانا اہل ایمان کو ظاہر آپست حالت میں رکھنا یا تو معلولات اختفاء میں سے ہو یا علل اختفاء میں سے ہو تقریر اول کی یہ ہوگی کہ چونکہ ان کی وجاہت مخفی ہے اس لئے کفار پر ان کی ہیبت نہیں تقریر ثابث کی یہ ہوگی کہ یہ بھی ایک ابتلاء ہے ورنہ ان کے غلبہ دائمی سے ان کا حق پر ہونا منجملہ بدیہات ہو جاتا تو پورا اختفاء کہ احتیاج الی النصر میں ہے نہ رہتا اور ہر حال میں اہل ایمان کے حق میں یہ موجب ترقی مراتب قرب اور کفار کے حق میں موجب تزیید بعد ہے)

بندگی در غیب آمد خوب و کش	حفظ غیب آمد در استعباد خوش
غیب کی صورت میں عبادت خوب اور بہتر ہے	عبادت کرانے میں غیب کی حفاظت اچھی ہے
کو کہ مدح شاہ گوید پیش او	با کہ در غیبت بود او شرم رو
کہاں ہے وہ جو بادشاہ کے سامنے بادشاہ کی تعریف کرے	اس کے مقابلہ میں جو غائبانہ شرمائے
قلعہ دارے کز کنار مملکت	دور از سلطان و سایہ سلطنت
وہ قلعہ دار جو مملکت کے کنارے پر	بادشاہ اور سلطنت کے سایہ سے دور
قلعہ نہ فروشد بمال بیکراں	پاس دار و قلعہ را از دشمنان
لا تعداد مال کے لئے قلعہ کو نہ فروخت کرے	دشمنوں سے قلعہ کی حفاظت کرے
غائب از شہ در کنار ثعزہا	ہمچو حاضر او نگہدارد وفا
دروازوں کے کناروں پر بادشاہ سے غائب	حاضر کی طرح وفا کی نگہداشت کرے
پیش شہ او بہ بود از دیگران	کہ بخدمت حاضر اند و جانفشان
بادشاہ کے نزدیک وہ دوسروں سے بہتر ہو گا	جو دربار میں حاضر ہیں اور جانفشانی کر رہے ہیں
پس بغیبت نیم ذرہ حفظ کار	بہ کہ اندر حاضری ز اں صد ہزار
غیبت میں کام کی تھوڑی بھی نگہداشت	موجودگی کی لاکھ کار گزاری سے بہتر ہے
طاعت و ایماں کنوں محمود شد	بعد مرگ اندر عیاں مردود شد
فرمانبرداری اور ایمان اب قابل تعریف ہے	مرنے کے بعد مشاہدہ کی صورت میں نامقبول ہے

(اس میں بھی مثل اشعار سابقہ بیان ہے حکمت اختفاء کا یعنی آٹھویں حکمت یہ ہے کہ) عبادت (معبود کے) غیب ہونے میں خوب و مستحسن ہے اس لئے عبادت کا کام لینے میں غیب کا (ظہور سے) محفوظ رکھنا نہایت زیبا ہے (اس کی ایسی مثال ہے کہ) کجاوہ شخص کہ بادشاہ کی مدح اس کے روبرو ہو کر کرے اور کجاوہ جو حالت غفلت میں (بادشاہ کا) لحاظ رکھتا ہو (یعنی یہ دوسرا امر زیادہ عجیب ہے دوسری مثال یہ کہ) مثلاً ایک قلعہ دار ہے کہ سرحد سلطنت پر بادشاہ سے اور ظل خلافت سے دور رہتا ہے اور (فرضاً) اس کو کسی غنیم سے اس قلعہ کے عوض میں بے شمار مال ملتا ہو مگر وہ شخص مال بے شمار کے عوض میں قلعہ نہیں دیتا اور دشمنوں سے قلعہ کی حفاظت کرتا ہے بادشاہ کے نزدیک یہ شخص دوسرے (بعضے لوگوں سے جو ہر وقت خدمت میں حاضر اور جان فشاں رہتے ہیں افضل ہوگا پس) ثابت ہوا کہ) حالت غیبت میں نصف ذرہ خدمت کا پاس رکھنا اس سے بہتر ہے کہ حاضری میں اس سے لاکھ حصہ زیادہ پاس رکھا جائے (دیکھو اس کا مؤید یہ ہے کہ) طاعت اور ایمان اب (دنیا میں) محمود (و مقبول) ہے اور بعد موت معاینہ کی حالت میں غیر مقبول ہے (اور نہ کوئی کافر ہی دوزخ میں نہ جاتا کیونکہ وہاں سب تصدیق کر لیں گے کما قال تعالیٰ عنہم ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا النعمل صالحا انا موقنون اور وجہ تائید ظاہر ہے کہ یہاں ایمان بالغیب ہے اور وہاں بالمعاینہ پس حکمت اختفاء کی مقرر ہوگئی اور اس مقام کا مضمون شعر بالا ایک ایک در صدالخ سے متقارب ہے صرف اتنا تفاوت ہے کہ وہاں احبیت باعتبار حالت کیت ایمان کے ہے کہ قلت ہے اور یہاں باعتبار حالت کیفیت کے ہے کہ اعجیبت ہے غرض یہ کل آٹھ حکمتیں ہوئیں وجود باطل در دنیا ترجیح قانط عموم خوف ورجاء عمارت عالم احبیت اہل ایمان استدلال و نظر زیادت مراتب ایمان و کفر اعجیبت ایمان مؤمنین واللہ اعلم فمولانا نے جو جابجا علم لدنی و ایمان تحقیقی کشفی کو ترجیح دی ہے اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ مضمون اس کے معارض ہے کیونکہ وہاں کشف ذوقی و وجدانی ہے جو اسی ایمان بالغیب کی ایک اعلیٰ درجہ کی فرد ہے اس کو حدیث میں بشارت سے تعبیر کیا گیا ہے کشف عیانی نہیں اسی طرح یہ شبہ نہ کیا جائے کہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کا ایمان بالمعاینہ ہوتا ہے اس پر اس ایمان بالغیب کی ترجیح لازم آئی کیونکہ یہاں اکملیت و افضلیت کا اثبات نہیں بلکہ عموم کشف نہ ہونے کی حکمتیں اور ایمان بالغیب کا اعجاب ہونا مذکور ہے سو انبیاء اور ملائکہ کے کشف سے نہ عموم کشف لازم ہے اور نہ عوام مؤمنین کے ایمان کا افضل ہونا لازم ہے بلکہ افضل و اقویٰ وہی ہوگا جو کشف الہی قطعی سے ہوتا ہے البتہ اعجاب ہونا خود حدیث میں مصرح ہے سو کسی شے کا عجیب ہونا مستلزم اکملیت کو نہیں وہ حدیث یہ ہے روی البیہقی عن عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الخلق اعجب الیکم ایمانا قالو الملائکة قال و مالہم لایومنون و ہم عند ربہم قالو افالنبیون قال و مالہم لایومنون والوحی یزل علیہم قالو فخن قال و مالکم لاتومنون باللہ وانا بین اظہر کم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اعجب الخلق الی ایمانا یکون من بعدی یجدون فیہا صحفا فیہا کتاب یومنون بما فیہا اور اس کشف میں قطعی الہی کی قید اس لئے لگائی کہ کشف ظنی سے ایمان بالغیب بدرجہا افضل ہے اور کشف کوئی کمال مقصود نہیں اور اسی طرح شعر اخیر سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ایمان بالمعاینہ مطلقاً غیر مقبول ہے کیونکہ یہ وہ ہے کہ بعد تجرد و انکار بالغیب کے ہوا ہے ورنہ دونوں کا جمع ہو جانا نور علی نور کا مصداق ہے ان تمام شبہات کا اچھی طرح ازالہ کر لو اس مقام میں دھوکہ ہو جاتا ہے۔

چونکہ غیب و غائب و روپوش بہ	پس وہاں بر بند و لب خاموش بہ
چونکہ غیب اور غائب اور چھپا ہوا بہتر ہے	تو منہ کو بند کر لے خاموش رہنا بہتر ہے
اے برادر دست و ادا راز سخن	خود خدا پیدا کند علم لدن
اے بھائی! بات کہنے سے دستبردار ہو جا	وہ (اللہ تعالیٰ) علم و ہی خود پیدا کر دیکھا
بس بود خورشید را رویش گواہ	اسی شیء اعظم الشاہد الہ
سورج کے لئے اس کا چہرہ کافی گواہ ہے	سب سے بڑا گواہ کون ہے؟ خدا ہے

(اوپر بیان تھا اختفاء اسرار کی متعدد حکمتوں کا اب اپنے نفس کو اور دوسرے عارفین مطلعین علی حکمتہ الاختفاء کو خطاب فرماتے ہیں کہ) جبکہ (مطلقاً) اسرار غیبیہ کا غیب رہنا اور اس کا غائب دروپوش رہنا بہتر ہے (اور حکمت ہائے اختفاء خود بھی منجملہ اسرار ہیں کیونکہ ان کا تعلق صفات حکمت و مشیت و علم الہی سے ہے تو بمقصدائے اولویت اختفاء اسرار ان حکمتوں کا اختفاء بھی اولیٰ ہوگا) پس (ان کے تفصیل و بیان سے تم بھی منہ بند کر لو اور لبوں کو خاموش کر لو یہی بہتر ہے اے برادر) (تفصیل حکم میں) کلام کرنے سے دست برداری کرو حق تعالیٰ (جب مخاطبین کو مطلع فرمانا چاہیں گے تو) خود (ان کے قلب میں) علم لدنی (وذوقی) پیدا کر دیں گے (جس سے ان کو انکشاف حکمتوں کا ہو جائے گا) اور خورشید کے لئے تو خود اس کا رخ ہی کافی گواہ ہے (یہی مقال علم حالی و ذوقی ہے برخلاف علم قالی کے کہ دلائل و مقدمات و نظر کا محتاج ہے وہ محتاج کسی واسطہ کا نہیں ہوتا پس وہ علم قلب عارف میں ایک قسم کی شہادت الہیہ بلا واسطہ ہے اور یہ یقینی و مسلم ہے کہ) سب سے بڑی شاہد کون شے ہے وہ حق تعالیٰ ہیں (کما قال اللہ تعالیٰ قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللہ شہید الایۃ یعنی تم تفصیل حکم سے سکوت کرو جب حق تعالیٰ کو منظور ہوگا لوگوں پر خود منکشف فرمادیں گے۔)

نے بگویم چوں قریں شد در بیاں	بہ خدا و ہم ملک ہم عالماں
نہیں میں تو شہادت دوں گا جیسا کہ بیان میں ساتھ ہیں	اللہ بھی اور فرشتے بھی اور علماء بھی
یشہد اللہ و الملک و اهل العلوم	انہ لا رب الا من یدوم
اللہ گواہی دیتا ہے اور فرشتے اور علماء	کہ رب نہیں ہے مگر وہ جو ہمیشہ رہے
چوں گواہی داد حق کہ بود ملک	تا شود اندر گواہی مشترک
جب اللہ (تعالیٰ) نے گواہی دیدی تو فرشتے کیا ہوتے ہیں	کہ وہ گواہی دینے میں شریک ہوں
زانکہ شعشاع و حضور آفتاب	برنتابد چشم و دلہائے خراب
یہ اس لئے کہ کرنوں اور سورج کی موجودگی کی	کمزور آنکھیں اور دل طاقت نہیں رکھتے ہیں
چوں خفاشے کو تف خورشید را	برنتابد بگسلد امید را
جبکہ چکاڑ جو سورج کی چمک کی	تاب نہ لاتی ہے امید توڑ بیٹھتی ہے

(اوپر مشورہ ہے بیان حکم علم سے سکوت کرنے کا یہاں اس سے اضراب ہے اور ضرورت بیان تحقیق ہے پس فرماتے ہیں کہ) نہیں ہم تو (اس باب میں) ضرور کچھ کہیں گے چونکہ (قرآن مجید کی اس آیت میں شہد اللہ انہ الا الہ الا هو والملائکۃ والو العلم) اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور علماء سب ذکر میں (بطور عطف کے قرین ہو رہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ بھی گواہی دے رہے ہیں اور ملائکہ بھی اور اہل علم بھی کہ کوئی معبود نہیں بجز ذات باقی کے) (یہ مضمون اس آیت کا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باوجود شہادت الہیہ کے پھر بھی شہادت ملائکہ و علماء میں کوئی مصلحت ہے ورنہ) جب حق تعالیٰ شہادت (توحید کی) دے چکے پھر فرشتے (یا اہل علم) کیا چیز ہیں کہ شہادت میں شریک ہوں پس اس کی وجہ یہی ہے کہ آفتاب کی شعاع اور محاذات کا تحمل ہر چشم و قلب ناکارہ سے نہیں ہو سکتا جیسے خفاش کہ تابش آفتاب کو نہ برداشت کر سکے اور (اس وجہ سے حصول نور سے) بالکل ہی امید منقطع کر دی (تو ایسی حالت میں مصلحت ہوگی کہ اس کو ماہ و اختر کے انوار سے مستفید کیا جائے یعنی اسی طرح گو علم لدنی و حالی شہادت الہیہ ہے مگر خود قرآن مجید میں بعد شہادت الہیہ کے شہادت ملائکہ و علماء کا ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ ضعف و نقصان استعداد کے عامہ خلّاق جو مثل خفاش کے ہیں اس کی قابلیت نہیں رکھتے کہ وہ مثل آفتاب کے ہے اس لئے وحی ملائکہ وہ تعلیم اہل علوم یعنی انبیاء و ورثہ انبیا کی جو مشابہ قمر و نجوم کے ہیں ضرورت ہے پس اس بناء پر عامہ فلّاق کے لئے علم لدنی کے انتظار میں حکمتوں کے بیان کو کیونکر متروک کر دیا جائے اور جاننا چاہیے کہ اس اضراب کا ما قبل و مابعد واقع میں متعارض نہیں سکوت کا مشورہ درجہ تفصیل کے لئے ہے اور بیان کی ضرورت درجہ اجمال کے لئے ہے۔

پس ملائک را چو ماہاں بازداں	جلوہ گر خورشید را بر آسماں
تو فرشتوں کو ان چاندوں کی طرح سمجھ	جو آسماں پر سورج کو جلوہ دیتے ہیں
کایں ضیا ما ز آفتابے یاقتمیم	چوں خلیفہ بر ضعیفاں تا قتمیم
(وہ کہتے ہیں) کہ یہ روشنی ہم نے سورج سے حاصل کی ہے	قائم مقام بن کر ہم کمزوروں پر چمکے ہیں
چوں مہ نو یا سہ روزہ یا کہ بدر	مرتبہ ہر یک بود در نور و قدر
تھے چاند یا تین روزہ چاند یا چودھویں کے چاند کی طرح	ہر ایک (فرشتہ) کا نور اور قدر میں رتبہ ہے
ز اجحہ نور ثلاث او رباع	بر مراتب ہر ملک را آں شعاع
نور کے تین تین یا چار چار بازوؤں کی وجہ سے	مرتبہ کے اعتبار سے ہر فرشتہ کو وہ نور حاصل ہے
ہمچو پرہائے عقول انسیاں	کہ بسے فرق ست شاں اندر میاں
جیسے انسانوں کے عقلی بازو	کہ ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے
پس قرین ہر بشر در نیک و بد	آں ملک باشد کہ مانندش بود
ہر انسان کا نیکی اور بدی کے اعتبار سے ساتھی	وہ فرشتہ ہو گا جو اس کے مناسب ہو گا
چشم اعمش نور خور را بر نتافت	اختر او را شمع شد تارہ بیافت
چندھے کی آنکھ میں سورج کی روشنی کی تاب نہیں ہے	ستارہ اس کی شمع بن گیا یہاں تک کہ اس کو راستہ مل گیا

(یہ تہہ ہے مضمون سابق کا یعنی چونکہ ضعف استعداد کی وجہ سے مثل خفاش کے آفتاب فیض حق سے بلا واسطہ استفادہ متعذر ہے اس لئے ملائکہ و اولوا العلم کے توسط کی احتیاط ہوئی) پس ملائکہ کو (اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو) مثل ان چاندوں کے سمجھو جو آسمان پر (نور) خورشید کو (بنا بر قضیہ ثابتہ نور القمر مستفاد من نور الشمس) جلوہ دیتے ہیں (چاند کا جمع لانا باعتبار تفاوت مراتب زیادت و نقصان نور کے ہے اور وہ ملائکہ مثل قمر کے بزبان حال یوں کہتے ہیں) کہ ہم نے یہ روشنی آفتاب (فیض حق) سے حاصل کی ہے اور محض نائب کے طور پر ضعیف (الاستعداد) مخلوق پر ہم تاباں ہوئے ہیں (اور ان ملائکہ میں) ماہ نو یا ماہ سہ روزہ یا بدر کی طرح ہر ایک کا انوار اور قرب میں ایک خاص مرتبہ ہے اور نورانی بازوؤں سے جو کہ کسی کے تین ہیں کسی کے چار علی قدر مراتب ہر فرشتہ کو انوار حاصل ہیں جیسے آدمیوں کے بازو ہائے عقل میں کہ باہم بہت فرق ہوتا ہے (آگے جملہ معترضہ کے طور پر اس تفاوت مراتب و مناصب ملائکہ پر ایک تفریح جو مقام ہذا سے اجنبی ہے فرماتے ہیں کہ جب ملائکہ کا تفاوت مراتب ثابت ہے) پس (اسکے فروغ میں سے یہ بھی ہے کہ) ہر بشر کا قرین خواہ وہ بشر نیک حالت میں ہو یا بد حالت میں (بعد مرگ) وہی فرشتہ ہوگا جو اس کی حالت کے مناسب ہوگا (یہاں مانند سے مراد مشابہ نہیں بلکہ مناسب مراد ہے یعنی نیک کے ساتھ ملائکہ رحمت کے اور بد کے ساتھ ملائکہ عذاب کے)

گفتن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مرزید رضی اللہ عنہ

را کہ ایں سر رافاش تر زیں مگو و متابعت نگہدار

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زید رضی اللہ عنہ سے فرمانا کہ اس راز کو اس سے زیادہ کھل کر نہ کہہ اور فرمانبرداری کا لحاظ رکھ

گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم	رہرواں راسمیع و شیطان رارجوم
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا میرے صحابہ ستارے ہیں	جو مسافروں کی شمع اور شیطان کے لئے گرز ہیں
ہر کسے را گر بدے آں چشم زور	کو گرفتے ز آفتاب چرخ نور
اگر ہر شخص کے لئے وہ آنکھ اور طاقت ہوتی	کہ جس سے آسمان کے سورج سے نور حاصل کر سکتا
کے ستارہ حاجت سے اے ذلیل	کے بدے بر نور خورشید آں دلیل
اے ذلیل! ستارے کی پھر کیا ضرورت تھی؟	وہ سورج کی روشنی کا رہنا کب ہوتا؟
ہیچ ماہ و اخترے حاجت نبود	کو بود بر آفتاب حق شہود
(اس کو) کسی چاند اور ستارے کی ضرورت نہ تھی	جو حق کے سورج کا گواہ ہوتا

(اور ملائکہ کو صریحاً اور مشارکت عصمت و قرب سے انبیاء علیہم السلام کو لزوماً چاند سے تشبیہ دی تھی اب دوسرے اولوا العلم کو نجوم سے تشبیہ دے کر ان کا واسطہ فیض حق ہونا ثابت فرماتے ہیں کہ) ضعیف البصر کی آنکھ چونکہ نور آفتاب کو برداشت نہیں کر سکتی اس لئے کوکب اس کی الہی شمع بن گیا حتیٰ کہ اس کو بھی راستہ مل گیا چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اصحابی کالنجوم (بایہم اقتدیتم اہتدیتم) یعنی میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں (تم جس کے پیچھے بھی ہو لو گے دین

کا راستہ پالو گے حدیث تو اسی قدر ہے آگے مولانا کا مقولہ ہے کہ تشبیہ بالنجوم کی وجہ یہ ہے کہ وہ حضرات (رہرووں کے لئے مثل شمع ہیں اور شیاطین کے لئے رجوم ہیں) جیسا کوکب میں یہی صفتیں ہوتی ہیں آگے وجود قمر و کوکب سے عامہ خلألق کے ضعف پر بضمین مثال کے بصورت قیاس استثنائی استدلال کرتے ہیں کہ) اگر ہر شخص کو ایسی چشم اور قوت حاصل ہوتی کہ وہ آفتاب چرخ سے نور حاصل کر سکتا تو کوکب کی حاجت کب ہوتی جو کہ نور خورشید کی طرف رہبر ہو جاتا ہے بلکہ چاند اور کوکب کسی کی بھی حاجت نہ تھی جو کہ آفتاب حق پر شاہد ہوتے ہیں (یہاں ماہ سے اشارہ ہے ذوات حضرات انبیاء علیہم السلام کی طرف اور اسی قرینہ سے اوپر تشبیہ بمآہ میں ملائکہ کے ساتھ احقر نے اسکی طرف اشارہ کر دیا ہے اور کوکب سے اشارہ ہے صحابہ و راہین فی العلم کی طرف اور مقدمہ ثانیہ قیاس کا بہت ظاہر ہے یعنی حالانکہ یہ سب اجرام نیرہ موضوع ہوئے ہیں نتیجہ میں ضعف استعداد ثابت ہو گیا)۔

ماہ می گوید بابر و خاک و فی	من بشر من مسلّم یوحی الی
چاند ابر اور خاک اور سایہ سے کہتا ہے	میں تم جیسا انسان ہوں مجھ پر وحی آتی ہے
چوں شام تاریک بودم در نہاد	وحی خورشیدم چنیں نورے بداد
دراصل تمہاری طرح میں بھی بے نور تھا	وحی کے سورج نے مجھے یہ نور عطا کیا ہے
ظلمتے دارم بہ نسبت باشموس	نور دارم بہر ظلمات نفوس
سورجوں کی بہ نسبت میں تاریک ہوں	انسانوں کی تاریکیوں کے لئے میرے پاس نور ہے
زاں ضعیفم تا تو تابی آوری	کہ نہ مرد آفتاب انوری
میں اس لئے ضعیف ہوں کہ تو برداست کر سکے	کیونکہ تو زیادہ چمکدار سورج کا مرد (میدان) نہیں ہے
ہمچو شہد و سرکہ درہم باہم	تا بہ بیماری جگر رہ یاہم
میں شہد اور سرکہ کی طرح باہم مل گیا ہوں	یہاں تک کہ جگر کی بیماری تک پہنچ گیا ہوں

(اس میں بھی بیان ہے وسائط کے مستفید من الحق و مفید مطلق ہونے کا یعنی) چاند (کہ عبارت ہے ذوات قدسیہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے) ابر اور خاک اور ظلمت سے (کہ عبارت ہے عامہ خلألق سے) یوں کہہ رہا ہے کہ میں بھی تمہارے مثل بشر ہوں لیکن مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے (کما قال تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی و قالت لہم رسلہم ان نحن الابرار مثلکم ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ) اور میں بھی تمہاری طرح اصل مادہ کے اعتبار سے یہ انوار نہ رکھتا تھا (کما قال تعالیٰ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان) لیکن آفتاب وحی سے مجھ کو یہ نور حاصل ہو گیا (کما قابل تعالیٰ ولکن جعلنا نور انہدی بہ من نشاء من عبادنا) پس میں بہ نسبت آفتاب (یعنی ذات و کمالات الہیہ) کے تو (گویا) بے نور ہوں (کیونکہ کمال واجب کے روبرو کمال ممکن محض مضحل ہے) لیکن ظلمات نفوس (کو دفع کرنے) کے لئے میں بانور ہوں (کما قابل تعالیٰ یزکیہم و قال سراجا منیرا) اور میں (بمقابلہ نور قدیم کے نور میں) ضعیف اس لئے بنایا گیا ہوں تاکہ (اے ضعیف) تو تاب لاسکے کیونکہ تو آفتاب نور کا مرد نہیں ہے اور میری مثال (توسط فیض میں) ایسی

ہے کہ سرکہ کی طرح (کہ انگبین میں ہوتا ہے) شہد میں مل گیا ہوں جس سے مرض جگر تک (اثر ہضم پہنچانے کے لئے) چلا ہوں (مطلب یہ کہ فیض حق مثل شہد کے ہے اور خلق مثل کبد کے اور ان کے امراض باطنیہ مثل ضعف ہضم کبدی کے اور میری تعلیم قالی مثل سرکہ کہ پس جس طرح اس مرض کبد میں انگبین سے معالجہ ہوتا ہے جس میں گویا شہد کو مع سرکہ کے پہنچایا جاتا ہے جس سے باواسطہ اصلاح معدہ اصلاح کبد ہوتی ہے اسی طرح فیض حق خلق تک ان کے امراض باطنیہ کے ازالہ کے لئے میری معرفت پہنچاتا ہے)

چوں زعلت وارہیدی ایرہیں	سرکہ را بگذار می خور انگبین
اے گرفتار (مرض) جب تو بیماری سے نجات پا جائے	سرکہ کو چھوڑ دے شہد چاٹ
تحت دل معمور شد پاک از ہوا	بروے الرحمن علی العرش استوی
جب دل کا تخت خواہشات سے پاک ہو کر (نور سے) بھر گیا	تو الرحمن علی العرش استوی کا مصداق ہو گیا
حکم بردل بعد ازیں بے واسطہ	حق کند چوں یافت دل ایں رابطہ
اس کے بعد بلا واسطہ دل پر حکم	اللہ (تعالیٰ) فرماتا ہے جب دل کو یہ ربط حاصل ہو گیا
ایں سخن پایاں ندارد زید کو	تا دہم بندش کہ رسوائی مجو
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے (حضرت) زید کہاں ہیں؟	تاکہ میں ان کو روکوں کہ رسوائی نہ کر
نیست حکمت گفتن ایں اسرار را	چوں قیامت می رسد اظہار را
ان رازوں کے کہنے میں دانائی نہیں ہے	اظہار کے لئے قیامت آ رہی ہے

(اوپر سے واسطہ فیض کی ضرورت کا اثبات چلا آ رہا ہے اب اس حالت کو بتلاتے ہیں کہ جس میں واسطہ کی ضرورت نہیں رہتی اور اس میں تمہیم ہے اس مضمون کی نے بگویم چون قرین شد در بیان الی آخر الایات الخمسنہ چنانچہ احقر نے وہاں حاصل تقریر میں بیان کیا تھا کہ علم لدنی کے انتظار میں عامہ خلأق کے لئے حکمتوں کے بیان کو کیونکر متروک کر دیا جائے پس مجموعہ مقامین کا خلاصہ یہ نکلا کہ جب تک یہ حالت علم لدنی کی حاصل نہ ہو جیسا عامہ خلأق کی حالت ہے اس وقت تک تو معرفت حکمت میں واسطہ قال کا ضروری ہے گواجمالاً سہی البتہ جب یہ حالت حاصل ہو جائے جیسا خواص کو عطا ہوتی ہے ایسے شخص کے لئے بے شک اس واسطہ قال کی ضرورت نہیں اور اس حالت عدم بقاء ضرورت واسطہ کو مثال بالامتصل کی شق مقابل کے ساتھ تشبیہ دے کر سمجھاتے ہیں یعنی) اے گرفتار مرض جب تم علت (وامراض سے) چھوٹ گئے اب سرکہ کو چھوڑ دو اور شہد کھاتے رہو (یعنی بعد تصفیہ قلب و تزکیہ نفس کے اب واسطہ تعلیم قالی کی ضرورت نہیں رہتی فیض حق بلا اس واسطہ کے آتا ہے چنانچہ آگے تصریح ہے کہ جب تحت دل (انوار صفا و محبت سے) معمور ہو گیا اور (ظلمات) ہوا سے پاک ہو گیا تو اس کی مثال (نزول انوار میں) عرش کی سی ہو گئی کہ اس پر حضرت رحمن مستقر ہیں (جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے) بعد اس حالت کے حق تعالیٰ اپنے احکام (متعلقہ معارف و اسرار نہ کہ متعلقہ حلال و حرام) قلب پر بلا واسطہ (علم قالی کے) وارد فرمانے لگتے ہیں جب یہ نسبت خاصہ حاصل ہو جاتی ہے فاحقر کی تقریر میں تین شبہات کا دفع ہے اول کیا علم لدنی والے کو واسطہ رسل کی ضرورت نہیں رہتی دفع اس کا یہ ہے کہ واسطہ سے مراد صرف تعلیم قالی ہے نہ مطلق واسطہ دوم کیا ایسے شخص کو حلال و حرام کے باب میں تعلیم قالی کی ضرورت

نہیں رہتی دفع اس کا یہ ہے کہ صرف اسرار و معارف کے ساتھ یہ حکم خاص ہے اور حلال و حرام میں سب تعلیم منقول کے محتاج ہیں سوم کیا الرحمن علی العرش استوی میں قلب مراد ہے دفع اس کا یہ ہے کہ کلام مثنوی ہی تشبیہ پر تقریر مذکور میں نظر کرنے سے تینوں جواب اس میں مذکور و مصرح ملیں گے واللہ اعلم۔

رجوع حکایت زید رضی اللہ عنہ

(حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حکایت کی طرف واپسی)

زید را اکنوں نیابی کو گریخت	جست از صف نعال و نعل ریخت
(اے مخاطب) اب تو زید گونہ پائے گا کیونکہ اب وہ چل دیئے	(مجلس کی) آخری صف سے ادا نہ ہو گئے اور تیزی سے ادا نہ ہوئے
تو کہ باشی زید ہم خود را نیافت	ہمچو اختر کہ برو خورشید تافت
تو کیا ہے زید خود اپنے آپ کو نہیں پا سکتے ہیں	اس ستارے کی طرح جس پر سورج روشنی ڈال دے
نے از و نقشے بیابی نے نشاں	نے گہے یا بی براہ کہکشاں
تو نہ اس (ستارے) کا نقش پائے گا نہ نشان	نہ کہکشاں کے راستہ میں تو چکا پائے گا
شد حواس و نطق بے پایان ما	محو نور دانش سلطان ما
ہمارے لامحدود حواس اور قوت کو پائی	ہمارے شہنشاہ کی دانش کے نور میں فنا ہو گئی

(نعل ریختن شتاب و رفتن ماندن اسپ از رفتار دور نیجا بمعنی اول سمت کے کہ می خواہد کہ شتاب برود ہر دو تعلین از پا انداختہ می دود) یعنی اس مضمون (آثار علوم لدنیہ) کا تو کہیں خاتمہ نہیں ہے (یہ بتلاؤ کہ) حضرت زید کہاں ہیں تاکہ (پھر ان کا قصہ بیان کروں اور) ان کو (نقلاً عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم) نصیحت کروں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا قصہ نقل کروں) کہ (کشف اسرار کر کے اہل عیوب کی) رسوائی مت کرو اور جبکہ ان اسرار کے اظہار کے لئے قیامت کا دن آنے والا ہے تو ان اسرار کو کہنا قرین حکمت نہیں (ورنہ قیامت اور دنیا میں اس امر میں فرق نہ رہے گا آگے حضرت زید کا حال بیان فرماتے ہیں کہ) اے سامع حکایت اب تم زید کو نہ پاؤ گے (اس لیے اب ان کا قصہ کیا بیان کیا جائے) کیونکہ وہ (مقام لسانہ سے مقام کل لسانہ میں کہ عبارت ہے غلبہ حیرت سے) چل دیئے اور صف نعال سے (یعنی بقاء آثار صفات و افعال بشریہ سے کہ ان میں سے قصد و اختیار و اظہار اسرار بھی ہے) اڑ گئے اور نہایت تیزی سے گئے (مولانا نے ان کے سکوت بامر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر محمول فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برکت ارشاد یا قوت تصرف سے ان پر مقام تحیر کا غلبہ ہو اور اس سے دم بخود رہ گئے آگے ترقی ہے کہ) تم تو کیا چیز ہو (کہ زید کا پتہ لگا سکو) خود زید بھی اپنے کو نہیں پاسکتے (کیونکہ تحیر میں استغراق ہوتا ہے) جیسے ستارہ فرض کیا جائے کہ اس پر خورشید طلوع ہو جائے تو (اس وقت) نہ اس ستارہ کی شکل (حواس سے) پاؤ گے نہ نشان (روشنی وغیرہ کا) رہے گا اور ایک ایک ستارہ تو کیا رہتا کہکشاں جو بے شمار ستاروں کا مجموعہ ہے اس) کہکشاں کی مسافت میں بھی ایک کاہ (یعنی ایک ستارہ نہ ملے گا اسی طرح حضرت زید پر کسی صفت الہی کی ایسی جلی قوی ہوئی کہ ان کی صفات و افعال سب مضمحل ہو گئے

اور ممکن ہے کہ اس صفت کی تعیین کی جائے کہ وہ صفت علمیہ الہیہ تھی بقرینہ بیت مابعد کہ اس میں محمود دانش آیا ہے اور یہ مناسبت بھی ہے کہ اظہار اسرار کا نشان کا علم تھا تو اس کا اضمحلال اسی صفت کے غلبہ و عظمت سے اقرب ہے یعنی حق تعالیٰ کے علم کی بسطت و وسعت اسقدر ان پر منکشف ہو کہ اپنا علم و کشف ہیچ معلوم ہو اور اس سے جوش بیان سرد پڑ جائے۔

حسبا و عقلاہا شاں در درون	موج در موج لدینا محضرون
ان (روحوں) کے حواس اور عقلیں اس عالم میں	لدینا محضرون (کے مقام) میں موجزن تھے
چوں شب آمد باز وقت بارشد	انجم پنہاں شدہ برکارشد
جب رات آئی پھر کام کا وقت آ گیا	چھپے ہوئے ستارے کام میں لگ گئے
خلق عالم جملگی بیہش شوند	پردہا بر رو کشند و بغنوند
دنیا کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جاتی ہے	چہرے ڈھانپ لیتے ہیں اور اونگھنے لگتے ہیں
صبح چوں دم زد علم افراشت خور	ہر فتی از خوابگہ برداشت سر
صبح نے جب سانس لیا سورج نے جھنڈا بلند کیا	ہر نوجوان نے خواب گاہ سے سر اٹھایا
بیہشاں راوا دید حق ہوشہا	حلقہ حلقہ حلقہا در گوشہا
اللہ بے ہوشوں کو ہوش دے دیتا ہے	جماعت در جماعت تابع فرمان ہو جاتے ہیں
پائے کوباں دست افشاں درشا	ناز نازاں ربنا احمیتنا
تعریف میں ناپتے ہوئے رقص کرتے ہوئے	ناز کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمیں زندہ کر دیا
آں جلود و آں عظام ریختہ	فارساں گشتہ غبار ایگختہ
ریزہ ریزہ کھا لیں اور ہڈیاں	شہسوار بنے ہوئے غبار اڑاتے ہوئے
حملہ آرنڈ از عدم سوئے وجود	در قیامت ہم شکور و ہم عنود
عدم سے وجود کی طرف تیزی سے چلیں گے	قیامت میں شکر گزار بھی اور سرکش بھی

(یہاں بمناسبت ذکر محویت زید کے بطور انتقال کے تمام خلایق کی محویت کا جو عالم ارواح میں تھے بیان فرماتے ہیں پھر تقسیم احوال کے لئے موت و برزخ و قیامت کا ذکر ہے یعنی) ہمارے حواس و نطق جو بے پایاں تھے (مراد ارواح کے مطلق قویٰ مد رکہ و فاعلہ میں اور چونکہ وہ عالم امر سے ہے جو کہ حدود و مقادیر سے منزہ ہے اس لئے بے پایاں کہا گیا غرض وہ قویٰ عالم ارواح میں) ہمارے شاہنشاہ حقیقی جل شانہ کے نور علم میں محو تھے یعنی تمام حواس و عقول (ان ارواح) کے (اس عالم) باطن میں مقام لدہنا محضرون میں متموج (و مجتمع) ہو رہے تھے (ترجمہ اس جزو آیت کا یہ ہے کہ ہمارے پاس سب حاضر کئے گئے ہیں مراد اس سے مقام حضور و قرب ہے جس کے لئے مشاہدہ لازم ہے جس کے لوازم میں سے محویت ہے مطلب یہ کہ سب ارواح کی صفات غلبہ مشاہدہ سے انوار صفات الہیہ علم وغیرہ میں محو تھیں پس مضمون محویت تو جو کہ قصہ بالا سے مناسبت رکھتا ہے یہاں ختم ہوا

اور اس کا بیان کرنا عجب نہیں اس لئے ہو کہ بعض کم فہم واردات باطنیہ کا انکار کیا کرتے ہیں اس لئے اس کی نظر بتلا دی کہ ایسی محویت ایک بار سب پر طاری ہو چکی ہے رہا یہ کہ اس کو بھی کوئی تسلیم نہ کرے سو ممکن ہے مگر پھر بھی اسکی تسلیم میں اس قدر استبعاد نہیں کیونکہ عالم ارواح کی حالت کا سوچنے سے یاد نہ آتا یہ ظاہر بینوں کے نزدیک اس محویت کا مؤید ہو سکتا ہے آگے تمیم احوال کے لئے فرماتے ہیں کہ (پھر جب (بعد انقضائے حیات جسمانیہ کے) شب آتی ہے اور بار (اشتغال) کا وقت جاتا رہتا ہے (یعنی موت کا وقت آتا ہے اور روح پر جو تعلق جسم کا بار تھا وہ جدا کر لیا جاتا ہے اور موت کو شب سے تشبیہ دینا باعتبار اسکے ہے کہ وہ وقت نوم ہے اور نوم اخوالموت ہے) اور (اس وقت) ستارہ ہائے پوشیدہ اپنے (نور افشانی کے) کام میں لگ جاتے ہیں (یعنی ملائکہ جو دنیا میں مخفی تھے تصرف فی الارواح شروع کر دیتے ہیں پس وجہ تشبیہ صرف اختفاء فی الدنیا ہے اور یہاں اوپر کی وجوہ تشبیہات ذات حق بآفتاب و ادراکات و علوم بہ نجوم و غیرہا اصلاً ملحوظ نہیں غرض جب ایسی حالت ہوتی ہے) تو اس وقت تمام خلق (سکرۃ الموت سے) بے ہوش ہو جاتے ہیں اور پردے چہروں پر تان کر او نگھنے لگتے ہیں (یہ بعد الموت عالم برزخ کی حالت ہے ہر چند کہ وہاں محویت نہیں ہے لیکن بہ نسبت افاقہ بعث کے گویا سکر کی سی حالت ہے آیات لبثنا یوماً او بعض یوم و من بعثنا من مرقدنا و حدیث نم کنوۃ العروس اس کی مؤید ہے اور بغنوند میں عجب نہیں کہ یہی اشارہ ہے کیونکہ غنودگی ایک حالت بین النوم و الیقظہ ہے واللہ اعلم) پھر جب صبح (قیامت) طلوع ہوگی اور اس کا آفتاب (ظہور) بلند ہوگا تو ہر شخص اپنی خواب گاہ (یعنی مرقد) سے (بعث کے لئے) سر اٹھائے گا اور بالمعنی المذکور) جو بے ہوش تھے ان کو حق تعالیٰ ہوش دیں گے (کما قال تعالیٰ فکشفنا عنک غطائک فبصرک الیوم حدید و قال تعالیٰ اسمع بہم والبصر یوم یاتوننا) اور اگر وہ کا گروہ سب (امر بعث میں اس وقت) حلقہ بگوش ہوں گے (کما قابل تعالیٰ یوم یدعو کم فتستجیبون بحمدہ) اور اچھلتے کودتے ہونگے (کما قال مہطعین الی الداع) اور حمد خداوندی میں دست افشانی کرتے ہونگے (کما مر من قولہ تعالیٰ بحمدہ) اور اپنی الت حیات پر) ناز کرتے ہونگے اور یوں کہتے ہوں گے ربنا امتنا اثنتین و احیتنا اثنتین۔ یعنی اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم کو دو بار بے جان کیا ایک قبل ولادت کہ بے جان تھے دوسرے موت متعارف سے اور دو بارہ جاندار کیا ایک ولادت دنیویہ میں دوسرے اب قیامت میں (ہر چند کہ پائے کو بان اور دست افشان اور ناز نازان متبادر معانی کے اعتبار سے کہ مسرت ہے اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے مگر معنی مجازی مطلق تقلب و تحرک کے اعتبار سے عام ہے) اور وہ پوست و استخوان جو ریزہ ریزہ ہو گئی تھیں وہ (اب زندہ ہو کر گویا) سوار بن گئے جو غبار اڑاتے چلتے ہیں غرض عدم سے وجود کی طرف قیامت کے روز سب موم و کافر حملہ آور ہونگے (یعنی سب زندہ ہو جائیں گے)

سرچہ می پچی چرا نا دیدہ	در عدم اول نہ سر پیچیدہ
ایسا بھولا بن کر تو کیوں انکار کرتا ہے؟	کیا پہلے عدم میں تو نے نہ نہ موڑا تھا؟
در عدم افشردہ بودی پائے خویش	کہ مرا کہ بر کند از جائے خویش
تو نے عدم میں اپنا بچہ سکوڑ رکھا تھا	کہ مجھے میری جگہ سے کون اکھاڑ سکتا ہے؟
می نہ بنی صنع ربانیت را	کہ کشد او مومے پیشانیت را
کیا تو خدا کی کارگیری کو نہیں دیکھتا ہے	کہ اسی نے تیری پیشانی کے بال پکڑ کر کھینچ لیا

تا کشیدت اندریں انواع حال	کہ نبودت در گمان و در خیال
یہاں تک کہ تجھے ان احوال میں مبتلا کر دیا	جو تیرے گمان اور خیال میں بھی نہ تھے
آں عدم اور اہمارہ بندہ است	کارکن دیوا! سلیمان زندہ است
عدم ہمیشہ اس کے فرمان کے تابع ہے	اے دیو! کام میں لگ جا سلیمان زندہ ہے
دیومی سازد جفان کالجواب	زہرہ نے تادفع گوید یا جواب
دیو تالابوں جیسے لگن بنا رہا ہے	طاقت نہیں ہے کہ انکار کرے یا جواب دیدے
خولیش راہیں چوں ہمیں لرزی زبیم	مرعدم را نیز لرزاں داں مقیم
تو اپنے آپ کو دیکھ خوف سے کیسا کانپ رہا ہے	عدم کو بھی ہمیشہ لرزاں سمجھ
ورتو دست اندر مناصب میزنی	ہم ز ترس ست آنکہ جانے میکنی
اگر تو بڑے عہدوں پر دست درازی کر رہا ہے	یہ بھی ڈر ہی کی وجہ سے ہے کہ تو مشقت اٹھاتا ہے

(ہمارے ہموارہ اوپر بعثت کا اثبات تھا یہاں منکرین بعثت پر رد ہے یعنی) اے منکر تو کیا انکار کر رہا ہے ایسا (بھولا) کیوں بنا جاتا ہے جیسے (عدم سے وجود میں آنے کو) کبھی دیکھا نہیں عدم (سابق میں اس کی قبل (بدلالت حال وجود میں آنے سے) کیا انکار نہیں کر چکا ہے یعنی (اس) عدم میں خوب پاؤں جمار کھاتا تھا (جس سے بدلالت حال گویا یوں کہہ رہا تھا) کہ بھلا مجھ کو میری اس جگہ سے کون اکھاڑ سکتا ہے پھر تو صنعت ربانی کو دیکھتا نہیں کہ وہ تیرے موئے پیشانی پکڑ کر کشاں کشاں ایسے مختلف احوال کی طرف لے آئی کہ تیرے گمان و خیال میں نہ تھی پس معلوم ہوا کہ وہ عدم ہمیشہ سے انکا مسخر و منقاد ہے (آگے مثل کے طور پر خطاب فرماتے ہیں کہ) اے دیو کام کرتا رہ (انحراف مت کر) سلیمان (جو تجھ پر حاکم ہیں) زندہ (مراد یہ کہ انکار حشر مت کر اللہ تعالیٰ ہی قائم ہیں ان سے خوف کر ہیبت سلیمانی سے) دیو بڑی بڑی لسن تالابوں کی برابر بنا رہی ہیں مجال نہیں کہ ٹال دیں یا جواب دے سکیں (اسی طرح اشد سے اشد مخلوق حق تعالیٰ کو مسخر ہیں) تم اپنا حال دیکھ لو کہ ہیبت (حق) سے کیونکر لرزاں ہو رہے ہو اسی طرح عدن کو بھی ہمیشہ سے لرزاں سمجھو اور اگر تم (کہو کہ میں تو نعوذ باللہ حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتا بلکہ خوب اسباب معصیت کو مال و جاہ کو جمع کر رہا ہوں پھر عدم کو خوف میں اپنے اوپر کیسے قیاس کر لوں تو خوب سمجھ لو کہ تم جو) بڑے بڑے عہدوں پر ہاتھ مار رہی ہو تو یہ ساری مصیبت جھیلنا خود خوف (حق) کی سبب سے ہے (کیونکہ تحصیل مال و جاہ بسبب خوف فقر و ذلت کے ہے اور فقر و ذلت خود من جانب اللہ ہے تو گویا وہ ساعی ڈرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو فقر میں مبتلا نہ فرمائیں پس یہ بے خونی کی دلیل نہیں بلکہ خوف کی دلیل ہے پس قیاس مذکور صحیح رہا لیکن چونکہ ثواب و عقاب عزم پر ہے اور یہ خوف اس کی زعم و عزم میں خوف حق نہیں اس لئے اس کے ثمرہ کا مستحق نہ ہوگا۔

ہر چہ جز عشق خدائے احسن ست	گر شکر خانیست آں جاں کندن ست
خدائے خوب تر کے عشق کے علاوہ جو کچھ ہے	اگر شکر خوری بھی ہے وہ جاں کنی ہے
چہست جاں کندن سوائے مرگ آمدن	دست را آب حیاتے نازدن
جان کنی کیا ہے؟ موت کی جانب چلنا ہے	آب حیات کو حاصل نہ کرنا ہے

خلق را دو دیدہ در خاک ممت	صد گماں دارند در آب حیات
مخلوق کی نگاہیں موت کی مٹی کی طرف ہیں	آب حیات میں سینکڑوں ٹکڑے کرتے ہیں
جہد کن تا صد گماں گردد نود	شب برو ورتو بخشی شب رود
کوشش کر کہ سو گمان نوے بن جائیں	رات کو سز کر اگر سو گیا رات چلی جائے گی
در شب تاریک جو آں روز را	پیش کن آں عقل ظلمت سوز را
اندھیری رات میں اس دن کی تلاش کر لے	تاریکی ختم کر دینے والی عقل کو رہنما بنا
در شب بد رنگ بس نیکی بود	آب حیواں جفت تاریکی بود
کالی رات میں بہت نیکیاں ہوتی ہیں	آب حیات اندھیرے میں ہوتا ہے
سر زخفتن کے تو اں برداشتن	با چنین صد تخم غفلت کاشتن
سوںے سے سر کب اٹھایا جا سکتا ہے؟	غفلت کے ایسے سو بیج بو کر
خواب مردہ لقمہ مردہ یار شد	خواجہ خفت و دزد شب بر کار شد
مردے کی سی ٹینڈا حرام لقمے پیارے بن گئے	بہناپ سو گئے اور رات کا چور کام میں لگ گیا

(یہ انتقال ہے مذمت طلب دنیا وغیرہ اللہ کی طرف یعنی ہم نے جو اوپر سعی الدنیا کو جان کندن سے تعبیر کیا ہے سو واقع میں) بجز عشق خدائے احسن کے جو کچھ بھی ہے اگرچہ وہ شکر خانی کیوں نہ ہو (یعنی کیسی ہی لذت ہو) مگر فی الحقیقت جان کندن رہی ہے (اور اس) جان کندن (کی حقیقت جانتے ہو) کیا ہے وہ یہ ہے کہ موت (یعنی دنیائے فانی) کی طرف آنا (جو سبب ہلاکت کا ہے) اور آب حیات (یعنی عشق الہی) کو حاصل نہ کرنا۔ مخلوق کی آنکھیں دنیائے فانی کی طرف لگ رہی ہے اور آب حیات (مذکور کے وجود اور نافع ہونے) میں سینکڑوں ضعف یقین رکھتے ہیں (اگر اپنی اصلاح منظور ہے تو) ریاضت اختیار کرو تا کہ ضعف یقین کے مراتب فیصدی نوے تو ہو جائیں (یعنی اگر یقین کا درجہ کمال حاصل نہ ہو تب بھی حرمان محض تو نہ رہے آگے ریاضت کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ) شب کو سلوک طے کیا کرو ورنہ شب تو ختم ہو ہی جائے گی اور شب تاریک میں اس نور (عشق الہی) کو طلب کیا کرو اور عقل (معاد) کو جو کہ ظلمت سوز ہے اپنا پیش رو بناؤ (یعنی اس کا اتباع کرو کہ وہ طلب حق کی طرف متوجہ کرتی ہے اور شب کو بے قدر نہ سمجھو کیونکہ) شب اگرچہ بد رنگ و سیاہ ہے مگر اس میں بری خوبیاں ہیں جیسے آب حیات (بقول مشہور) قرین ظلمت ہے اسی طرح عشق الہی کہ مشابہ آب حیات ہے اکثر شب خیزی سے میسر ہوتا ہے کیونکہ وہ وقت زیادہ توجہ رحمت اور نیز یکسوئی قلب کا ہے غرض جذب و انجذاب دونوں کامل ہوتے ہیں آگے شب خیزی کے موانع پر متنبہ فرماتے ہیں تاکہ ازالہ کیا جائے (یعنی) جب صد ہا تخم غفلت (و بے توجہی) کاشت کئے جاتے ہوں ایسی حالت میں خواب سے کب سرائٹھ سکتا ہے (یعنی جب قلب میں توجہ اور فکر نہ ہوگا شب خیزی دشوار ہے) اور خواب مردہ اور غذائے مردہ تمہارے قرین ہو رہے ہیں (خواب مردہ تو خواب غفلت و بے توجہی اور غذائے مردہ لقمہ حرام یہ سب موانع ہیں پس ان موانع سے) میاں سو گئے اور چور (نفس و شیطان) اپنے کام میں لگ گئے (اور خواب کو مردہ سے مقید کرنا مفید ہے اس کو کہ اعتدال کے ساتھ بہ نیت حفظ صحت کہ معین ہے عبادت میں خواب کرنا مضر باطن نہیں کما قیل نوم العالم عبادة)

تو نمیدانی کہ خصمانت کیند	ناریاں خصم وجود خاکیند
تو نہیں جانتا کہ تیرے دشمن کون ہیں؟	ناری' خاکیوں کے وجود کے دشمن ہیں
نار خصم آب و فرزندان اوست	ہمچنانکہ آب خصم جان اوست
آگ' پانی اور اس کی پیداوار کی دشمن ہے	جس طرح پانی اس کی جان کا دشمن ہے
آب آتش را کشد زیرا کہ او	خصم فرزندان آبت و عدو
پانی' آگ کو بجھا دیتا ہے کیونکہ وہ (آگ)	پانی کی پیداوار کی مخالف اور دشمن ہے
بعد ازاں ایں نار نار شہوت ست	کاندر واصل گناہ و زلت ست
اس آگ کے علاوہ ایک شہوت کی آگ ہے	جس کے اندر گناہ اور لغزش کی جڑ ہے
نار بیرونی بآبے بفسرد	نار شہوت تا بدوزخ می برد
بیرونی آگ پانی سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے	شہوت کی آگ جہنم تک لے جاتی ہے
نار شہوت می نیار آمد بآب	زانکہ دارد طبع دوزخ در عذاب
شہوت کی آگ' پانی سے نہیں بجھتی ہے	اس لئے کہ عذاب میں وہ دوزخ کا مزاج رکھتی ہے
نار شہوت را چہ چارہ نور دیں	نور کم اطفاء نار الکافرین
شہوت کی آگ کا کیا علاج ہے؟ دین کا نور (علاج ہے)	(جس طرح) تمہارا نور (ایمان) کافروں کی آگ کا بجھا دیتا ہے
چہ کشد ایں نار را نور خدا	نور ابراہیم را ساز اوستا
اس آگ کو کیا چیز بجھا سکتی ہے؟ خدا کا نور (بجھا سکتا) ہے	(حضرت) ابراہیم کے نور کو استاد بنا لے
تاز نار نفس چوں نمرود تو	وارہد ایں جسم ہمچوں عود تو
تاکہ تیرے نمرود جیسے نفس کی آگ سے	تیرا لکڑی جیسا جسم نجات پا جائے
شہوت نارے براندن کم نشد	او بماندن کم شود بے ہیچ بد
شہوت وہ آگ ہے جو پورا کرنے سے کم نہیں ہوتی ہے	وہ روکنے سے کم ہو جاتی ہے بغیر کسی چیز کے
تاکہ ہیزم می نہی بر آتشی	کے بمیرد آتش از ہیزم کشتی
تو آگ پر ایندھن کب تک رکھے گا؟	ایندھن ڈالنے والے سے آگ کب بجھ سکتی ہے؟
چونکہ ہیزم باز گیری نار مرد	زانکہ تقویٰ آب سوئے نار برد
جب تو ایندھن ہٹالے گا آگ مردہ ہو جائے گی	اس لئے کہ پرہیزگاری نے آگ پر پانی ڈال دیا ہے

(اوپر فرمایا ہے دوز و شب در کار شد یہاں ان اعداء کی تعین اور ان سے حفاظت کی تدبیر بتلاتے ہیں یعنی) تم نہیں جانتے کہ

تمہارے مخالف کون ہیں سو (ہم بتلاتے ہیں کہ) آتشِ خاکی کے مخالف ہوتے ہیں (یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے اور شیطان کا ناری اور انسان کا خاکی ہونا ظاہر ہے اور نار جس طرح خاک کی مخالف ہے اسی طرح) ناری پانی کی اور جو پانی سے مخلوق ہو اس کی مخالف ہے جیسے (اس کا عکس بھی ثابت ہے) کہ پانی اس نار کا مخالف ہے (یعنی جانبین سے عداوت ہے سو انسان کا آبی ہونا بھی ظاہر ہے قال اللہ تعالیٰ 'بد اخلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مہین اور جانبین میں سے اس کی عداوت ہونا بھی ظاہر ہے اور ہم بھی اس کے مامور ہیں قال اللہ تعالیٰ ان الشیطان لکم عدو فاتخذو عدوا آگے تقریر ہے آب و آتش کی عداوت حسیہ کی کہ) پانی آگ کو اس لئے بچھا دیتا ہے کہ چونکہ آگ آبی مخلوق کی مخالف اور دشمن ہے غرض ایک دشمن تو یہ شیطان ناری ہوا) اور اس کے علاوہ دوسری نار (جو دشمن انسان ہے) وہ نار شہوت ہے کہ انسان کو اندر گناہ و لغزش کی اصل بنا ہے (حاصل یہ کہ دوسرا دشمن نفس ہے جو منع ہے شہوت وغیرہ صفاتِ رذیلہ کا آگے اس کا اشد ہونا بیان کرتے ہیں کہ) نار خارجی تو ایک پانی سے بچھ جاتی ہے اور یہ نار شہوت دوزخ تک لے جاتی ہے اور اس کو پانی سے سکون نہیں ہوتا کیونکہ اس کی خاصیت ضرر رسانی میں دوزخ کی سی ہے (کہ وہ پانی سے نہیں بجھتی اور باہم شہوت و دوزخ کے متناسب ہونے کی تائید حدیث سے ہوتی ہے حفت النار بالشہوات پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ نار شہوت نار خارجی سے اشد ہے اور اگر نار خارجی کو عام لیا جائے کہ شامل ہو شیطان کو بھی تب حکمِ اشدیت کی یہ تقریر ہوگی کہ جس طرح آتشِ عنصری ایک پانی سے بچھ جاتی ہے اسی طرح شیطان ایک لاجول یا قدرے ذکر اللہ سے دفع ہو جاتا ہے مگر نفس کہ مار آستین ہے اس کی خباثت صرف اور اور اذکار سے نہیں جاتی آگے تحقیق فرماتے ہیں کہ) اچھا پھر اس نار شہوت کا کیا علاج ہے (اگر یہ طریق کافی نہیں خود جواب دیتے ہیں کہ) اس کا علاج نور دین ہے (یعنی نور معرفت جو ریاضت و مراقبات سے باطن میں پیدا ہو جاتا ہے) جیسا کہ تمہارے انور (ایمان قیامت میں) نار کا فرین (یعنی دوزخ) کو بچھا دے گا (اس روایت کے یہ لفظ مشہور ہیں جنزیا مومن فان نورک اظفا ناری مگر مجھ کو اس کی تحقیق نہیں اسی طرح) اس نار شہوت کو صرف نور الہی و نور معرفت و عشق الہی) بچھا سکتا ہے (مگر اس نور الہی کے حاصل کرنے کے لئے) نور ابراہیمی (یعنی فیضِ مرشدِ عامل) کو استاد اور رہبر بناؤ (یعنی مرشدگی متابعت اختیار کرو جس کی شان ابراہیم کی سی ہے کہ ان کو نور الہی حاصل تھا نار نمرودی نے اثر نہ کیا اسی طرح مرشد نے انوار الہیہ سے اپنی تہذیب کر لی تم اس سے وہ نور حاصل کرو) تاکہ تیرا یہ جسم جو (ضعف میں) مثل لکڑی کے ہے اس نار نفس سے جو (سرکشی میں) مثل نمرود کی ہے (یعنی نار شہوتِ نفسانیہ سے) نجات پا جائے (یعنی جسم سے معاصی جو مفطی الی النار ہیں سرزد نہ ہوں یہاں تک علاج نار شہوت کا بتلایا ہے چونکہ بعض کو یہ نظر شہوت مذمومہ کا علاج یہ سمجھتے ہیں کہ اس شہوت کو پورا کر لیا جائے تاکہ طبیعت خالی ہو جائے پھر توبہ کر لی جائے چنانچہ شیطان یہی دھوکہ دے کر بعض اطفالِ طریقت سے معصیت صادر کر دیتا ہے اس لئے مولانا اس کو دفع فرماتے ہیں کہ) یہ جو شہوت مثل نار کی ہے یہ پورا کرنے سے کم نہیں ہوتی البتہ ساکن (اور ضبط) کرنے سے ضرور گم ہو جاتی ہے (اس کی ایسی مثال ہے) کہ جب تک آگ پر لکڑیاں رکھتے رہو تو آگ اس ہیزم کش (کی اس تدبیر) سے کب بجھے گی البتہ اگر لکڑیاں نکال لو فوراً بجھ جائے گی (اسی طرح اسبابِ قضاء شہوت سے اس کو اور ہیجان ہوتا ہے اور تحرز سے قدرے تعب کے بعد جوش و خروش فرو ہو کر نسیا منسیا ہو جاتی ہے) کیونکہ تقویٰ (اور تحرز) اس نار (شہوت) کی طرف آب

(حفظ و معیت الہی) کو لے جاتا ہے (اس سے سکون ہو جاتا ہے جیسا قرآن مجید میں اتقوا اللہ پر یصلح لکم اعمالکم کو مرتب فرمایا گیا ہے اور فرمایا ہے ان اللہ مع المتقین تنبیہ: مولانا کا یہ علاج شہوت مذمومہ کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ اس سے بچنے کو تقویٰ سے تعبیر فرمانا اس کی دلیل ہے اور احقر نے کوئی نظروں کو بیان غلطی میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے اور شہوت مذمومہ میں شہوت حرام مطلقاً اور انہماک مباح میں دونوں داخل ہیں اب اس پر یہ شبہ نہیں ہوتا کہ حدیث میں وارد ہے کہ اگر کسی اجنبیہ کی طرف میلان ہو تو اپنی بی بی سے فراغت کر لے اس سے وہ خیال دفع ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں شہوت مذمومہ کو شہوت مباحہ سے دفع کیا گیا ہے اور شہوت مذمومہ سے تحرز ہی رہا اور مباح میں بھی انہماک نہیں ہوا بلکہ محض دفع ضرورت منظور نظر رہی چنانچہ خود اس حدیث میں جملہ ان الذی معہا مثل الذی معہا مقصودیت دفع ضرورت کو بتلا رہا ہے فافہم واللہ اعلم کو یا تحرز کا ایک طریق یہ بھی ہے۔

کونہد گلگونہ از تقویٰ القلوب	کے سیہ گرد ز آتش روئے خوب
اس لئے کہ اس نے دلوں کی پرہیزگاری کا غازہ لگایا ہے	خوبصورت چہرہ آگ سے کب سیاہ ہوتا ہے؟
کے زخاشا کے شود دریا نہاں	نار پا کاں را ندارد خود زیاں
کوڑے کرکٹ سے دریا کب چھپ سکتا ہے؟	آگ پاک لوگوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے
گر خورد زہرے مگولیش کو بمرد	ہر کہ تریاک خدائے را بخورد
اگر وہ زہر بھی کھالے تو اس کو مردہ نہ کہہ	جس نے خدائی تریاقت کھا لیا
از غسل پرہیز کن ہیں ہوش دار	گر طہیبت گوید اے رنجور زار
شہد سے پرہیز کر خردار اے ہوشیار!	اگر تجھ سے طہیب کہے کہ اے کمزور مریض!
کہ چرا تو میخوری بے ترس و بیم	گر جوابش گوئی از جہل اے سقیم
کہ تو بلا خوف و خطر کیوں کھا رہا ہے؟	اے بیمار! اگر تو نادانی سے اس کو جو ادے
کثر قیاسے کردہ چوں ابلہاں	گویدت در دل حکیم مہرباں
تو نے بیوقوفوں کی طرح غلط قیاس کیا ہے	مہربان طہیب! دل میں تجھے کہے گا
آب خم میں خود ز خوردن شدنگوں	آب چشمہ میں ز ریش شدنزوں
مٹکے کے پانی کو دیکھ پینے سے (مٹکا) اوندھا ہو گیا	چشمہ کے پانی کو دیکھ بہاؤ سے اور بڑھ گیا
وانکہ معمورست خود معمورتر	خور کند رنجور را رنجور تر
جو صحت مند ہے اس کو زیادہ صحت مند بنا دیتا ہے	کھانا بیمار کو زیادہ بیمار بنا دیتا ہے
ہیں مکن بانا رہیزم را تو یار	در تو علت می فروزد ہچونار
خبردار! ایندھن کو آگ کا یار نہ بنا	(کھانا) تجھ میں آگ کی طرح بیماری بڑھا دے گا

زیں دو آتش خانہ ات ویراں شود	قالب زندہ ازو بے جاں شود
ان دونوں آگوں سے تیرا گھر برباد ہو جائے گا	زندہ جسم ان سے مردہ ہو جائے گا
درمن ارنا رلیست ہست آل ہامچون نور	نار صحت در تن افزاید سرور
مجھ میں اگر آگ ہے تو وہ نور جیسی ہے	صحت کی آگ جسم میں سرور بڑھاتی ہے
نار صحت چوں فزاید در وجود	بے زیان تن شود صد گونہ سود
صحت کی آگ جب جسم میں بڑھتی ہے	جسم کے نقصان کے بغیر سو گونہ مفید ہوتی ہے

(اوپر شہوت مذمومہ کی آفات کا بیان تھا جس کا ایک شعبہ توسع فی المباح بھی ہے چونکہ بعض کا ملین سے ایسا توسع مشاہدہ میں آتا ہے اس لئے احتمال تھا کہ شاید کوئی ناقص تقلید کر کے ہلاک ہو اس مقام پر اس کی تحقیق فرماتے ہیں کہ) جو شخص خوب روتا ہے (یعنی حسن باطنی میں کامل ہوتا ہے) وہ آتش (شہوت) سے سیاہ رو نہیں ہوتا (یعنی شہوت اس کو ضرر نہیں کرتی مگر حرام میں نفی ضرر اس طریق سے ہے کہ اللہ تالی اس کو محفوظ رکھتے ہیں اور توسع فی المباح میں بالمعنی المبتدأ ہے کہ باوجود تلبس کے متضرر نہیں ہوتا وجہ اس کی یہی ہے کہ اس کی قوت بہیمیہ و سبعیہ مضحمل ہو گئی ہے اور ذکر اس کا ملکہ ہو گیا ہے اس لئے یہ توسع اس کو نہ حرام تک لے جاسکتا ہے نہ موجب غفلت ہو سکتا ہے بخلاف مبتدی کے کہ اس میں یہ احتمالات ہیں اس لئے بحیثیت علاج کے روکا جاتا ہے نہ کہ ترک کو قربت مقصودہ سمجھ کر شعبہ ہے بدعت و رہبانیت کا غرض یہ کہ کامل کو اس کا ضرر نہیں پہنچتا) کیونکہ وہ تقویٰ القلوب کا گلگونہ ملے ہوئے ہے (یعنی یہ برکت کمال تقویٰ اس کو ضرر نہیں ہوتا اور کمال اس کا وہی اضمحلال ذمائم و غلبہ ذکر ہے جیسا احقر نے اس کی تقریر کردی ایسی حالت میں ناقص کو اس کی تقلید نہ کرنی چاہیے کیونکہ) نار شہوت پاک لوگوں کو ضرر نہیں پہنچاتی اس کی ایسی مثال ہے کہ خاشاک سے دریا مستور نہیں ہو سکتا (پس وہ دریا ہیں اور شہوت خاشاک ان پر غالب نہیں آسکتی بخلاف ناقص کے) اور جو شخص تریاق خدائی کو کھالے گا (وہ تریاق تخلیہ و تحلیہ ہے) اگر وہ زہر بھی کھالے گا (یعنی جو ناقص کے حق میں مثل زہر کے ہے جیسے توسع مذکور) اس کو مت کہنا کہ ہلاک ہوگا (ایسے کامل پر اگر ناقص اپنے کو قیاس کرنے لگے تو اس کی ایسی مثال ہے کہ) جیسے تم کو کوئی طبیب کہے کہ بھائی شہد سے ذرا پرہیز رکھنا خیال رکھنا سو اگر اس کے جواب میں اس سے یوں کہنے لگو کہ تم بے دھڑک کیوں کھاتے ہو تو وہ اپنے دل میں (ضرور) کہے گا کہ یہ تم نے بالکل ہی غلط قیاس کیا ہے (کیونکہ ناقص کا قیاس کامل پر بڑا مغلط ہے چنانچہ ایک مثال میں سمجھاتے ہیں کہ) چشمہ کے پانی کو دیکھو کہ جس قدر بہتا ہے اور بڑھتا ہے اور ایک مٹکے کا پانی دیکھو کہ جہاں تھوڑی مدت پیا گیا اور مٹکا (خالی ہو کر اوندھا ہو گیا) (پس ثابت ہوا کہ ناقص کا قیاس کامل پر غلط ہے اور وہ طبیب یوں کہے گا کہ) قوی کھانا بیمار کو زیادہ بیمار بنا دیتا ہے اور جو (صحت سے معمور ہے اس کو) (قوت بخش کر) زیادہ تر معمور کر دیتا ہے اور (اے رنجور) تیرے اندر آگ کی طرح یہ کھانا بیماری کو ترقی دے گا تو خبردار تو ایسی حالت مت کرنا کہ نار اور ہیزم کو ملا دو (یعنی بد پرہیزی کر کے مرض کو بڑھا لو جس کی مثال آتش و ہیزم کے اجتماع کی سی ہے) کیونکہ یہ دونوں آتش (یعنی آتش عنصری اور آتش مرض) ایسے ہیں کہ ایک سے تو تیرا گھر ویراں ہو جائے گا اور وہ آتش عنصری ہے اور دوسری سے قالب زندہ بے جان ہو جائے گا (اور وہ آتش مرض ہے) اور میرے اندر جو (مقویات وغیرہ کھانے سے) آتش (یعنی حرارت) ہے تو وہ مثل نور کے ہے (کیونکہ وہ حرارت

صحت ہے) اور حرارت صحت جسم میں سرور زیادہ کرتی ہے اور جب یہ حرارت صحت وجود میں بڑھتی ہے تو بلا کسی ضرر جسمانی کے انواع فوائد بخشتی ہے (بخلاف رنجور کے کہ اس کو حرارت مغویات کی بوجہ ضعف اور فساد مادہ کے سخت مضر ہوگی اسی طبیب کی طرح کامل ناقص سے حالاً یا قالاً کہتا ہے کہ مجھ کو توسع مذکور مضر نہیں بلکہ بوجہ قوت علی الطاعت و مشاہدہ صفت منعمیت حق تعالیٰ کے موجب تقویت زیادت کمالات ہے اور تجھ کو مضر ہوگا جیسا اوپر سبب مضر ہونے کا گزر چکا۔)

آتش افتاد در شہر در زمان امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شہر میں آگ لگنا

اس کا ربط ما قبل سے اس طرح ہے کہ اوپر نار شہوت کے بجھنے کے لئے آب تقویٰ کی ضرورت ثابت کی تھی چنانچہ فرمایا تھا زانکہ تقویٰ آب سوئے نار برد آور فرمایا تھا کونہد گلکونہ از تقویٰ (القلوب یہاں اس کی تائید ہے کہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ آتش ظاہری کے بجھانے میں اس کو دخل تام ہے چنانچہ آگے آتش فرو نہ ہونے کی وجہ سے آتا ہے زبرائے ترس و تقویٰ و نیازف مجھ کو اس روایت کی تحقیق نہیں۔)

آتش افتاد در عہد عمرؓ	ہمچو چوب خشک میخورد او حجر
(حضرت) عمرؓ کے زمانے میں آگ لگ گئی	جو پتھروں کو لوکی لکڑیوں کی طرح جلا رہی تھی
در فقاد اندر بناؤ خانہا	تازد اندر پر مرغ ولانہا
تعمیرات اور گمروں میں لگ گئی	یہاں تک کہ پرندوں کے پروں اور گھونسلوں میں جاگی
نیم شہر از شعلہا آتش گرفت	آب می ترسید از ان ومی شکفت
آدھے شہر کو آگ کے شعلوں نے گرفت میں لے لیا	پانی اس سے خوفزدہ تھا اور تعجب کر رہا تھا
مشکھائے آب و سرکہ می زدند	برسر آتش کسان ہوشمند
پانی اور سرکہ کی مشکیں ڈال رہے تھے	ہوشمند انسان آگ پر
آتش از استیزہ افزودے لہب	می رسد او رآمد از صنع رب
آگ دہنی نے لپٹیں بڑھاتی تھی	اس کو اللہ (تعالیٰ) کی قدرت سے مدد پہنچ رہی تھی
آتش از استیزہ افزودے شدے	می رسید او رآمد از بے حدے
آگ جوش سے بڑھ رہی تھی	اس کو بے پایاں (قدرت) سے مدد پہنچ رہی تھی
خلق آمد جانب عمر شتاب	کا آتش ما خود می میرد ز آب
لوگ جلدی سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے	کہ ہماری آگ پانی سے نہیں بجھ رہی ہے
گفت آں آتش ز آیات خداست	شعلہ از آتش بجل شماست
انہوں نے فرمایا یہ آگ خدا (کے قہر) کی نشانیوں میں سے ہے	تمہارے بجل کی آگ کا شعلہ ہے

آب بگزارید و ناں قسمت کنید	بجل بگزارید اگر آن معید
پانی کو چھوڑو اور روٹیاں تقسیم کرو	بجل سے توپہ کرنا اگر تم میرے ہو
خلق گفتندش کہ در بکشودہ ایم	ما سخی و اہل فتوت بودہ ایم
لوگوں نے کہا کہ ہم نے تو دروازے کھول دیئے ہیں	ہم تو سخی اور جوانمرد پلے آتے ہیں
گفت ناں در رسم و عادت دادہ اید	دست از بہر خدا نکشادہ اید
انہوں نے فرمایا تم نے روٹی رواج اور عادت کی وجہ سے دی ہے	خدا کے لئے ہاتھ نہیں کھولا ہے
بہر فخر و بہر بوش و بہر ناز	نز برائے ترس و تقویٰ و نیاز
فخر اور شان و شوکت اور خود نمائی کے لئے (دیا ہے)	نہ کہ خوف (خدا) اور پرہیزگاری اور نیاز مندی کی وجہ سے
مال تخم ست و بہر شورہ منہ	تیغ را در دست ہر رہزن مدہ
مال ہے ہر شور زمین میں نہ ڈال	تکوار کو کسی ڈاکو کے ہاتھ میں نہ دے
اہل دیں را بازداں از اہل کیں	ہمنشین حق بجوبا او نشین
دینداروں اور دشمنوں میں فرق کر	اللہ (تعالیٰ) کا مقرب تلاش کر اس کا ہمنشین بن
ہر کسے بر قوم خود ایثار کرد	خواجہ پندارد کہ او خود کار کرد
ہر شخص نے اپنی قوم پر ایثار کیا ہے	جناب سمجھتے ہیں کہ آپ نے (بڑا) کام کیا ہے

یعنی حضرت عمرؓ کے وقت میں ایک بار ایسی آگ لگی کہ خشک لکڑی کی طرح پتھر کو جلانے ڈالتی تھی اور تمام عمارتوں اور گھروں میں پہنچ گئی حتیٰ کہ طیور کے پروں اور آشیانوں تک صدمہ پہنچا غرض نصف شہر شعلوں سے بھر گیا اور (گویا) پانی کو بھی اس سے خوف و تعجب ہوتا تھا ہوشیار لوگ پانی کے اور سرکہ کے (غرض جو کسی کو ملا اس کی) مشکلیں اس پر ڈالتے تھے مگر آگ کے شعلے اسی جوش و خروش سے ترقی پر تھے اور صنعت کردگار سے جو کہ بے پایاں ہے اس کو مدد پہنچ رہی تھی (جس کا سبب خاص بھی آگے آتا ہے اور اس میں دو شعروں کا مطلب آ گیا) حضرت عمرؓ کے پاس لوگ دوڑے ہوئے آئے کہ (خدا جانے کیا بات ہے) ہماری یہ آگ پانی سے فرو نہیں ہوتی آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آگ آیات (قبر) خداوندی سے ہے اور یہ تمہاری آتش بجل کا ایک شعبہ ہے (یعنی تمہارا بجل ہی سبب ہے قبر الہی کا) تم پانی ڈالنا تو موقوف کرو اور روٹیاں (مساکین کو) تقسیم کرو اور بجل ترک کرو اگر تم میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو (بجل سے مراد حقوق واجبہ کا امساک ہے خواہ واجب راتب ہوں جیسے زکوٰۃ وغیرہ یا غیر راتب ہوں جیسے کسی حاجت مند معذور کی امداد پر قدرت ہوتے ہوئے دریغ کرنا) لولوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم نے تو دروازہ (داد و ہش کا) کھول رکھا ہے اور باہم با سخاوت اور بافتوت ہو رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے روٹیاں بطور اسم و عادت کے دی ہیں اور خدا تعالیٰ کے واسطے ہاتھ نہیں کشادہ کیا محض فخر و ریا اور اترانے کے لئے دیا ہے نہ کہ خوف اور تقویٰ اور خضوع کی وجہ سے (اور شاید کوئی کہے کہ مال خرچ کرنا تو ہر طرح محمود ہی ہے تو وہ سمجھ لے کہ) مال کی مثال تخم کی سی ہے اس کو شورہ زمین میں مت ڈالو (کہ محض ضائع کرنا ہے اسی طرح غیر محل میں صرف

مت کرو) اور دوسری مثال یہ ہے کہ تلوار کور ہزن کے ہاتھ میں مت دو (اسی طرح ایسے شخص کو مت دو جو اس کو معین معصیت بنا دے) بلکہ اہل دین اور اہل عناد (یعنی اہل خلاف) میں امتیاز کرو (یعنی مال سے اہل دین کی اعانت کرو اور اہل خلاف کی مت کرو جیسا حدیث میں ہے لایا کل طعامک الاتقی لیکن طعام و کسوت حاجت اس سے مستثنیٰ ہے آگے ترقی کے طور پر فرماتے ہیں کہ صرف اعانت مالیہ ہی کی کیا تخصیص ہے کہ اہل دین کے ساتھ کی جائے بلکہ مطلق مجانست و مخالطت میں بھی اس کا لحاظ رکھو کہ) جلیس حق کو تلاش کر کے اس کے پاس بیٹھو (جلیس حق سے مراد جس پر ذکر الہی غالب ہو جیسا حدیث قدسی میں ہے انا جلیس من ذکر نی آگے پھر اس عطاء کا غیر محل میں ہونا بیان فرماتے ہیں کہ) ہر شخص نے چھانٹ چھانٹ کر اپنوں کو دیا (صرف اپنا سمجھ کر بلا لحاظ حاجت و مصلحت کے ورنہ صورت حاجت میں ان کی تقدیم خود منصرص ہے) اور پھر سمجھ یہ رہے ہیں کہ ہم نے اچھا کام کیا (یعنی اگر تقویٰ سبب عطا ہوتا تو اس میں اخلاص ہوتا حالانکہ حسب تقریر مذکور اخلاص نہیں ہے معلوم ہوا کہ منشاء اس کا تقویٰ نہ تھا)

قصہ خیوانداختن خصم در روئے امیر المومنین حضرت علیؑ وانداختن امیر المومنین علیؑ شمشیر از دست

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر ایک دشمن کے تھوک دینے کا قصہ اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ سے تلوار پھینک دینا۔

اوپر اخلاص بالتقویٰ اور بے اخلاصی کی مذمت تھی اس قصہ میں اخلاص ناشی عن التقویٰ کی مدح اور تغلیم ہے جیسے حضرت علی نے اس کافر کو بخوف مشارکت نفس چھوڑ دیا۔

از علیؑ آموز اخلاص عمل	شیر حق را داں مطہر از دغل
(حضرت) علیؑ سے عمل کا اخلاص سیکھ	اسد اللہ کو کھوٹ سے پاک سمجھ
در غز ابر پہلوانے دست یافت	زود شمشیرے بر آورد و شتافت
جہاد میں (حضرت علی نے) ایک پہلوان پر قابو پایا	جلد تلوار نکالی اور لپکے
او خیوانداختن بر روئے علیؑ	افتخار ہر نبی و ہر ولیؑ
اس نے (حضرت) علیؑ کے منہ پر تھوک دیا	جو ہر نبی اور ولی کے لئے باعث فخر ہیں
او خیوزد بر رخنے کہ روئے ماہ	سجدہ آرد پیش او در سجدہ گاہ
اس نے اس چہرے پر تھوکا کہ چاند	اس کے سامنے سجدہ گاہ میں سجدہ کرتا ہے
افتخار ہر ولیؑ و ہر صفی	کرد نار غیظ بر خود منطقی
ہر ولی اور ہر برگزیدہ کے لئے باعث فخر (علیؑ) نے	اپنے غصہ کی آگ کو بجھا دیا
در زماں انداختن شمشیر آں علیؑ	کرد او اندر غریش کاہلی
(حضرت) علیؑ نے فوراً تلوار ڈال دی	(اور) اس سے لڑنے میں سستی برتی

گشت حیراں آں مبارز زیں عمل	وز نمودن عفو و رحمت بے محل
وہ جبکہ اس عمل سے حیران ہو گیا	اور بے موقع عفو اور شفقت کرنے سے (حیران ہو گیا)
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چه افگندی مرا بگذاشتی
اس نے کہا 'آپ نے مجھ پر تیز تلوار اٹھائی	(پھر) کس وجہ سے آپ نے پھینک دی مجھے چھوڑ دیا؟
آنچه دیدی بہتر از پیکار من	تا شدی تو سست در اشکار من
آپ نے وہ کیا دیکھا جو مجھ سے لڑنے سے بہتر تھا؟	یہاں تک کہ آپ میرا شکار کرنے میں سست ہو گئے
آنچه دیدی کہ چنین شمت نشست	تا چنین برقی نمود و باز جست
آپ نے وہ کیا دیکھا کہ اس طرح آپ کا غصہ فرد ہو گیا؟	یہاں تک کہ وہ بجلی چمکی اور واپس ہو گئی
آنچه دیدی کہ مرازاں عکس دید	دردل و جاں شعلہ آمد پدید
آپ نے وہ کیا دیکھا کہ اس کے دیکھنے کے عکس سے میرے؟	دل اور جان میں شعلہ نمودار ہو گیا
آنچه دیدی برتر از کون و مکاں	کو بہ از جاں بود و بخشیدیم جاں
آپ نے وہ کیا دیکھا؟ جو کون و مکان سے برتر تھا	جو جان سے بھی پیارا تھا اور آپ نے میری جان بخشی کر دی
در شجاعت شیر ربانیستی	در مروت خود کہ داند کیستی
بہادری میں آپ شیر خدا ہیں	مروت میں کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ آپ کیا ہیں؟
در مروت ابر موسائی بہ تہ	کامد از وے خوان نان بے شبیہ
مروت میں آپ موسائی ابر ہیں (میدان) تہ میں	جس کی وجہ سے بے نظیر روئی کا خوان آیا

یعنی حضرت علیؑ سے اخلاص سیکھنا چاہیے اور اسد اللہ کو آمیزش ریاء سے پاک جاننا چاہیے جہاد میں کسی پہلوان پر آپ غالب آئے اور فوراً تلوار نکال کر اس پر دوڑے اس نے (جان سے ناامید ہو کر) نعوذ باللہ حضرت علیؑ کے چہرہ مبارک پر جن پر انبیاء و اولیاء کو افتخار ہے تھوک دیا (اور چونکہ افتخار کبھی بڑوں کو بھی چھوٹوں پر ہوتا ہے جیسے حدیث میں ہے کہ میں اور امتوں کے مقابلہ میں تم پر فخر کرونگا اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عرفات پر ملائکہ کے سامنے فخر فرماتے ہیں اس لئے کوئی اشکال نہیں اولیاء کا فخر تو یہ ہے کہ ہم میں ایسے بزرگ ہیں اور انبیاء کا یہ کہ ہمارے اتباع میں ایسے شخص ہیں) اس نے ایسے چہرہ پر نعوذ باللہ تھوکا کہ چاند کو بھی اس کے سامنے سجدہ کرنا زیا ہے (کنایہ ہے افضلیت سے) آپ نے اسی وقت تلوار پھینک دی اور اس کے جنگ میں التوا فرما دیا وہ حریف اس عمل سے اور اس بے محل عفو فرمانے سے نہایت متحیر ہوا (کیونکہ اس کا مقصدا ظاہر تو یہ تھا کہ اور بھی جلدی قتل کر ڈالتے) اور عرض کیا کہ آپ نے مجھ پر تلوار کا وار کیا پھر کس وجہ سے تلوار پھینک دی اور مجھ چھوڑ دیا (اور کافر کو چھوڑ دینے کا شبہ مسئلہ من سے کہ مجتہد فیہ ہے مدفوع ہے دوسرے کو معرکہ میں دوسرا شخص اس کے شر کو دفع کر سکتا ہے) آپ کو میرے جنگ و قتل سے بڑھ کر کیا چیز نظر آ گئی کہ آپ اس طرف مشغول ہو کر میرے مقابلہ و مقاتلہ میں ڈھیلے پڑ گئے اور ہو کیا چیز نظر آ گئی کہ آپ کا غصہ جاتا رہا اور ایسی برق غضب چمکی

اور لوٹ گئی وہ کیا چیز نظر آگئی کہ اس مشاہدہ کے عکس اور اثر سے خود میرے دل و جان میں ایک شعلہ سا نکل گیا (یعنی مجھ پر اثر ہوا اور آگے معلوم ہوگا کہ ان سے جو عمل صادر ہوا اخص تھا اور اخص کا منشا تو حید خالص ہے پس وہ نظر آنے والی چیز تو حید ہوئی اور اس کا اثر ہو جاتا مخالف پر عجیب نہیں بشیر الیہ قولہ تعالیٰ اذفع بالتی ہی احسن فاذا الذی بینک و بنیہ عداوت کانہ ولی حمیم اور وہ کیا چیز نظر آگئی کہ کون و مکان سے برتر ہے اور وہ جان سے بھی عزیز ہے) کیونکہ چھوڑنے میں ظاہر اپنی جان کا بھی اندیشہ تھا (اور آپ نے) اس کو دیکھ کر (میری جان بخشی کی) تو حید کا برتر از کون و مکان اور بہتر از جان ہونا ظاہر ہے (آپ شجاعت میں تو اسد اللہ (مسلم و مشہور) ہیں ہی مگر فتوت (اور عالی ہمتی) میں کون سمجھ سکتا ہے کہ آپ کس درجہ کے ہیں) کیونکہ مقاتلہ شجاعت سے تھا اور عفوفتوت سے) آپ کی شان فتوت میں ابر موسیٰ علیہ السلام کی سی ہے کہ وادی تیبہ میں اس سے نان و خوان بے مثل آتا تھا (جس طرح وہ مظہر انعام حق تھا آپ بھی ایسے ہی ہیں شاید من و سلویٰ کے نزول میں اس امر کا دخل مولانا کی نظر سے گزرا ہوگا ورنہ قرآن مجید میں صرف اس قدر مذکور ہے کہ سایہ کے لئے وہ ابر بھیجا گیا تھا واللہ اعلم)

ابراہیم گندم دہد کا نرا بچہ	پختہ و شیریں کند مردم چو شہد
ابراہیم گندم دہد کا نرا بچہ	لوگ پکاتے ہیں اور شہد کی طرح بیٹھا کر لیتے ہیں
ابراہیم موسیٰ پر رحمت برکشاد	پختہ و شیریں و بے زحمت بداد
ابراہیم موسیٰ پر رحمت برکشاد	پکا پکایا اور بیٹھا (کھانا) بغیر محنت کے عطا کیا
از برائے پختہ خواران کرم	رحمتش افراخت در عالم علم
از برائے پختہ خواران کرم	اس کی رحمت نے عالم میں جھنڈا بلند کر دیا
تا چہل سال آں وظیفہ واں عطا	کم نشد یک روز ز اہل رجا
تا چہل سال آں وظیفہ واں عطا	امیداروں سے ایک روز (بھی) کم نہ ہو
تا ہم ایشاں از حسیسی خاستند	گندنا و ترہ و خس خواستند
تا ہم ایشاں از حسیسی خاستند	گندنا اور کاہو اور ساگ کی خواہش کرنے لگے
جملگی گفتند با موسیٰ ز آرز	بقل وقتا و عدس سیر و پیاز
جملگی گفتند با موسیٰ ز آرز	سبزی اور گدڑی اور مسور اور لہسن اور پیاز (چاہیے)
زیں گداروئی و حرص و آرزشاں	منقطع شد من و سلویٰ ز آسماں
زیں گداروئی و حرص و آرزشاں	ان کی اس گداگری اور حرص اور طمع کی وجہ سے آسمان سے من اور سلویٰ بند ہو گیا

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اسمیں بیان ہے حال مشبہ بہ کا یعنی) اور ابر نو گندم اس طرح دیتے ہیں کہ اس کو لوگ محنت اٹھا کر مثل شہد کے پختہ و شیریں (یعنی کھانے کے قابل) بناتے ہیں اور ابر موسیٰ جو پر رحمت کھول کر آیا تو اسے پختہ و شیریں اور بے زحمت دیا اور جو لوگ کرم خداوندی سے پختہ خواری کے خوگر تھے ان کے لئے ان کی رحمت نے اپنا پھریرہ کھڑا کر دیا (شاید من و سلویٰ کا

تیار اور پختہ ہو کر آنا مولانا کو تحقیق ہوا ہو) غرض چالیس سال تک اس وظیفہ اور عطا میں ان امیدواروں سے ایک روز کی نہیں ہوئی یہاں تک کہ خود وہی اپنی پست حوصلگی سے اٹھے اور گندنا و ترکاری اور کاہو کی درخواست کی (لعموم البقل) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حرص کے مارے سب کہنے لگے کہ ترکاری اور ککڑی اور مسور اور لہسن اور پیاز کہاں ہیں (وہ چاہیں یہ سب چیزیں قرآن میں منصوص ہیں) ان کی اس گدا روئی اور حرص (کی شامت) سے من و سلوی آسمان سے منقطع ہو گیا) مولانا کا خیال معلوم ہوتا ہے کہ مثل ماندہ عیسیٰ علیہ السلام کے من و سلوی کا بھی نزول ہوتا تھا واللہ اعلم

امت احمد کہ ہستند از کرام	ہست باقی تا قیامت آں طعام
احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت جو شرفاء میں سے ہے	(اس کے لئے) وہ کھانا قیامت تک باقی ہے
چوں ابیت عند ربی فاش شد	یطعمم و یسقی کنایت ز اش شد
جبکہ "میں اپنے پروردگار کے پاس رات گزارتا ہوں" صاف آیا ہے	وہ کھلاتا ہے اور پلاتا ہے 'حریرہ سے کنایہ ہے
ہیج بے تاویل ایں را در پذیر	تا در آید در گلو چوں شہد و شیر
اس کو بغیر کسی تاویل کے مان لے	تاکہ تیرے طلق میں شہد اور دودھ کی طرح آئے
زانکہ تاویل ست وا داد عطا	چونکہ بیند آں حقیقت را خطا
اس لئے کہ تاویل کرنا خدا کی بخشش کو رد کرنا ہے	کیونکہ وہ حقیقت کو غلط سمجھ رہا ہے
آں خطا دیدن ز ضعف عقل اوست	عقل کل مغزست و عقل جزو پوست
وہ غلط سمجھتا اس کی عقل کی کمزوری کی وجہ سے ہے	عقل کل مغز ہے اور عقل جزو چمکا ہے
خویش را تاویل کن نہ اخبار را	مغز را بدگوئی نے گلزار را
اپنی تاویل کرنا حدیثوں کی تاویل نہ کر	دماغ کو برا کہنا نہ کہ باغ کو

(اس میں مدح ہے امت محمدیہ کی بمقابلہ بنی اسرائیل کے ان سے طعام غیبی منقطع ہو گیا مگر اس امت میں ورثہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم باقی ہے یعنی) امت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اکرم الامم ہیں ان کے لئے وہ طعام غیبی قیامت تک باقی ہے (آگے اس کا بیان ہے) جبکہ (حدیث میں) ابیت عند ربی صاف آیا ہے تو یطعمم و یسقی عبارت آش (بالمعنی اکتفی) سے ہے (حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو صوم وصال سے یعنی جس میں نہ افطار ہونہ سحر منع فرمایا صحابہ نے عرض کیا کہ حضور رکھتے ہیں یعنی اور ہم شائق اتباع ہیں و حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایکم مثلی ابیت عند ربی لطمعینی و یسقی یعنی تم میں میری برابری کون کر سکتا ہے میں تو قرب الہی میں شب بسر کرتا ہوں اور مجھ کو کھلا پلا دیتے ہیں اس حدیث میں تین احتمال ہیں اول یہ کہ طعام غیبی حسی مراد ہو اور شبہ فساد صوم کا ابیت سے رفوع ہے کیونکہ شب کو کھانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اور حاصل جواب یہ ہوگا کہ پھر وصال کہاں رہا دوسرا احتمال یہ کہ طعام سے مراد غذائے روحانی ذکر و فکر ہو اور اثر اس کا مثل طعام حسی کے قوت حسیہ ہو کر مغنی عن الطعام ہو جائے حاصل جواب یہ ہوگا کہ علت نہیں کی ضعف سے اور میرے لئے اس کا تدارک ہو جاتا

ہے تیسرا یہ کہ غذا بھی روحانی ہو اور اثر بھی قوت روحانیہ ہو حاصل جو اب یہ ہوگا کہ ہم کو اشتغال بالکیلیات الروحانیہ سے الم جوع محسوس نہیں ہوتا پس ثالث میں طعام اور اثر دونوں محمول مجاز پر ہیں اور ثانی میں طعام مجاز پر محمول اور اثر حقیقت پر اور اول میں دونوں محمول ہیں حقیقت پر پس ثالث مجاز محض ہے ثانی حقیقت قاصرہ اول حقیقت کاملہ اور اکثر اہل ظاہر احتمال ثالث کی طرف گئے ہیں مولانا ان پر رد فرماتی ہیں کہ حدیث میں صریح الفاظ ہیں اور کوئی قرینہ صارفہ عن الحقیقۃ نہیں ہے پھر کیوں تاویل کی جائے اب دو احتمال حقیقت کے رہ گئے اول حقیقت کاملہ ثانی حقیقت قاصرہ اور مولانا کا کلام دونوں کو محتمل ہے اگر اول مراد ہو تو یہ نوادر و خوارق سے ہے اور رد کا مخاطب منکر کرامات ہے اور اگر ثانی مراد ہو تو وہ ذاکرین کے احوال غالبہ الوقوع سے ہے اور رد کا مخاطب منکر ذوقیات ہے خوب سمجھ لو غرض دونوں معنی حقیقی کے اعتبار سے اس طعام کا بقاء امت میں ثابت ہو اور کنایت سے مراد عبارت ہے جیسا احقر نے تصریح کر دی ہے آگے تفصیل ہے رد کی یعنی) چندے بلا تاویل (ومجاز) اس (حدیث کے معنی) کو قبول کر لو تا کہ تمہارے حلق میں (باعتبار ذات یا اثر کے) شہد و شیر کی طرح پہنچے (وجہ ترتیب یہ ہے کہ جو شخص اول محض تقلید سے حقیقی معنی پر محمول کرے گا وہ اس کے حصول کی سعی کر سکتا ہے اور اس کا امیدوار ہو سکتا ہے اور وعدہ کان سعیم مشکورا اور انا عند ظن عبدی بی صادق اس لئے وہ بعد چندے مشرف ہو سکتا ہے بخلاف اس شخص کہ مجاز پر محمول سمجھتا رہے) کیونکہ تاویل (و حمل علی المجاز) عطائے الہی (ایک گونہ) واپس کرنا چاہے چونکہ اس حقیقت کو (جو کہ عطائے الہی ہے) خلاف واقع سمجھتا ہے (اس لئے اس سے بعد ہوتا جاتا ہے اور قرب حصول کو بعد سے مبدل کرنا یہ بھی مشابہ واپسی کی ہے) اور یہ خلاف واقع سمجھنا محض اس کے ضعف عقل (معاد) سی ہے اور عقل کامل یعنی عقل معاد کی مثال مغز کی سی ہے اور عقل ناقص یعنی عقل معاش کی مثال پوست کی سی ضعف و قوت عقل معاذ ہی کا معتبر ہے) سو تم اپنی تاویل کرو احادیث کی مت کرو (یعنی اپنے فہم و درست کرو تا کہ معنی حقیقہ سمجھنے لگو) اور اپنے مغز کو برا کہو نہ باغ کو (یعنی باغ صفت حقیقی خوشبو ہے اگر اس کا ادراک نہ ہو تو اپنی مدر کہ کا تصور سمجھو نہ یہ کہ مدر کہ کو تو صحیح الادراک سمجھو اور باغ سے اس کی صفت حقیقیہ کی نفی کر کے بدبو کو ثابت کرنے لگو یہی حال نصوص کے معانی حقیقہ اور اپنے فہم کا سمجھنا چاہیے)

اے علیؑ کہ جملہ عقل و دیدہ	شمہ وا گو از انچہ دیدہ
اے علیؑ! جو تم کو مجسم عقل و نظر ہو	جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس میں سے کچھ بتا دو
تیغ حکمت جان مارا چاک کرد	آب علمت خاک مارا پاک کرد
آپ کی بردباری کی تلوار نے ہمیں قتل کر ڈالا	آپ کے علم کے پانی نے ہماری مٹی کو پاک کر دیا
باز گودانم کہ ایں اسرار ہوسست	زانکہ بے شمشیر کشتن کار اوست
بتائیے! میں سمجھا کہ یہ خدائی رازوں میں سے ہے	اس لئے کہ بغیر تلوار کے قتل کرنا اسی کا کام ہے

(یہ مقولہ ہے اس پہلوان کا یعنی) اے علیؑ آپ تو سراسر عقل و بصیرت ہیں آپ کو جو کچھ نظر آیا ہے اس میں سے کچھ فرمائیے آپ کی تیغ حکم نے ہماری جان کو چاک کر ڈالا (یعنی اس حکم کا قلب میں قوی اثر ہوا) اور آپ کے آب علم نے (جس سے یہ حکم پیدا ہوا) ہماری خاک کو (یعنی ہماری ہستی کو) پاک کر دیا (باین معنی کہ کینہ و عداوت آپ سے نہ رہا اور یہ پاکی ہے بعض اخلاص رذیلہ سے گو کسی خاص شخص

ہی کے ساتھ سہی) ہاں (مفصل فرمائیے) (گواجمالاً) اتنا تو جانتا ہوں کہ یہ (یعنی اس حالت کا منشا) منجملہ اسرار الہیہ ہے (کہ آپ کے قلب پر اس کا ورود فرمایا ہے) کیونکہ بے شمشیر کے قتل کرنا یہ ان ہی کا کام ہے (سواصل سبب میرے کشتہ رحلم ہونے کا وہ امر منجانب اللہ ہے جس سے آپ کا حلم سبب ہے اور اوپر عرض کر چکا ہوں کہ وہ منشا تو حید ہے اور اس کے ورود کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے)

صانع بے آلت و بے جارحہ	واہب ایں ہدیہ ہائے راحہ
وہ بغیر اوزار اور ہاتھ کے صانع ہے	وہ ان قیمتی تحفوں کا عطا کرنے والا ہے
صد ہزاراں روح بخشند ہوش را	کہ خبر نبود دو چشم و گوش را
ہوش و حواس کو لاکھوں رو میں عطا کر دیتا ہے	(اس طرح) کہ دونوں آنکھوں اور کانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے
صد ہزاراں مے پشاند روح را	کہ خبر نبود دہاں را اے فتی
روح کو لاکھوں شرابیں پلا دیتا ہے	(اس طور پر) کہ اے نوجوان امنہ کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا یعنی اللہ تعالیٰ کے معطی اسرار و فاعل بے آلت تیغ وغیرہ ہونے کی یعنی) وہ بدوں آلات و جوارح کے صنایع ہیں اور ان ہدایائے پرسود کے معطی ہیں (آگے ان ہدایا کا بیان ہے کہ) لاکھوں راحتیں ہوش کو (یعنی عقل کو) ایسی عطا فرماتے ہیں کہ آنکھ اور کان (باوجود یہ کہ جو ایسی العقل ہیں مگر ان) کو خبر بھی نہیں ہوتی (اور ہر چند کہ یہ امر جمیع عقلیات کو عام ہے مگر مراد مولانا کی خاص حقائق و معارف ہیں) اور لاکھوں شرابیں (محبت الہیہ کی) روح کو ایسی چکھاتے ہیں کہ منہ (جو آلہ ہے کھانے پینے کا اس) کو خبر بھی نہیں ہوتی (اور ظاہر ہے کہ محبت کا ادراک منہ کو نہیں)

باز گواے باز عرش و خوش شکار	تاچہ دیدی ایں زماں از کردگار
اے عرش کے باز بہترین شکار کرنے والے اٹائیے	آپ نے اس وقت خدا کی جانب سے کیا دیکھا؟
چشم تو ادراک غیب آموختہ	چشمہائے حاضران بردوختہ
آپ کی نگاہ غیب کا ادراک سکھے ہوئے ہے	حاضرین (مجلس) کی آنکھیں سلی ہوئی ہیں

(یہ مقولہ ہے اس مبارز کا یعنی) اے باز عرش جو صید اسرار کو خوب لیتا ہے مفصل بتلائیے کہ آپ نے اس وقت حق تعالیٰ کی طرف سے کیا دیکھا (کیونکہ) آپ کی چشم (باطنی) ادراک اسرار غیبیہ کی مشاق ہے (اگرچہ) اور حاضران مجلس کی آنکھ (اس کے ادراک سے) بند ہے

آں یکے ماہے ہمی بیند عیاں	واں یکے تاریک می بیند جہاں
ایک وہ ہے جو چاند کو صاف دیکھ رہا ہے	ایک وہ ہے جو دنیا کو تاریک دیکھ رہا ہے
واں یکے سے ماہ می بیند بہم	ایں سے کس بنشستہ یک موضع بنم
ایک وہ ہے جو تین چاند یکجا دیکھتا ہے	یہ تینوں شخص ایک جگہ مستغرق ہوئے بیٹھے ہیں
چشم ہر سے باز و گوش ہر سے تیز	در تو آویزان و از من در گریز
تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور تینوں کے کان تیز ہیں	تجھ سے متعلق ہیں اور مجھ سے متنز ہیں

سحر غیب ست اس عجب لطف خفی ست	بر تو نقش گرگ و بر من یوسفی ست
یہ غیبی جادو ہے عجب مخفی معاملہ ہے	تیرے لئے بھڑیے کا نقش ہے اور میرے لئے یوسفی (نقش) ہے
عالم را ہجدہ ہزار ستو فزوں	ہر نظر را نیست اس ہجدہ زبوں
عالم اٹھارہ ہزار ہیں بلکہ اور زیادہ	یہ اٹھارہ ہزار ہر نظر کے قابو میں نہیں ہیں

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا تفاوت اہل ادراک کے یعنی) ایک وہ شخص ہے جو چاند کو صاف دیکھ رہا ہے (مراد سے ماہ تشبیہا حق تعالیٰ ہیں اور بیند سے مراد مشاہدہ ہے جس کی تفسیر کئی بار گزر چکی ہے اور اس کو عیاں کہنا مجازاً ہے باعتبار اطمینان تام کے یعنی مشاہدہ وغلبہ توجہ بحق سے مشرف ہے اور خلق کی طرف اصلاً ملتفت نہیں) اور ایک دوسرا شخص وہ ہے جو عالم کو تاریک دیکھ رہا ہے (یعنی صرف مخلوق پر اس کی نظر التفات ہے اس کو مرآة مشاہدہ انوار حق نہیں بنایا اور مصنوع سے صانع کی طرف توجہ منصرف نہیں کہ گویا عالم اس کی نظر میں تاریک ہے) اور ایک تیسرا شخص وہ ہے جو تین چاند دفعۃً دیکھ رہا ہے (مراد اس سے وہ شخص ہے جو ایک حالت میں حق اور خلق پر نظر رکھتا ہے پس ایک ماہ تو حق تعالیٰ ایک ماہ خلق باعتبار مرآت ہونے حق کے ورنہ بدوں مرآتیتہ کے ابھی تاریک کہہ چکے ہیں تیسرا ماہ یہ مجموعہ دو ماہ کا اور ہر چند کہ اس مجموعہ کا کہ موجود اعتباری ہے شمار کرنا ضرور نہ تھا لیکن چونکہ نظر بحق و نظر بخلق کا جمع علی سبیل التعاقب اس مرتبہ میں مقصود بالحکم نہیں بلکہ علی سبیل الاجتماع ملحوظ ہے اس مجموعہ کے اعتبار کرنے سے اس اجتماع کی طرف اشارہ ہو گیا کیونکہ مجموعہ میں بہت وجدانیہ کا اعتبار ضروری ہے اور وحدت و اجتماع دونوں کا مترادف ہیں پس بہم تاکید کے لئے ہے اور ان مراتب ثلاثہ سے اول و اصطلاح میں جمع کہتے ہیں ثانی کو فرق ثالث کو جمع الجمع غرض یہ تین قسم کے اشخاص ہیں) اور تینوں (ظاہر میں) ایک جگہ مگر اپنے اپنے خیال میں مست بیٹھے ہیں (غم بمعنی مطلق خیال مجازاً) اور تینوں کی آنکھیں کھلی ہوئی اور تینوں کے کان تیز (یعنی ظاہری وحسی حالت یکساں مگر پھر اس قدر تفاوت کہ) ایک حالت ایک شخص سے قریب اور متعلق اور دوسرے سے بعید و نفور (مثلاً مشاہدہ حق کہ صاحب جمع سے قریب اور صاحب فرق سے بعید اور یہاں من و تو سے مراد صرف یکے و دیگر ہی ہے بلا لحاظ معنی تکلم و خطاب) یہ تفاوت عظیم (باوجود تقارب امکانہ و احوال کے) ایک غیبی سحر (یعنی تصرف عجیب) اور عجب خفی اور لطیف (یعنی متعسر الادراک) امر ہے کہ ایک حالت ایک شخص کے لئے نقش گرگ ہے اور دوسری کے لئے نقش یوسفی ہے مثلاً (مشاہدہ خلق کہ صاحب فرق کے لئے مضر اور مہلک اور صاحب جمع الجمع کے لئے عین ایمان و عرفان) اور گو عالم اٹھارہ ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں (جیسے عالم انسان عالم اسد عالم فرس پس عوالم سے مراد انواع ہیں اور مراد محض کثرت ہے) مگر (اس تفاوت نظر کی وجہ سے) یہ عوالم ہر نظر کے تابع نہیں ہیں (یعنی سب کو ادراک نہیں ہوتا باعتبار آلہ معرفت ہونے کے)

راز بکشا اے علی مرتضیٰ	اے پس سوء القضا حسن القضا
اے علی مرتضیٰ! راز کھول دیجئے	اے وہ (ذات) جو بدستی کے بعد خوش نصیبی بن گئی ہے
یا تو واگو انچہ عقلت یافت ست	یا بگویم انچہ بر من تافت ست
یا تو آپ بتائیے جو کچھ آپ کی عقل نے سمجھا ہے	یا میں بتاتا ہوں جو مجھ پر منکشف ہوا ہے

از تو بر من تافت چوں داری نہاں	میفشانی نور چوں مہ بے زباں
آپ کی ذلت سے مجھ پر مکشف ہو گیا ہے پہچانتے کیوں ہیں؟	آپ تو بغیر کبے چاند کی طرح نور پاشی کرتے ہیں
از تو بر من تافت پنہاں چوں کنی	بے زباں چوں ماہ پر تو می زنی
آپ پہچانتے کیوں ہیں آپ ہی سے مجھ پر واضح ہو گیا ہے	آپ تو چاند کی طرح بغیر ہات کبے روشنی پھیلاتے ہیں
لیک اگر درگفت آید قرص ماہ	شبر داں را زود تر آرد براہ
لیکن اگر چاند کی نکیا بول پڑے	تو مسافروں کو جلد راستہ پر لے آئے
از غلط ایمن شوند و از ذہول	بانگ مہ غالب شود بر بانگ غول
غلطی اور بھول سے وہ محفوظ ہو جائیں	چاند کی آواز چلاوے کی آواز پر غالب آ جائے
ماہ بے گفتن چو باشد رہنما	چوں بگوید شد ضیا اندر ضیا
جب چاند بغیر بولے رہنما ہوتا ہے	اگر بولے تو نور علی نور بن جائے

(یہ مقولہ ہے اس مبارز کا یعنی) اے علی مرضی آپ اس راز کو کھول دیجئے اور آپ تو میرے حق میں قضائے ضار کے بعد قضائے خیر بن گئے (کہ بعد قصد قتل کے عفو فرما دیا) یا تو آپ فرمائیے جو کچھ آپ کے باطن کو ملا ہے یا (نہیں تو) میں کہوں جو کچھ (آپ کی حالت سے) مجھ پر منعکس ہو گیا ہے اور (جب) مجھ پر اس کا عکس پڑ چکا ہے (جس سے مجھ کو اطلاع ہو گئی) پھر آپ کیوں پوشیدہ فرمائے ہیں (اور وجہ انعکاس کی یہ ہوئی کہ) آپ مثل چاند کے ہیں جو بدوں (گویائی) زبان (کے) نور افشانی کرتا ہے لیکن (باوجود نور افشانی بے زبان کے کہ راہ بینی کے لئے کافی ہے) اگر قرص ماہ بولنے بھی لگے تو شب کے چلنے والوں کو بہت جلدی راہ پر لگاؤ دے (کہ کچھ تامل بھی نہ کرنا پڑے) اور غلطی اور خیال سے اتر جانے سے (بالکل) مامون ہو جائیں (ورنہ اس کا احتمال رہتا ہے) اور کلام ماہ کلام غول بیابانی پر غالب آ جائے (اور کذب غول کا بد یہی ہو جائے) اور چاند جبکہ بلا کلام کئے ہوئے (محض نور سے) رہنما ہوتا ہے تو اگر بولنے بھی لگے تو (سبحان اللہ) نور علی نور ہو جائے (اسی طرح اگر آپ اپنی حالت خود ارشاد فرمائیں گے تو اطمینان و نفع کامل ہو گا ورنہ تردد بھی رہے گا اور احتمال غلط فہمی کا بھی ہے ف اس مقام سے مستبط ہوتا ہے کہ باطنی نفع زندہ شیخ سے زیادہ ہوتا ہے بالخصوص جس کا سلوک کامل نہ ہو اور کیونکہ وہ بولنے پر قادر ہے ہر امر کو مفصل بتلا سکتا ہے اور اس کے بیان سے اپنے حالات و واردات کا ایہام دفع ہو جاتا ہے بخلاف میت کے کہ صرف تقویت نسبت کا فائدہ تو اس سے ہوتا ہے مگر تعلیم و تلقین جو مدار اعظم ہے مفقود ہے اور اگر خرق عادت کے طور پر کبھی تکلم کا اتفاق بھی ہو جائے تب بھی یہ تفصیل اور سطر کہاں نصیب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تقریر بہ نسبت تحریر کے زیادہ نفع ہے کیونکہ تحریر میں بہت سی تفصیل ضبط نہیں ہو سکتی پس شیخ کے حضور میں استفادہ افضل ہے غیبت میں خط و کتابت کرنے سے اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہاں علم قال کو ترجیح دی جا رہی ہے اور پہلی مرجوع فرمائے ہیں جو اب یہ ہے کہ مرجوع قال ہے غیر اہل حال کا اور راجح قال ہے صاحب حال کا طالب کے لئے کیونکہ اس کے قال میں دونوں امر یعنی قال و حال مجتمع ہیں اور ظاہر ہے الا ثنان خیر من الواحد)

چوں تو بابی آل مدینہ علم را	چوں شعاعی آفتاب حلم را
جبکہ آپ علم کے شہر کا دروازہ ہیں	جبکہ آپ بردباری کے سورج کی شعاع ہیں
باز باش اے باب بر جو یائے باب	تارسد از تو قشور اندر لباب
اے دروازے! دروازے کی جستجو کرنے والے کیلئے کھلا رہ	تاکہ تیری وجہ سے چھلکے مغز کے مرتبہ میں پہنچ جائیں
باز باش اے باب رحمت تا ابد	بارگاہ مالہ کفواً احد
اے رحمت کے دروازے! قیامت تک کھلا رہ	اس ذات کی بارگاہ جس کا کوئی ہمسر نہیں ہے
ہر ہوا و ذرہ خود منظرے ست	ناکشودہ کے بود کا نجا درے ست
ہر ہوا اور ہر ذرہ ایک درپچہ ہے	جس جگہ دروازہ ہوتا ہے وہ بند کب رہتا ہے؟
تانہ بکشاید درے را دید باں	در دروں ہرگز نہ گنجد ایں گماں
نگران! جب تک دروازہ نہ کھولدے	یہ خیال دل میں نہیں جتا ہے
چوں کشادہ شد درے حیراں شود	مرغ امید و طمع پراں شود
جب دروازہ کھلتا ہے حیران ہو جاتا ہے	امید اور طمع کا پرندہ پرواز کرنے لگتا ہے
غافلے ناگہ بویراں گنج یافت	سوئے ہر ویرانہ ز اں پس می شتافت
ایک نادان کو اچانک ویرانہ میں خزانہ مل گیا	اس کے بعد وہ ہر ویرانے کی طرف دوڑتا ہے
تاز درویشے نیابی تو گہر	کے گہر جوئی ز درویش دگر
جب تک ایک درویش سے تجھے موتی نہ مل جائے	تو دوسرے درویش سے موتی کب ڈھونڈے گا؟
سالہا گر ظن دود با پائے خویش	نگذر دزاشگاف بینیہائے خویش
(تیرا) خیال سالوں بھی اپنے پیر سے دوڑے گا	تو اپنی ناک کے نتھنوں سے آگے نہ بڑھے گا
تابہ بینی نایدت از غیب بو	غیر بینی ہیج می بینی بگو
جب تک تیری ناک میں غیب کی خوشبو نہ آئے	بتا! ناک کے علاوہ تجھے کچھ نظر آئے گا

یہ بھی مقولہ ہے اس مبارز کا یعنی) اے علیؑ جب آپ مدینہ العلم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے باب (یعنی مظہر علم) ہیں (جیسا ایک متکلم فیہ حدیث میں ہے انا مدینہ العلم و علی بابہا) اور جب آپ آفتاب علم (ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے شعاع ہیں (یعنی علم و عمل دونوں میں مظہر ذات پاک حضور نبوی ہیں) تو اے باب آپ کو جو یائے باب پر مفتوح رہنا چاہیے تاکہ آپ کی بدولت پوست (یعنی ناقص) درجہ مغز (یعنی کمال کو پہنچ جائے اور اے باب رحمت درگاہ ذات بے مثل جل شانہ کے آپ کو چاہیے کہ مدت انعمہ تک مفتوح رہیے (اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ باب ہونے میں میری کیا تخصیص ہے ہر ذرہ کائنات کا طالب حق کے لئے باب

وصول ہے تو اس کے متعلق یہ التماس ہے کہ (بے شک ہر ہوا اور ہر ذرہ دریچہ (مشاہدہ جمال الہی) ہے اور (یہ بھی مسلم کہ) جہاں (خاص وصول طالبین کی غرض سے) ڈر ہوتا ہے وہ ناکشادہ نہیں ہوتا (تو بہت سے ابواب وصول الی الحق کے مفتوح ہیں لیکن) جب تک دید بان (یعنی عارف کامل اول) کسی دروازہ کو نہ کھول دے (یعنی صاحب معرفت نہ کر دے) اس وقت تک یہ گمان (کہ ہر ذرہ باب وصول ہے) دل میں بھی نہیں جمکتا (پھر اس کو وسیلہ طلب کیسے بنائے گا پس پھر بھی آپ ہی کی توجہ و تعلیم موقوف علیہ ٹھہری) البتہ اگر (عارف کامل کی توجہ سے) ایک باب بھی (معرفت کا) کشادہ ہو جائے تو اس میں حیرت (محمودہ) پیدا ہو (اور اس سے انکشاف حقیقت کی) امید و طمع کا مرغ (آگے کو) پرواز کرنے لگے (کیونکہ حیرت ہوتی ہے انکشاف من وجہ سے اور انکشاف من وجہ سے شوق ہوتا ہے انکشاف باقی وجوہ کا) اس کی ایسی مثال کہ کسی ناواقف کو ویرانہ میں خزانہ مل گیا پھر وہ ہر ویرانہ میں دوڑا جاتا ہے اسی طرح جب تک ایک درویش سے کوئی جوہر (نعمت باطنی) تم کو نہ ملے گا تو دوسرے درویش سے دوسری نعمت باطن کب ڈھونڈو گے (اور بدوں کم و بیش فتح باب باطن کے) نرا خیال ہے خیال تو سا لہا سال بھی اگر دوڑتا رہے تب بھی سوراخ بنی سے آگے نہ جائے گا اور بج تک بنی (باطن) میں کچھ غیب کا راز نہ آئے تو بتلاؤ کہ اس وقت تک بجز (ظاہری) بنی کے اور بھی کچھ نظر آتا ہے ف اس میں تعلیم ہے کہ بدوں فیض مرشد کامل کے مناسبت باطن سے نہیں ہوتی اور بدوں اس مناسبت کے ترقی نہیں ہوتی تو صرف اپنی استعداد علمی و کتب بنی و ذہانت پر رہنا وصول میں ناکافی ہے مرشد ڈھونڈو

سوال کردن از امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کہ چون بود کہ بر خون ہمچو منی مظفر شدی و شمشیر از دست انداختی و مرا نکشتی

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنا کہ یہ کیا ہوا کہ مجھ جیسے کے قتل پر آپ قابو پا گئے اور آپ نے ہاتھ سے تلوار پھینک دی اور مجھے قتل نہ کیا

پس بگفت آں نو مسلمان ولی	از سر مستی و لذت با علیؑ
اس نو مسلم ولی نے کہا	حضرت علیؑ سے لذت اور سرستی کی حالت میں
کہ بفرمایا امیر المومنین	تا بچبد جاں بہ تن ہمچو جنین
کہ اے امیر المومنین! فرمائیے	تاکہ روح جسم میں دھد کرنے پیٹ کے بچہ کی طرح

(پھر عود ہے قصہ کی طرف یعنی) اس نو مسلم ولی نے مستی اور لذت سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا امیر المومنین اس کی وجہ فرمائیے تاکہ جان کو تن میں حرکت (وجدیہ) ہو جس طرح بچہ کو (شکم میں) ہوتی ہے ف معلوم ہوا کہ وہ شخص آپ کی برکت سے مسلمان بلکہ صاحب باطن ہو گیا تھا۔

ہفت اختر مر جنین را مدتے	میکند اے جاں نبوت خدمتے
ساتوں ستارے ایک مدت تک پیٹ کے بچہ کی	ہاری ہاری خدمت کرتے ہیں اے جان!

چونکہ وقت آید کہ جاں گیر جنین	آفتابش آں زماں گرودمعین
جب یہ وقت آتا ہے کہ بچہ میں روح آجائے	اس وقت سورج اس کا مددگار بنتا ہے
چوں جنین را نوبت تدبیر و رو	از ستارہ سوئے خورشید آید او
جب پیٹ کے بچہ کی پیدائش کا وقت آ جاتا ہے	تو وہ ستارے سے سورج کی جانب آ جاتا ہے
اس چنیں در جنبش آید ز آفتاب	کافتابش جاں ہمی بخشد شتاب
یہ پیٹ کا بچہ سورج کی وجہ سے حرکت میں آتا ہے	چونکہ آفتاب جلد اس کو روح بخشتا ہے
از دگر انجم بجز نقشے نیافت	اس چنیں تا آفتابش برنافت
(اس کے پیٹ کے بچنے) اورے ستاروں سے صورت کے علاوہ کچھ نہ پایا	اس طرح جب تک کہ اس پر سورج نہیں چکا
از کد میں رہ تعلق یافت او	در رحم با آفتاب خو برو
کس راستہ سے اس کو تعلق پیدا ہوا؟	رحم میں رہتے ہوئے خوبصورت آفتاب سے
از رہ پنہاں کہ دور از حس ماست	آفتاب چرخ را بس راہہاست
اس مخفی راستہ سے جو ہمارے ادراک سے دور ہے	آسمان کے سورج کے بہت سے راستے ہیں
آں رہے کہ زر بیابد قوت ازو	واں رہے کہ سنگ شد یا قوت ازو
وہ راستہ ہے کہ سونا اس سے غذا حاصل کرتا ہے	وہ راستہ ہے کہ اس سے پتھر یا قوت بن جاتا ہے
آں رہے کہ سرخ سازد لعل را	واں رہے کہ برق بخشد لعل را
وہ راستہ ہے کہ لعل کو سرخ بناتا ہے	وہ راستہ ہے کہ جو لعل کو برق عطا کرتا ہے
آں رہے کہ پختہ سازد میوہ را	واں رہے کہ دل دہد کالیوہ را
وہ راستہ ہے کہ میوؤں کو پکاتا ہے	وہ راستہ ہے کہ حیران کو دل عطا کرتا ہے

(آید اور در شعر سوم تا کید ضمیر متصل ست در آید بہ ضمیر منفصل اور اجمع جانب نوبت درو۔ او پر حرکت جنین کو مشبہ بہ ٹھہرایا تھا یہاں اس کے اسباب کی تحقیق فرمانے لگے اور اس تحقیق کو محض اہل نجوم کے مشہور اصول پر شاعرانہ طور پر مبنی فرمایا ہے کیونکہ تمثیل میں اس کا مضا لفقہ نہیں اور یہاں مقصود اصلی تمثیل ہی ہے گویا حکایت عن المبارز فرماتے ہیں کہ اس طرح جنین میں جان پڑنے کے وقت افاضہ آفتاب کی ضرورت ہے گو اس کے قبل اور کواکب اس کی تربیت کرتے رہیں اسی طرح گواہ تک اسباب تربیت اجسام کی مجھ کو احتیاج رہی مگر اب کہ حرکت روحانیہ کا وقت ہے آپ کی ذات مبارک کہ آفتاب ہے محتاج الیہ ہے خوب سمجھ لو پس فرماتے ہیں کہ) کواکب سب سب سارہ ایک مدت تک نوبت بنوبت خدمت (تربیت ملوہ و صورت) کرتے رہتے ہیں (مگر)

جب جنین میں جان پڑنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت (مجملاً کو اکب مذکورہ کے صرف) آفتاب اس کا معین (حرارت حیوانیہ کے حصول میں) ہوتا ہے پس جب تدبیر جنین کا دورہ اور رخ دوسرے ستاروں سے آفتاب کی طرف بدلتا ہے اس وقت جنین آفتاب (کے اثر) سے حرکت (حیوانیہ) میں آتا ہے کیونکہ آفتاب سے اس میں حرکت حیوانیہ پیدا ہوتی ہے اور دوسرے کو اکب سے اس جنین نے بجز نقش و صورت ظاہری کے اور کچھ نہیں پایا (یعنی جان نہیں پڑی) تا وقتیکہ اس پر تابش آفتاب نہ ہوئے (آگے تجباً سوال فرماتے ہیں کہ) معلوم نہیں کون سی راہ سے اس جنین نے رحم میں آفتاب کے ساتھ تعلق حاصل کر لیا (خود جواب دیتے ہیں کہ) ایک راہ مخفی سے (تعلق ہو گیا) جو ہمارے خواص سے بعید ہے کیونکہ آفتاب چرخ کی بہت سی راہیں یہ وہ راہ ہے جس سے (معدن میں) سونے کو آفتاب سے نشوونما ہوتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ اس سے پتھر یا قوت بن جاتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ لعل کو سرخ کر دیتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ اس سے نعل آہنی میں (جب اس کو سنگ چقماق سے مارا جائے) برق آتش پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ جس سے میوہ پختہ ہوتا ہے اور یہ وہ راہ ہے کہ ضعیف القلب میں قوت قلب پیدا ہو جاتی ہے (مجھ کو اصول نجوم کی تحقیق نہیں مگر غالباً یہ سب آثار ان کے نزدیک آفتاب کی کسی مناسبت و مزاج خفی سے متعلق ہوں گے ورنہ اگر راہ پنہاں اور دور از حس کی قید نہ ہوتی تو حرارت آفتاب سے وابستہ ہونا مشاہد تھا)

باز گواے باز پر افروختہ	باشہ و باساعداش آموختہ
بتائے اے پر کھولے ہوئے باز	جو بادشاہ اور اس کی کلائی پر سدھایا ہوا ہے
باز گواے باز عنقا گیر شاہ	اے سپاہ اشکن بخود نے باسپاہ
بتائے اے عنقا کو شکار کرنے والے شاہی باز	اے بغیر سپاہوں کے تنہا لشکر کو کشت دینے والے!
امت وحدی یکے و صد ہزار	باز گواے بند بازت را شکار
آپ تنہا ایک امت ہیں ایک ہیں اور لاکھوں ہیں	بتائے اے وہ کہ خادم آپ کے باز کا شکار ہے؟
در محل قہر ایں رحمت ز چہست	اژدھا را راہ دادن راہ کیست
قہر کی جگہ یہ مہر کس وجہ سے ہے؟	اژدھے کو چھوڑ دینا کس کا طریقہ ہے؟

(یہ مقولہ ہے مبارز کا یعنی) مفصل ارشاد فرمائیے اور آپ ایسے ہیں جیسے کوئی باز ہو جس کے پرو و بازو (پرواز بلند کے لئے) قوی ہوں اور بادشاہ اور ساعد بادشاہ (پر اس کو) بیٹھنے کی تعلیم ہوئی ہو اور وہ شاہی باز عنقا کو پکڑ لیتا ہو (اسی طرح آپ عروج روحانی میں فائق ہیں اور حق تعالیٰ کے ساتھ معیت رکھتے ہیں اور مراتب عالیہ کو حاصل کئے ہوئے ہیں) اور آپ تنہا (قوت ظاہری یا قوت باطنی سے) سپاہ اشکن ہیں سپاہ کی بھی حاجت نہیں آپ تنہا (اپنی جامعیت کمالات کی وجہ سے) بجائے ایک گروہ کے ہیں (جیسا قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امتہ فرمایا گیا ہے) پس آپ (ایک حیثیت سے) ایک ہیں اور (ایک حیثیت سے) صد ہزار ہیں اور بندہ آپ کے باز کا شکار ہے (یعنی آپ کا مسخر ہو گیا ہے) مفصل فرمائیے کہ محل قہر میں یہ مہربانی کس سبب سے ہے اور (دشمن چون) اژدھا کو قابو دینا یہ کو کیا کرتا ہے۔

جواب دادن امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کہ سبب

افگندن شمشیر از دست چہ بود در آن حالت

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب دینا کہ اس وقت تلوار کو ہاتھ سے پھینک دینے کا سبب کیا تھا

گفت من تیغ از پئے حق میزنم	بندہ ہقم نہ مامور تنم
فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے لئے تلوار چلاتا ہوں	میں خدا کا بندہ ہوں اپنے جسم کا غلام نہیں ہوں
شیر ہقم، نیستم شیر ہوا	فعل من بر دین من باشد گوا
میں اسد اللہ ہوں خواہش نفسانی کا شیر نہیں ہوں	میرا فعل میرے دین پر گواہی دے گا
مارمیت اذرمیت در حراب	من چوتیغم واں زنده آفتاب
جنگ میں کنکریاں تو نے نہیں پھینکیں جبکہ پھینکیں	میں تلوار کی طرح ہوں اور چلانے والا سورج ہے
رخت خود را من زره برداشتم	غیر حق را من عدم انگاشتم
راستہ سے میں نے اپنا سامان ہٹا لیا	خدا کے غیر کو میں نے معدوم سمجھ لیا ہے
سایہ ام من کے جدا ام ز آفتاب	حاجم من نیستم او را حجاب
میں سایہ ہوں سورج سے کب جدا ہوں؟	میں (دربار کا) دربان ہوں اس کے لئے پردہ نہیں ہوں
من چوتیغم پر گہر ہائے وصال	زنده گردانم نہ کشتہ در قتال
جبکہ میں وصال کے موتیوں سے جڑی ہوئی تلوار ہوں	میں جنگ میں زندگی دیتا ہوں قتل نہیں کرتا ہوں
خون نپوشد گوہر تیغ مرا	باد از جا کے برد میغ مرا
میری تلوار کے جوہر کو خون نہیں چھپا سکتا ہے	میرے اہر (کرم) کو ہوا جگہ سے کب ہلا سکتی ہے
کہ نیم کہ ہم ز صبر و حلم و داد	کوہ را کے در ر باید تند باد
میں تنکا نہیں ہوں صبر اور علم اور انصاف کا پہاڑ ہوں	تیز ہوا پہاڑ کو کب ہلا سکتی ہے؟

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں محض اللہ کے لئے تیغ زنی کرتا ہوں اور میں حق تعالیٰ کا مطیع ہوں بندہ تن (نفس) نہیں ہوں اور میں شیر خدا ہوں شیر نفس نہیں ہوں چنانچہ میرا یہ فعل میرے (کمال) دین کا شاہد ہے اور میں (بوجہ غایت اتقیا و امر الہی کے آلہ محض) مثل تیغ ہوں جس کا مارنے والا آفتاب (حقیقی) ہے چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضمون موجود ہے کہ (مارمیت اذرمیت ولكن الله رمی یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپ نے نہ پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں یعنی ہم نے اثر پہنچا دیا تھا مگر مولانا نے اس کو محمول فرمایا ہے غایت موافقت امر الہی پر ورنہ تقریب تام نہ ہوگی اور فی الحراب بمعنی در قتال وزن کے

لئے بڑھا دیا ہے اور مجموعہ کو اقتباس کہا جائے گا) اور میں نے اپنا رخت (ہستی) راہ سے اٹھالیا ہے اور غیر حق کو میں نے (مثل) عدم محض سمجھ لیا ہے (یعنی مقام فناء میں ہوں اور میری مثال سایہ کی سی ہے کہ (مرتبہ تبعیت میں) آفتاب سے جدا نہیں ہوتا اسی طرح میں احکام میں تابع محض حق تعالیٰ کا ہوں) اور میں (اوروں کے لئے درگاہ حق کا) حاجب ہوں (یعنی وہ دربان جو طالیبن کو بادشاہ تک پہنچاتا ہے) اور میں حجاب (اور مانع) نہیں ہوں (حاصل یہ کہ کامل ہونے کے ساتھ مکمل بھی ہوں) اور میں ایسی تلوار ہوں جس میں (بجائے متعارف موتیوں کے جن سے اہل ولایت تلوار کو مرصع کرتے ہیں) وصال (وقرب الہی) کے موتی لگے ہیں (یعنی تیغ زنی سے میرا مقصود اصلی قتل نہیں ہے بلکہ یہ غرض ہے کہ کفار کی اصلاح ہو جائے اور جان بچانے کے لئے ایمان لے آئیں جس سے شدہ شدہ ایمان کامل حاصل ہو جاتا ہے چنانچہ تفسیر فرماتے ہیں کہ) میں قتال میں کشتہ نہیں کرتا یعنی وہ حظ یا غیظ کے لئے بالذات مقصود نہیں) بلکہ زندہ کرتا ہوں (یعنی یہ مقصود ہوتا ہے گو کوئی قبول نہ کرے آگے تمثیل ہے کہ) میرے گوہر تیغ کو خون کا دھبہ نہیں لگتا اور میرے ابر کو ہوا نہیں جنبش دیتی میں کاہ نہیں ہوں بلکہ صبر و حلم کا کوہ ہوں اور کوہ کو باد تند کب ہٹا سکتی ہے (یہاں تیغ اور تیغ اور کوہ سے ذات مرتضویہ کی تشبیہ مراد ہے اور گوہر سے مراد اخلاق حمیدہ اور خون اور باد سے اخلاق ذمیرہ اور کاہ سے تابع اخلاق ذمیرہ مطلب ظاہر ہے کہ اخلاق نفسانیہ میرے اخلاق حمیدہ پر غالب نہیں آسکتے اور مجھ سے مثل تابع اخلاق ذمیرہ کے افعال نامرضیہ صادر نہیں کرا سکتے چنانچہ آگے مقولہ مولانا میں یہ تفسیر مصرح ہے اور اگر شبہ ہو کہ رخت خود رالغ میں فناء و اضمحلال کا دعویٰ ہے اور یہاں کوہ سے تشبیہ دینا استقلال کو مقتضی ہے جو اس کے منافی ہے جو اب یہ ہے کہ یہ تشبیہ مرتبہ بقاء باللہ میں ہے پس لوازم فناء سے ہوا)

آنکھ از بادے رود از جا حسے ست	زانکہ بادنا موافق خود بے ست
جو ہوا سے جگہ سے اہل جائے وہ جکا ہے	اس لئے کہ ناموافق ہوائیں تو بہت ہیں
باد خشم و باد شہوت باد آز	برد او را کو نبود اہل نماز
غصہ کی ہوا اور شہوت کی ہوا حرص کی ہوا	اس شخص کو جنبش دیتی ہے جو دیدار نہ ہو
باد حرص و باد کینہ باد آز	برد او را کو نبود اہل نیاز
حرص کی ہوا اور کینہ کی ہوا ہوس کی ہوا	اس کو اڑا لے گئی جو نیاز مند نہ تھا
باد کبر و باد عجب و باد خلم	برد او را کہ نبود از اہل علم
تکبر کی ہوا اور غرور کی ہوا اور رسک سری کی ہوا	اس کو اڑا لے گئی اس لئے کہ وہ اہل علم میں سے نہ تھا

(یہ مقولہ مولانا کا واسطے تفسیر و تقریر مضمون بالا کے یعنی) جس شخص کو ایک باد سے قرار نہ رہے وہ تنکا ہے (اور دوسرے مصرعہ میں ایک امر لازم کی دلیل ہے جو مصرعہ اولیٰ سے مفہوم ہوتا ہے یعنی اس شخص کی حالت خطرناک ہے) کیونکہ ناموافق ہوائیں تو بہت سی ہیں (جن کا بیان اشعار آئندہ میں ہے پس جب یہ شخص ایک ہوا سے اکھڑ گیا تو ان بہت ہواؤں کے آگے کیا ٹھہرے گا اس لئے اس کی حالت محل خطر ہے) اور باد غضب اور باد شہوت اور باد حرص ایسے شخص کو (اعتدال شرعی پر قائم رہنے سے) جنبش دیتی ہے جو اہل نیاز نہیں ہوتا اور باد کبر اور باد عجب اور باد بے وقاری ایسے شخص کو ہلا دیتی ہے جو صاحب علم نہیں ہوتا (نیاز بمعنی تواضع اشارہ ہے اخلاق حمیدہ کی طرف اور علم عبارت ہے معرفت سے اور اخلاق ذمیرہ کے مقتضای عمل کرنے کا سبب ظاہر ہے کہ دولت تہذیب و معرفت سے حرمان ہے)

کوہم و ہستی من بنیاد اوست	ورشوم چوں گاہ بادم باد اوست
میں پہاڑ ہوں اور میرا وجود اس کی بنیاد ہے	اگر میں تنکابنوں تو میرے لئے ہوا اس کی جانب سے ہے
جز بباد او نجبد میل من	نیست جز عشق احد سرخیل من
اس کی ہوا کے بغیر میرا جھکاؤ نہیں ہوتا ہے	عشق الہی کے علاوہ میرا کوئی پیشرو نہیں ہے
خشم برشاہاں شہ و مارا غلام	خشم را من بستہ ام زین و لگام
غصہ بادشاہوں پر حکمراں ہے اور ہمارا غلام ہے	میں نے غصہ پر زین اور لگام کس دیا ہے
تیغ حلمم گردن خشم زدست	خشم حق بر من ہمہ رحمت شد دست
میری مردہاری کی تلوار نے میرے غصہ کی گردن کاٹ دی ہے	مجھ پر اللہ کا غصہ مجھ رحمت بن گیا ہے
غرق نورم گرچہ سقلم شد خراب	روضہ گشتم گرچہ ہستم بو تراب
میں نور میں غرق ہوں اگرچہ میرا جسم تباہ ہے	میں باغ بن گیا ہوں اگرچہ میں ابو تراب ہوں

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؑ کا تہمہ مقولہ سابقہ کا یعنی) میں (حلم و وقار میں) مثل کوہ کے ہوں اور میرا وجود اس (حلم و وقار کی) اصل (اور اس کے ساتھ موصوف) ہے (اس لئے میں جنبش نہیں کرتا) اور اگر کبھی گاہ بن جاتا ہوں (یعنی جنبش کرتا ہوں تو نفس محرک نہیں ہوتا بلکہ) میری محرک حق تعالیٰ کے ہوائے حکم ہے یعنی بدوں ان کے باد حکم کے میری قوت میلان میں حرکت نہیں ہوتی اور بجز عشق الہی کے میرا کوئی پیشرو نہیں (جس کا میں اتباع کروں صفت غضب سلاطین پر حکمراں ہے اور ہماری غلام ہے اور میں نے اس پر زین و لگام لگا رکھا ہے) (یعنی وہ میری مغلوب ہے) اور میری تیغ حلم نے میرے غصہ کی گردن مار دی ہے (یعنی اخلاق حمیدہ نے اخلاق ذمیدہ کا ازالہ کر دیا ہے) اور خشم خداوندی میرے حق میں سراپا رحمت ہو گیا ہے (اس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ بجائے غضب کے مجھ پر رحمت فرمائی جاتی ہے اور احقر کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ سیات و معاصی پر جو غضب الہی کی توجہ معلوم ہوئی اور میں ان کو ترک کر کے مستحق رحمت ہو گیا تو وہ غضب اس طور پر میرے لئے سبب رحمت بن گیا اور میں (مرتبہ روح میں) غرق نور ہوں اگرچہ (ریاضت سے) میرا تن زار و نزار ہو گیا ہے اور میں (گلہائے معارف سے) باغ ہو گیا ہوں اگرچہ (نام کا) ابو تراب ہوں (یعنی خاک والا اور تراب متعارف کا محل روضہ بن جانا جیسا مشاہد ہے موجب زیادت لطافت شعر ہے ف اور بعض محشیوں نے شعراول کے مصرعہ اولیٰ میں ہستی من سے مراد ذات حق لیا ہے اس وجہ سے کہ اصل علت اختیار یہ سب ہستیوں کی وہی ہیں اور حاصل یہ کہا ہے کہ میری متانت و استواری جانب حق سے ہے تشبیہاً بیناد کہہ دیا پس مجموعہ شعر کا خلاصہ یہ ہوگا کہ میرا سکون بھی بامر حق ہے اور حرکت بھی بامر حق واللہ اعلم۔

چوں درآمد علتی اندر غزا	تیغ را دیدم میاں کردن سزا
جہاد میں جب ایک علت پیدا ہو گئی	میں نے مناسب سمجھا کہ تلوار کو میان میں کر لوں
تا احب للہ آید نام من	تا کہ ابغض للہ آید کام من
تا کہ میرا نام احب للہ میں ہو جائے	تا کہ میرا مقصد ابغض للہ ہو جائے

تا کہ اعطی اللہ آید جود من	تا کہ امسک اللہ آید بود من
تا کہ میری بخشش اعطی اللہ ہو جائے	تا کہ میرا وجود امسک اللہ بن جائے
بخل من اللہ عطا اللہ و بس	جملہ اللہ ام نیم من آن کس
میرا بخل کرنا اللہ کے لئے ہے اور میرا دینا اللہ کے لئے ہے	میں مجسم اللہ کے لئے ہوں میں کسی کا غلام نہیں ہوں
اللہ انچہ می کنم تقلید نیست	نیست کجیل و گماں جز دید نیست
میں جو کچھ کرتا ہوں اللہ کے لئے ہے تقلید نہیں ہے	خیال و گمان نہیں ہے آنکھوں دیکھی بات ہے
زاجتہاد و از تخری رستہ ام	آستیں بردا من حق بستہ ام
میں غور و فکر اور انکل سے آزاد ہوں	میں نے آستیں اللہ کے دامن سے وابستہ کر دی ہے
گرہمی پر مہمی بینم مطار	ورہمی گردم ہمی بینم مدار
اگر میں پرواز کرتا ہوں تو مجھے اڑنے کی جگہ نظر آتی ہے	اگر میں گردش کرتا ہوں تو مجھے گھومنے کی جگہ نظر آتی ہے
ور کشم بارے بدانم تا کجا	ماہم و خورشید پیشم پیشوا
اگر میں بوجھ اٹھاتا ہوں تو جانتا ہوں کہاں تک (اٹھاتا ہے)	میں چاند ہوں اور میرے آگے سورج رہتا ہے
بیش ازیں با خلق گفتن روئے نیست	بحر را گنجائے اندر جوئے نیست
خلوق سے اس سے زیادہ کہنا مناسب نہیں ہے	نہر میں سمندر کی گنجائش نہیں ہے
پست می گویم باند ازہ عقول	عیب نبود این بود کار رسول
عقلوں کے اندازہ سے گر کر میں بات کہتا ہوں	عیب نہیں یہی رسول کا (طریقہ) کار ہے
از غرض حرم گواہی حر شنو	کہ گواہی بندگاں نر زد بکو
میں غرض سے آزاد ہوں آزاد کی گواہی سنو	اس لئے کہ غلاموں کی گواہی ایک جو کے بھی برابر نہیں

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؑ کا اس کے ماقبل تک تمہید تھی سبب عفو کی یہاں تعین ہے سبب کی اجمالاً لفظ عتی میں اور دفتر ہذا کی بالکل آخر میں تعین ہے تفصیلاً چون خدا و اختہ الخ میں یعنی) جب جہاد میں ایک (نفسانی) علت شامل ہونے لگی تو اس وقت میں نے تلوار کو بند کر لینا مناسب سمجھا تا کہ میرا نام (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) احب للہ (کے مصداقوں میں) ہو جائے اور تا کہ میرا اصل مقصود ابغض للہ رہے اور تا کہ میری سخاوت (کاغشا) اعطی للہ ہو اور تا کہ میری ہستی امسک للہ (کے ساتھ موصوف) رہے (یہ اشارہ ہے ایک حدیث کی طرف من احب اللہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان یعنی جس شخص کی محبت اور ابغض اور دنیا اور دنیا سبب اللہ ہی کی واسطے ہو اس نے بیشک اپنا ایمان کامل کر لیا مطلب جواب کا یہ ہوا کہ تا کہ میرا عمل اخلاص سے ہو) پس میرا بخل بھی اللہ ہی کے لئے ہے اور عطا بھی اللہ ہی کے لئے ہے غرض میں سب کا سب اللہ ہی کے واسطے ہوں اور کسی کا تابع نہیں ہوں (یہ بھی جان لو کہ میں جو کچھ اللہ کے لئے کرتا ہوں وہ (براہ) تقلید نہیں ہے) (کہ کسی سے سن

لیا کہ اخلاص کا یہ طریقہ ہے) اور محض سخیل اور ظن نہیں ہے (کہ قوت نظریہ سے طرق اخلاص پر استدلال کر کے عمل کرنے لگا) بلکہ تحقیق اور بصیرت کے سوا اور کوئی چیز (متمسک بہ) نہیں ہے (اس باب میں) اجتہاد اور قیاس سے چھٹا ہوا ہوں اور حق تعالیٰ سے ایسا اتباط ہے گویا اپنی آستین کو (اس حق سے باندھ رکھا ہے) (پس اس ارتباط سے مجھ کو بھی انکشاف حقائق کا ہوتا ہے اور جب میں صاحب بصیرت ہوں پس اگر میں کبھی اوپر اڑتا ہوں تو مجھ کو مسافت پرواز نظر آتی ہے اور اگر کبھی ایک ہی جگہ گھومتا ہوں تو مجھ کو مدار حرکت نظر آتا ہے (جس کے گرد گھومتا ہوں) اور اگر کبھی کوئی بوجھ اٹھا کر لے چلتا ہوں تو یقیناً جانتا ہوں کہ کہاں تک لے جانا ہو گا غرض (استفادۂ نور مشاہدہ میں) مثل چاند کے ہوں اور (آفتاب (فیض حق) میرا پیش رو ہے (مراد طیران سے انتقال من حال الی حال ہے مثلاً مراقبہ عظیم کی طرف یا بالعکس اور دوران سے دوام اس حال کا اور بارکشی سے تحمل اعمال یعنی اپنے بتدل احوال و تحمل اعمال میں مجھ کو یہ بصیرت ہے کہ باقتضائے حق وقت درود تجلیات و نظام عدل شرع کس وقت اور کس وقت تک کیا مناسب ہے اور یہ بصیرت القاء ربانی و ذوق صحیح سے ہوتی ہے جو محبوب محض ہے اس میں اکتساب و اجتہاد کی گنجائش نہیں گوا اس حالت کے مقدمات محتاج کسب و اجتہاد و تقلید ہوں چنانچہ عقائد و اعمال جو موقوف علیہ اس حالت کے ہیں وہ اکتساب پر موقوف ہیں) اور جس قدر میں نے اپنی حالت باطنی بیان کی ہے اس سے زیادہ عامہ خلایق سے کہنا موقع نہیں کیونکہ (یہ اسرار مثل بحر کے ہیں اور لوگوں کی عقول مثل نہر کے اور) نہر میں بحر کے سامنے کی جگہ نہیں ہے (اس لئے) میں بہت تنزل کر کے باندازہ عقول کہہ رہا ہوں اور یہ امر نامناسب نہیں بلکہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (جیسا صحیح بخاری میں حضرت علی کا قول تعلیقاً مروی ہے حدیثوا الناس بما یعرفون ان یحبون ان یکذب اللہ ورسولہ و ہر چند کہ میرے ان اقوال مذکورہ پر کوئی حجت و دلیل قائم نہیں کی گئی جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ استدلالیات سے نہیں مگر تم خود میرے قول ہی کو حجت و دلیل سمجھو وجہ یہ کہ (میں اغراض نفسانیہ) سے آزاد (اور پاک) ہوں اور آزاد کی گواہی سننا واجب ہے کیونکہ غلام کی گواہی جو برابر بھی قدر نہیں رکھتی (یعنی مقبول نہیں حاصل یہ کہ میرا قول شہادت ہے اور شاہد کا قول خود دلیل و حجت ہے اس سے حجت کا مطالبہ نہیں ہوتا البتہ شرائط شہادت حریت وغیرہ ہونا ضرور ہے سو وہ میرے اندر متحقق ہے اور یہ تمثیل بطور لطیفہ کے ہے مقصود یہ ہے کہ ذوقیات میں اہل ذوق و کالمین کا قول واجب المقبول ہے ناقصین یا بندہ ہوا ہوں کے قول پر اعتماد نہیں)

در شریعت مر گواہی بندہ را	نیست قدرے وقت دعویٰ و قضا
غلام کی گواہی کی شریعت میں	دعویٰ اور فیصلہ کے وقت کوئی قدر نہیں ہے
گر ہزاراں بندہ باشندت گواہ	بر نسجد شرع ایشانرا بکاہ
اگر ہزاروں غلام تیرے گواہ ہوں	شریعت ان کو تینکے کا (بھی) ہوزن نہیں سمجھتی
بندۂ شہوت بتر نزدیک حق	از غلام و بندگان مسترق
اللہ کے نزدیک نفسانی خواہش کا غلام زیادہ برا ہے	رقتی بنائے ہوئے غلاموں سے
کایں بیک لفظے شود از خواجہ حر	واں زید شیریں و میرد سخت مر
اس لئے کہ وہ (غلام) ایک لفظ سے آقا سے آزاد ہو جاتا ہے	اور وہ (نفس کا غلام) لذت میں جی کرختی سے مرتا ہے

بندہ شہوت ندارد خود خلاص	جز بفضل ایزد و انعام خاص
شہوت کے غلام کی خلاصی نہیں ہے	بجز اللہ تعالیٰ کے فضل اور خاص انعام کے
در چہے افتاد کو را غور نیست	واں گناہ اوست جبر و جور نیست
وہ ایسے کنویں میں گرا ہے جس کی تھاہ نہیں ہے	وہ اس کی خطا ہے ظلم و زبردستی نہیں ہے
در چہے انداخت او خود را کہ من	در خور قعرش نمی یا بم رسن
اس نے آپ آپ کو ایسے کنویں میں گرا دیا ہے کہ مجھے	اس کی گہرائی کے بقدر ہی نہیں ملتی ہے
چوں گناہ اوست اے جاں چوں کنم	کہ دراز قعر چہ پیروں کنم
جب اس کی خطا ہے اے پیارے! میں کیا کروں؟	کہ اس کو کنویں کی گہرائی سے باہر نکالوں
بس کنم گر این سخن افزوں شود	خود جگر چہ بود کہ خارا خون شود
بس کرتا ہوں اگر یہ بات بڑھی	تو جگر کیا ہوتا ہے سگ خارا بھی خون بن جائے گا
این جگر ہا خون نشد از سختی ست	غفلت و مشغولی و بدبختی ست
یہ جگر خون نہ بنے اس کی وجہ سختی ہے	غفلت اور مصروفیت اور بدبختی ہے
خون شود روز یکہ خولش سود نیست	خون شوایں وقتیکہ خون مردود نیست
اس دن خون بنے گا جبکہ خون بننا مفید نہیں ہے	اب اس وقت خون بن جبکہ خون بننا نامقبول نہیں ہے
چوں گواہی بندگاں مقبول نیست	عدل آں باشد کہ بندہ غول نیست
جبکہ غلاموں کی گواہی مقبول نہیں ہے	عدل وہ ہو گا جو شیطان کا غلام نہیں ہے
گفت ارسلناک شاهد در نذر	زانکہ بود از کون او حر بن حر
قرآن میں ارسلناک شامدا فرمایا ہے	کیونکہ وہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پیدائش سے حر بن حر تھے

(اس میں تقریر ہے مضمون بالا گواہی بندگان نرزد بجولی اور بیان ہے اس کا بندہ سے یہاں کیا مراد ہے یعنی) شریعت میں دعویٰ و حکم حاکم کے وقت غلام کی گواہی کی کچھ بھی قدر نہیں حتیٰ کہ اگر کسی مقدمہ میں (ہزاروں غلام بھی تمہارے گواہ ہوں مگر شریعت ان کو ایک تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتی) جب ظاہری غلام کی بے قدری کا یہ حال ہے تو (بندہ شہوت (وغلام حرص) تو حق تعالیٰ کے نزدیک ان ظاہری غلاموں سے جو رقیق بنا لئے گئے ہیں بدرجہا بدتر ہے کیونکہ ظاہری غلام تو اگر میاں ایک لفظ کہہ دے کہ تو آزاد ہے آزاد ہو جاتا ہے اور بندہ شہوت کی یہ حالت ہے کہ زندگی تو اس کی (تلذذات و تنعمات سے) شیریں ہو سکتی ہے مگر مرگ بڑی تلخ ہوتی ہے اور نیز وہ کسی طرح (عذاب و وبال سے) آزاد ہی نہیں ہوتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کا کچھ فضل و انعام خاص ہو جائے (اور بلا تو وسط توبہ و اعمال محض اپنے فضل سے مغفرت فرمائیں یا مراد یہ کہ بلا مجاہدہ و ریاضت وہی طور پر جذبہ غیبی سے اصلاح

فرمائیں اور اس میں اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ قادر ہیں بلا اسباب کے ثمرہ دینے پر اور بلا توبہ و اعمال بخش دینے پر جیسا اہل سنت و جماعت کا مذہب حق ہے آگے ندرد خود خلاص کی علت کا بیان ہے کہ وہ (اپنی اتباہ شہوات کے شامت سے) ایسے کنوئیں میں جا کر گرا ہے کہ اس کا کہیں انتہا نہیں (مراد اس کنوئیں سے اس کے استعداد باطنی صلاح و ہدایت کا برباد ہو جانا ہے اور انتہا ک نی الشہوات سے واقعی یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ بری بات سے جی برائیں ہوتا یہی علامت ہے فساد استعداد کی جیسا حدیث میں ہے اذا سرتک حسنتک و ساء تک سنیتک فانک مومن) اور یہ (فساد استعداد) خود اس شخص کے گناہوں کا (جن کا منشا شہوت ہے) ثمرہ و وبال ہے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی ظلم و جور نہیں (کما قال تعالیٰ و قالو اقلوبنا غلف بل لعنہم اللہ یکفرہم و قال تعالیٰ و ما ظلمنا ہم و لکن کانوا انفسہم یظلمون) غرض اس نے اپنے کو ایسے کنوئیں میں ڈال دیا ہے کہ میں اس کے فخر کی موافق کوئی رس نہیں پاتا (کہ اس کو نکال لوں رس سے مراد ارشاد و نصیحت یعنی بعد فساد استعداد کے ایسی تساوت قلب ہو جاتی ہے کہ کوئی نصیحت و ارشاد مؤثر نہیں ہوتی جیسا حدیث میں بھی ہے الا ان ابعثنی من اللہ القلب القاسی مگر اس سے اہلیت خطاب کی مسلوب نہیں ہوتی کہ اس کا مدار قدرت بمعنی صحت اسباب و سلامت آلات ہے اور یہ مفقود نہیں) اور جب اسی کے گناہ کا وبال ہے تو میں کیا تدبیر کروں کہ اس کو قعر چاہ سے باہر نکال لوں (تدبیر سے مراد بھی وہی نصیحت و ارشاد ہے) اور میں اب بس کرتا ہوں (فساد استعداد و تساوت قلب کے آثار کو زیادہ نہیں بیان کرتا کیونکہ) اگر یہ مضمون زیادہ بڑھ جائے گا تو (ایسی ناامیدی پیدا ہو جائے گی کہ) جگر کی تو کیا حقیقت ہے (اس سے) سنگ خارا خون ہو جائے گا (اور یہ اس لئے مضر ہے کہ جن میں ہنوز کچھ استعداد باقی ہے اور درجہ ختم اللہ علی قلوبہم کو نہیں پہنچے وہ غلطی سے اپنے کو اس درجہ میں سمجھ کر توبہ و معذرت سے معطل ہو کر بیٹھ رہیں گے اب کوئی شخص پوچھتا ہے کہ فساد استعداد کے انتہائی آثار کو بیان کرنے سے اگر جگر خون ہوتا تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے حق میں تو اس کا بیان بھی فرما دیا ہے جیسا قرآن مجید میں ختم اللہ علی قلوبہم آیت موجود ہے مگر کفار کا جگر تو خون نہیں ہوا اس کا جواب دیتے ہیں کہ) یہ جگر جو خون نہیں ہوئے اس کی وجہ قسادت اور غفلت اور مشغولی شہوات اور شقاوت ازلی ہے (کما قال تعالیٰ ثم قست قلوبکم من بعد ذلك فہی کالجارة او اشد قسوة الی آخر الآیة) اور ایک روز ایسے (سخت) جگر بھی خون ہونے ول ہیں مگر جب کوئی نفع نہ ہوگا اور جس وقت وہ خون ہونا مقبول نہ ہوگا (یعنی قیمت میں جہان ندامت و معذرت و گریہ و زاری محض بے اثر ہے کیونکہ وہ دار الجزاء ہے دار العمل نہیں آگے پھر مضمون غلامی و آزادی کا مذکور ہوتا ہے یعنی) جب غلاموں کی گواہی مقبول نہیں (بلکہ اس کے لئے صفت عدالت شرط ہے جس کا ایک جز و حریت ہے تو) صاحب عدالت تو ایسا شخص ہوتا ہے جو شیطان کا غلام اور مطیع نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں جو (جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں) انا ارسلناک شہدا فرمایا ہے (یعنی آپ کی صفت شہد و مقبول الشہادت فرمائی ہے) تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ ذاتاً و نسباً آزاد تھے (گو دونوں آزادیوں میں تفاوت ہو کہ ذاتی آزادی شامل ہو حریت ظاہریہ و معنویہ کو اور نسبی خاص ہو صرف ظاہری کے ساتھ پس اس شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد کے مسئلہ اسلام سے بحث کرنا محض بے ربط ہے)

چونکہ حرم حشم کے بندد مرا	نیست اینجا جز صفات حق درآ
جبکہ میں حرموں تو غصہ مجھے قیدی کب بنا سکتا ہے؟	یہاں تو اللہ تعالیٰ کی صفات کے علاوہ کچھ نہیں ہے اندر آ
اندر آ کا زاد کردت فضل حق	زانکہ رحمت داشت بر حشمش سبق
اندر آ جا اللہ تعالیٰ کی مہربانی نے تجھے آزاد کر دیا ہے	کیونکہ اس کی رحمت اس کے غصہ پر سبقت لے گئی ہے
اندر آ اکنوں کہ رستی از خطر	سنگ بودی کیمیا کردت گہر
اندر آ جا اب تو خطرے سے نجات پا گیا ہے	تو پھر تھا تجھے کیمیا نے موتی بنا دیا ہے
رستہ از کفر و خارستان او	چوں گلے بشگفتہ در بستان او
تو کفر اور اس کے خارستان سے نجات پا گیا ہے	اس کے باغ میں تو پھول کی طرح گل گیا ہے
تو منی و من توام اے محتشم	تو علی بودی علی راچوں کشم
تو میں اور میں تو ہے اے معززا	تو علی تھا علی کو میں کیسے قتل کروں؟
معصیت کردی بہ ازہر طاعتی	آسماں پیمودہ در ساعتی
تو نے وہ گناہ کیا جو ہر طاعت سے بہتر ہے	تو نے ایک گھڑی میں آسمان ناپ ڈالا

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؓ کا یعنی) جب کہ میں حرم یعنی آزاد ہوں تو صفت غضب مجھ کو کب اپنا اسیر بنا سکتی تھی یہاں تو بسبب حصول مرتبہ فنا و بقاء کے بجز صفات حق کے اور کچھ نہیں رہا چاہے تو آ کر دیکھ لے (یعنی میری صفات مناسب صفات حق کے ہو گئیں جس کو مخلوق باخلاق اللہ کہا جاتا ہے مجازاً و مبالغہً اس کو صفات حق کہہ دیا جیسے زید اسداے کالا سد) اب تو (بے تکلف میرے پاس) آ جا کہ تجھ کو فضل خداوندی نے (کفر و عذاب سے) آزاد کر دیا کیونکہ ان کی رحمت ان کے غضب پر سابق ہے (کہ باوجود ارتکاب موجب غضب کے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع کر دیئے جس سے تو مرحوم ہو گیا کہ میرے قلب میں القاء فرمایا کہ نفسانی غصہ کو طاعت میں شامل نہ کرنا چاہیے اس لئے میں قتل سے باز رہا پھر تیرے قلب میں اس کا اثر شرمندگی و گدائگی دل القاف فرمایا اور وہ سبب ہو گیا اعتقاد صدق دین اسلام کا جس میں ایسے اخلاق کی تعلیم ہے اور اس طرح تو مرحوم ہو گیا اور جو فرمایا تھا جز بفضل ایزد الخ اس کا یہ بھی ایک مصداق ہے) اور تو چلا آ کہ اب سب خطرات سے چھوٹ گیا اور پہلے تو مشابہ سنگ کے تھا تجھ کو کیمیا نے فضل نے مثل گوہر کے بنا دیا اور کفر سے اور اس کے غارستان سے تجھ کو نجات ہو گئی اور گلستان حق میں مثل گل کے تو شگفتہ ہو گیا (گلستان سے مراد بندگان خاص مراد مضمون فا دخلی فی عبادی ہے) اور اب ہم دونوں (گویا) ایک ہو گئے اور تو (علم الہی میں) علی تھا (یعنی میرے ساتھ متحد المشرق ہونے والا) تو پھر میں علی کو کس طرح قتل کر سکتا تھا (یعنی جس کا اسلام مقدر تھا اللہ تعالیٰ اس کو میرے قتل سے بچانے کے لئے کیونکر اسباب جمع نہ فرما دیتے) تو نے ایسے معصیت کی کہ (بواسطہ اسباب اتفاقیہ کے باعتبار اپنے شمرہ کے صد ہا طاعت سے بہتر تھی) احقر ان اسباب کا سلسلہ بیان کر چکا ہے) اور تو نے ایک ساعت میں (ایسا عروج باطنی کیا گویا) تمام آسمان ناپ ڈالا (اسلام سے بڑھ کر کیا عروج ہوگا)

بس خجستہ معصیت کاں مرد کرد	نے ز خارے بردمد اوراق ورد
وہ معصیت بہت مبارک تھی جو اس مرد نے کی	کیا گلاب کی پھول پتیاں کانٹے سے نہیں نکلتی ہیں؟
نے عمر را قصد آزار رسول	می کشیدش تا بدرگاہ قبول
کیا عمر (رضی اللہ عنہ) کو رسول (ﷺ) کے ستانے کے ارادہ نے	قبولیت کے دربار کی طرف نہیں کھینچا
نے بسحر ساحراں فرعون شایاں	می کشید وگشت دولت عون شایاں
کیا فرعون نے جادو گروں کو ان کے جادو کی وجہ سے	نہیں بلایا اور خوش نصیبی ان کی مدد گار بنی
گر نبودے سحر شان و آں جود	کے کشیدے شایاں بفرعون عنود
اگر ان کا جادو اور ان کی سرکشی نہ ہوتی	عنادی فرعون انہیں کب بلاتا؟
کے بدیدندے عصا و معجزات	معصیت طاعت شدلے قوم عصات
وہ عصا اور معجزے کب دیکھ سکتے؟	اے نافرمانو! معصیت طاعت بن گئی
ناامیدی را خدا گردن زد دست	چوں گناہ و معصیت طاعت شد دست
ناامیدی کو خدا نے فنا کر دیا ہے	جبکہ گناہ اور معصیت طاعت بن گئی ہے
چوں مبدل می کند او سیمات	عین طاعت می کند رعم و شات
جب وہ گناہوں کو تبدیل کر دینا چاہتا ہے	تو (انکو) پتلیخوروں کے علی الرغم عین اطاعت بنا دیتا ہے
زیں شود مرجوم شیطان رجیم	وز حسد او بطرقہ گردد دو نیم
اس سے شیطان رجیم مزید سنگسار ہو جاتا ہے	اور حسد سے وہ شق ہو جاتا ہے دو ٹکڑے بن جاتا ہے
او بکوشد تا گناہے آورد	زاں گنہ مارا بچا ہے آورد
وہ کوشش کرتا ہے تاکہ کوئی گناہ کراے	اس گناہ کی وجہ سے ہمیں کنویں میں گرا دے
چوں بہ بیند کاں گنہ شد طاعت	گردد او را نا مبارک ساعت
جب دیکھتا ہے کہ وہ گناہ طاعت بن گیا	اس کے لئے بڑا منحوس وقت ہوتا ہے

(اس میں تو صیح ہے مضمون بالا معصیت کر دی بہ از ہر طاعت کی اور مقصود اس سے تقویت رجاء فضل الہی ہے تاکہ منہمکین فی المعصیت بھی قبول توبہ سے ناامید نہ ہوں اور نیز اشارہ ہے کہ بتلایا ان ذنوب کو نظر حقارت اور اپنے کو نظر عجب سے نہ دیکھے شاید ان کا انجام اچھا ہو جائے اور معصیت کی مدح ہرگز مقصود نہیں حاشا وکلا چنانچہ شعر ناامیدی را خدا گردن زد دست جو بطور نتیجہ کے فرمایا ہے اس کی دلیل ہے پس ارشاد ہے کہ) بڑی مبارک معصیت تھی جو اس شخص سے صادر ہوئی (یعنی اس کا اثر مبارک ہو گیا جیسا احقر لکھ چکا ہے اور اس میں تعجب ہی کیا ہے) دیکھو خار سے کیا گلاب کی پتی نہیں نکلتی دیکھو حضرت عمر کو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا قصد کیا بارگاہ قبول تک کشان کشان نہیں لے گیا (چنانچہ قصہ ان کے اسلام کا مشہور ہے) اور دیکھو کیا فرعون نے ساحروں کو ان کے سحر ہی کی وجہ سے

(جو کہ معاصی سے ہے) نہیں طلب کیا اور دولت (قبول) ان کی معین ہو گئی اگر ان ساحروں میں ساحری اور کافری کی صفت نہ ہوتی تو ان کو فرعون معاند کے پاس کون چیز پہنچاتی اور جب وہاں نہ پہنچتے تو عصا اور معجزات کب دیکھتے (اور پھر مسلمان کیونکر ہوتے یعنی اس خاص طریق سے ان کا اسلام لانا تکویناً ان ہی اسباب پر موصوف تھا اور نہ عدم توقف فی نفسہ ظاہر ہے) غرض اے گناہگار و معصیت (سبب) طاعت بن گئی اور جب حق تعالیٰ سعیات کو (حسنات سے) مبدل فرمانا چاہتے ہیں تو (معصیت کو) عین طاعت کر دیتے ہیں (عین کہنا مبالغہ ہے چونکہ وہ سنیہ محو ہو گیا اور بجائے اس کے طاعت مثبت ہو گئی گویا اسی کا استحالہ ہو گیا) اور اس امر سے شیطان رحیم اور زیادہ صدمہ زدہ ہوتا ہے اور مارے حسد کے اس کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں کیونکہ وہ تو کوشش کرتا ہے کہ ہم سے گناہ صادر کرادے اور اس گناہ سے ہم کو چاہ (ہلاکت) میں ڈالے تو جب دیکھتا ہے کہ وہ گناہ تو (بطریق مذکور سبب) طاعت ہو گیا تو وہ وقت اس پر بڑا سخت ہوتا ہے (اور ہچکھتا ہے کہ میں نے ناحق گناہ کرایا تھا اور نہ یہ طاعت نہ ہوئی ف اس سے محققین نے فرمایا ہے کہ شیطان بھی باوجود اتنے بڑے چالاک ہونے کا دھوکہ کھاتا ہے اور یہ معلوم ہوا کہ شیطان کو علم غیب نہیں ہے اسی طرح بھوت پلید و جن وغیرہم کو جیسا عوام کا غلط گمان ہے)

اندر آ من در کشاد م مر ترا	تف زد ی و تحفہ داد م مر ترا
اندر آ جا' میں نے تیرے لئے دروازہ کھول دیا ہے	تو نے تمہو کا' میں نے تجھے تحفہ دیا
من جفا گر را چنین ہامی دہم	پیش پائے حب چساں سر می نہم
(جب) میں ظالم کو اس طرح عطا کرتا ہوں	(اندازہ کر) محبت کے قدموں پر کس طرح جھکوں گا
پس وفا گر را چہا بخشم بد اں	گنجہا و ملکہائے جاوداں
پس وقادار کو کیا کچھ عطا کروں گا' سمجھ لو	خزانے اور لازوال ملک (دو کا)
جاودانہ بادشاہی بخشمش	آنچہ اندر وہم ناید بد ہمیش
اس کو لازوال بادشاہی بخشوں گا	جس کا تصور بھی نہ ہو سکے اس کو وہ دوں گا
من چناں مردم کہ برخونی خویش	نوش لطف من نشد در قہر نیش
میں ایسا مرد ہوں کہ اپنے قاتل پر بھی	میری مہربانی کا شہد قہر کا ڈنک نہیں بنا

(یہ مقولہ ہے حضرت علی کا یعنی) تو آ جا میں نے تیرے لئے دروازہ (فیض کھول رکھا ہے تو نے گو مجھ پر تھوک دیا مگر میں تحفہ دینے کو آمادہ ہوں اور) میرا معمول ہی ہے کہ) میں اہل جفا کو ایسے ہی (انعامات) دیا کرتا ہوں اور پائے چپ پر بھی اسی طرح سر رکھا کرتا ہوں (یعنی ذلیل اور کج آدمی سے بھی مدارات کرتا ہوں) پس اہل وفا کو تو خیال کر لو کیا کچھ خزانہ و ملک جاوداں نہ دے ڈالوں گا (یعنی اس کو اور زیادہ فیض ہوگا اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اوپر جب معصیت گاہے سبب طاعت بن جاتی ہے تو اگر طاعت ہی سبب اور طاعت ہی مسبب ہو تو نور علی نور ہوگا پس ثابت ہو گیا کہ معصیت کی مدح مقصود نہ تھی) غرض اہل وفا کو سلطنت جاودانی بخش دوں گا اور جو اس کے خیال میں بھی نہ آئے گا وہ بخش دوں گا (اور ظاہر ہے کہ دولت باطنی ذوقی ہے قبل حصول خیال میں نہیں آتی) اور میں تو ایسا جو ان مرد ہوں کہ اپنے قاتل پر بھی میرا نوش لطف گاہے قہر میں نیش نہیں بنا (جس کا قصہ آگے آتا ہے)

گفتن حضرت رسالت علیہ السلام بگوش رکابدار امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ

کہ کشتن علی رضی اللہ عنہ بردست تو خواهد بود خبرت کردم

امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے خادم سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کان میں کہنا کہ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تیرے ہاتھ سے ہوگی میں نے تجھے بتا دیا ہے

ف: قاتل علی کا صحابی ہونا کہیں منقول نہیں اس لئے اس روایت میں کلام ہے البتہ روضۃ الصفا وغیرہ میں خود حضرت علی کا قول مذکور ہے کہ آپ اشارت قریب بصراحت سے اس شخص کے قاتل ہونے کی پیشین گوئی فرمایا کرتے تھے واللہ اعلم یہ کشف تھا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا تھا۔

گفت پیغمبر بگوش چاکرم	کو برد روزے زگردن این سرم
میرے خادم کے کان میں (پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا	کہ وہ ایک روز اس گردن سے سر قلم کرے گا
کرد آگہاں رسول از وحی دوست	کہ ہلاکم عاقبت بردست اوست
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وحی کے ذریعہ آگاہ کر دیا	کہ میری ہلاکت انجام کار اس کے ہاتھ سے ہوگی
او ہمی گوید بکش پیشین مرا	تانیاید از من این منکر خطا
وہ (مجھ سے) کہتا ہے کہ پہلے ہی مجھے مار ڈالے	تاکہ ایسی بری خطا مجھ سے نہ ہو
من ہمی گویم چومرگ من زتست	باقضا من چوں تو انم حیلہ جست
میں (اس سے) کہتا ہے کہ پہلے ہی مجھے مار ڈالے	تاکہ ایسی بری خطا مجھ سے نہ ہو
من ہمی گویم چومرگ من زتست	باقضا من چوں تو انم حیلہ جست
میں (اس سے) کہتا ہوں جبکہ میری موت تیرے ہاتھ سے ہے	قضائے (خداوندی) کے مقابلہ میں میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں؟
او ہمی افتد بہ پیشم کائے کریم	مر مرا کن از برائے حق دو نیم
وہ میرے قدموں پر گرتا ہے کہ اے آقا!	خدا کے لئے میرے دو ٹکڑے کر دیجئے
تانیاید بر من این انجام بد	تانسوزد جان من بر جان خود
تاکہ میرا یہ برا انجام نہ ہو	تاکہ میں اپنے اوپر نہ جلوں
من ہمی گویم برو جف القلم	زاں قلم بس سرنگوں گردد علم
میں کہتا ہوں جا' قلم خشک ہو چکا ہے	اس قلم سے بہت سے جھنڈے سرنگوں ہوئے ہیں
ہیچ بغضے نیست در جانم ز تو	زانکہ این را من نمیدانم ز تو
میرے دل میں تیری طرف سے کوئی بغض نہیں ہے	اس لئے کہ میں اس بات کو تیری طرف سے نہیں سمجھتا ہوں

چوں زخم بآلت حق طعن ووق

آلت حقی تو، فاعل دست حق

میں اللہ تعالیٰ کے آلہ پر نیزہ زنی اور گرز رانی کیسے کروں؟

تو اللہ تعالیٰ کا آلہ کار ہے اور کرنوالا خدا ہے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے خدمت گار کے کان میں اس کی نسبت فرمایا کہ یہ شخص میرا سر گردن سے جدا کرے گا اور آپ نے وحی سے اطلاع دیدی کہ میری ہلاکت انجام کار اس کے ہاتھ سے وہ گی وہ خدمتگار مجھ سے کہا کرتا ہے کہ آپ مجھ کو پہلے ہی قتل کر دیجئے تاکہ مجھ سے ایسی خطائے شنیع سرزد نہ ہو اور میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ جب میری موت تیرے ہاتھ سے مقدر ہے تو میں قضا کے مقابلہ میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں (یعنی تدبیر محال خارج از قدرت ہے اگرچہ بالغیر سہمی یہ جواب اعتقادات کے رو سے ہے اور عملیات میں اس کا جواب یہ ہے کہ تدبیر شرعاً جائز نہیں) وہ میرے سامنے گر گر پڑتا ہے کہ خدارا مجھ کو دو ٹکڑے کر دیجئے تاکہ مجھ پر یہ انجام بد نہ آنے پائے اور تاکہ مجھ کو اپنے پر حسرت نہ ہونے پائے۔ میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ جا بھائی قلم تقدیر خشک ہو چکا ہے اس قلم سے تو بڑے بڑے بلند مراتب لوگ سرنگوں اور پست ہو جاتے ہیں اور (تو اطمینان رکھ) میرے دل میں تیری جانب سے ذرہ برابر بغض نہیں ہے کیونکہ اس امر کو (تخلیقا) تیری جانب سے نہیں سمجھتا (اور نسبت اکتسابیہ کشف تخلیقی کے غلبہ سے غائب عن النظر ہو گئی اور اسی بناء پر سمجھتا ہوں کہ) تو آلہ حق اور فاعل (خلقا) دست حق ہے تو میں آلہ حق پر طعن و اعتراض کیسے کروں (توضیح اس کی یہ ہے کہ ہنوز قتل کی نسبت بوجہ عدم صدور تیری طرف اختیاری نہیں ہوئی جو بحکم شرع تجھ سے قصاص جائز ہوا بھی تک صرف تیری طرف نسبت قتل کی اس قدر ہے کہ تیری تقدیر میں لکھا ہے سو یہ نسبت تیرے اختیار سے خارج ہے اور اس پر قصاص جائز نہیں وہ جواب مذکور عملیات سے یہی ہے)

گفت او پس آں قصاص از بہر چیست	گفت ہم از حق و آں سر خفییست
اس نے کہا تو پھر خون کا بدلہ کیوں ہے؟	کہا وہ بھی اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے ہے اور وہ مخفی راز ہے
گر کند بر فعل خود حق اعتراض	ز اعتراض خود برو یا نہ ریاض
اگر اللہ (تعالیٰ) اپنے فعل پر اعتراض کرتا ہے	اپنے اعتراض سے وہ باغ اگادیتا ہے
اعتراض او را رسد بر فعل خود	زانکہ در قہرست و در لطف او احد
اس کو اپنے کام پر اعتراض کا حق ہے	کیونکہ وہ قہر اور مہر میں یکا نہ ہے
اندریں شہر حوادث میراوست	در ممالک مالک تدبیراوست
حوادث کی اس دنیا میں وہی حکمراں ہے	ملکوں میں وہی تدبیر کا مالک ہے
آلت خود را اگر خود بشکند	آں شکستہ گشتہ را نیکو کند
اگر وہ اپنے آلہ کو خود توڑ دیتا ہے	اس ٹوٹے ہوئے کو خوب جوڑ دیتا ہے
رمز نسخ آئیہ او نسہا	نات خیراً در عقب می داں مہا!
ما نسخ من ایہ او نسہا کے اشارے	کے بعد نات بخیر منھا کو سمجھ لے اے بزرگ!
ہر شریعت را کہ حق منسوخ کرد	او گیا برد و عوض آورد ورد
جس شریعت کو خدا نے منسوخ کیا ہے	(تو) اس نے گھاس کو ختم کیا ہے اور بدلے میں گلاب لایا ہے

شب کند منسوخ نور روز را	چوں جمادے داں خرد افروز را
رات دن کی روشنی کو منسوخ کر دیتی ہے	عقلند کو پھر کی طرح سمجھ
باز شب منسوخ شد از نور روز	تا جمادی سوخت زان آتش فروز
پھر دن کی روشنی سے رات منسوخ ہوئی	یہاں تک کہ اس حرارت پیدا کرنے والے کیجہ سے پھر یلاہن ختم ہو گیا
گرچہ ظلمت آمد آں نوم و سبات	نے درون ظلمت ست آب حیات
اگر نیند اور رات کا سکون تاریکی ہے	(تو) کیا آب حیات تاریکی میں نہیں ہے؟
نے دران ظلمت خرد ہا تازہ شد	سکتہ سرمایہ آوازہ شد
کیا اس تاریکی میں عقلیں تازہ نہیں ہو گئیں	کیا خاموشی شہرت کا سرمایہ نہیں بنی؟

(زیادہ غالب یہ ہے کہ اس گفت کا فالح وہ مبارز ہے نہ رکابدار حضرت علی کا قول جو اوپر کا بدار کی درخواست کے جواب میں منقول ہوا ہے اس پر مبارز تحقیق کرتا ہے تقریر سوال مناسب مقام یہ ہے کہ ہر چند کہ قبل الصدور و بعد الصدور نسبت تحمل میں اختیاریت و اضطراریت کا تفاوت ہے مگر یہ جواز قصاص میں مفید نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ایسی حالت میں کہ کسی وحی یا کشف سے ایک شخص کا قاتل ہونا معلوم ہے تو اس کے لئے جو بات بعد الصدور ہے وہی قبل الصدور کیونکہ اس کا مصدر قتل ہونا علی التساوی مشترک ہے پس قبل الصدور سے مثلاً قتل کر ڈالنے میں اگر قبض لازم آتا ہے کہ ایک شخص جان سے گیا اس کے احباب و اقربا کو ضرر و الم پہنچا وہی قبض بعد الصدور قصاصاً قتل کرنے میں لازم آتا ہے اول میں کوئی نئی قباحت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مفروض یہ ہے کہ وحی سے اس کا قاتل ہونا متیقن تھا سو ورنہ اس قاتل کے اگر وہ مقتول ہو جائے یہ شکایت بھی نہیں کر سکتے کہ شاید یہ قتل نہ کرتا پھر شریعت نے اول کو ناجائز قرار دے کر دوسرے کو جائز کیوں قرار دیا حاصل جواب یہ ہے کہ قتل قبل الصدور خلاف حکمت تھا اور بعد الصدور یعنی قصاص موافق حکمت کے چنانچہ ادنیٰ بات یہ ہے کہ مثلاً دونوں صورتوں میں طبعی گورائی و ناگورائی میں ضرور فرق ہوتا اور اس فرق کی وجہ وہی نسبت کا تفاوت اختیاریت و اضطراریت ہے اس لئے اول ناجائز ہوا اور اس کے ارتکاب کو ایسا سمجھا گیا کہ گویا عبد معارضہ کرتا ہے آلات حق کے ساتھ من حیث الایت جو قبض عقلاً ہے اور ثانی جائز ہوا اور اس کے ارتکاب کو یوں قرار دیا گیا کہ گویا حق تعالیٰ خود اپنے آلات کو شکستہ اور اپنے احکام کو منسوخ فرما رہے ہیں اور یہ قبض نہیں بوجہ تضمن حکومت کے اب ناظر کو چاہیے کہ ترجمہ کو اس تقریر سے ملا لے یعنی اس مبارز نے عرض کیا کہ پھر قصاص کس لئے مشروع ہوا آپ نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ یہ بھی من جانب اللہ ہے (جیسے عبد کی آیت من جانب اللہ تھی) اور یہ باریک بات ہے (جس کے سمجھنے کے لئے تامل صحیح ضروری ہے) سو حق تعالیٰ اگر اپنے فعل پر خود اعتراض فرمانے لگیں (یعنی ایسا حکم مقرر فرمائیں کہ صورتہ اعتراض و معارضہ ہو) تو چونکہ اس اعتراض (صوری) سے بہت سے باغ (حکمت و مصلحت کے) پیدا کر دیتے ہیں اس لئے مضائقہ نہیں (یعنی ان احکام میں حکمتیں ہوتی ہیں بخلاف امور غیر مشروعہ کے کہ خلاف حکمت ہونے کی وجہ سے عبد اس کے ارتکاب سے نرا معارض و مخالف ہوگا) ان کو اپنے افعال پر (صورت) اعتراض کا حق حاصل ہے کیونکہ وہ قہر اور لطف میں یگانہ ہیں (یعنی موصوف

بصفات کمال ہیں اور ان صفات میں حاکم اور حکیم ہونا بھی ہے جو مقتضی ہے استحسان اطلاق تصرفات کو) اور اس عالم حوادث میں وہی حاکم ہیں اور تمام عوالم میں وہی مالک تدبیر ہیں پس اگر وہ اپنے آلات کو خود شکستہ کر دیں تو (اس لئے قبیح نہیں کہ) وہ اس شکستہ کو درست کر لیتے ہیں (یعنی اس کا انجام خیریت اور صلاح ہوتا ہے چنانچہ احکام تشریحہ و تکوینیہ میں تامل کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے سوا احکام تشریحیہ کے باب میں تو) آیت ماننسخ من آیة او ننسھانات بخیر منھا او مثلھا کو سمجھ لو جس میں نسخ او ننسھا کے عقب میں ناسخ بخیر ہے (حاصل اس کا یہ ہے کہ جو کسی آیت کو حکماً منسوخ فرمادیں یا اسطور سے منسوخ کر دیں کہ اس کو ذہن سے بھلا دیں تو ہم اس سے بہتر یا ویسا ہی حکم نازل فرمادیتے ہیں غرض) حق تعالیٰ نے جس شریعت کو منسوخ فرمایا ہے اس کی ایسی مثال ہوگئی جیسے گیاہ کو اٹھالیا اور گلاب اس کے عوض میں لے آئے (یعنی دوسرے حکم میں اس وقت کے اعتبار سے زیادہ مصالحت تھی) (اس کے بعد احکام تکوینیہ کو سمجھو کہ) نور روز کو شب منسوخ کر دیتی ہے جس سے عاقل انسان (سونے سے) مثل جماد کے (بے حس و حرکت) ہو جاتا ہے اس کے بعد نور روز سے شب منسوخ ہو جاتی ہے جس سے (انسان و حیوان کی) صفت جمادیت (جاگنے سے) زائل ہو جاتی ہے (آگے اس تغیر و تبدل کے حکمت کا بیان کرتے ہیں سو نور روز کی حکمتیں تو بہت ظاہر ہیں اس لئے صرف ظلمت شب کے بیان حکمت پر اکتفا فرمایا کہ) اگرچہ یہ نوم و آسائش شب کی (معتول و حواس کے لئے) ایک قسم کی تاریکی ہے (کہ معتول و حواس بیکار ہو گئے) مگر تم کو معلوم نہیں کہ آب حیات ظلمت ہی میں ہوتا ہے چنانچہ دیکھ لو کہ اس ظلمت میں کیا عقل و حواس تازہ نہیں ہو گئے (یعنی مکان رفع ہو کر قوت عود کر آئی) تھوڑے زمانہ کا سکوت (جو نوم میں ہوتا ہے) بہت سی نطق و تکلم کا (جو دن کے وقت ہوتا ہے) سرمایہ اور معین ہو گیا۔

کہ زضد ہا ضد ہا آید پدید	در سویدا روشنائی آفرید
کیونکہ اضداد سے اضداد پیدا ہوتے ہیں	دل کے کالے نقطہ میں نور پیدا فرمایا ہے
جنگ پیغمبر مدار صلح شد	صلح ایں آخر زماں زماں جنگ بد
پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جنگ صلح کا دار مدار ہوئی	اس اخیر زمانہ کی صلح اسی جنگ کی وجہ سے تھی
صد ہزاراں سر برید آں دلستاں	تا اماں یابد سر اہل جہاں
اس محبوب نے لاکھوں سر قلم کر دیئے	تاکہ دنیا والوں کے سروں کو امن حاصل ہو
باغبان زماں می بردشاخ خضر	تا بیابد نخل قامتہا و بر
باغبان ہر شاخ اس لئے کاٹ دیتا ہے	تاکہ کھجور قد اور پھل حاصل کرے
می کنداز باغ آں دانا حشیش	تا نماید باغ و میوہ خرمیش
وہ کھجور باغ میں سے گھاس اکھاڑ ڈالتا ہے	تاکہ باغ اور پھل اپنی تروتازگی نمایاں کر سکے
می کند دندان بدرا آں طبیب	تا رہد از درد و بیماری حبیب
مریض دانت کو ڈاکٹر اکھاڑ دیتا ہے	تاکہ دوست درد اور بیماری سے نجات پا جائے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اس شعر تک گریے راسر بروالٰخ اس میں تعلیل ہے اور نیز تمثیل ہے مضمون بالا کی کہ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ جو شکست و ریخت فرماتے ہیں اس میں مصالٰح اور حکمتیں ہوتی ہیں) کیونکہ اضداد سے دوسری اضداد پیدا ہوتی ہیں (یعنی ایک شے کے انہدام و انعدام سے دوسری چیز کی درستی ہوتی ہے پس یہ تضاد اصطلاحی نہیں لغتاً محلّین محض عنوان کے اعتبار سے مجازاً فرما دیا اور اس کی مثالیں کچھ تو اوپر گزری ہیں نسخ آیات و تبدل لیل و نہار اور کچھ مثالیں آگے فرماتے ہیں) چنانچہ سوید اے قلب میں (کہ قلب میں ایک سیاہ نقطہ ہے) روشنی عقل پیدا کر دی یا سیاہی چشم میں روشنی بینائی پیدا کر دی (اس مثال میں شکستگی و درستی بھی ملحوظ نہیں اور نیز ایک حال دوسرا محل ہے اس کو تضاد میں لانا بہت ہی توسع ہے اس لئے بہتر ہے کہ اس کو نظیر کہا جائے ادنیٰ مناسبت دوسری مثال) دیکھو جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ (کہ ظاہر میں تخریب بلا و قتل عباد تھی) صلح و امن کا مدار ہو گئی (کیونکہ بدوں قلع و قمع مفسدین کے اقامت عدل و امان ممکن نہیں) پس اس وقت کا امن و امان اس جنگ ہی کی بدولت ہے (ورنہ اہل حق کا غلبہ نہ ہونا اور امن و امان مفقود ہونا) اس محبوب دو عالم نے لاکھوں (مفسدین کے) سر کاٹ ڈالے تاکہ اور اہل عالم کے سروں کو امن حاصل ہو تیسری مثال) باغبان (قلم کرنے میں) ہری ہری شاخیں اس لئے کاٹ ڈالتا ہے تاکہ درختوں کو نشوونما اور خوبی حاصل ہو (چوتھی مثال) دانا باغبان گھاس پھوس باغ میں سے اس لئے اکھاڑ ڈالتا ہے تاکہ اس کا وہ باغ میوہ اور خوبی سے موصوف ہو جائے (پانچویں مثال) خراب دانت کو طبیب اس لئے اکھاڑ ڈالتا ہے تاکہ اس کا دوست بیماری سے چھوٹ جائے۔

پس زیادتہا درون نقصہاست	مرشہیداں راحیات اندر فناست
پس نقصانوں میں ترقیاں (مضر) ہیں	شہیدوں کی زندگی فنا ہو جانے میں ہے
چوں بریدہ گشت حلق رزق خوار	یرزقون یفرحون آید گوار
جب رزق کھانے والا حلق کٹ گیا	تو یرزقون یفرحون خوشگوار ہو کر آ جاتا ہے
حلق حیواں چوں بریدہ شد بعدل	حلق انساں رست و افزائید فضل
جانور کا گلا جب انصاف سے کاٹا گیا	انسان کے حلق نے نشوونما پائی اور اس کی فضیلت بڑھ گئی
حلق انساں چوں بریدہ شد ببین	تاچہ زاید کن قیاس آں رابدیں
جب انسان کا گلا کٹا غور کر	وہ کیا اضافہ کرے گا اس کو اس پر قیاس کر لے
حلق ثالث زاید و تیمار او	شربت حق باشد و انوار او
تیسرا حلقوم پیدا کرے گا اور اس کی تیمارداری	اللہ (تعالیٰ) کے شربت اور اس کے انوار سے ہوگی
حلق ببریدہ خورد شربت و لے	حلق از لارستہ مردہ در بلے
کٹا ہوا حلقوم شربت پیتا ہے لیکن	وہ حلق جو لارستہ سے آزاد ہو گیا ہو اور بلی میں فنا ہو گیا ہو
بس کن اے دوں ہمت کوتہ بنان	تاکیت باشد حیات جاں بنان
اے کوتاہ ہمت اور کوتاہ دست! بس کر	روٹی کے ذریعہ تیری جان کی زندگی کب تک رہے گی؟

زاں نداری میوہ مانند بید	کابرو بردی پئے نان سپید
بید کی طرح تو بے اثر اسی وجہ سے ہے	کہ تو نے سفید روئی کے لئے آمد ختم کر دی ہے

(اوپر کے مضمون پر تفریح ہے اور مقصود اس تفریح سے ترغیب ہے مجاہدہ و ریاضت و تقلیل شہوات کی یعنی جب ثابت ہو کہ جو شکستگی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حکم تکوینی یا تشریحی سے ہوتی ہے اس کا انجام درستی ہے پس (معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی پسندیدہ) نقصانوں میں ترقی ہوتی ہے دیکھو شہیدوں کو موت سے حیات حاصل ہوتی ہے اور ان کا حلق رزق خوار جب کٹ جاتا ہے تو ان کو درجہ یوزقون فرحین کے حاصل ہونے سے خوشگوار ہوتی ہے (یہ نکلڑا ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ان شہیدوں کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں آگے مقصود بال تفریح کی تصریح ہے کہ) جب حیوان کا حلق موافق حکم الہی کے عین عدل ہے کائے جانے سے انسان کا حلق پیدا ہو جاتا ہے (یعنی اس کے غذا بننے سے اسکے نشوونما ہوتا ہے) اور اس حیوان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے (کہ جزو انسان بن جاتا ہے) تو جب انسان کا حلق (موافق حکم کے) کٹ جائے (جیسا جہاد اصغریا اکبر میں) تو ذرا اس کو س پر قیاس کر کے دیکھو کہ کیا چیز پیدا ہوگی (خود وہی جواب دیتے ہیں کہ) ایک تیسرا حلق (علاوہ حلق حیوانی و انسانی جسمانی کے) پیدا ہوگا (کہ وہ روحانی ہے) اور اس حلق ثالث کی تیمارداری و تربیت شربت حق یعنی انوار حق سے ہوگی (مراد اسرار و حالات و مشاہدہ حق ہے اور اس کا تعجب مت کرنا کہ حلق بریدہ کہیں شربت پی سکتا ہے کیونکہ) حلق بریدہ بھی شربت پیا کرتا ہے مگر (ہر حلق نہیں وہی حلق جو اپنے وجود فانی سے چھوٹ گیا ہو اور اقرار بلی شہدنا یعنی توحید خالص میں مردہ اور فنا ہو گیا ہو) یعنی مرتبہ فنا کا حاصل کر لیا ہو اور ظاہر ہے کہ اسرار و حالات عالیہ مشروط بفنا ہوتے ہیں آگے مستغرق لذات کو خطاب ہے کہ اے کم ہمت کوتاہ دست (بنان سر انگشت کو کہتے ہیں) تیری حیات غذائے ظاہری سے کب تک رہے گی (روٹی کھانے سے ممانعت نہیں فرماتے بلکہ اس پر قناعت کرنے اور غذائے روحانی کی طلب نہ کرنے پر ملامت ہے) تو جواب تک درخت بید کی طرح بے ثمر رہا (یعنی نعمت باطنی سے محروم رہا) اس کی وجہ یہ ہے کہ تو لذات حسیہ کے لئے اپنی آبروریزی کرتا پھرتا ہے (مراد حرص و انہماک ہے)

گر نندار دصبر زیں ناں جان حس	کیمیارا گریوزر گرداں تو مس
اگر حس کی جان اس روئی سے مبر نہیں کرتی ہے	کیمیا حاصل کر اور تو تانے کو سونا بنا دے
جامہ شوئی کردخواہی اے فلاں	رو مگرداں از محلہ گازراں
اے فلاں! اگر تو کپڑے صاف کرنا چاہتا ہے	تو دھویوں کے محلہ سے رو گردانی نہ کر
گرچہ ناں بشکست مرروزہ ترا	در شکستہ بند پیچ و برتر آ
اگرچہ روئی نے تیرا روزہ توڑ دیا ہے	ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والے سے لپٹ جا اور آگے بڑھ
چوں شکستہ بند آمد دست او	پس رفو آید یقین ز اشکست او
جب اس کا ہاتھ ٹوٹے ہوئے کو جوڑنے والا ہے	تو اس کا توڑنا یقیناً جوڑنا ہو گا
گر تو آں را بکشنی گوید بیا	تو در ستنش کن نداری دست و پا
اگر تو خود اس کو توڑنے لگے وہ کہے گا آ جا	تو اس کو درست کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہے

پس شکستن حق او باشد کہ او	مر شکستہ گشتہ را داند رفو
توڑنا اس کے لئے مناسب ہے جو	ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا جانتا
آنکہ داند دوخت او داند درید	ہرچہ او بفروخت نیکوتر خرید
جو سینا جانتا ہے وہ کاٹنا بھی جانتا ہے	جو بیچتا ہے وہ عمدہ طریقہ پر خریدتا ہے
خانہ را کند و چو جنت ساخت او	پست کردو بر فلک افراخت او
گھر کو اجاڑا اور اُس کو جنت بنا دیا	اُس کو ڈھایا اور آسمان تک بلند کر دیا
خانہ را ویراں کند زیر و زبر	پس بیک ساعت کند معمور تر
گھر کو ویران اور زیر و زبر کرتا ہے	پھر ایک گھڑی میں اور زیادہ آباد کر دیتا ہے
گریکے را سر ببرد از بدن	صد ہزاراں سر بر آرد در زمن
اگر کسی کے جسم سے سر کاٹتا ہے	فورا لاکھوں سر پیدا کر دیتا ہے

(اوپر ترغیب تھی ریاضت و مجاہدہ کی یہاں اس کے سہل ہونے کا طریقہ اور مشور ہونے کی شرط بتاتے ہیں جس کا حاصل امر ہے طلب و اتباع مرشد کا اور اپنی رائے پر اعتماد نہ کرنے کا یعنی) اگر تمہاری روح حسی (یعنی حیوانی) ان لذات سے صبر نہیں کر سکتی (یعنی مجاہدہ کی ہمت نہیں ہوتی تو تم کیمیا (یعنی مرشد کامل) کا دامن پکڑو اور اس کی بدولت اپنے مس کو زربنالو (یعنی اس کی توجہ اور تربیت کی برکت سے تمہارا نقصان مثلاً کم ہمتی مبدل بکمال ہو جائے گا پھر ترک لذات سہل ہو جائے گا آگے مثال میں ضرورت مرشد کا اثبات ہے یعنی) اگر تم کو کپڑا صاف کرنا منظور ہو تو محلہ گا زران سے روگردانی مت کرو (اسی طرح اگر تصفیہ قلب و تزکیہ نفس مطلوب ہو تو حضرات کاملین کی طرف رجوع کرو) اور اگر چہ (اب تک) ان لذات حسیہ نے تمہارا روزہ (تقوی) شکستہ کئے رکھا مگر تم شکستہ بند سے جا لپٹو اور ترقی کرتے چلے جاؤ (مرشد کامل ہے کہ تجدید تقوی اس کا کام ہے اور اس پر ترتب تقوی کا ظاہر ہے اور اگر وہ کوئی شکستگی تجویز کرے مثلاً کسر شہوت و قوت بہیمیہ تو اندیشہ مت کرو کیونکہ) جب اس کا ہاتھ شکستہ بند ہو تو اس کی شکستگی عین درستی ہے (کیونکہ وہ اس کی تعدیل کرے گا جس سے وہ معتدل ہو جائے گی اور وسیلہ قرب بنے گی پس طرق ریاضت میں اس کا اتباع کرو اور خود اپنی رائے سے طرق ریاضت تجویز مت کرو کیونکہ) اگر تم خود اس قوت بہیمیہ وغیرہ) کو شکستہ کرنے لگو گے تو وہ کامل (بزبان حال) کہے گا کہ تو یہاں (میرے پاس) آ کیونکہ تو ایسے دست و پا نہیں رکھتا جو اس کے درست کرنے والے ہوں (یعنی تجھ میں وہ اصلاح کی قوت علمیہ و عملیہ نہیں غالب ہے کہ تجاوز عن الاعتدال سے مضرت ہو جائے پھر ترقی کے قابل نہ رہے مثلاً غلونی الجوع سے معدہ خراب ہو جائے اور اس سے ضعف اور امراض صعبہ پیدا ہو جائیں کہ اذکار و اشغال و مراقبات تو درکنار فرائض سے بھی عاجز ہو جائے اور نسبت مطلوبہ سے محروم رہے) پس ثابت ہو گیا کہ شکستہ کرنا اسی شخص کا حق ہے جو شکستہ کو درست بھی کرنا جانتا ہو (اور وہ مرشد کامل ہے جیسا مفصل بیان ہوا آگے مثالیں ہیں کہ) مثلاً جو شخص سینا جانتا ہو (قاعدہ سے) پھاڑنا بھی وہی جانتا ہے اور مثلاً ایسا (قاعدہ دان) شخص جو فروخت کرے گا (جس میں مردست زوال ملک ہے) اس سے بہتر خرید کر لے گا (کہ معنی بقاء

ملک مع شے زائد ہے) اور مثلاً کسی نے (پرانا) گھر کھو ڈالا اور پھر بہشت جیسا بنا لیا کہ اول اس کو پست کر دیا مگر پھر عالی شان بنا دیا اور اول گھر کو ویران اور زیر و زبر کر دیتا ہے پھر جلدی ہی اس سے زیادہ اس کو رونق دار کر دیتا ہے (پس مرشد کامل) اگر کسی کا سر بدن سے قطع کر دے (مراد قطع لذات نفسانیہ کہ نفس کے نزدیک گویا سر کا ثنا ہے تو لاکھوں سر ظاہر کر دیتا ہے مراد عطاء لذات روحانیہ)

خود نکلتے فی القصاص آدم حیات	گرنفر مودے قصاصے بر جنات
(اور) یہ نہ فرماتا کہ قصاص میں زندگی ہے	اگر وہ مجرموں پر قصاص کا حکم نہ فرماتا
بر اسیر حکم حق تیغے زند	خود کرا زہرہ بدے تا اوز خود
اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند پر تلوار چلائے	کس کی طاقت ہوگی کہ وہ از خود
کاں کشندہ سخرہ تقدیر بود	زانکہ داند ہر کہ چشمش را کشود
کہ وہ قاتل تقدیر کے تابع تھا	اس لئے کہ ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے آنکھ کھولی ہے
بر سر فرزند خود تیغے زدے	ہر کرا آل حکم بر سر آمدے
(وہ) اپنے لڑکے کے سر پر تلوار مارتا ہے	جس کے لئے یہ حکم صادر ہوتا

(یہ تہمت ہے مقولہ حضرت علی کا یعنی) اگر حق تعالیٰ اہل جنایت پر قصاص مشروع نہ فرماتے اور آیہ ولکم فی القصاص حیوة نازل نہ فرماتے تو کس کی مجال تھی (یعنی اختیار جا بر کس کو حاصل تھا) کہ وہ اپنی طرف سے ایسے شخص پر تلوار چلائے جو سخر تقدیر حق ہو کیونکہ جو شخص اپنی چشم بصیرت کو کھولے گا وہ یقیناً جانے گا کہ وہ قاتل سخر تقدیر تھا اور حکم تقدیری ایسا غالب ہے کہ وہ جس پر نافذ ہو جائے وہ اپنے فرزند کے سر پر تلوار چلا ڈالے (اور محبت پدری بھی مانع نہ ہو چنانچہ سلاطین میں ایسے واقعات ہوئے ہیں) ف تقدیر تہمت کی حسب تقریر ذی تہمت کے یہ ہے کہ نسبت اختیاریت جو مبنی ہے قتل بعد الصدور کا خود اس کا قابل اعتبار ہونا اور اس کی تاثیر کا معتد بہ ہونا چونکہ فی نفسہ محل اشتباہ میں ہوتا جیسا بہت سے عقلا کو اب تک شبہ ہے اور وہ جبریہ بن گئے اور خصوص صاحب کشف توحید افعالی کی نظر میں تو وہ معدوم محض تھا اس لئے عقل محض حکم جواز قتل کے لئے کافی نہ ہوتی مگر ورود شرع سے ظاہر ہو گیا کہ وہ نسبت معتد بہ و معتبر ہے اس لئے اس پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی اور وہ اشتباہ جاتا رہا مگر اہل نظر کے نزدیک تو اس اشتباہ کا منفی ہونا محض مرتبہ اعتقاد میں ہے بلا شرح صدر اور محققین اہل ذوق کو شرح اور صدر حاصل ہے اس کو خوب سمجھ لینا یہ موقع ہے لغزش ناظرین کا کیونکہ غلبہ انکشاف توحید افعالی سے مولانا کا کلام اس مقام میں مسئلہ اختیار کے باب میں کسی قدر مبہم و مجمل ہو گیا ہے مگر چونکہ خود مولانا بہت مواقع میں اختیار کا اثبات بڑی شد و مد سے فرما چکے ہیں اس لئے گنجائش شبہ کی نہیں ہو سکتی واللہ الموفق للصواب فی کل باب اور اس تہمت میں اشارہ ہے کہ حس و صبح افعال کا شرعی ہے عقلی نہیں یعنی عقل اس کے ادراک و احاطہ تفصیل کے لئے کافی نہیں)

پیش دام حکم عجز خود بدال	روبترس و طعنہ کم زن بر بدال
اللہ (تعالیٰ) کے حکم کے جال کے سامنے اپنا عجز سمجھ	جا ڈرتا رہ اور بدوں پر طعنہ زنی نہ کر

تسخیر و طعنہ مزین بردیگراں	پیش حکم حق بنہ گردن زجاں
دوسروں پر مذاق اور طعنہ زنی نہ کر	دل سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے گردن جھکا دے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا اس میں ماقبل پر تفریح کر کے ممانعت ہے عاصی پر طعن و تمسخر اور اپنی حالت پر عجب غرور کرنے کی یعنی جب ثابت ہو گیا کہ تقدیر کے روبرو سب مغلوب ہیں تو) جاؤ ذرا ڈرتے رہو (کہ خدا جانے تمہاری تقدیر میں کیا لکھا ہے) اور بدوں پر طعن مت کرو اور اوزدام حکم تقدیری کے روبرو اپنی در ماندگی کو سمجھو (کہ اگر تمہاری تقدیر میں بدی لکھی ہے تو ہرگز اس کو نہیں ٹال سکتے) تم کو چاہیے کہ حکم حق کے روبرو دل و جان سے گردن جھکا دو (یعنی اوامر شرعیہ میں انقیاد اور اوامر تکوینیہ میں تسلیم اختیار کرو) اور دوسروں پر تمسخر اور طعن مت کرو (مبادا تم بھی اسی بلا میں مبتلا نہ ہو جاؤ) ف اس میں عجب و طعن سے ممانعت ہے کہ منہیات سے ہے نہ کہ ارشاد و اصلاح و اقامت حدود سے کہ وہ خود آمر بامر تکوینی کا امر تشریحی ہے)

تعجب کردن آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام از ضلالت ابلیس لعین و عجب آوردن او

ابلیس لعین کی گمراہی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تعجب کرنا اور ان کا غرور کرنا

روزے آدم بر بلیسے کوشتی ست	از حقارت و ز زیافت بنگریت
ایک روز آدم (علیہ السلام) نے ابلیس کو جو بد بخت ہے	حقارت اور کھوٹے پن کی نگاہ سے دیکھا
خویش بینی کرد و آمد خود گزین	خندہ زد بر کار ابلیس لعین
(انہوں نے) خود بینی کی اور خود پسند بنے	ابلیس لعین کے کام کی ہنسی اڑائی
بانگ بر زد غیرت حق کاے صفی	تو نمیدانی ز اسرار خفی
غیرت حق نے پکارا کہ اے برگزیدہ!	تمہیں چھپے ہوئے رازوں کا علم نہیں ہے
پوستیں را باژگونہ گر کنم	کوہ را از تیغ و از بن بر کنم
اگر میں پوستیں کو الٹ دوں	(تو) پہاڑ کو جڑ اور بنیاد سے اکھاڑ ڈالوں
پردہ صد آدم آندم بر درم	صد بلیس نو مسلمان آورم
فورا سینکڑوں آدموں کی پردہ دری کر دوں	سینکڑوں شیطانوں کو نو مسلم کر دوں
گفت آدم توبہ کردم زیں نظر	اس چنیں گستاخ نندیشم دگر
(حضرت) آدم نے کہا میں نے اس نظر سے توبہ کی	پھر کبھی ایسی گستاخی کو خیال میں بھی نہ لاؤں گا
یارب ایں جرأت ز بندہ عفو کن	توبہ کردم می نگیرم زیں سخن
اے خدا! بندہ کی اس جرأت کو معاف کر دے	میں نے توبہ کی میری اس بات پر گرفت نہ کر

(یہ مربوط ہے مضمون بالا پیش دام حکم عجز خود بدان سے یعنی) ایک روز آدم صغی علیہ السلام نے ابلیس شقی کو حقارت اور روائت کی نظر سے دیکھا اور اپنے کمالات پر نظر فرمائی اور اپنی ذات کو پسند کیا اور ابلیس کے فعل پر خندہ فرمایا (چونکہ آدم علیہ السلام معصوم ہیں اس لئے حقیقت تحقیر و حقیقت عجب مراد نہیں بلکہ کوئی معاملہ ایسا ہوا ہوگا جیسا معجب سے صادر ہوتا ہے مگر بقول مقربان را بیش بود حیرانی اس صورت عجب پر بھی ان کی اصلاح کی گئی یعنی) غیرت الہیہ نے خطاب فرمایا کہ اے برگزیدہ درگاہ تم اسرار خفی کو (بطور احاطہ کے) نہیں جانتے ہو (میری وہ قدرت ہے کہ) اگر پوسٹین کو الٹ دوں (یعنی استعداد امکانی شرکی جو کہ اختیار میں ایجاد خیر سے مضمحل ہے اس کے متعلق بافتح یعنی شر کے ایجاد سے ظاہر کر دوں اور اسی طرح خیر کے امکان کو جو کہ اشرا میں ایجاد شر سے مضمحل ہے ایجاد خیر سے ظاہر کر دوں کہ مشابہ ہے پوسٹین الٹ دینے کے) تو بڑے بڑے کا ملین کو جو رسوخ میں کوہ ہیں نیخ و بن سے اکھاڑ ڈالوں (یعنی سب استقامت برباد ہو جائے) اور اس وقت صد ہا آدم کی پردہ دری کر ڈالوں اور صد ہا نو مسلم ابلیس پیدا کر دوں حضرت آدم علیہ السلام (کانپ اٹھے اور آپ) نے عرض کیا کہ اے اللہ میں اس نظر (بد بینی و خود بینی) سے توبہ کرتا ہوں کبھی ایسا گستاخی کا خیال نہ کروں گا اے پروردگار بندہ کی اس جرأت کو معاف فرمائیے میں توبہ کرتا ہوں اس بات سے مجھ پر مواخذہ نہ فرمائیے۔

یا غیاث المستغیثین اهدنا	لا افتخار بالعلوم والغنا
اے فریادیوں کے فریاد رس! ہم کو ہدایت دے	علوم اور مالداری پر کوئی فخر نہیں ہے
لا ترغ قلباً ہدیت بالکرم	واصرف السوء الذی خط القلم
کرم کر کے جس دل کو تونے ہدایت دیدی ہے اس کو گنج نہ کر	اور اس برائی کو پھیر دے جو قلم نے لکھ دی ہے
بگذراں از جان ماسوء القضا	وامبر مارا ز اخوان الصفا
بری تقدیر کو ہماری جان سے ہٹال دے	ہمیں اہل اللہ سے جدا نہ کر
تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست	بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست
تیری جدائی سے زیادہ کڑوی چیز کوئی نہیں ہے	تیری پناہ کے بغیر سوائے اللہ کے کچھ نہیں ہے
رخت ماہم رخت مارا راہزن	جسم ما مرجان مارا جامہ کن
ہمارا سامان بھی ہمارا راہزن ہے	ہمارا جسم ہی ہماری جان کیلئے نقصان رساں ہے
دست ما چوں پائے مارا می خورد	بے امان تو کسے چوں جاں برد
جب ہمارا ہاتھ ہی ہمارے پاؤں کو کھاتا ہے	تیری امان کے بغیر کوئی کس طرح جان بچا سکتا ہے؟
ور برد جاں زیں خطر ہائے عظیم	برودہ باشد مایہ ادبار و بیم
اگر ان بڑے خطروں سے جان (بھی) بچالی	تو بدبختی اور خوف کا سرمایہ حاصل کیا
زانکہ جاں چوں واصل جاناں نبود	تا ابد با خویش کورست و کبود
اس لئے کہ جان کا جب تک محبوب سے وصال نہ ہو	قیامت تک وہ خود اندھی اور بے نور ہے

چوں تو ندہی راہ جاں خود بردہ گیر	جاں کہ بے تو زندہ باشد مردہ گیر
جب تو راستہ نہ دے جان کا بچنا فرضی بات ہے	وہ جان جو تیرے بغیر زندہ ہو اس کو مردہ سمجھنا چاہیے

(یہ تتمہ ہے مناجات آدم علیہ السلام کا یعنی) اے فریادیوں کے فریادرس آپ ہی ہم کو راہ بتلائیے ہم کو علوم اور اموال (یعنی نعمت روحانی و جسمانی) پر کوئی فخر نہیں آپ نے (ہمارے) جس قلب کو اپنے فضل و کرم سے ہدایت فرمائی ہے اس میں کجی پیدا نہ کیجیے (یہ اقتباس ہے آیت ربنا لاتزغ قلوبنا بعد از ہدیتنا الخ سے) اور جو خرابی قلم (کتابت تقدیر) نے ہمارے لئے لکھی ہو اس کو دور کر دیجئے (کیونکہ مقدر مکتوب میں محو و اثبات ممکن ہے کما قال تعالیٰ یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت و عندہ ام الكتاب البتہ مقدر معلوم بعلم الہی میں یہ ناممکن ہے کیونکہ خلاف علم وقوع محال ہے اور یہ بحث ذرا دقیق و محتاج تطویل ہے) اور آپ ہماری جان سے قضائے سخت کو دفع کر دیجئے اور ہم کو اخوان الصفا سے علیحدہ نہ فرمائیے (مراد اہل اللہ ہیں جن کی محبت غرض سے صاف محض للہ ہوتی ہے) اور آپ کی فرقت سے زیادہ کوئی چیز تلخ نہیں اور اگر آپ پناہ ندین تو نرا الجھاؤ ہی الجھاؤ ہے اور ہمارا رخت ہستی خود ہماری رخت ہستی کے حق میں ضرر رساں ہے (کیونکہ لذات و شہوات کا خمیازہ خود ہی بھگتنا پڑے گا چنانچہ آگے اس کی تفسیر ہے) اور ہمارا جسم ہماری روح کے گویا کپڑے اتارنے والا (یعنی ضرر رساں) ہے مطلب یہ کہ ہم خود اپنی خیر خواہی نہیں کر سکتے آپ ہی فضل فرمائیے اور جب ہماری یہ حالت ہے کہ ہمارا ہاتھ (یعنی ہمارا عمل دنیوی) ہمارے پاؤں کو کھار رہا ہے (یعنی قوت سلوک طریق الہی کو ضائع کر رہا ہے) تو اس حالت میں بدوں آپ کے امان دیئے ہوئے (مہالک سے) کون جانبر (اور ناجی) ہو سکتا ہے اور اگر بلا آپ کے امن دیئے ہوئے کوئی اپنی جان ان خطرات عظیمہ سے نکال بھی لے جائے تو وہ واقع میں ایسی جان لے گیا ہے جو بدبختی اور خطرات کا سرمایہ ہے (کیونکہ جب یہ مفروض ہے کہ اللہ تعالیٰ کا امن ہمراہ نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ وہ واقع میں ناجی نہیں ہو محض فرض محال یا اس کا زعم ہے جس کی غلطی عنقریب مرتے ہی معلوم ہو جائے گی چنانچہ مولانا علت میں یہی تقریر فرماتے ہیں یعنی) وجہ یہ کہ جب جان واصل جانان نہیں ہے (جیسا مفروض ہے کہ معیت امن و رحمت نہیں ہے) تو وہ (بدلاً بادتک اپنی حالت میں کورو کبود رہے گی) اور یہی مطلب ہے بیت آئندہ کا یعنی) اے اللہ جب آپ راہ (نجات) نہ دیں گے تو اس جان کا پردہ و دستگار ہونا تو صرف مفروض ہی مفروض ہے اور جو جان آپ کی معیت نہ رکھتی ہو اس کو تو مردہ سمجھنا چاہیے۔ ف: یہ تلازمات ایسے ہیں جیسے اس آیت میں ولو علم اللہ فیہم خیر الا سمعہم ولو اسمعہم لتولو اور ہم معرضون الآیة فتائل

گر تو طعنہ می زنی بر بندگاں	مر ترا آں می رسد اے کامراں
اگر تو بندوں پر طعنہ زنی کرے	اے مختارا یہ تیرا حق ہے
ور تو ماہ و مہر را گوئی خفا	ور تو قد سرورا گوئی دو تا
اگر تو چاند اور سورج کو مخفی کہے	اگر تو سرد کے قد کو جھکا ہوا کہے
ور تو چرخ و عرش را خوانی حقیر	ور تو کان و بحر را گوئی فقیر
اگر تو آسمان اور عرش کو حقیر کہے	اگر تو کان اور سمندر کو فقیر کہے

آں بہ نسبت با کمال تو رواست	ملک اکمال و فنا مر تراست
یہ بات تیرے کمال کے پیش نظر درست ہے	مکمل کرنے اور فنا کرنے کی ملکیت تیری ہی ہے
کہ تو پاکی از خطر و ز نیستی	نیستیاں را موجد و مہنستی
کیونکہ تو عدم اور نیستی سے پاک ہے	معدوم کو موجد کرنے والا ہے اور فنا کرنے والا ہے
آنکہ رویا نید داند سوختن	وانکہ بدرید ست داند دوختن
جس نے اگیا ہے وہ جانا جانتا ہے	جس نے پھاڑا ہے وہ سینا جانتا ہے
می بسوزد ہر خزاں مر باغ را	باز رویاند گل صباغ را
ہر خزاں میں باغ کو جلا ڈالتا ہے	پھر رنگ آمیز پھول اگا دیتا ہے
کائے بسوزیدہ بروں آتازہ شو	بار دیگر خوب و خوش آوازہ شو
کہ اے جلے ہوئے باہر آ' تروتازہ ہو جا	دو بارہ خوبصورت بن اور مشہور ہو جا
چشم ز گس کور شد بازش بساخت	حلق نے بربید و بازش خود نواخت
ز گس کی آنکھ اندھی ہوئی اس کو پھر بنا دیا	ہانسی کا حلق پھاڑ دیا پھر اس کو بجا دیا
ماچو مصنوعیم و صانع نیستیم	جز زبون و جز کہ قانع نیستیم
ہم چونکہ بنائے ہوئے ہیں اور بنانے والے نہیں ہیں	سوائے ناچیز اور سوائے (ادنیٰ صجہ پر) قانع ہوئے کچھ نہیں ہیں

(یہ بھی تہمت ہے مناجات سابقہ کا اور اس میں ناظرین کے ایک سوال مقدر کا جواب ہے یعنی اوپر اہل معصیت کی تحقیر اور اعتراض سے منع کیا گیا ہے حالانکہ خود کلام الہی میں اہل معصیت کی سخت تحقیر کی گئی ہے پس بصورت مناجات جواب دیتے ہیں گویا مناجات کا خطاب حق تعالیٰ سے ہے اور جواب کا خطاب سائل کو یعنی) اے پروردگار اگر آپ اپنے بندوں پر طعن و اعتراض فرمائیں تو آپ کو زیبا ہے اور اگر آپ ماہ و مہر کو جو روشن ہیں خفی اور تاریک فرمانے لگیں اسی طرح اگر آپ قامت سر و کوشیدہ فرمانے لگیں اور اسی طرح اگر آپ خرچ و عرش کو حقیر فرمانے لگیں اور اسی طرح اگر آپ معدن اور بحر کو تہی دست فرمانے لگیں یہ سب کچھ آپ کے کمالات کی نسبت سے صحیح اور بجا ہے (یہ نہیں کہ نعوذ باللہ ہو تو کذب مگر حاکم حقیقی پر کون مواخذہ کرے بلکہ یہ سب فرمانا ماطبق واقع کے ہوگا) کیونکہ تمام سلطنت اور اقبال اور غنا سب آپ ہی کے لئے ثابت ہے اور وجہ یہ کہ آپ احتمال عدم اور عدم سے پاک ہیں اور سب فانیوں کے آپ موجد بھی ہیں اور مثنیٰ بھی ہیں (پس ایسے کامل الذات جامع الکملات کی نسبت حقیقت میں نور ماہ و خور اور جمال سرد اور عظمت فلک و عرش اور غنائے معدن و بحر کی کیا حقیقت ہے بلاشبہ وہ سب کے سب ناقص ہیں آگے موجد و مثنیٰ کی صفت پر تفریح ہے کہ) جو پیدا کر سکتا ہے اس کو فنا کرنے کی بھی قدرت ہے اور جس نے فنا کیا ہے وہ پھر ایجاد بھی کر سکتا ہے دیکھو ہر فصل خزاں میں باغ کو سوختہ کر دیتے ہیں او پھر (بہار میں) گل رنگیں کو پیدا کر دیتے ہیں (اور اس کو خطاب تکوینی فرماتے ہیں کہ اے سوختہ (عدم سے) باہر نکل پھر (وجود میں) تازہ ہو جا اور مکرر خوشنما اور خوبی میں مشہور ہو جا

(خطاب میں مثل کو بجائے عین کے مجازاً فرض کر لیا) اور اسی طرح چشم زگس جو (خشک ہو کر) کور ہو گئی تھی اس کو (تجدد مثل سے) پھر درست کر دیا اور اول نے کالحق دریدہ کر دیا (جو بظاہر منقص ہے) مگر پھر اس میں صفت نواختگی کی پیدا کر دی (جو مکمل ہے) یعنی نقصان کے بعد کمال دنیا ان کا کام ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ دریدہ اور نواخت دونوں میں اسناد تکوینی ہے مگر اول بواسطہ صنعت عباد اور ثانی بلا واسطہ جیسا ظاہر ہے آگے بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں کہ) چونکہ ہم محض مصنوع ہیں اور صانع نہیں ہیں اس لئے صرف مسخر (تقدیر) اور قانع (یعنی سائل امان یا راضی بقضا) ہیں (پس جو شخص خود مصنوع مسخر قدرت ہو اس کو کسی پر بطور عجب کے اعتراض کرنا کب زیبا ہے البتہ صانع جو قادر مطلق ہیں اور خود ہر طرح منزہ وہ اگر اعتراض کریں تو ان کا حق ہے)

ماہمہ نفسی و نفسی می زینم	گر نحوای ماہمہ آہریمنیم
ہم سب نفسی نفسی پکارتے ہیں	اگر تو نہ چاہے ہم سب شیطان ہیں
زاں ز آہرمن رہید ستیم ما	کہ خریدی جان ما را از عی
ہم نے شیطان سے رہائی اس لئے پائی ہے	کہ تو نے ہماری جان کو اندھے پن سے بچا لیا ہے
تو عصاکش ہر کرا کہ زندگیست	بے عصا و بے عصاکش کور چیست
جس کی زندگی ہے تو اس کے لئے لاشی پکڑنے والا ہے	لاشی اور لاشی پکڑنے والے کے بغیر اندھا کیا ہوتا ہے؟
غیر تو ہر چہ خوش ست و ناخوش ست	آدی سوز ست و عین آتش ست
تیرے سوا جو کچھ بھی ہے خواہ اچھا ہے یا برا ہے	آدی کو جلانے والا ہے اور مجسم آگ ہے
ہر کرا آتش پناہ و پشت شد	ہم مجوسی گشت و ہم زردشت شد
جس کسی کے لئے آگ پشت و پناہ بن گئی	وہ آتش پرست اور آتش پرستوں کا پیشوا بن گیا
کل شیئی ما خلا اللہ باطل	ان فضل اللہ عظیم هاطل
اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے	بیشک اللہ کا فضل ہارش برسانے والا ابر ہے

(یہ بھی تہمت ہے مناجات کا جس میں محض مناجات ہی مقصود ہے یعنی) ہم سب (غایت احتیاج سے) نفسی نفسی پکار رہے ہیں اور اگر آپ (ہماری ہدایت) نہ چاہیں تو ہم سب شیطان ہو جائیں کما قال تعالیٰ ولولا فضل اللہ علیکم و رحمته لاتبعتم الشیطان و فی الحدیث واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا اور ہم جو شیطان سے بچے ہوئے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ آپ نے کور چشمی (وضالت) سے ہماری جان کو بچا لیا ہے اور جس شخص کو حیات (ابدیہ) ملنے والی ہے آپ ہی اس کے عصاکش (اور ہادی) ہیں اور واقعی بدوں عصا اور عصاکش کے اندھے کا کیا حال ہو اور جو چیز آپ سے مغائر ہو (یعنی آپ سے حاجب اور مانع ہو) خواہ وہ نفس کو خوش اور لذیذ معلوم ہو یا ناخوش معلوم ہو وہ یقیناً آدی سوز اور عین آتش (یعنی مہلک) ہے اور جس کی پشت و پناہ آتش بنے گی وہ مجوسی اور زردشت (پیشوائے مجوسیان) ہو کر رہے گا (مطلب یہ کہ جو غیر اللہ کو اپنا قبلہ توجہ بنائے گا وہ ضال اور مضل ہوگا) اور جو چیز غیر اللہ ہے وہ باطل ہے) اگر غیر سے مراد معنی لغوی لئے جائیں تو

باطل کے معنی فانی ہیں اور اگر حاجب عند اللہ لیا جائے تو باطل کے معنی بے کار و غیر نافع ہیں اور اصل میں یہ قول لبید کا ہے جس کی تصدیق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ان اصدق کلمة قالها الشاعر كلمة لبید الاکل شیء ما خلا اللہ باطل (اور بلاشبہ حق تعالیٰ کا فضل ابر بارندہ (انعام و احسان) ہے۔

بازگشتن بحکایت امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ و مسامحت کردن او با خونی و رکابدار خویش

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصہ کی طرف واپسی اور ان کا اپنے قاتل اور اپنے خادم سے چشم پوشی برتنا

باز رو سوئے علی و خونیش	واں کرم با خونی و افزونیش
(حضرت) علی اور ان کے قاتل کے (تصدیق) کی طرف پھر چل	اور قاتل پر ان کے کرم اور کرم میں اضافہ کی طرف (چل)
گفت دشمن را ہمی پینم بچشم	روز و شب بروے ندارم ہیچ چشم
کہا میں دشمن کو آنکھ سے دیکھتا ہوں	شب و روز اس پر کوئی غصہ نہیں کرتا ہوں
زانکہ مرگم ہمچو جاں خوش آمدست	مرگ من در بعثت چنگ اندرز دست
کیونکہ مجھے موت زندگی کی طرح اچھی لگتی ہے	میری موت نے زندگی کو مضبوطی سے پکڑ لیا ہے
مرگ بے مرگی بود مارا حلال	برگ بے برگی بود مارا نوال
بغیر موت کے موت ہمارے لئے حلال ہے	بے لوائی کا سامان ہمارے لئے عطیہ ہے

یعنی پھر حضرت علی اور ان کے قاتل کا قصہ بیان کرو اور وہ جو اپنے خونی کے ساتھ کرم اور فضل کرتے رہے چنانچہ آپ نے (اس مبارز سے) بیان فرمایا کہ میں دشمن کو اپنی آنکھ سے شب و روز دیکھتا ہوں اور اس پر ذرا غصہ نہیں آتا کیونکہ موت مجھ کو جان کی برابر عزیز معلوم ہوتی ہے اور میری موت نے حیات کو مضبوط پکڑ رکھا ہے (یعنی موت خصوص موت شہادت سبب حیات ابدیہ ہے اور ہم موت سے کیا گھبراتے جبکہ) موت بلا موت (یعنی موتوا قبل ان تموتوا) ہمارے لئے حلال ہو چکی ہے (یعنی موت اختیاری کو کہ عبارت ہے فنا سے اختیار کر چکے ہیں) اور بے سامانی کا سامان ہم کو عطیہ مل چکا ہے (اس سے بھی مراد فنا ہے کہ سامان دعویٰ ہستی کا رافع ہے

ف: نفی چشم کی علی الاطلاق مراد نہیں کیونکہ اس شخص کا فعل معصیت ہے اور معاصی پر بغض فی اللہ فرض ہے بلکہ حیثیت خاص سے ہے یعنی اس حیثیت سے کہ میرا ضرر رساں ہے مغموض نہیں دو وجہ سے ایک تو انکشاف قضائے الہی وغلبہ نسبت خالقہ حق کی وجہ سے جیسا اوپر آچکا ہے دوم محبوبیت موت کی وجہ سے جس کا یہاں ذکر ہے دوسری حیثیت سے کہ اس کا فعل معصیت ہے مغموض ہوگا اور بغض و عدم بغض کا اجتماع دو حیثیت سے ممکن ہے یہی تقریر ہے رفع تعارض ظاہری کی درمیان و جوہ رضا بالقضا و جوہ سخط علی المعصیت کی۔

برگ بے برگی تراچوں برگ شد	جان باقی یافتی و مرگ شد
بے لوائی کا سامان جب تیرے لئے سامان بن گیا	تو تو نے حیات جاودانی پالی اور موت ختم ہو گئی
آنچہ خوف دیگران آں امن تست	بطقوی در بحر و مرغ خانہ سست
جو دوسروں کے لئے خوف کا سبب ہے وہ تیرے لئے امن بن گیا	دریا میں بطقوی ہوتی ہے اور پالتو مرغ سست ہوتا ہے
ظاہر مرگ و باطن زندگی	ظاہر ش ابتر نہاں پابندگی
اس کا ظاہر موت ہے اور باطن زندگی ہے	بظاہر وہ تباہی ہے باطن وہ بقا ہے
از رحم زادن جنین رارفتن سست	در جہاں اور از نو بشگفتن سست
بچہ کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا (اس کا) سفر ہے	اس کا دنیا میں از سر نو کھلنا ہے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون سابق کے یعنی) جب بے سامانی تمہارا سامان بن جائے تو تم کو حیات ابدی حاصل ہو جائے اور موت مرتفع ہو جائے (یعنی فنا سے بقا حاصل ہوتی ہے پھر موت سبب نقصان نہیں ہوتی) اور جس چیز سے دوسرے ڈرتے ہیں (یعنی موت) وہ تمہارے لئے سبب امن (وراحت) ہو جائے (جیسا حدیث میں ہے مستریح او مستراح منہ) اس کی ایسی مثال ہے کہ بحر میں بطقوی ہوتی ہے اور مرغ خانگی سست ہوتا ہے (پس ثابت ہوا کہ ممکن ہے ایک شے ایک کو نافع ہو دوسرے کے لئے مضر) پس اس کی ظاہری حالت موت ہے مگر باطناً وہ زندگی ہے اور ظاہری حالت ویرانی ہے مگر باطناً وہ بقاء ہے جیسا رحم سے پیدا ہونا بچہ کے حق میں (رحم سے تو) خروج اور سفر ہی ہے مگر یہ سفر اس کے لئے اس جہان میں از سر نو شگفتہ ہونا ہے (اسی طرح دنیا سے جانا یہاں سے تو انتقال ہی ہے مگر وہاں عالم راحت و وسعت میں پہنچ جانا ہے)

چوں مرا سوائے اجل عشق و ہواست	نہی لا تلقوا بایدیکم مراست
چونکہ موت سے مجھے عشق اور محبت ہے	اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو کی ممانعت میرے لئے ہے
آنکہ مردن پیش جالش تہلکہ است	امر لا تلقوا نگیرد او بدست
جس کی جان کے لئے مرنا ہلاکت ہے	وہ لا تلقوا کے حکم پر عامل نہیں ہے
آنکہ مردن پیش او شد فتح باب	سار عوا آمد مر او را در خطاب
جس کے لئے مرنا کامیابی بن گیا ہے	اس کے لئے "جلدی کرو" کا خطاب آیا ہے
زانکہ نہی از دانہ شیریں بود	تلخ را خود نہی حاجت کے شود
اس لئے کہ ممانعت تو بیٹھے دانہ سے ہوتی ہے	کڑوے کے لئے ممانعت کی کیا ضرورت ہے؟
دانہ کش تلخ باشد مغز و پوست	تلخی و مکرو ہمیش خود نہی اوست
جس دانہ کا گودا اور چھلکا کڑوا ہو	اس کی تلخی اور کڑواہٹ خود ممانعت ہے

(یہ مقولہ بلسان حضرت علی ہے اور اس میں جواب ہے ایک سوال مقدر کا جو مضمون بالا پر وارد ہوتا ہے کہ موت کا مطلوب و محبوب ہونا اسی طرح موت اختیاری میں ریاضات شاقہ کا اختیار کرنا تو خلاف نص قرآنی و لاتلقوا یا یدیکم الی التہلکہ کے ہے چونکہ یہ سوال مثنیٰ ہے اس تفسیر پر کہ تہلکہ سے مراد ہلاکت ظاہری لے جائے اس لئے مولانا اس کی نفی کر کے دوسری تفسیر کا اثبات فرماتے ہیں اس کے لئے اول ایک مقدمہ مہمہ فرماتے ہیں تقریر اس کی یہ ہے کہ یہ امر بشہادت ہدایت عقل سلیم مقرر ہے کہ نہی اس چیز سے کی جاتی ہے جو اکثر نفوس کو مرغوب ہو ورنہ خود اس کا غیر مرغوب ہونا احتراز کے لئے کافی تھا نہی کی ضرورت نہ ہوتی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شریعت نے خمر سے تو نصاً ممانعت فرمائی کہ مشتی تھی اور یہ کہیں نہیں فرمایا لا تشربوا ابوال الخنازیر و لاتماکلوا قدرھا کیونکہ وہ خود مکروہ و مستقدر تھا پس اس بناء پر ضرور ہوا کہ تہلکہ سے مراد ہلاکت ظاہری نہیں کیونکہ یہ تو خود غیر مرغوب عند الاکثر ہے بلکہ ایسے معنی مراد ہیں جو مرغوب عند الاکثر ہوں اور وہ ہلاکت باطنی ہے یعنی نفس کے بقاء و راحت و کذب میں کوشاں ہونا جیسا حدیث میں ایک صحابی سے اس کی تفسیر آئی ہے کہ تم ہجوم علی العدو کو تہلکہ سمجھتے ہو حالانکہ مراد اس سے تقاعد عن الجہاد ہے جب اس دلیل سے اس کے تفسیر متعین ہو گئی اب محبین موت اضطراری و موت اختیاری پر شبہ مخالفت نفس کا نہ رہا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جن کو موت محبوب ہے ان کے حق میں تو بقاعدہ مذکورہ وہی منہی عنہ ہونا چاہیے دفع اس کا عند الاکثر کی قید سے ہو گیا یعنی جب مرغوبیت عند الاکثر کے لحاظ سے حکم مقرر ہو گیا اور احکام شریعیہ عام ہوتے ہیں اس لئے وہ ان شاذ نادور حالت والوں کو بھی شامل ہو گیا اور اسباب موت ہر دو قسم کی طرف مسامتہ ممنوع نہیں ہوئی اور کوئی یہ شبہ بھی نہ کرے کہ پھر خود کشی کیوں حرام ہے گو دوسری آیت سے سہی اس کا جواب یہ ہے کہ بعض حالتوں میں وہ بھی اکثر نفوس غیر صابروہ کے نزدیک مرغوب ہے اور یہ شبہ بھی نہ کیا جائے کہ پھر اس بناء پر یہاں بھی یہی تفسیر ممکن ہے جو اب یہ ہے کہ بے شک ممکن ہے مگر بناء علی تفسیر الصحابی یہاں یہی راجح ہے اور مقدمہ مذکورہ صرف مفید ترجیح ہے اس تقریر کو خوب سمجھ کر اشعار کو حل کرو) یعنی جب مجھ کو (یعنی صرف خواص کو) موت کی طرف عشق و میلان ہے (اور عامہ نفوس کو نہیں اور بناء علی المقدمہ امد کورہ منہی عنہ + میں اعتبار رغبت عند العامہ کا ہے) تو پھر (عام طور پر) نہی لاتلقوا کی ضرورت ہی کیا تھی کیونکہ جس شخص کے نزدیک مرنا تہلکہ ہے (جیسا عام لوگوں کی حالت ہے) وہ تو (پہلے ہی سے) حکم لاتلقوا کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں (پھر منع عام کی کیا ضرورت ہوتی حالانکہ منع عام کیا گیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ یہ تہلکہ ظاہری آیت کی تفسیر نہیں ہے اور اس مقام پر جیسا نہی کا ایک قاعدہ تھا دوسرا قاعدہ امر کا ہے کہ مامور بہ وہ شے ہوتی ہے جو نافع محض ہو خواہ نفس پر شاق ہو یا نہ ہو چنانچہ اکل و شرب و لبس و وطی منکوحہ بقدر حاجت مامور بہ و موجب اجر ہے اور منہی عنہ مذکور کی ضد یعنی مجاہدہ ظاہری و باطنی نافع محض ہے پس وہ مامور بہ ہو گا چنانچہ خود نہی مذکور بھی اس کو متضمن ہے لان النهی عن الشرع یقتضی الامر بضدہ اور صریحاً و مستقلاً بھی مامور بہ ہے چنانچہ اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ) جس شخص کی نظر (صحیح استفاد من الشرع) میں مرنا موجب فتح ابواب (فلاح) ہے اس کے خطاب میں امر سار عوا و ارد ہوا ہے (اور یہ نظر عام ہے تقلیدی و تحقیقی کو پس سب اہل ایمان اس میں داخل ہیں اور یہ حکم بھی عام ہے گو کسی کو اس میں لذت بھی ہو کسی کو نہ ہو مگر نفع عام ہے اور یہ دو شعر اگرچہ تقریر احقر پر سابق سے مرتبط ہو گئے جس میں سخت صعوبت برداشت کرنی پڑی لیکن اگر نہ ہوں جیسا بعض نسخوں میں نہیں ہیں تو زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اس کے بعد شعر زانکہ الخ علت ہے مصرعہ نہی لاتلقوا بایدیکم چراست کی اور اصل علت و معلول میں اتصال فی الذکر ہے یعنی تفسیر تہلکہ ظاہرہ پر نہی کی ضرورت نہ تھی) کیونکہ نہی ہمیشہ

دانہ شیریں سے ہوا کرتی ہے اور جو چیز خود تلخ ہوگی اس کو نہی کی کون ضرورت ہے وجہ یہ کہ جس دانہ کا مغز اور پوست تلخ ہو تو اس کی تلخی اور کراہت خود ہی (مفید غرض) نہیں ہے (جیسا احقر تقریر مقدمہ میں لکھ چکا ہے۔

دانہ مردن مرا شیریں شدست	بل ہم احیاء پئے من آمدست
موت کا دانہ میرے لئے بیٹھا ہو گیا ہے	"بلکہ وہ زندہ ہیں" میرے لئے وارد ہوا ہے
اقتلونی یا ثقاتی لائماً	ان فی قتلہ حیاتی دائماً
اے میرے معتمد لوگو! مجھے ملامت کرتے ہوئے قتل کر ڈالو	بیشک میرے مرنے میں میری ابدی زندگی ہے
ان فی موتی حیاتی یافتی	کم افارق موطنی حتی متی
اے نوجوان! میری موت میں میری زندگی ہے	میں اپنے وطن سے کب تک اور کتنا جدا رہوں؟
فرقتی لو لم یکن فی ذاللسکون	لم یقل انا الیہ راجعون
اگر اس سکونت میں میری جدائی نہ ہوتی	تو (اللہ تعالیٰ) نہ فرماتا ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں
راجع آں باشد کہ باز آید بشہر	سوئے وحدت آید از تفریق دہر
لوٹنے والا تو وہی ہوتا ہے جو اپنے شہر میں واپس آئے	زمانہ کے فراق سے وصال کی طرف آئے
ایں سخن پایاں ندارد چاکرم	چوں شنید ایں سر زسید گشت خم
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے میرے خادم نے	آنحضرت سے جب یہ راز سنا (شرم سے) جھک گیا

(یہ بقیہ مقولہ ہے حضرت علی کا محبوبیت موت کے بیان میں یعنی) میرے لئے (برخلاف حالت مذکورہ عوام کے دانہ موت شیریں ہو گیا) اور اس پر اگر شبہ اس کے منہی عنہ ہونے کا حق خواص میں ہو تو وہ نہی اور امر کے قاعدتین مذکور تین سے دفع ہو چکا ہے کہ نہی میں عند الاکثر معتبر ہے پھر حکم عام ہوتا ہے اور امر میں نافییت محضہ پر مدار ہے اور مرغوبیت منافی نہیں) اور مضمون بل احیاء میرے (اور میرے امثال کے) لئے آیا ہے (یعنی شہدا کے لئے خواہ جہاد اصغر میں ہوں بعبارۃ انص خواہ جہاد اکبر میں بالمقاسیہ بدلیل حدیث المجاہد من جاہد نفسہ اور حضرت امیر تو جامع ہیں دونوں شہادتوں کے) اے میرے معتمد لوگو! مجھ کو قتل کر ڈالو اور مجھ کو (امور ناملائمہ پر) ملامت بھی کرتے جاؤ (تا کہ تن کشی کے ساتھ نفس کشی بھی ہو) بلاشبہ میرے قتل میں میری حیات ابدیہ ہے (مقصود امر بالقتل نہیں ہے بلکہ اظہار عدم مبالاة بالقتل ہے اور یہ ماخوذ ہے حضرت حسین منصور کے شعر سے جو غلبہ حال میں ان سے صادر ہوا ہے اقلونی یا ثقاتی + ان فی قتلہ حیاتی اور اس میں ممکن ہے کہ امر بالقتل حقیقتہ ہو اور ملامت لازم من اقلل ان کے دعویٰ خلاف ظاہر پر) بلاشبہ میری موت میری حیات ہے اور میں کس قدر اور کب تک اپنے وطن (اصلی) سے جدار ہوں گا (اور میں نے جو دنیا کو محل فرقت اور آخرت کو وطن اصلی کہا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ) اگر اس مسکن میں میری حالت فرقت کی نہ سمجھی جاتی تو قرآن مجید میں (ہماری تعلیم کے لئے) یہ نہ فرماتے کہ انا الیہ راجعون یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے والے ہیں کیونکہ رجوع ہونیوالا تو اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے شہر وطن کو آئے اور فرقت زمانہ سے یکجائی کی طرف آئے (پس راجعون سے ثابت ہو گیا کہ ہمارا وطن آخرت ہے اور دنیا محل فرقت ہے)

افتادن رکابدار ہر بار در پائے امیر المؤمنین علیؑ کہ اے امیر المؤمنین مرا بکیش وازیں قضا باز رہاں

ہر دفعہ خادم کا امیر المؤمنینؑ کے پاؤں پڑنا کہ اے امیر المؤمنینؑ مجھے مار ڈالئے اور اس قضائے خداوندی سے چھڑا دیجئے

آمد و در خاک پیشم او فتاد	دمبدم در پائے من سر می نہاد
(دو) خادم) آیا اور میرے آگے زمین پر گر پڑا	اس نے بار بار میرے پیروں پر سر رکھا
باز آمد کاے علیؑ زودم بکیش	تانہ بینم آں دم و وقت ترش
پھر آیا کہ اے علیؑ! مجھے جلد قتل کر دیجئے	تاکہ وہ ہر وقت نہ دیکھوں
من حلالت می کنم خونم بریز	تانہ بیند چشم من آں رستخیز
میں معاف کرتا ہوں میرا خون بہا دیجئے	تاکہ میری آنکھ وہ قیامت میں نہ دیکھے
گفتار ہر ذرہٴ خونی شود	خنجر اندر کف بقصد تو بود
(حضرت علیؑ نے) فرمایا اگر ہر ذرہٴ قاتل بن جائے	تیرے لئے اس کے ہاتھ میں خنجر ہو
یک سر موز تو نتواند برید	چوں قلم بر تو چناں خطے کشید
تیرا ایک بال بھی نہیں کاٹ سکتا ہے	جبکہ قلم (تقدیر) نے تیرے لئے ایسا لکھ دیا ہے
لیک بے غم شو شفیع تو منم	خواجہٴ روحم نہ مملوک تنم
لیکن بے فکر ہو جا میں تیرا سفارشی ہوں	میں روح کا مالک ہوں جسم کا غلام نہیں ہوں
پیش من ایں تن ندارد قیمتے	بے تن خویشم فتنے ابن الفتنے
میرے نزدیک اس جسم کی کوئی قیمت نہیں ہے	بغیر جسم (کے واسطے) کے میں جو امر ذرا بڑا کا بیٹا ہوں
خنجر و شمشیر شد ریحان من	مرگ تن شد بزم و نرگستان من
خنجر اور تلوار میرے لئے خوشبو اور پھول بن گئے ہیں	جسم کی موت میری بزم (نشائے) اور باغیچہ ہے

حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مضمون (محبوبیت موت) کی تو کہیں انتہا نہیں (اب قصہ سنو کہ) جب خدمتگار نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ راز سنا تو (مارے رنج اور شرم کے) خنم ہو گیا اور آ کر میرے سامنے گر پڑا اور بار بار میرے قدموں میں سر رکھتا تھا اور لوٹ لوٹ کر آتا تھا کہ اے حضرت مجھ کو جلدی قتل کر ڈالئے تاکہ میں اس وقت تلخ کونہ دیکھنے پاؤں اور میں اپنا خون آپ کو معاف کرتا ہوں مجھ کو قتل کر دیجئے تاکہ وہ قیامت کا وقت (کہ جب میں آپ کو قتل کر دوں) میری آنکھوں کے سامنے نہ آئے میں نے اس پر جواب دیا کہ (تو احمق ہوا ہے) اگر بالفرض ہر ذرہٴ عالم خونخوار بن جائے اور خنجر

بکف ہو کر تیرے ارادہ قتل سے چلیں تب بھی ایک سر مو تیرا نہیں کاٹ سکتے جبکہ قلم (تقدیر) نے تجھ پر یہ امر لکھ دیا ہے لیکن تو (میری طرف سے مواخذہ کا) غم مت کر میں (دعویٰ نہ کروں گا بلکہ) تیری شفاعت کرونگا (اور قبول ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) کیونکہ میں حر روحانی ہوں اور مملوک تن (و پابند نفس) نہیں ہوں (کہ اپنے نفس کے لئے غضب عمل میں لاؤں) اور میری نظر میں اس تن کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے (کیونکہ فانی ہے تو فی سبیل اللہ فنا ہو جانا زیادہ بہتر ہے) اور میں بدوں واسطہ تن کے موصوف بہ فتوت ہوں اور فتوت میرے بزرگوں سے چلی آتی ہے (گو وہ فتوت اس درجہ کے نہ ہو پس اس کو بھی مسئلہ اسلام آباء سے کوئی مس نہیں اور فتوت چونکہ ملکات نفسانیہ سے ہے اس لئے بدوں واسطہ تن کہا) اور خنجر و شمشیر میرے نزدیک ریحان ہے اور یہ موت جسمانی میرے نزدیک جشن اور زرگستان ہے (یہ حاصل ترجمہ ہے حضرت علی کا اس شعر کا السیف و الخنجر ریحاننا + اف علی النرجس و لا آس + شرابنا من دم اعدائنا + و کاسنا جہنمہ الراس ف قولہ شفیح تو منم سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ اہل بدعت خوارج وغیرہ کافر نہیں ہیں کیونکہ کفار کی شفاعت نہ ہوگی دوسرے یہ کہ اگر اپنے یا دوسرے کے کشف سے معلوم ہو جائے کہ فلاں معصیت میری تقدیر میں لکھی ہے تب بھی وہ مباح و جائز نہیں ہوتی ورنہ اس خدمت گار کو گناہ ہی نہ ہوتا پھر شفاعت کے کیا معنی ف وعدہ شفاعت پر یہ شبہ کرتا کہ حضرت امام حسینؑ نے اس سے قصاص کیوں لیا محض لغو شبہ ہے وعدہ شفاعت فی الا آخرہ کسی دلیل شرعی سے مسقط قصاص نہیں۔

آنکہ او تن را بد نیساں پے کند	حرص میری و خلافت کے کند
جو جسم کو اس طرح مغلوب کر دے	وہ امیری اور خلافت کی حرص کب کر سکتا ہے؟
زاں بظاہر کوشد اندر جاہ و حکم	تا امیراں را نماید راہ حکم
بظاہر وہ جو حکومت اور مرتبہ کے لئے کوشاں ہے	(تو اس لئے ہوا) تاکہ حاکموں کے لئے حکومت کرنیکی رہنمائی کریں
تا بیارا ید بہر تن جامہ	تا نویسد او بہر کس نامہ
تاکہ ہر (حکومت) کے جسم کے لئے جامہ تیار کر دیں	تاکہ ہر شخص (حاکم) کے لئے قانون نامہ تحریر کریں
تا امیری را وہد جان دگر	تا وہد نخل خلافت را ثمر
تاکہ امارت میں نئی روح ڈال دیں	تاکہ نخل خلافت کو پھل عطا کر دیں
میری او بنی اندر آں جہاں	فکرت پنہانیت گرد عیاں
اس عالم (آخرت) میں تو ان کی سرداری دیکھے گا	تیرے چھپے ہوئے خیالات ظاہر ہو جائیں گے
ہیں گمان بد مبرائے ذوالباب	با خود آ واللہ اعلم بالصواب
اے عقلمند! خبردار برا گمان نہ کر	ہوش میں آ اور اللہ بہتر جانتا ہے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا حضرت علی کی مدح میں بطور تفریح کے اور اس میں رد ہے خوارج و شیعہ پر کہ حضرت امیر کو طالب دنیا و حریص خلافت کہتے ہیں خوارج تو التزاماً اور شیعہ لزوماً کہ آپ کے تسلیم و سکوت کو تقیہ پر محمول کرنے سے یہی لازم آتا ہے یعنی) جو بزرگ اپنے تن کو اس طرح ماریں (کہ قاتل کے ساتھ رحم و کرم فرمائیں) بھلا وہ حکومت اور خلافت کی حرص کب کریں

کے محض اعمال حکومت میں (بعد قبول خلافت بدوں السعی باصرار الناس اس لئے ظاہراً کوشش فرمالتے تھے) (یعنی حکومت کے کام کر لیتے تھے) تاکہ اہل حکومت کو حکومت کرنے کا طریقہ بتلائیں (کہ اس طرح عدل کرنا چاہیے) اور تاکہ جملہ (سلطنت) کو تمام (اہل حکومت کے) تنوں پر آراستہ فرمائیں (آگے اس جامہ کو زیب بر کرنا اہل حکومت کا کام ہے) اور تاکہ (اہل حکومت میں سے) ہر شخص کے واسطے نامہ (عدل) کو لکھ جاویں (آگے اس پر عمل انکا کام ہے) اور تاکہ حکومت میں جان تازہ ڈال دیں (جو سلاطین دنیا میں نہیں تھی کیونکہ شریعت کے وفاق اور خلافت میں یقینی فرق ہے) اور تاکہ درخت خلافت کو بار آور فرمائیں (کہ آثار صالحہ عدل کے بعد انقضائے خلافت بھی باقی رہیں) اور ان کی امارت و عظمت شان تو اس عالم میں (جا کر) دیکھنا (کہ اس کے روبرو یہاں کی حکومت محض لاشے ہے) اس وقت تمہارے پوشیدہ خیالات (فاسدہ) ظاہر ہو جائیں گے (یعنی ان کی غلطی ثابت ہو جائے گی کہ واقعی جس شخص کے پاس یہ سلطنت ابدیہ ہے وہ ایک حصہ زمین پر حکومت کرنے کا کب حریص ہو سکتا ہے فی الواقع میرا گمان غلط تھا۔ پس خبردار اے عاقل کبھی ان پر (طلب دنیا یا تقیہ وغیرہ کا) گمان بدمت کرنا اور ذرا ہوش میں آؤ واللہ اعلم بالصواب (اشارہ اس طرف ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا علم صواب ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قرآن میں مدح فرمائی ہے اور حریص دنیا ممدوح حق ہو نہیں سکتا اس سے معلوم ہوا کہ تمہارا گمان غلط ہے قل ۛ انتم اعلم ام اللہ الایۃ)

بیان آنکہ فتح طلبیدن پیغمبر ﷺ مکہ وغیر مکہ را جہت دوستی ملک دنیا

نبود چونکہ فرمود والد نبیا جیفۃ و طالبہا کلاب بلکہ بامر بود

اس کا بیان کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ وغیرہ کی فتح طلب کرنا ملک دنیا کی محبت کی وجہ سے نہ تھا چونکہ خود فرمایا ہے دنیا مردار ہے اور اس کے طلبگار کتے ہیں بلکہ خدا کے حکم سے تھا

جہد پیغمبر ﷺ مکہ ہم	کے بود در حب دنیا متہم
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فتح مکہ کی کوشش	دنیا کی محبت سے متہم کب ہو سکتی ہے؟
آنکہ او از مخزن ہفت آسماں	چشم دل بر بست روز امتحاں
جس ذات نے سات آسمانوں کے خزانہ سے	دل کی آنکھ بند کر لیا آزمائش کے دن
از پے نظارۃ او حور و جاں	پر شدہ آفاق ہر ہفت آسماں
جس کے دیدار کے لئے حوریں اور روہیں	ساتوں آسمانوں کے اطراف میں جمع تھیں
قدسیاں افتادہ بر خاک رہش	صد چو یوسف او فتادہ در چہش
مقدس فرشتے ان کے راستہ کی خاک پر گرے پڑتے تھے	یوسف (علیہ السلام) جیسے سینکڑوں ان کے مشتاق تھے
خویشتن آراستہ از بہر او	خود و را پروائے غیر دوست کو
ان کے لئے سب نے اپنے آپ کو سنوارا تھا	خود ان کو دوست کے علاوہ کسی کی پروا کب تھی؟

آنچناں پر گشتہ از اجلال حق	کاندر وہم رہ نیابد آں حق
اللہ کے جلال سے آپ اس قدر بھرے ہوئے تھے	کہ اس میں انبیاء کو بھی دخل نہ تھا
لا یسع فینا نبی مرسل	والمملک والروح ایضاً فاعقلوا
ہمارے اندر گنجائش نہیں پاتا کوئی مرسل نبی	اور فرشتے اور روح بھی پس سمجھ لو
گفت مازاعنیم وہمچوں زانغ نے	مست صباغنیم ومست باغ نے
فرمایا ہم مازانغ ہیں کوئے کی طرح نہیں ہیں	ہم صباغ کے متوالے ہیں باغ کے شیدا کی نہیں ہیں
چونکہ مخزنہائے افلاک و عقول	چوں حسے آمد بر چشم رسول
جبکہ آسمانوں اور عقول کے خزانے	رسول کی نگاہ میں ایک تنکے کے برابر ثابت ہوئے
پس چہ باشد مکہ و شام و عراق	کہ نماید او نبرد و اشتیاق
تو مکہ اور شام اور عراق کیا ہوتا ہے	اور وہ کوشش اور اشتیاق ظاہر کرے
آں گمان و ظن منافق را بود	کو قیاس از جہل و حرص خود کند
یہ گمان اور خیال تو منافق کا ہو سکتا ہے	کیونکہ وہ اپنے جہل اور حرص پر قیاس کرتا ہے

(او پر فرمایا ہے کہ حضرت علیؑ کی جہد خلافت حب دنیا کی وجہ سے نہ تھی اسی کی مناسبت سے فرماتے ہیں کہ) اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد جو فتح مکہ کے لئے تھی اس میں حب دنیا کا احتمال کب ہو سکتا ہے (بلکہ محض شاعتہ و تقویت دین کے لئے تھی چنانچہ آیات انا فتحنا و اذا جاء نصر اللہ اس فتح کے ثمرات پر دال ہیں آگے اسکی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ) جن پیغمبر کی یہ شان ہو کہ انہوں نے امتحان کے وقت چشم دل کو مخزن ہفت آسمان سے بند کر لیا ہو (یعنی شب معراج میں بجز نظارہ کمال و جمال الہی کسی مخلوق کی طرف سیر و تماشا کے طور پر کسی طرف التفات نہیں فرمایا البتہ مرتبہ مامور بہا منافی نظارہ کمال الہی نہیں کما قال تعالیٰ و لقد رامے من آیات ربہ الکبریٰ) حالانکہ خود آپ کے نظارہ کے لئے تمام حورین اور روحین اطراف ہفت آسمان میں بھر رہی تھیں اور ملائکہ مقدمین آپ کے خاک راہ پر (انتظار میں) پڑے تھے (کنایہ محض انتظار سے ہے) اور یوسف علیہ السلام کے سے (حسین صورت و سیرت) آپ کی چاہ محبت میں گرے تھے (کنایہ ہے محض اشتیاق سے یعنی سب آپ کے منتظر و مشتاق تھے جیسا سوال او قدارسل الیہ سے مترشح ہے) اور سب نے اپنے کو آپ کے لئے آراستہ کر رکھا تھا مگر (باوجود ان تمام تر اسباب مشغول کے) آپ کو بجز محبوب حقیقی کے کسی طرف التفات (بالذات) نہ تھا بلکہ آپ معائنہ جلال حق سے ایسے معمور تھے کہ آپ کے رتبہ و کمال میں اہل اللہ (یعنی اولیاء اللہ) کا وہم تک نہیں پہنچتا (اور ظاہر ہے اور شیخ اکبر نے بھی تصریح فرمائی ہے کہ اولیاء انبیاء علیہ السلام کے کمالات کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے آگے ترقی ہے کہ اولیا تو کیا چیز ہیں آپ کا تو یہ ارشاد ہے کہ ہمارے وقت خاص میں (جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہم کو حاصل ہے) کسی بنی مرسل اور ملائکہ اور جبرئیل کو (جو بڑے ملک مقرب ہیں) گنجائش نہیں تم لوگ سمجھ لو (یہ مضمون بعنوان حدیث مشہور ہے مگر اس کی سند کہیں نہیں دیکھی لیکن آپ

کا مراتب کمال و قرب میں اکمل و افضل انبیاء ہونا اس مضمون کا صحیح ہے) آپ بزبان حال فرما رہے ہیں کہ ہم مصداق مازاغ البصر کے ہیں اور زاغ کی طرح (ملتفت الی حیثۃ الدنیا) نہیں اور ہم تو صباغ عالم کے مست (اور دلدادہ) ہیں باغ عالم کے مست (اور طالب) نہیں ہیں (یہ اشارہ ہے تفسیر آیت مازغ البصر و ما طغی کی طرف اور غالباً اس میں قول مشہور اختیار کیا ہے کہ رویت حق پر محمول مگر راجح بلکہ متعین رویت جبرئیل علیہ السلام پر عمل کرنا کیونکہ خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفسیر فرمائی ہے پھر دوسرا احتمال کہاں رہا چنانچہ حدیث اسراء میں امام مسلم نے مسروق و حضرت عائشہ کے مناظرہ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ میں نے اس امت میں سب سے اول یہ سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا آپ نے فرمایا انما ہو جبرئیل لم ارہ علی صورتہ الی خلق علیہا غیر ہاتین المرئین گو یہ تفسیر مستلزم نفی رویت الہیہ کو نہیں اس کا اثبات دوسری دلیل سے ممکن ہے اور اگر اس شعر کو اسی محقق تفسیر پر مبنی کیا جائے تب یہ توجیہ ہوگی کہ نظر الی الا آیات جو من حیث آیات ہم سے مطلوب تھی اس سے ہم کو زیغ نہیں ہوا کہ ان کی ذات سے متلد ذہونے لگتے) غرض یہ کہ جب (عالم ملکوت کہ) افلاک و ملائکہ کا مخزن (ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں ایک خس کے برابر تھا تو مکہ اور شام اور عراق کے واسطے (خود ان کو مقصود بنا کر آپ کیا مقاتلہ اور اشتیاق فرماتے ایسا گمان تو صرف منافق کو ہو سکتا ہے جو اپنے جہل و حرص سے ایسا قیاس کر لے) (کما قیل المرء یقیس علی نفسہ)

آ بگینہ زرد چوں سازی نقاب	زرد بینی جملہ نور آفتاب
توجہ زرد آئینہ کا نقاب بنائے گا	سورج کی تمام روشنی کو زرد دیکھے گا
بشکن آل شیشہ کبود و زرد را	تا شناسی گرد را و مرد را
اس اندھے اور زرد شیشہ کو توڑ ڈال	تاکہ تو گرد اور مرد کی شناخت کر سکے
گرد فارس گرد سر افراشته	گرد را تو مرد حق پنداشته
شہسوار کے چاروں طرف غبار اڑ رہا ہے	تو نے غبار کو مرد حق سمجھ لیا ہے
گرد وید بلیس و گفت این فرع طیس	چوں فزاید بر من آتش جبیں
شیطان نے (آدم کی) گرد وید بلیس اور بولایے مٹی کا بنا ہوا ہے	مجھ آتشی پشانی والے سے کیسے بڑھ جائے گا؟
تا تومی بینی عزیزاں را بشر	داں کہ میراث بلیس ست آں نظر
جب تک تو معززین (بارگاہ الہی) کو بشر سمجھتا ہے	سمجھ لے یہ ناکہ شیطان کی میراث ہے
گرنہ فرزند بلیسی اے عنید	پس بتو میراث آں سگ چوں رسید
اے سرکش! اگر تو شیطان کی اولاد نہیں ہے	تو تجھے اس کتے کی میراث کیسے ملی ہے؟

(اوپر نظر منافق کا فساد مذکور تھا یہاں اس کی مثال اور اس کی اصلاح کا امر ہے یعنی) اگر زرد آ بگینہ کو مثلاً تم نقاب کی طرح آنکھوں پر لگا لو تو تمام دھوپ زرد نظر آئے گی اس لئے تم کو چاہیے کہ اس شیشہ کبود و زرد کو (جو غلط انداز و غلط نما ہے) چور چور کر ڈالو (یعنی اسباب غلط بینی کو کہ اتباع غرض نفسانی ہے رفع کردو) تاکہ تم کو گرد کی اور مرد کی شناخت ہو (گرد سے مراد حالت محسوسہ اور مرد

سے مراد کمال مخفی بوجہ اختفاء کمال باطنی کی حالت محسوسہ میں مثل اختفاء مرد کے گرد میں چنانچہ فرماتے ہیں کہ (سوار کے گرد گردوغبار بلند ہو جاتا ہے (اور سوار کو پہاں کر دیتا ہے) تم اس غبار کو مرد حق گمان کر بیٹھتے ہو (یعنی یہ سمجھتے ہو کہ مرد حق جو سنا گیا ہے وہ یہی غبار ہے اور وہ ہے مبتذل پس مرد کو مبتذل سمجھنے لگتے ہو اور اس سے بد اعتقاد ہو جاتے ہو اور یہ مطلب نہیں کہ گرد کے معتقد ہو جاتے ہو کہ خلاف مقصود مقام ہے) ابلیس نے صرف گرد (یعنی حالت ظاہری آدم علیہ السلام کی کہ خلق من مادۃ الطین ہے) دیکھی اور کہنے لگا کہ یہ مخلوق خاکی مجھ سے کہ آتش جبین (و مخلوق آتشی ہوں کیونکہ افضل ہو سکتا ہے) (کہ میں اس کو سجدہ کروں) پس تم بھی جب تک اہل اللہ کو خالی لبشر سمجھتے رہو گے (یعنی ان کے اوصاف کو منحصر مقتضیات بشریت میں سمجھو گے اور کمالات روحانیہ کی نفی کرو گے جیسا کفار نے صیغہ حصر سے کہا تھا ان انتم الالبشر مثلنا) تو جان رکھنا کہ ایسی نظر اور اعتقاد میراث ابلیسی ہے اور اگر تم (باسب معنوی فرزند ابلیس نہیں ہو تو بتاؤ اس مردود کی میراث تم کو کیونکر پہنچی)

من نیم سگ شیر ہم حق پرست	شیر حق آنست کز صورت برست
میں کتابیں ہوں حق پرست اسد اللہ ہوں	اللہ کا شیر وہ ہے جو صورت (پرستی) سے چھوٹ جائے
شیر دنیا جوید اشکارے و برگ	شیر مولیٰ جوید آزادی و مرگ
دنیا کا شیر شکار اور سامان تلاش کرتا ہے	اللہ کا شیر آزادی اور موت کی جستجو کرتا ہے
چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود	ہمچو پروانہ بسوز اند وجود
چونکہ وہ موت میں سینکڑوں وجود سمجھتا ہے	پروانہ کی طرح (اپنے) وجود کو جلا دیتا ہے

(اسمیں عود ہے قصہ کی طرف اور یہ مقول ہے حضرت علیؑ کا یعنی) میں سگ نفس نہیں ہوں بلکہ شعر حق ہوں اور حق پرست ہوں اور شیر حق اس کو کہتے ہیں جو (حسب) صورت (وجسم) سے چھوٹ جائے (پس جب میں شیر حق ہوں تو میں بھی محبت جسم و نفس نہیں ہوں) اور شیر دنیا تو شکار اور سامان ڈھونڈتا ہے اور شیر حق آزادی (غیر اللہ سے) اور موت (جسمانی یا نفسانی کو فناء ہے) ڈھونڈتا ہے (چنانچہ موت جسمانی کے باب میں حدیث ہے من احب لقاء اللہ احب لقاءہ اور فناء کی مطلوبیت ظاہر ہے) چونکہ وہ موت میں صد ہا وجود (یعنی وجود ابدی) دیکھتا ہے اس لئے پروانہ کی طرح اپنی ہستی کو سوختہ کر دیتا ہے (یعنی طمع بقاء میں فناء اختیاری اور موت جسمانی کی تقدیر پر مظان رضاء حق سے اپنے جسم کو نہ بچانا تو جیہ سوزاند میں کہا جائے گا کما قال تعالیٰ ولا یرغبوا یا نفسہم عن نفسہ و فی الحدیث یتبغنی الموت مظانہ کما سمع ہیتہ طار ایسا)

شد ہوائے مرگ طوق صادقان	کہ جہوداں رابداں بد امتحاں
موت کی تمنا بچوں کے گلے کا طوق ہے	اس لئے کہ یہود کا اسی سے امتحان ہوا تھا
در بنے فرمود کاے قوم یہود	صادقان را مرگ باشد فتح و سود
(اللہ تعالیٰ نے) قرآن میں فرمایا کہ اے یہودیو!	بچوں کے لئے موت کامیابی اور نفع ہے
ہمچنانکہ آرزوئے سود ہست	آرزوئے مرگ بردن زان بہ است
جس طرح کہ نفع کی تمنا ہوتی ہے	موت کی آرزو کرنا اس سے (بھی) بہتر ہے

اے جہوداں بہر ناموس کساں	بگذر رانید این تمنا بر زباں
اے یہودیو لوگوں میں آمد کی خاطر	اس تمنا کو زبان پر لے آؤ
یک جہودے این قدر زہرہ نداشت	چوں محمدؐ این علم را بر فراشت
ایک یہودیوں بھی اس قدر ہمت نہ ہوئی	جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ جہنڈا بلند کیا
گفت اگر گویند این را بر زباں	یک جہودے خود نماں در جہاں
(آنحضورؐ نے) فرمایا اگر یہودی زبان سے یہ کہہ لیں	تو ایک یہودی بھی دنیا میں نہ بچے
پس یہوداں مال بردند و خراج	کہ مکن رسوا تو مارا اے سراج
یہودی مال اور خراج آنحضورؐ کے پاس لے گئے	کہ اے چراغ (ہدایت) ہمیں رسوا نہ کر
جزیہ پذیر رفتند می بودند شاد	ہمچنان واللہ اعلم بالرشاد
انہوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا اور خوش تھے	اسی حالت میں اور خدا ان کی ہدایت کا حال زیادہ جانتا ہے

(یہ مقولہ ہے مولانا کا واسطے تقریر مضمون بالا محبوبیت موت کی یعنی) جب موت صادقین کے لئے طوق گلو (یعنی لازم) ہوتا ہے جو کہ اس زمانہ (نبوی) میں یہود کے لئے امتحان مقرر ہوا تھا چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے (قل یا ایہا الذین ہادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین جس کا حاصل ہی ہے) کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود سے فرما دیجئے کہ اے یہودیو (اگر دعویٰ ولایت میں صادی ہو تو) موت تو صادقین کے لئے سامان فتح و نفع ہے پس جس طرح نفع مالی کی آرزو ہوا کرتی ہے موت کی آرزو تو اس سے زیادہ اولیٰ ہے (کہ اس میں نفع ابدی ہے) اے یہودیو! لوگوں میں اپنی بات رکھنے کے لئے ہی ذرا لفظ تمنا زبان سے تو کہہ ڈالو مگر جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اشتہار دیا ایک یہودی کو بھی تو اس قدر ہمت نہ ہوئی (کہ زبان ہی سے کہہ لے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہودی ذرا بھی زبان پر لفظ تمنا لاتے تو ایک یہودی دنیا میں زندہ نہ رہتا پس یہودی مال و خراج (آپ کی خدمت میں) لے گئے کہ آپ ہم کو رسوا نہ فرمائیے (ہم جزیدے کر رعایا بنے رہیں گے غرض جزیہ (دینا) قبول کیا اور اسی حالت میں خوش رہے) مگر تمنائے موت نہ کر سکے پس معلوم ہوا کہ وہ صادق نہ تھے) اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کا حال خوب جانتے ہیں (کہ کون اس کے دعوے میں صادق ہے کون کاذب)

ایں سخن را نیست پایا نے پدید	دست با من وہ چو شمت دوست دید
اس بات کا تو خاتمہ نظر نہیں آتا	(ہنا) ہاتھ مجھے پکڑا جبکہ تیری آنکھوں نے دست (خدا) کا دیدار کیا ہے
اندر آدر گلستاں از مربلہ	چونکہ در ظلمت بدیدی مشعلہ
کوزی سے باغ کے اندر آ جا	جبکہ تونے تاریکی میں نور دیکھ لیا ہے
بے توقف زودتر در نہ قدم	زیں چہ بے بن سوئے باغ ارم
بلا تاخیر بہت جلد قدم رکھ	اس اتھاہ کنویں سے بہت میں

ہم نبردش گفت از بہر خدا	شرح کن این را دہ پذیریم ہلا
ان کے (حضرت علیؑ) مقابل نے کہا خدا کے لئے	اس کی تفصیل بتا دیجئے اور مجھے ضرور (غلامی میں) قبول کر لیجئے

(یہ مقولہ ہے حضرت علیؑ کا یعنی) اس مضمون کا تو (شیر حق آنست کز صورت برست) کہیں انتہا ظاہر نہیں ہوتی اب تو تیری چشم باطنی نے جب محبوب حقیقی کا مشاہدہ کر لیا تو (بیعت کے لئے) میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدے اور جبکہ تو ظلمت کفر میں مشغلہ ایمان کو دیکھ چکا ہے (یعنی جو قلب پہلے سے تاریک تھا اس میں اللہ تعالیٰ نے نور ہدایت پیدا کر دیا) تو اب مزیلہ باطل سے گلستان حق کی طرف آ جا اور اس چاہ ضلالت (سابقہ) سے جس کا کہیں قعر نہیں بلا تو وقف جلدی قدم اٹھا کر باغ ارم (ہدایت) کی طرف چلا آ۔ آپ کے اس حریف جنگ نے عرض کیا کہ (مجھ کو عذر کیا ہے مگر سبب عفو کی تحقیق میں بے صبر ہوں) خدا کے واسطے اس کی شرح کر دیجئے اور مجھ کو (غلامی میں قبول فرما لیجئے تو ہاں) کہہ دیجئے کیا بات تھی

گفتن امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ باقرین خود کہ چوں تو حیوانداختی بر روئے
من خشم من بجنبید و اخلاص عمل نما ند مانع کشتن تو آں بود و مسلمان شدن او

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے مقابل سے فرمایا کہ جب تو نے میرے منہ پر تھوکا میرا غصہ بھڑکا اور عمل کا اخلاص نہ رہا تیرے قتل کا مانع یہ تھا اور اس کا مسلمان ہو جانا

گفت امیر المؤمنین با آں جواں	کہ بہنگام نبرد اے پہلواں
امیر المؤمنین نے اس جوان سے فرمایا	کہ اے پہلوان! مقابلہ کے وقت
چوں تو حیوانداختی بر روئے من	نفس جنبید و تہ شد خوئے من
جب تو نے میرے منہ پر تھوکا	نفس میں اشتعال پیدا ہوا اور میری عادت بگڑی
نیم بہر حق شد و نیے ہوا	شرکت اندر کار حق نبود روا
آدھا (جہاد) اللہ کیلئے اور آدھا خواہش نفسانی کے لئے ہو گیا	اللہ کے کام میں شرکت درست نہیں ہے
تو نگاریدہ کف موئیستی	آن حتی کردہ من نیستی
تو موئی کے ہاتھ کا بنایا ہوا ہے	تو اللہ کا مملوک ہے میرا مخلوق نہیں ہے
نقش حق را ہم بامر حق شکن	برز جاجہ دوست سنگ دوست زن
اللہ کے نقش کو اللہ ہی کے حکم سے توڑ	دوست کے شیشہ پر دوست کا پتھر مار

یعنی حضرت امیر المؤمنین نے اس شخص سے (اس عفو کا سبب) فرمایا کہ لڑائی کے وقت جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو میرے نفس کو (غصہ سے) جنبش ہوئی اور میرا خلق حسن بگڑنے لگا پس (میرا غزوہ) کچھ تو اللہ تعالیٰ کے واسطے رہ گیا اور کچھ ہوائے نفسانی ہو گیا اور حق تعالیٰ کی عبادت میں شرکت جائز نہیں (چنانچہ رضاء خلق کے واسطے ریاء فی العبادۃ کو حدیث میں شرک فرمایا

(ہے) اور تو دست حق کا بنایا ہوا ہے اور حق تعالیٰ کا مملوک ہے میرا مملوک نہیں (کہ جس طرح چاہوں تصرف ک لوں پس وہی تصرف جائز ہوگا جو باذن حق ہو اور شرکت فی العبادت میں اذن حق نہیں ہے اس لئے تجھ کو چھوڑ دیا کیونکہ تو مصنوع حق ہے اور) مصنوع حق کو امر حق ہی سے توڑنا چاہیے۔ درشیدہ دوست پر سنگ دوست ہی مارنا چاہیے (یعنی ان کے مصنوعات و مملوکات میں ان کے ہی اذن سے تصرف کرنا چاہیے اور چونکہ تمام مخلوق ایسی ہی ہے اس لئے یہ حکم جمیع افعال کو عام ہو گیا اور اس کی تحقیق کہ اس بناء پر کافر کو چھوڑ دینا کس طرح جائز تھا اس قصہ کے اول میں عرض کر چکا ہوں جس کا مبنی جواز من و فداء ہے۔

گبر ایس بشدید و نورے شد پدید	دردل او تاکہ زنارش برید
اس کافر نے یہ بات سنی اور ایک نور ظاہر ہوا	اس کے دل میں یہاں تک کہ اس نے اپنا زنا رکاٹ پھینکا
گفت من تخم جفامی کاشتم	من ترا نوعے دگر پنداشتم
اس نے کہا میں نے ظلم کا بیج بویا تھا	میں نے آپ کو کچھ اور ہی خیال کیا تھا
تو ترازوئے احد خو بودہ	بل زبانہ ہر ترازو بودہ
آپ تو خدا کی اخلاق والی ترازو تھے	بلکہ آپ تو ہر ترازو کا کانا تھے
تو تبار و اصل خویشم بودہ	تو فروغ شمع کیشم بودہ
آپ تو میری اصل اور خاندان تھے	آپ میرے مذہب کی شمع کا نور تھے
من غلام آں چراغ شمع خو	کہ چراغت روشنی پذیرفت ازو
میں اس شمع خو چراغ کا غلام ہوں	کہ جس سے آپ کے چراغ نے نور حاصل کیا
من غلام موج آں دریائے نور	کوچنیں گوہر بر آرد در ظہور
میں اس دریائے نور کی موج کا غلام ہوں	جو ایسے موتی نکالتی ہے
عرض کن بر من شہادت را کہ من	مر ترا دیدم سر افراز زمن
مجھ پر (کہہ) شہادت پیش کیجئے کیونکہ میں	آپ کو خصوصاً زمانہ میں برتر سمجھتا ہوں
قرب پنجه کس ز خویش و قوم او	عاشقانہ سوئے دیں کردند رو
اس کے رشتہ داروں اور قوم میں سے تقریباً پچاس آدمیوں نے	دالہانہ (طور پر) دین کا رخ کیا
او بہ تیغ حلم چندیں خلق را	وا خرید از تیغ چندیں خلق را
ان (علمی) نے بردہاری کی تلوار کے ذریعہ اتنے لوگوں کو	تلوار سے بچا دیا اس قدر خلق کو
تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر	بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر
بردہاری کی تلوار لوہے کی تلوار سے زیادہ تیز ہے	بلکہ سینکڑوں لشکروں سے زیادہ فتح کرنے والی ہے

یعنی اس کافر نے جو یہ بات سنی تو اس کے قلب میں ایک نور ظاہر ہوا جس سے اس نے زنا توڑ ڈالا (اور اس سے پہلے قوت قریبہ کا مرتبہ پیدا ہو چکا تھا جس کو مولانا نے تافتن اور دوست دیدن اور مشعلہ سے تعبیر فرمایا تھا اور یہ مرتبہ ہے فعلیت کا) اور عرض کیا کہ میں (آپ کے ساتھ) تخم جفا بوتا تھا (کہ آپ کا مقابل بنا اور گستاخی سے پیش آیا) میں تو آپ کو کچھ اور ہی طرح کا سمجھتا تھا (کہ مال و جاہ کے لئے ان کا قتال ہے) مگر آپ تو میزان (عدل فی الاخلاق والاعمال) نکلے جو مخلوق باخلاق الہیہ ہیں (کہ عدل صفات الہیہ سے ہے) بلکہ آپ تو دوسری میزانوں کے کسان ہیں (جس سے میزان کی استقامت معلوم ہوتی ہے یعنی دوسرے اہل کمال کے معیار استقامت ہیں کہ آپ کی حالت پر منطبق کر کے ان کے کمال و نقصان کا حال معلوم ہوتا ہے) پس میرا خاندان اور اصل قرابت دار تو آپ ہی ہیں (یعنی میں اپنے کنبہ کو چھوڑتا ہوں) اور میرے اس کیش کے (جواب قلب میں القا ہوا ہے فروغ شمع (یعنی سبب ہدایت) آپ ہی ہیں میں تو اس چراغ شمع خو کا غلام ہوں جن سے آپ کے چراغ کو نور حاصل ہوا) مراد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنکے فیض سے آپ کو یہ کمال ملا (میں تو اس موج دریائے نور کا غلام ہوں) (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ بحر انوار حق کے موج یعنی مظہر کمالات حق ہیں) جو ایسے گوہر کو (جیسے حضرت علی ہیں) ظاہر کریں پس مجھ پر کلمہ شہادت کو پیش فرمائیے کہ میں آپ کو (اس وقت تمام زمانہ سے افضل سمجھتا ہوں غرض اس کے اقارب و برادری میں سے پچاس آدمیوں کے قریب نے نہایت عشق و شوق سے اسلام قبول کیا آپ نے تیغ حلم سے اتنی خلق کو یعنی تیغ ہلاکت سے اتنے حلقوں کو بچا لیا واقعی تیغ مسلم آہنی سے زیادہ تیز ہے بلکہ صد ہا لشکر سے بڑھ کر باعث فتح و ظفر ہے۔

خاتمہ دفتر اول مثنوی

اس خاتمہ میں چندے تصنیف بند کر دینے کا باعث مذکور ہے کیونکہ دفتر دوم متصل شروع نہیں ہوا حاصل اس کا یہ ہے کہ اس وقت طبیعت میں آمد معانی کا جوش نہیں رہا اور اس کا سبب یہ ہے کہ مستمعین کی توجہ معانی کی طرف نہیں رہی جسکی وجہ بطور مانعہ الخلو طویل ہو جانا ہو دفتر کا یا سامعین کا میلان و انس ہو حکایات و قصص کے ساتھ جن کے ایراد سے اصلی مقصود توضیح ان معانی کی ہے اور وہ محض تمثیل و تنظیم ہیں لیکن سامعین کو بعض اوقات نفس و حکایات کی طرف زائد میلان ہو جاتا ہے اسی امر کو اس مقام پر لقمہ دو خوردہ شد سے تعبیر فرمایا ہے جس کی تفسیر خود آگے فرمائی ہے نان چو معنی بود الخ اور اسی کو ایک مقام پر اس دفتر میں اس طرح بیان فرمایا ہے چونکہ جمع مستمع را خواب برو + سنگھائے آسیرا آب برد + الخ اور اسی کو ایک مقام پر دفتر دوم میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ این زمان بشنوچہ مانع شد مگر + مستمع رارفت دل جائے دگر + خاطرش شد سوئے صوفی فتق + اندران سودا فرو شد تا عنق + الخ رہی یہ بات کہ تحریر میں مستمعین تو غائب ہوتے ہیں مولانا کو کیسے معلوم ہو گیا کہ یہاں سامعین کو معانی میں نشاط نہیں رہے گا جواب یہ ہے کہ مولانا تو صاحب کشف ہیں لیکن اگر کوئی صاحب کشف بھی نہ ہو جب بھی قرآن و تجربہ طبائع سے اس قلت نشاط کا ظن بھی بستگی طبیعت مصنف کے لئے کافی ہے رہا یہ امر کہ جب اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ان اسباب کا تحقق ہوا ہے جیسا اوپر دو مقاموں کا ذکر ہوا ہے اس پر مسبب یعنی تصنیف کا بند ہو جانا کیوں نہیں مرتب ہوا جواب اس کا یہ ہے کہ ملال و عدم نشاط ایک کلی مشکلک ہے اس کے مراتب کی بیشی و ضعف و قوت و قصر و امتداد میں متفاوت ہیں پس ممکن ہے کہ اس مقام پر زائد اور قوی و

ممتد ہوا ہو اور ان مقاموں پر ناقص و ضعیف و قاصر ہوا ہو اس لئے ایک جگہ ترتب مسبب میں مؤثر ہوا ایک جگہ نہ ہو اور اللہ اعلم۔
 اور یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح کمی جوش معانی کی مقتضی ہے سکوت عن الکلام کو اسی طرح بہت زیادہ جوش معانی کی بھی
 مقتضی ہے سکوت عن الکلام کو کیونکہ کمی میں کلام کرنے کا ضرر ہے کہ اولاً متکلم کی طبیعت حاضر نہ ہونے سے کچھ تو تقریر کافی نہیں
 ہوگی دوسرے مخاطب کے متوجہ نہ ہونے سے کچھ وہ نا تمام سمجھے گا اس طور پر غلط فہمی کا احتمال اس میں غالب ہوگا اور زیادت میں
 تو اسرار دقیقہ ناقابل برداشت فہم سامعین کے ظاہر ہو جانے سے لزوم ضرر یقینی ہے چنانچہ مولانا نے ایک مقام پر اس کو بھی بیان
 فرمایا ہے من ز شیرینی نشینم روترش + من ز بسیاری گفتارم نمش + تا کہ در ہر گوش ناید این سخن + یک ہی گویم ز صد سر لدن + اور
 بھی بہت مقامات میں ایسے موقع پر اجمال و اعراض فرما گئے ہیں کمالاتی

اے دریغا لقمہ دو خوردہ شد	جوشش فکرت ازاں افسردہ شد
ہائے افسوس! دو چارتے کھائے گئے	لکر کا جوش اس سے ٹھنڈا پڑ گیا
گندے خورشید آدم را کسوف	چوں ذنب شعشاع بدرے را خسوف
گیہوں کا ایک دانہ آدم کے سورج کے لئے گرہن بنا	جیسا کہ (نقطہ) ذنب میں آنا چاند کے نور کا گرہن ہے
اینٹ لطف دل کہ از یکمشت گل	ماہ او چوں می شود پردیں کسل
دل کی لطافت عجیب ہے کہ ایک منگی خاک سے	اس کا چاند شیا کی طرح پراگندہ ہو جاتا ہے
ناں چو معنی بود خوردش سود بود	چونکہ صورت گشت انگیزد وجود
روٹی جب تک معنی تھی اس کا کھانا مفید تھا	چونکہ وہ صورت بن گئی (اس لئے) اکلار کا باعث بن گئی
ہمچو خار سبز کاشتری خورد	زاں خورش صدق و لذت می برد
سبز کانٹوں کی طرح جو کہ اونٹ کھاتا ہے	اس خوراک سے سینکڑوں نفع اور لذتیں حاصل کرتا ہے
چونکہ آں سبزیش رفت و خشک گشت	چوں ہمانرامی خورد اشتر بدشت
جب ان کی سبزی جاتی رہے اور خشک ہو جائیں	پھر اونٹ ان کو جگل میں چمے
می دراند کام و بخش اے دریغ	کانچناں ورد مر باگشت تیغ
اس کا تالو اور ہونٹ پھاڑ دیکھئے ہائے افسوس	کہ ایسا گلقدہ تلوار بن گیا
ناں چو معنی بود بود آں خار سبز	چونکہ صورت شد کنوں خشک ست و گبز
روٹی جب تک معنی تھی وہ سبز کاٹا تھی	جب صورت بن گئی 'خشک اور سخت ہے
تو بدال عادت کہ اورا پیش ازیں	خوردہ بودی اے وجود نازیں
تو اسی عادت سے کہ اس سے پہلے اس کو	تو نے کھایا اے نازیں وجود والے!

برہماں بومی خوری ایں خشک را	بعد ازاں کا میخت معنی باثری
اسی بو پر تو اس خشک کو کھاتا ہے	اس کے بعد جبکہ معنی مٹی میں مل گئے ہیں
گشت خاک آمیز و خشک و گوشت بر	زاں گیاہ اکنوں پر ہیزاے شتر
جو مٹی میں مل گئی اور خشک ہو گئی اور گوشت کو کاٹنے والی ہے	اے اونٹ! اب اس گھاس سے پرہیز کر

یعنی افسوس ہے کہ دو لقمے کھالئے گئے (یعنی سامع کو قصص و حکایت کی طرف توجہ ہو گئی) اس لئے کہ میرا جوش فکر افسردہ ہو گیا (کیونکہ سامع کی جانب سے جذب معانی کا نہ رہا اور سامعین کی بے توجہی سے فکر کے افسردہ ہونے کا تعجب مت سمجھو دیکھو) ایک گندم خورشید (سکنی جنت) آدم علیہ السلام کے لئے باعث کسوف بن گیا جس طرح ذنب نور بدر کا سبب خسوف ہو جاتا ہے (ذنب ایک عقدہ ہے منجملہ عقدتین کے دوسرے کا نام راس ہے اور یہ دو نقطے ہیں کہ مدار شمس و مدار قمر کے تقاطع سے پیدا ہوئے ہیں جب ایک نقطہ میں آفتاب ہوتا ہے اور دوسرے میں قمر اس وقت دونوں میں زمین حائل ہو جاتی ہے اور قمر کو خسوف ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ نورانی اور لطیف چیز ادنیٰ سبب ظلمت و کدورت سے متاثر ہو جاتی ہے یہی حال فکر کا سمجھو جو صفت ہے قلب کی پس (قلب کی بھی عجیب لطافت ہے کہ ایک مشت گل سے اس کا ماہتاب کس طرح ثریا کے مثل پراگندہ (و منتشر الاجزاء) ہو جاتا ہے (مشت گل اسی بے توجہی کو کہا ہے تشبیہاً بوجہ جامع کدورت کے یعنی بے توجہی سامع سے متکلم کا دل بٹ جاتا ہے اور بیان کافی نہیں ہوتا) نان (یعنی حکایات و امثال) جب تک (ذریعہ) معانی و علوم مقصود رہے (یعنی سامعین معانی کو مقصود بالذات سمجھتے رہے اس وقت تک اس کا کھانا (یعنی ان کا کہنا سننا) مفید تھا اور جب وہ (نان) صورت بن گئی (یعنی حکایات مقصود بن کر معانی پر مقصودیت میں غالب آ گئیں) تو اب وہ باعث جو معانی ہو گئی (جیسے احقر نے اوپر غلط فہمی کے تقریر کی ہے اور غلط فہمی جو د کا ترتب ظاہر ہے) اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے اونٹ خار سبز کو کھاتا ہے اور اس خورش سے نفع (غذائیت) ولذت حاصل کرتا ہے لیکن جب اس کی سبزی جاتی رہے اور وہ خشک ہو گیا اگر پھر وہ اس کو جنگل میں چرنے لگے تو تمام اس کے کام و لب کو چیر ڈالے اور حیرت ہے کہ وہ پہلے گلقد کے مثل (لذیذ) تھا اب وہ تلوار کا کام دینے لگا (تطبیق مثال کی یہ ہے) نان جب تک معنی رہے وہ خار سبز کے مثل ہے اور جب وہ صورت بن گئی اب وہ خار خشک اور سخت کے مثل ہو گئی) مطلب یہ کہ حکایات مشابہ خار کے ہیں اور ان کے ضمن میں جو معانی مقصودہ ہیں وہ مشابہ سبزی کے ہیں جو ضمن خار میں ہے اور معانی کا مقصود رہنا مشابہ ہے خار میں سبزی رہنے کے اور اس سے قطع نظر کر لینا مشابہ ہے سبزی جاتے رہنے کے اور جس طرح خار سبز نافع ہے اور خار خشک مضر اسی طرح حکایات بقصد معانی سننا نافع ہے اور خلوعن المعانی کی حالت میں مضر جیسا احقر نے وجہ ضرر اور پر عرض کی ہے) تم اپنی اسی عادت (سابقہ) کے موافق کہ اس سے پہلے (حالت سبزی میں) اس کو کھاتے رہے ہو اسی احتمال پر اب اس خشک کو کھانا چاہتے ہو جبکہ معنی آمیختہ بہ خاک ہو چکا ہے اور جب وہ خاک آمیز اور خشک اور گوشت کو پارہ پارہ کر دینے والا ہو گیا ہے تو اب اس گیاہ سے شتر کو پرہیز کرنا چاہیے (مطلب ظاہر ہے کہ تم پہلے ہوئے اب بھی حکایات سننا چاہتے ہو حالانکہ سابق اور حال میں یہ فرق ہو گیا ہے کہ پہلے تم کو معانی کی طرف توجہ تھی اس لئے حکایات نافع تھیں اور اب توجہ نہیں رہی اس لئے مضر ہو گئی اور اس مقام کی دوسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ دو لقمہ سے مراد اپنا عود ہو بعض احکام بشریہ کی طرف کسی خاص وجہ سے خواہ زیادہ تحریر فرمانے سے طبیعت میں ملال ہو گیا ہو یا کوئی حاجت یا

عارض پیش آ گیا ہو کیونکہ کالمین کو بھی ان امور سے قبض ہو جاتا ہے گو عوام کے قبض سے ممتاز ہوتا ہے کہ قبض عوام نقصان عبدیت سے ہے اور ان کا کمال عبدیت سے پس تقریر یہ ہوگی کہ مجھ کو بعض عوارض موجب انقباض پیش آ گئے اور ان عوارض سے میرا قلب متاثر ہو گیا اور آمد معانی کی کم ہو گئی پس جب تک نظم مشابہ معنی پر از معانی تھی نافع تھی اب اگر لکھوں گا نری نظم ہوگی جو مضر ہے اس لئے مخاطب کو اب زبان اشتیاق سے تقاضا نظم کا بامید نفع جس کا خوگر ہو رہا ہے نہ چاہیے چندے التواء و امہال ضروری ہے اور یہ توجیہ میرے ذوق میں راجح ہے لیکن چونکہ شروع تحریر میں مرجوح معلوم ہوئی اس لئے ذکر میں مؤخر ہو گئی واللہ اعلم باسرار عبادہ۔

سخت خاک آلودہ می آید سخن	آب تیرہ شد سرچہ بند کن
بات بہت خاک آلودہ لگتی ہے	پانی گدلا ہو گیا کنوئیں کا منہ بند کر دے
تا خدائیش باز صاف و خوش کند	او کہ تیرہ کرد ہم صافش کند
جب تک خدا اس کو پھر اچھا اور صاف کرے	جس نے اس کو گدلا کیا ہے اس کو صاف بھی کر دے گا
صبر آرد آرزو رانے شتاب	صبر کن واللہ اعلم بالصواب
صبر آرزو پوری کرتا ہے نہ کہ جلد بازی	صبر کر اور خدا بہتر جانتا ہے

(اس میں خطاب ہے اپنے نفس کو بطور تفریح کے مابل پر یعنی جس طرح کنوئیں سے پانی نکالتے نکالتے گدلا آنے لگتا ہے اس طرح) اب کلام بہت خاک آلودہ نکلنے لگا اور پانی بالکل میلا ہو گیا اب کنوئیں کا منہ بند کر دو تا کہ حق تعالیٰ اس کو صاف اور خوش رنگ و خوش مزہ کر دیں وہی خالق ہیں تیرگی کے اور وہی صاف کر دیں گے (چاہے مراد قلب اور آب سے مراد کلام یعنی قلب سے بہت مضامین نکلے اب خواہ اپنے انقباض سے یا سامع کے انقباض سے قلب میں وہ نشاط نہ رہا جو موجب صفاء سخن ہے اس لئے سکوت مناسب ہے تاکہ یہ انقباض بعد چندے مبدل بہ نشاط و انبساط ہو جائے واللہ یقبض و یسبط اور چونکہ باوجود انقباض کے بعض اوقات مصلحتاً افادہ و استفادہ پر نظر ہونے سے تقاضائے تکلم ہوتا ہے اس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں کہ) آرزو صبر سے خوب پوری ہوتی ہے عجلت سے نہیں ہوتی اس لئے صبر ہی کرنا چاہیے (یعنی آرزو افادہ و استفادہ کی محمود ہے مگر تعجیل میں یہ نا تمام رہے گی بوجہ آمد نہ ہونے مضامین کے اور صبر تانی سے معانی کی آمد ہونے لگے گی اس سے افادہ و استفادہ خوب ہو گا) واللہ اعلم بالصواب (عجب نہیں یہ دلیل ہو محمودیت صبر کی یعنی حق تعالیٰ تو امر صواب کو خوب جانتے ہیں اور انہوں نے صبر کا امر اور اس کا نافع و مشر ہونا فرمایا ہے معلوم ہوا کہ امر صواب یہی ہے کما قال اللہ تعالیٰ یا ایہا الذین آمنوا صبروا و صابروا اور ابطوا و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون)

ف: اس مقام میں اشارہ ہے اس طرف کہ عارف کو بحکم وقت کلام کرنا چاہیے جب طبیعت اپنی اور سامعین کی حاضر ہو اور علوم و معارف کی آمد ہو اور اس میں اعتدال ہو کہ نہ بیان میں تکلف ہو اور نہ اتنا غلبہ ہو کہ ضبط سے خارج ہونے کا اندیشہ ہو اس وقت افادہ فرمائے چنانچہ آمد کی قلت اور بلا انضباط کثرت دونوں کا مقتضی سکوت ہونا اور پر مولانا کے کلام سے ثابت کیا گیا ہے اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض محققین کا ارشاد ہے کہ تکلم و سکوت میں نفس کی مخالفت کرنا چاہیے جب کلام کی طرف رغبت ہو اس وقت سکوت اور جب سکوت کی طرف رغبت ہو اس وقت کلام کرے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اس شخص کے لئے ہے جو ہنوز مجاہدہ میں مشغول ہے پس

یہ بھی ایک مجاہدہ ہے اور یہاں جو مذکور ہے وہ اہل مشاہدہ و کالمین کے لئے ہے فلا تعارض اور راز اس میں یہ ہے کہ محتاج مجاہدہ چونکہ ناقص ہے اس کے سکوت و تکلم دونوں میں نفسانی غرض ہوتی ہے لہذا معالجہ واجب ہو اور کامل اغراض سے مطہر ہو چکا ہے اس کا تکلم محض تربیت طالبین کے لئے منجانب اللہ ہے پس تقاضائے کلام نافع امر الہامی الہی ہوگا لہذا اس کے اتباع کے لئے کلام ضروری ہوگا اور اس کے خلاف میں الہاماً امر سکوت ہوگا لہذا اس کے امتثال کے لئے سکوت ضروری ہوگا چونکہ قلم درجہ تقلیب رب واللہ اعلم فاحقر انقرنے اپنے مرشد طبیب اللہ تراہ و جعل مقعد الصدق اوہ کی بالکل یہی شان دیکھی اکثر اوقات ایسے مسائل پوچھے گئے جو حضرت صاحب کے نزدیک سہل سے سہل تھے مگر آپ نے بے تکلف فرمادیا کہ اس وقت قلب متوجہ نہیں کسی وقت خود بیان ہو جائے گا سبحان اللہ کیا ذات مجسم حالات تھی کہ تمام اقوال و افعال و احوال آپ کے سچ عرض کرتا ہوں کہ مسائل فن کی تفسیر تھی زاد اللہ تعالیٰ فی درجاتہ و رزقنا من برکاتہ ف: مولانا نے رومی اور مرشد مخدومی کا تمہیل فی التکلم کو تحقیقی ہے لیکن اہل تحقیق کی تقلید جائز کبھی مقدمہ تحقیق ہو جاتی ہے اس لئے یہ احقر بھی طبیعت کے سست ہو جائے اور بعض دوسرے ضروری کاموں کے پیش آ جانے سے فی الحال دفتر ثانی کی شرح شروع کرنے کی ہمت نہیں کرتا اب جو کچھ اور جب کبھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو ان کے سپرد تمت بحمد اللہ الترجمة الکاملتہ للدفتر الاول من المثنوی المعنوی بوقت الاضحی من الیوم الجمعة عاشر رجب سنة الف و ثلثمائة و احدى و عشرين من ہجرة النبی فی کورة تہانہ بمعون صفہ مسجد مرشدی عمرہا اللہ تعالیٰ بالانوار والبرکات و ختم لنا بالخير والحسنات.

خاتمہ ترجمہ دفتر اول مثنوی معنوی

حامد اومصیلتاً کسی کتاب کے مقاصد کا پورا احاطہ اس وقت ہوتا ہے جب اس کے بناء تالیف اور جن امور کا تالیف کے وقت لحاظ اور التزام مرعی رہا ہے مطالعہ کتاب سے پہلے معلوم ہو جائے سو وجہ تالیف تو خطبہ میں مذکور ہو چکی ہے اور رعایات تصنیف کا علم خود مصنف کو بھی پہلے سے نہیں ہوتا عین تصنیف میں حسب ضرورت ان کا وقوع ہوتا جاتا ہے اور اسی وقت ان کی تعیین ہوتی ہے اس لئے آخر میں ان میں سے بھی بعض کو اختصار کے ساتھ ظاہر کئے دیتا ہوں مناسب ہوگا اگر ناظرین خطبہ کو اور اس خاتمہ کو کتاب سے پہلے مطالعہ فرمائیں اول تقریر ترجمہ میں بالکل قدر ضرورت پر جس پر حل مقام موقوف تھا اکتفا کیا گیا ہے نہ کسی ضروری قید یا شرط یا توضیح وغیرہ کو ترک کیا گیا کہ مطلب سمجھنے میں خلل یا غلطی رہی نہ بلا ضرورت کوئی مضمون خارجی داخل کیا گیا کہ مقصود وغیر مقصود میں خلط ہوئے اور مواقع اضافہ ضروری میں امتیاز بین الاصل والزیادة کے لئے زائد کو بین الہلا لین محصور کر دیا گیا اس طرح کہ اگر ان محصورات سے قطع نظر کی جائے تو تراجمہ رہ جائے اور وہ بھی مربوط اور سہل مگر مجمل دوم بیان مطلب میں حتی الامکان ایسی سلیس تقریر اختیار کی گئی ہے کہ جس شخص کو فن سے ذرا بھی مناسبت ہوگی اس کو مطلب یا لکل آئینہ ہو جائے گا باقی جس کو مناسبت ہی نہ ہو یا کوئی مضمون فی نفسہ دقیق و علوم عقلیہ پر موقوف ہو وہاں عام فہم کر دینا میری وسعت سے خارج تھا ایسے شخص یا ایسے مقام کے لئے کسی ماہر سے رجوع کر لینا اس صعوبت کو سہولت سے مبدل کر سکتا ہے سوم مولانا کے الفاظ مبہمہ واضح اور الفاظ غیر مصطلحہ کو مصطلح کے ساتھ تفسیر کرنے میں بہت کوشش کی گئی ہے تاکہ مانوس و معروف عنوان ان کی اجنبیت و غرابت کو جو مانع فہم ہے مرتفع کر دے۔ چہارم جہاں کسی لغت غیر مشہور یا کسی دوسرے

فن کی کسی اصطلاح غیر معروف یا کسی ترکیب مغلق کے حل کی احتیاج سمجھی ترجمہ سے پہلے اس کو لکھ دیا گیا۔ پنجم تقریر میں مضامین کا باہم ارتباط و اتساق نہایت اہتمام سے ملحوظ رکھا گیا جس سے انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت میں کہیں الجھن اور پریشانی نہ ہوگی جس جگہ سے دیکھا جائے گا امواج دریا کی طرح مضامین میں روانی نظر آئے گی۔ ششم کسی مقام پر اپنے علم و وسعت کے موافق کسی مضمون کو نہ حدود شرعیہ سے خارج ہونے دیا اور نہ دائرہ تصوف سے باہر قدم رکھنے دیا کیونکہ مولانا جیسے جامع بین الظاہر والباطن محقق عارف کے کلام میں دونوں احتمال یقیناً منافی ہیں۔ ہفتم جہاں کوئی مسئلہ محتاج تفصیل تھا یا کسی شبہ کا دفع ضروری تھا یا کوئی فائدہ مہمہ مستتب ہوتا تھا یا کسی آیت و حدیث یا خود مولانا کے دوسرے مقام کے کسی کلام یا دوسرے اکابر کے اقوال سے کسی مضمون کا تعارض دفع کرنا مقصود تھا یا اور ایسا ہی کوئی امر مہم تھا اس کو بعد تقریر اصل مضمون کے حرف ف بڑھا کر لکھ دیا گیا اور حاشیہ پر اس کا جمل عنوان تعبیری لکھ دیا اگر ان عنوانات کو جمع کر لیا جائے تو کتاب کے بڑے حصہ مضامین ضروریہ کی ایک مفید فہرست تیار ہو سکتی ہے۔ ہشتم۔ بعد فوائد جو بلا واسطہ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ سے سنے ہیں تمہیم فائدہ و زیادت اطمینان ناظرین و نیز برکت و نیز تدوین ملفوظات کے لئے مع تصریح نسبت جا بجا اضافہ کئے گئے اور واقعی یہی فوائد و فصول جو درحقیقت فن کے قواعد و اصول ہیں اس نادان ناکارہ کے سرمایہ جرأت ہیں اس ترجمہ پر ورنہ بڑا تابد کو در ایک برگ کا ہنم اس تالیف میں نہ کسی محشی و شارح کا اتباع تقلیدی اور اعتماد جامد کیا گیا ہے اور نہ کسی کے خلاف یا رد و قدح کا قصد کیا گیا ہے البتہ کسی ضروری تنبیہ سے کسی پر رد لازم آ گیا ہو تو مجبوری ہے۔ دہم مولانا کے کلام میں جو روایات و احادیث مذکور ہیں ان میں جو میری نظر سے نہیں گزرے اپنی لاعلمی کی تصریح کر دی اور جہاں اثبات یا نفیاً تحقیق تھی اس کی بھی تصریح کر دی ہے مگر عدم ثبوت یا ثبوت عدم کے مواقع میں بھی حتی الوسع اس مضمون کو دوسرے دلیل ثابت سے مؤید کر دیا اور بعض احادیث احقر کے کلام میں آئی ہیں مگر ہر جگہ تخریج تلاش کرنے کا تعب مجھ سے نہ اٹھ سکا لیکن جو حدیث خوب یاد تھی وہی لایا ہوں پس جس حدیث کی نسبت کچھ تعرض نہ پایا جائے اس کو میری یاد کی رو سے صحیح اور ثابت سمجھا جائے و ہذا آخر ما اردت ایرادہ ہہنا۔

غرض یہ مجموعہ بہیئت موجودہ بفضلہ تعالیٰ اکثر مہمات مسائل سلوک و حقائق کا جامع اور بہت اغلاط و شبہات کا دافع ہے اللہ تعالیٰ اس کو بے علموں کے لئے آلہ علم اور اہل علم کے لئے محرک طلب اور اہل طلب کے لئے موجب ازدیاد بصیرت و طمانیت فرمائیں و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد رقم بالغد من یوم ختم ترجمہ۔

فقط کتبہ محمد اشرف علی حنفی چشتی تھانوی

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ جہاں مثنوی شریف کی یہ مبارک شرح لکھی گئی



مثنوی کے بارے میں ارشادات اکابر

یہ مثنوی حضرت تبریزی رحمہ اللہ کے سینے کی آگ ہے جو
 حضرت رومی رحمہ اللہ کی زبان سے مثل آتش فشاں برآمد ہوئی۔
 حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد
 تین کتابیں انوکھی
 قرآن شریف۔ بخاری شریف۔ مثنوی شریف
 حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کا ارشاد
 بعض مذاق کیلئے مثنوی بمنزل ذکر اللہ ہے
 حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ کا ارشاد
 مثنوی سینے میں عشق خداوندی کی آگ لگا دیتی ہے۔

تسهیل

بیان القرآن

تسهیل از
 علامہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی
 رحمہ اللہ

تالیفات اشرفیہ
 دارالافتاء اشرفیہ

پہلی بار مکمل تفسیر بیان القرآن تسہیل شدہ کی طباعت
 شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے قلم سے
 آسان اور جدید انداز سے کمپیوٹر ایڈیشن ہر فائدہ
 کے ساتھ ساتھ تفسیر جس سے تفسیر کا پڑھنا اور سمجھنا
 آسان ہو گیا ہے